أُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

مقالاتِ راشدیہ

جلد دہم

www.KitaboSunnat.com

از قلم شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ
ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ
اعداد الشیخ افتخار احمد تاج الدین الازہری حفظہ اللہ

قبض اليدين بعد الركوع

- وضع اليدين فى القيام بعد الركوع
- القنوط واليأس لأهل الإرسال من نيل الآمانى وحصول الآمالى
إسكات الجزوع فى جواب رسالة مابعد الركوع وتاييد اتمام الخشوع
- الدليل التامُّ على أنَّ سنة المصلى الوضع كلما قام
- الإعلام بجواب رفع الإبهام وتاييد الدليل التام
- زيادة الخشوع بوضع اليدين فى القيام بعد الركوع
- التحقيق المقطوع فى اثبات وضع اليدين على الشمال بعد الركوع
- هدية البديع إلىٰ أخيه الكريم الرفيع فى ثبوت الوضع بعد الركوع من الحبيب الشفيع

مکتبۃ الراشدیۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

کتاب نمبر
مکتبہ دار العلوم المحمدیہ
ریلوے لوکو ورکشاپ مغل پورہ لاہور

www.KitaboSunnat.com

مقالاتِ راشدیہ

جلد دوم

شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام کتاب

مقالاتِ راشدیہ

جلد دوم

ازقلم

ازقلم شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

ترجمہ: الشیخ افتخار احمد تاج الدین الازہری حفظہ اللہ

بااہتمام

حافظ ثناء اللہ خاں (بیرانی)

تاریخ اشاعت

دسمبر 2014ء

مطبوعہ

علی آصف پرنٹرز

المکتبۃ الراشدیۃ

نیو سعید آباد، میرپور خاص (سندھ)

ڈسٹری بیوٹر

نعمانی کتب خانہ

لاہور

www.Kitab

COPY RIGHT

All rights reserved

For Author & Translator

No part of this publication may be translated, reproduced, distributed in any form or by any means or stored in a data base retrieval system, without the prior written permission of the publisher.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

مقالاتِ راشدیہ

جلد دہم

از قلم شیخ العرب والعجم فضیلۃ الشیخ

ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ

اعداد الشیخ افتخار احمد تاج الدین الازہری حفظہ اللہ

ناشر: المکتبۃ الراشدیۃ میرپور خاص (سندھ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے

جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست

المقالة الاولى وضع اليدين في القيام بعد الركوع 15

المقالة الثانية

عجالہ عجاب یعنی رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا

- دلیل اول 29
- دلیل دوم 32
- دلیل سوم 32
- دلیل چہارم 34
- دلیل پنجم 34
- دلیل ششم 35
- دلیل ہفتم 35
- ائمہ دین سے ثبوت 36
- فقہ حنبلی سے ثبوت 36
- دیگر ائمہ سے ثبوت 36
- فقہ حنفی سے ثبوت 37

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- محدثین سے ثبوت 38
- رکوع کے بعد ارسال کرنے والوں کے عذر 39

المقالة الثالثة

القنوط واليأس لاهل الارسال من نيل الأماني وحصول الآمالي

- کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں 71
- تصویر کا دوسرا رُخ 90

المقالة الرابعة

إسْكاتُ الجزوع في جواب رسَالة "مَا بعْد الركوع" وتَاييْد اتمام الخشُوع

- مطلق کو مقید پر محمول کرنا 125
- الحديث يفسر بعضه بعضا 125
- تعامل امت 125
- وضع قراءۃ سے مختص ہے 126
- قیام وقومہ 126
- "اذا كان قائما" 126
- دلیل نہم پر لکھتے ہیں کہ قیاس ہے 131
- دلیل دہم اس قیام ثانی کو قیام اول کہتے ہیں 131
- آخری گذارش 136

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة الخامسة

اَلدَّلِيْلِ التَّامُّ علىٰ اَنّ سُنّةَ المُصلّى الوضعُ كلّما قَامَ

پیش لفظ 139

المقالة السادسة

الاعلام بجواب رفع الابہام و تایید الدلیل التام

اصل مسئلہ 175

المقالة السابعة قیام بعد الرکوع میں ہاتھ باندھنا 221

المقالة الثامنة تواتر عملی یا حیلۂ جدلی 313

رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والوں سے ایک فیصلہ کن سوال 315

خلاصہ 315

غلط فہمی 316

ازالہ 316

سوال 317

سنتوں کا ترک 329

سنتیں ترک کرانے کی کوشش 330

المقالة التاسعة

زيادة الخشوع بوضع اليدين في القيام بعد الركوع

الدلیل الاول 338

الدلیل الثانی 344

والدلیل الثالث 345

والدلیل الرابع 345

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- والدلیل الخامس........ 345
- والدلیل السادس........ 346
- اعذار المنکرین للوضع والکلام علیها........ 349

المقالة العاشرة

التحقیق المقطوع فی اثبات وضع الیدین علی الشمال بعد الرکوع

- الباب الثانی فی ثبوت وضع الیمنی علی الشمال بعد الرکوع من الدلیل المسموع. 384

المقالة احدی عشرة
فتاویٰ فی مسئلة الوضع........ 435

☆......☆......☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”ارسال الیدین اور قبض الیدین بعد الرکوع پر علماء اہل حدیث کی کتب اور ان کا تعارف

الحمد لله رب العالمين حمداً كثيرا مباركاً فيه، والصلاة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين، أما بعد!

علماء اہل حدیث نبی آخر الزمان ﷺ کے حقیقی وارث ہیں جن کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ ہے حدیث رسول ﷺ کی خدمت اور عوام الناس تک صحیح حدیث پہنچانا اور عمل کرنا اور کروانا اس لیے وہ ہر مسئلہ میں صحیح دلیل کو تلاش کر کے اس کو ترجیح دیتے ہیں اور جب صحیح اور واضح حدیث مل جائے تو پھر:

۱: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۷)

۲: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ٦٥)

پھر ان آیات کے تحت فوراً اپنے سر کو خم کر لیتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

البتہ اگر کسی مسئلہ میں صریح نص موجود نہ ہو تو پھر ان کی حتیٰ الامکان یہ کوشش رہتی ہے کہ کسی صحابی کا عمل اور تواتر سے کوئی اقرب الی الصواب دلیل مل جائے تو اس پر عمل کرتے ہیں اس طرح کہ مختلف فیہ کسی مسائل میں انھی مسائل میں سے ایک مسئلہ ”ارسال الیدین اور قبض الیدین بعد الرکوع“ کا ہے۔

دونوں فریق کے پاس قطعی اور صریح نص نہ ہونے کی وجہ سے یہ نزاع اور اختلاف کافی طویل ہو گیا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض نو وارد علماء کرام کا مؤقف ہے کہ یہ سندھ کے عالم سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کا اختراع کردہ مسئلہ ہے حالانکہ ان کو لکھنے اور بولنے سے پہلے سوچنا چاہیے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تیسری صدی کے عظیم امام ہیں ان سے جب اس مسئلہ میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:

"اِنْ شَاءَ أَرْسَلَ يَدَيْهِ بَعْدُ الرَّفْعِ مِنَ الرُّكُوْعِ وَاِنْ شَاءَ وَضَعُهُمَا"

''اگر اس کی مرضی ہو تو بعد از رکوع ہاتھ چھوڑ دے یا مرضی ہو تو دونوں ہاتھ باندھ لے۔''

(ماخوذ ''مسائل صالح بن احمد بن حنبل ص ۹۰ صفة الصلاة)

اس طرح معلوم چلا کہ یہ مسئلہ کسی راشدی خاندان کی اختراع نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ قدیم ہے اور یہ مسئلہ عربوں میں کافی مبحوث فیہ ہے جیسا کہ محترم حضرت العلام حافظ عبد اللہ صاحب محدث روپڑی المتوفی (۱۳۸۴) نے اپنے رسالہ ''ارسال الیدین بعد الرکوع'' میں صفحہ ۵۳ پر لکھا ہے کہ:

''جب میں ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں تحصیل علوم کے لیے دہلی پہنچا تو وہاں اس مسئلہ کے متعلق خاصا چرچا تھا۔''

اب نو وارد عالم دین کو سمجھنا چاہیے کہ شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ کی پیدائش کو ۱۹۲۴ء کو ہوئی۔ مسئلہ تو قدیم ہے ہاں اگر یہ کہا جائے کہ سندھ کے اندر اس مختلف فیہ کو احیاء کیا تو بات سمجھ میں آتی ہے تو مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اختراع اور احیاء میں فرق ہوتا ہے اور میں تو دونوں فریقین کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ دونوں کا مقصد صرف اور صرف سنت کی تلاش اور اتباع اور دونوں فریقین محبان سنت ہے اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے دونوں فریق کو ثواب اور اجر ملے گا۔

اس مختلف فیہ مسئلہ میں علماء اہل حدیث کی تین درجن سے زیادہ تصانیف سامنے آئی میں سب کا تعارف اور وجہ تصنیف ذکر کرتا ہوں، میں ان تصانیف کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں:

1. قبض الیدین پر لکھی گئی کتب اور ان کا تعارف۔
2. ارسال الیدین پر لکھی گئی کتب اور ان کا تعارف۔

قبض الیدین بعد الرکوع پر علماء اہل حدیث کی کتب:

◆ ① **اتمام الخشوع بوضع اليمين على الشمال بعد الركوع:**......سب سے پہلے برصغیر میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کی سنت کا احیاء مولانا قاضی یوسف حسین صاحب رحمہ اللہ ساکن قصبہ خان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پور تحصیل ہری پور ہزارہ نے یہ رسالہ دہلی منتقل ہونے کے بعد ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء میں تصنیف فرمایا جس میں انھوں نے احادیث کے ساتھ قبض الیدین بعد الرکوع کو ثابت کیا یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اور اس کا ترجمہ بھی طبع ہوکر عوام الناس سے شرف پذیرائی حاصل کر چکا ہے۔

◆ **زیادة الخشوع بوضع الیدین فی القیام بعد الرکوع:**...... یہ کتاب فضیلۃ الشیخ سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی ہے اور پاکستان کے اندر ایسی کتاب کے ذریعہ اس سنت کا احیاء کیا۔ اس کتاب نے برصغیر میں تہلکہ مچادیا اور کئی علماء اہل حدیث نے اس کا جواب تحریر کیا لیکن شاہ صاحب نے تمام کا ردّ پیش کیا۔ سب سے پہلے اس کتاب کا جواب مبلغ اہل حدیث مولانا عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ نے بنام "**ما یجوز فی القیام بعد الرکوع وضع الیدین أم ارسال الیدین**"

◆ **قیام بعد الرکوع میں ہاتھ باندھنا:**...... اس کے مصنف سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ ہیں، اس کی وجہ تصنیف یہ بنی کہ "جماعت کے عظیم محدث حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری صاحب نے ایک رسالہ بنام "رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنا" تحریر کیا تو شاہ صاحب نے اس رسالہ کا جواب "قیام بعد الرکوع میں ہاتھ باندھنا" سے دیا۔

◆ **أین یضع المصلی یدیه بعد الرفع من الرکوع:**...... یہ کتاب دنیا کے عظیم عالم دین فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "**ثلاث رسائل فی الصلاۃ**" کے اندر ایک مسئلہ کے طور پر ذکر کیا اور کہا ہے کہ احادیث کی روشنی میں قبض الیدین بعد الرکوع ہی راجح ہے ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے والوں کی کوئی شرعی دلیل کا مجھے علم نہیں۔

◆ **اسکات الجزوع فی جواب رسالہ مابعد الرکوع وتایید اتمام الخشوع:**...... اس کتاب کے مصنف فضیلۃ الشیخ سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ ہیں۔ اس کی وجہ تصنیف یہ بنی کہ "ابومحمد سلطان احمد میانوالی مدرس شعبہ تعلیم القرآن مدرسہ دارالسلام برنس روڈ کراچی نے اپنے استاد محترم حضرت علامہ مولانا سیّد اقتدار احمد صاحب سہوانی کو شاہ صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ زیادۃ الخشوع اُردو والا رسالہ پیش کیا تو محترم مولانا اقتدار حسین صاحب نے رسالہ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد فرمایا کہ یہ رسالہ اصل میں قاضی یوسف حسین صاحب کا رسالہ اتمام الخشوع ہے جسے شاہ صاحب نے بھی اُردو کا جامہ پہنا کر چند اضافات کے ساتھ شائع کیا ہے تو مولانا سلطان احمد صاحب نے علامہ اقتدار حسین کو اس کے جواب لکھنے پر مجبور کیا تو علامہ اقتدار احمد نے اس کا جواب "**مابعد الرکوع بجواب زیادۃ الخشوع**" تحریر کیا تو اس کتاب کا جواب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ''اسکات الجزدع'' کے نام سے مولانا علامہ اقتدار احمد صاحب رحمہ اللہ کا رد پیش کیا۔

◆ **هدى خير الأنام في وضع اليمنٰى على اليُسرى في القيام:** ...... یہ کتاب عرب کے ایک مشہور عالم دین فضیلۃ الشیخ سیّد بن سعد الدین بن الغباشی نے تحریر کی جس میں انھوں نے عقلی اور نقلی دلائل سے ''قبض الیدین بعد الرکوع'' کو ثابت کیا یہ رسالہ کویت سے شائع ہوا تھا۔

◆ **القنوط واليأس لأهل الإرسال من نيل الآماني وحصول الأمال:** ...... یہ کتاب سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی ہے اس کتاب میں انھوں نے برادر اکبر سیّد محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی کتاب ''**نيل الأماني وحصول الأمال بتحقيق أن الهيئة المسنونة للقيام بعد الركوع هي الارسال**'' کا جواب تحریر کیا ہے۔

◆ رسالہ عجاب یعنی رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا...... یہ رسالہ بھی سیّد بدیع الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ہے جس میں انھوں نے مختلف دلائل سے اپنے مؤقف کو ثابت کیا ہے۔

◆ ''**وضع اليدين في القيام بعد الركوع**'' ''صحیح بخاری کی ایک حدیث اور مسئلہ وضع الیدین فی القیام بعد الرکوع'': ...... اس کتاب کے بھی مصنف سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی صاحب رحمہ اللہ ہیں اس کتاب میں انھوں نے بخاری شریف کی حدیث ''**باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلوٰة**'' ''**عن سهل بن سعد الساعدي قال كان الناس يومرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلوٰة**'' والی میں لفظ ''**في الصلوٰة**'' کو لے کر بحث کی اور نماز کی حالتیں بیان کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ نمازی نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے گا چاہے وہ رکوع سے پہلے ہو یا رکوع کے بعد ہو۔

◆ ۱۰ تواتر عملی یا حیلہ جدلی: ...... اس کتاب کے مصنف بھی شاہ بدیع الدین الراشدی صاحب ہیں اس کی وجہ تصنیف یہ بنی کہ جماعت المسلمین کے امیر جناب مسعود احمد صاحب B.S.c نے اپنی کتاب ''صلوٰۃ المسلمین'' میں ''تواتر عملی'' کی دلیل کا سہارا لے کر ارسال الیدین بعد الرکوع کو ثابت کرنے کی کوشش کی تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ''تواتر عملی'' کا ٹھیک ٹھاک رد پیش کیا اور ثابت کیا کہ یہ تواتر عملی نہیں ہے بلکہ حیلہ جدلی ہے۔

◆ ۱۱ ابن باز کا فتویٰ اور رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا...... سیّد بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ کے فرزند اکبر سیّد نور اللہ شاہ الراشدی جو ایک جماعت کے اچھے عالم دین تھے۔ ان کو عربی زبان میں ملکہ تامہ حاصل تھا۔ وہ بھی رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے قائل تھے۔ انھوں نے ایک رسالہ فضیلۃ الشیخ ابن باز رحمہ اللہ کے فتویٰ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ شائع کروایا اور اس میں قبض الیدین بعد الرکوع کو ثابت کیا۔

⑫ **الدلیل التام علی أن سنة المصلی الوضع کلما قام**:......اس کتاب کے مصنف سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ ہیں اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ بنی کہ فضیلۃ الشیخ مولانا حافظ عبد اللہ صاحب روپڑی نے ایک رسالہ بنام ''ارسال الیدین'' تحریر کیا۔ اس میں روپڑی صاحب نے علامہ ہزاروی کے رسالہ ''اتمام الخشوع'' اور شاہ صاحب کے رسالہ ''زیادۃ الخشوع'' کو تختۂ مشق بنایا تو اس کے جواب میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کا جواب مذکورہ کتاب کے نام سے دیا اور کتاب میں حدیث شریف ''اِذَا کَانَ قَائِمًا فِی الصَّلٰوۃِ قبض بیمینه علی شماله'' کو بنیاد بنایا۔

⑬ **الإعلام بجواب رفع الإبهام وتأیید الدلیل التام**:...... یہ کتاب بھی شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ کی ہے۔ اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ بنی کہ شاہ صاحب کی کتاب ''الدلیل التام'' کا جواب فضیلۃ الشیخ مولانا عبد اللہ محدث روپڑی صاحب نے ''رفع الابهام فی جواب الدلیل التام'' تحریر کی اور اس کو ۱۹۶۲ء میں تنظیم اہلحدیث لاہور سے قسط وار شائع فرمایا جس کا جواب شاہ صاحب مذکورہ نام سے دیا۔

⑭ ''**هدیة البدیع إلی أخیه الکریم الرفیع فی ثبوت الوضع بعد الرکوع من الحبیب الشفیع** ...... یہ کتاب عربی میں ہے اور شاہ بدیع الدین صاحب نے اپنے بڑے بھائی سیّد محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی طرف بطور ہدیہ نما قبض الیدین بعد الرکوع ثابت کر کے ارسال کی۔

⑮ **الجواب الوقیع عن التعقب المنیع** ...... یہ کتاب بھی عربی میں ہے۔ شاہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ نے جب اپنی کتاب ''هدیة البدیع'' سیّد محب اللہ شاہ الراشدی کی طرف ارسال کی تو اس کا جواب ''التعقب المنیع علی هدیة البدیع'' کے نام سے دیا تو پھر شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ نے اس کتاب کا جواب مذکورہ بالا نام سے دیا۔

⑯ **اتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمائل بعد الرکوع**:......اس کتاب کے مصنف بھی سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ ہیں جس میں انھوں نے قبض الیدین کو بعد الرکوع ثابت کیا ہے اور یہ کتاب عربی میں ہے۔

⑰ **زیادة الخشوع بوضع الیدین فی القیام بعد الرکوع** ...... یہ کتاب بھی سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی ہے یہ اُردو میں اور کئی دفعہ شائع ہو چکی ہے اور اس کا سندھی میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

⓲ **فتح الرب الجلیل علی القیامات لمولوی المسماۃ اللہ بخش بالتکمیل ......**
اس کتاب کے مصنف ہمارے استاد محترم مولانا محمد حیات لاشاری صاحب رحمہ اللہ ہیں۔ جنھوں نے لاڑکانہ کے مشہور عالم دین مولانا اللہ بخش تونیہ صاحب کی کتاب "تکمیل الخشوع فی ارسال الیدین فی الصلاۃ بعد الرکوع" کے بعد اقتباسات کو لے کر اس کا ردّ پیش کیا ہے۔

⓳ **فتویٰ ابن باز سندھی......** یہ فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کے فتویٰ جو آپ کی کتاب "ثلاث مسائل فی الصلاۃ" میں شایع ہوا تھا۔ اس کا سندھی میں مولانا محمد عمر گھانگھڑ نے کیا جس کو محترم حاجی احمد پڑول والے نواکوٹ سے شایع کروایا۔

⓴ **فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی کا مقدمہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا......** جمعیت اہل حدیث سندھ کے حالیہ امیر فضیلۃ الشیخ پروفیسر عبداللہ ناصر حفظہ اللہ نے باقاعدہ اس مسئلے میں کوئی کتاب تصنیف تو نہیں کی لیکن سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی کی تقریباً ہر کتاب میں ان کا قبض الیدین بعد الرکوع کی حمایت میں ایک جاندار مقدمہ ضرور ملے گا انھی مقدمات میں سے ایک مقدمہ نے بہت پذیرائی پائی اور وہ مقدمہ شاہ صاحب کی کتاب "القنوط والیأس" کے شروع میں مطبوع اور جو ایک کتاب کی شکل ہے اور ۵۰ صفحات سے زائد پر مشتمل ہے۔

㉑ **ہیئۃ المصلی فی القیامین......** یہ ایک مقالہ ہے جس کو ہمارے ساتھی مولانا محمد خان محمدی صاحب نے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں آخری سال میں تحریر کیا تھا جس کے مشرف حافظ شریف صاحب تھے اور باحث نے بہت زیادہ محنت کی اور رسالہ میں ممتاز پوزیشن حاصل کی۔

ارسال الیدین بعد الرکوع پر علماء اہل حدیث کی تصانیف:

1. **ارسال الیدین بعد الرکوع ......** اس کتاب کے مصنف حضرت العلام حافظ عبداللہ محدث صاحب رحمہ اللہ المتوفی فیہ ۱۳۸۴ھ۔ وجہ تصنیف اس کی یہ بنی کہ حافظ صاحب نے جب علامہ ہزاروی کی کتاب "اتمام الخشوع" اور شاہ بدیع الدین شاہ الراشدی کی کتاب "زیادۃ الخشوع" پڑھی تو اس کے جواب حضرت العلام نے اپنی یہ کتاب تحریر فرمائی اور اس میں انھوں نے ثابت کیا ہے رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے چاہئیں۔

2. **رفع الإبہام فی جواب دلیل تام......** اس کتاب کے مصنف بھی حضرت العلام حافظ عبداللہ محدث صاحب رحمہ اللہ ہیں اور یہ کتاب انھوں نے سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی کتاب "الدلیل التام علی أنّ سنۃ المصلی الوضع کلما قام" کے ردّ میں ہفت روزہ اخبار "تنظیم اہلحدیث" ۱۹۶۶ء کے مختلف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شمارات میں مندرجہ بالا نام سے شائع ہوئی ہے۔

③ التحقیق الجلیل فی أن الإرسال بعد الرکوع فی الصلوٰۃ ھو الحق من حیث الدلیل ......اس عظیم کتاب کے مصنف سیّد محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ ہیں اور یہ کتاب ارسال الیدین بعد الرکوع کے بارے میں اہم علمی کتاب ہے اور اس موضوع پر دنیا کی سب سے ضخیم کتاب ہے اور ابھی تک کسی نے اس کتاب کا مکمل جواب تحریر نہیں کیا۔ البتہ جزیات پر تو بحث کی گئی ہوگی لیکن من حیث کل جواب میری نظر سے ابھی تک اوجھل ہے، یہ کتاب اصل میں سندھی زبان میں تھی اور ۱۹۶۹ء کو پہلی بار شائع ہوئی تھی۔ سندھی زبان میں ہونے کی وجہ سے اردو طبقہ اس سے محروم تھا پہلی بار مولانا عبدالرحمٰن ثاقب صاحب حفظہ اللہ نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور پہلی مرتبہ یہ مقالات راشدیہ کی جلد نمبر ۹ میں شائع ہوئی ہے۔

اس کتاب پر مولانا عبدالقادر روپڑی صاحب رحمہ اللہ نے اس طرح تقریظ لگائی ہے:

"مولانا محب اللہ شاہ کا رسالہ بابت ارسال الیدین بعد الرکوع سندھی زبان میں ہے۔ میں سندھی نہیں جانتا لیکن میں نے مولانا اللہ بخش صاحب مدرس مدرسہ قمبر تحصیل خاص ضلع لاڑکانہ سے اس کا کچھ حصہ سنا ماشاء اللہ دلائل قوی استدلال صحیح اور بیان شستہ ہے۔ میں مولانا محب اللہ شاہ صاحب کی تائید کرتا ہوں۔ حضرت العلام محدث روپڑی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر دو لاجواب کتابیں تصنیف فرمائی ہیں:

فقط

حافظ عبدالقادر روپڑی

لاہور

④ نیل الأمانی وحصول الأمال بتحقیق أن الھیئۃ المسنونۃ للقیام بعد الرکوع ھی الإرسال ......اس کتاب کے مصنف بھی سید محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں اپنی کتاب "التحقیق الجلیل" کا خلاصہ بہت ہی اسہل اور احسن طریقہ سے تحریر کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ رکوع کے بعد قیام میں ہاتھوں کا چھوڑنا ہی مسنون ہے۔

⑤ تائید عالم الغیب والشھادۃ الکبیر المتعال لأھل الإرسال فی تحقیق نیل الأمانی وحصول الآمال ولا یحیق القنوط والیأس الآبالمبطل المعاند او المجادل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المكابر من أهل الضلال :......اس کتاب کے مصنف بھی سیّد محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ ہے یہ دراصل سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی کتاب "**القنوط واليأس لأهل الارسال من نيل الأماني وحصول الأمال**" کا جواب ہے۔

6 **الردّ على نور الله شاه** ......اس کتاب کے مصنف بھی سیّد محب اللہ شاہ الراشدی ہے اس میں انھوں نے شاہ بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے بیٹے سیّد نور اللہ شاہ کے ایک مقدمہ کا جواب دیا ہے، جنھوں نے "**التحقيق الجليل**" پر تنقید فرمائی تھی اور تمام تنقید کا علمی محاسبہ کر کے اس کا مسکت ردّ اور حل بھی پیش فرمایا ہے۔

7 **التعقب المنيع على هدية البديع** ......اس کتاب کے مصنف بھی فضیلۃ الشیخ سیّد محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ اس میں انھوں نے اپنے برادر اصغر سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی کی کتاب "**هدية البديع الى أخيه الكريم الرفيع في ثبوت الوضع بعد الركوع من الحبيب الشفيع**" کا مکمل جواب عربی میں تحریر فرمایا ہے۔

8 **الضرب الذريع على الجواب الوقيع** ......اس کتاب کے مصنف بھی فضیلۃ الشیخ سیّد محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ ہے اس میں انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی کتاب "**الجواب الوقيع عن التعقب المنيع**" کا مکمل علمی جواب عربی عربی زبان میں تحریر فرمایا ہے۔

9 **ما يجوز في القيام بعد الركوع وضع اليدين أم ارسال اليدين**......اس کتاب کے مصنف جماعت اہل حدیث کے عظیم عالم دین پروفیسر عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ ہے اس میں انھوں نے رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے کو ثابت کیا ہے۔

10 **ما بعد الركوع بجواب زيادة الخشوع** ......اس کتاب کے مصنف جماعت کے عظیم عالم دین حضرت العلامہ مولانا سیّد اقتدار احمد صاحب سہوانی ہیں جس میں انھوں نے اپنے شاگرد رشید مولانا سلطان احمد کے ایماء پر سیّد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی کتاب "**زيادة الخشوع**" کا مکمل آپریشن کیا ہے اور کتاب کے آخر میں کئی نامور اہل حدیث علماء کرام کے فتاویٰ کو جمع کیا ہے مثلاً مولانا عبدالقہار دہلوی صاحب، مولانا عبدالقادر عارف حصاروی صاحب، حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب، مولانا محمد اسحاق روپڑی صاحب، مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ، مولانا محمد یونس صاحب پرتاب گڑھی، مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی صاحب، مولانا محمد انیس الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالجبار صاحب رحمہم اللہ اور ان تمام کا ایک ہی مؤقف ہے اور وہ ارسال الیدین بعد الرکوع۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

11 **هداية المرتاب فيما في الصلوٰة**:......اس کتاب کے مصنف پروفیسر محمد مبارک ہے اور یہ کتابچہ نما ہے جس میں انھوں نے نماز میں رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنے پر شک کرنے والوں کو ہدایت کی ہے اور قبض الیدین بعد الرکوع والوں کے تمام دلائل کا مختصر ذکر کر کے ان کی حقیقت واضح کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

12 **رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا فتنہ اور اس کا آپریشن**:......اس کتاب کے مصنف مولانا بشیر احمد حبیب صاحب ہیں جنھوں نے اپنے مؤقف کے تائید میں کافی سخت رویہ اختیار کیا ہے۔

13 **تکمیل الخشوع فی ارسال الیدین فی الصلاۃ بعد الرکوع** ......اس کتاب کے مصنف لاڑکانہ کے عظیم عالم دین مولانا اللہ بخش تونیہ صاحب ہیں۔ یہ پہلے شیخ بدیع الدین شاہ صاحب کے پاس کافی عرصہ رہے بعد میں یہ سید محب اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے ہمراہ آخر تک رہیں مولانا اللہ بخش تونیہ صاحب سیّد محب اللہ شاہ صاحب سے نہایت ہی عقیدت سے پیش آتے تھے اور ان کے مدرسہ کے مدرس بھی تھے لیکن مولانا اللہ بخش صاحب آخر عمر میں جماعت المسلمین کے ساتھ منسلک ہوگئے تھے ان کی یہ کتاب **تکمیل الخشوع** اپنے موضوع میں انتہائی مفید ہے اور مولانا صاحب نے یہ کتاب عربی اُردو اور سندھی تینوں زبانوں میں تحریر فرمائی ہے۔

14 **نصرة الخليل في توضيح التحقيق الجليل في أن الأرسال في الصلوة بعد الركوع هو الحق من حيث الدليل** ......اس کتاب کے مصنف بھی شیخ اللہ بخش تونیہ صاحب ہیں اور یہ کتاب دراصل سیّد محب اللہ شاہ صاحب کی کتاب "**التحقيق الجليل**" کو ایک نئی ترتیب دے کر اور اس میں چند ضروری اضافات کے ساتھ دوبارہ اپنے انداز میں لکھی گئی تھی۔

15 مقالہ رکوع "................" ...... یہ مولانا اللہ بخش صاحب کا ارسال الیدین پر سندھی میں ایک بہترین رسالہ ہے۔

16 "**تلخيص الجميل لنصرة الخليل**"......اس کتاب کے مصنف بھی مولانا اللہ بخش تونیہ صاحب ہیں اس کتاب میں انھوں نے اپنی ہی عربی کتاب "**نصرة الخليل**" کو سندھی زبان میں ڈھالا ہے۔

17 **ایضاح العبد الخضوع لتکمیل الخشوع** ......اس کتاب کے مصنف بھی مولانا اللہ بخش تونیہ ہیں جس میں انھوں نے اپنی ہی عربی کتاب کو عوام الناس کے کہنے پر دوبارہ سندھی زبان میں تحریر کیا۔

18 **رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا**...... جماعت اہل حدیث کی ایک عظیم شخصیت مولانا عبدالقادر عارف حصاروی رحمہ اللہ نے اپنے فتاوىٰ حصارویہ کے اندر اس موضوع پر کافی طویل اور بامقصد بحث کی ہے جس میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے ارسال الیدین بعد الرکوع کو ہی صحیح درست اور اقرب الی الحق سمجھا ہے۔

19 **هدية خير فی القيام بعد الركوع هو ارسال اليدين** ......اس کتاب کے مصنف جماعت کے گمنام محدث شیخ حافظ محمد ایوب صابر صاحب ہیں جنھوں نے اپنی اس کتاب میں ارسال الیدین بعد الرکوع کو راجح قرار دیا ہے۔

20 **الرد علی الشيخ البديع** ...... ہندوستان کے سلفی عالم دین مولانا لقمان سلفی صاحب نے محترم شیخ البانی کی کتاب ''صلاۃ النبی ﷺ'' کا اردو ترجمہ کیا اور انھوں نے اپنے مقدمہ میں اس کتاب کا ذکر کیا اور انھوں نے قبض الیدین بعد الرکوع کو بدعت قرار دیا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے علماء کرام نے اس موضوع پر خاص کتاب تو تحریر نہیں کیں لیکن اپنے فتاویٰ میں ضمناً ضرور ذکر کیا ہے اور ایک مجلس میں فیصل آباد کے عظیم عالم دین حافظ شریف صاحب ﷾ سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے اور نہ باندھنے والے دونوں کے لیے اجر ہے کیونکہ یہ اختلاف تقلید کی بنیاد پر نہیں حدیث کی بنیاد پر ہے۔

لہٰذا اب ہم سب سمجھے ہیں کہ مسئلہ کو مسئلہ رہنا چاہیے اس کو ذاتی عناد کا سبب نہیں بننا چاہیے۔ راشدی خاندان کے دونوں بزرگ ہمارے لیے عزت واحترام کے قابل ہیں۔ لہٰذا ان کے علمی مواد سے فائدہ اٹھانا چاہیے نہ کہ ان پر تنقید کرنی چاہیے ہم نے دونوں بھائیوں کے علمی مواد کو جمع کر کے دو جلدیں پیش کردی ہیں اب تحقیق کے بعد آپ کو جو اقرب الی الحق سمجھ میں آئے اس پر عمل کریں اللہ سب کو اجر دے گا۔

آخر میں اپنے تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس علمی ارمغان کو اس خوبصورت شکل میں لانے کی میری مدد کی اللہ تعالیٰ تمام ساتھیوں کو اجر عظیم عطاء فرمائیں۔ آمین یارب العالمین

والسلام

افتخار احمد تاج الدین (الازہری)
شیخ الحدیث جامعہ بحر العلوم السلفیہ
میرپور خاص
0322-281[illegible]

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة الاولی:

صحیح بخاری کی ایک حدیث اور مسئلہ

”وضع الیدین فی القیام بعد الرکوع“

صحیح بخاری: ۱/ ۱۰۲ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ میں یہ حدیث مذکور ہے۔

((عن سھل بن سعد الساعدی قال کان ناس یُومرون ان یضع الرجل الید الیمنی علی ذراعه الیسری فی الصلوة)) یعنی ”سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (زمانہ نبوی میں) لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر ایک مرد اپنا دائیاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھے۔“

فضیلۃ الشیخ سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے اس حدیث مبارکہ میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا ثابت کیا ہے اور ”فی الصلٰوۃ“ کے لفظ کو لے کر بہت علمی بحث کی ہے اور اپنے مؤقف ”قبض الیدین بعد الرکوع“ کو ثابت کیا ہے۔ (الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادى له اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله اللهم صل وسلم على نبيك و آله وصحبه وجميع اهل طاعته . امابعد!

صحيح بخاری: ۱/ ۱۰۲ باب وضع اليمنى على اليسرى فی الصلوٰة میں یہ حدیث مذکور ہے۔

((عن سهل بن سعد الساعدى قال كان ناس يُومرون ان يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى فى الصلوة))

یعنی ''سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (زمانہ نبوی میں) لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر ایک مرد اپنا دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھے۔''

اس حدیث میں لفظ "فی الصلوٰۃ" ہے یعنی نماز میں اور نماز کی چار حالتیں ہیں قیام (کھڑا ہونا) رکوع، سجدہ اور جلسہ (بیٹھنا) بظاہر اس حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی سب حالتوں میں اسی طرح یعنی دایاں ہاتھ بایاں ہاتھ پر رکھنا اور باندھنا چاہیے لیکن چونکہ تین حالتوں کے لیے الگ حکم وارد ہے چنانچہ رکوع کے لیے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے مروی ہیں۔ (ابوداؤد، دارمی بحوالہ مشکوٰۃ:۷۳) اور سجدہ کے لیے زمین پر ہاتھ رکھنے کا حکم ہے۔ (بخاری، مسلم کما فی المشکوٰۃ: ۷۶)

اور جلسہ میں گھٹنوں اور رانوں پر رکھے جائیں گے۔ (ابوداؤد: ۵۵، مشکوٰۃ: ۵۵) پس یہ تینوں حالتیں اس حکم داخل نہیں۔ صرف کھڑے ہونے کی حالتیں ہیں جن کے لیے یہ حکم ہے اور حافظ ابن حجر فتح الباری: ۲/ ۲۲۴ میں ''فی الصلوٰۃ'' کی شرح میں فرماتے ہیں ای فی حال القیام، یعنی یہ حکم کھڑے ہونے کی حالت کے لیے ہے۔ اور قیام (کھڑا ہونا) پہلی دوسری، تیسری یا چوتھی سب رکعتوں میں یہی حکم ہے اور رکوع سے قبل قیام ہو یا بعد سب کے لیے یہی حکم ہے کیونکہ لفظ عام وارد ہے۔ لہٰذا نماز میں کھڑے ہونے والے قبل الرکوع ہوں یا بعد ان کے لیے مسنون یہی ہے کہ ہاتھ باندھ لیں اور جو لوگ بعد الرکوع کے قیام میں ہاتھ کھولنے یا نہ باندھنے کے مدعی ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ ان تین حالتوں (رکوع، سجدہ اور جلسہ) کی طرح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کھڑے ہونے کی حالت کے لیے کوئی جدا اور خاص حکم حدیث سے ثابت کریں اور ایسا جدا کوئی حکم وارد نہیں ہے لہٰذا کھڑے ہونے کی سب حالتوں کا ایک ہی حکم ہے اپنی طرف سے بغیر کسی دلیل کے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کے مجموعی اور ملائے ہوئے حکم کو تقسیم یا اس میں تفریق کرنا کہ یہ حکم فلاں قیام کے لیے ہے فلاں قیام کے لیے نہیں۔ یہ جائز نہیں ہے اور بعض کا خیال ہے کہ ہاتھ کھولنے پر اجماع ہے حالانکہ یہ غلط ہے یہ مسئلہ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب کشاف القناع: ۱/۳۰۶ میں مذکور ہے اور "النکت والفوائد السنة علی مشکل المحرر لمجدد الدین ابن تیمیه: ۱/ ۶۲ (فی ذیل المحرر) اور شرح الزاد المستقنع اور کتاب الفستمی الارادات وغیرھا کا مطالعہ کرنا چاہیے اسی طرح فقہ حنفی کی مشہور کتاب بدائع الصنائع: ۱/ ۳۵۱ اور عینی شرح هدایه: ۱/ ۶۱۱ اور کبیری شرح منیة المصلی: ۳۹۳ وغیرہ کتب دیکھنی چاہیے۔

بلکہ ان کتابوں میں امام ابوحنیفہ، امام محمد ابویوسف تینوں سے ایک روایت میں رکوع کے بعد کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا حکم آیا ہے اور علامہ عبدالحئی لکھنوی سعایہ شرح وقایہ: ۲/ ۱۵۹ میں فرماتے ہیں کہ لا مضائقة فی اختیاره بعد ظهور موافقة للاصول یعنی ہمارے اماموں سے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے بارے میں جو قول منقول ہے اس کے اختیار کرنے میں کوئی حرج یا مضائقہ نہیں ہے کیونکہ وہ ہمارے اصول حنفیہ وقواعد کے مطابق ہے۔

اس طرح اور بعض کہتے ہیں کہ ارسال (لٹکانا) تواتر سے چلا آ رہا ہے حالانکہ یہ عذر بھی صحیح نہیں۔

اولاً: تواتر کا ثبوت سماع یا مشاہدہ پر موقوف ہے یہاں اس قسم کا تسلسل ثابت کرنا ممکن ہے

ثانیاً: عبارت فقہ سے واضح ہے کہ کئی اللہ تعالیٰ کے بندے رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے رہے پس تواتر کا دعویٰ غلط ہوا۔

ثالثاً: تواتر علی فی نفسہ کوئی دلیل نہیں کافر بھی تو اپنے مذہب کے لیے یہی دلیل دیتے تھے:

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ﴾ (الزخرف: ۲۳)

یعنی "ہم اپنے بڑوں کو ایک طریقہ پر چلتے دیکھتے آئے ہیں ہم بھی ان ہی کے راستے پر چلنے والے ہیں۔"

مگر ان لوگوں سے بھی اللہ تعالیٰ نے دلیل کا مطالبہ کیا۔ اس طرح ہم بھی ان سے دلیل کا مطالبہ کرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہم تو حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے صرف ہاتھ باندھنے کا ذکر پاتے ہیں اگر آپ نے کہیں کھولنے کا ذکر پایا ہے تو اس کو پیش کریں۔ اس کے بعد خواہ عمل کس طرح بھی جاری رہا ہو وہ کوئی حجت نہیں۔

بخاری: ۱/ ۷٦ میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام زہری نے ان کو روتے ہوئے دیکھ کر سبب پوچھا تو فرمانے لگے کہ: ھذہ الصلوۃ قد ضیعت یعنی نماز کے بارے میں شکایت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بھی ضائع کر دی گئی اور بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ الیس صنعتم ما صنعتم فیھا، یعنی تم لوگوں نے نماز میں بہت کچھ نہیں کیا ہے؟ مقام غور ہے کہ جب خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں ہی نماز میں تغیر وتبدل ہونے لگا تو پھر صدیوں کے بعد اب تواتر عملی کا نام لینا کہاں کی دانشمندی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قومہ ہے اور ہاتھ قیام میں باندھے جاتے ہیں، حالانکہ یہ بھی عدم علمی کی بناء پر عذر ہے کیونکہ قومہ بھی کھڑے ہونے کو کہتے ہیں یہ ایک ہی باب کے مصادر ہیں۔

لغت کی مشہور کتاب القاموس: ۴/ ۱٦۸ میں ہے قام قوما وقومة وقیاما وقامة انتصب فھو قائم، پس چار طرح اس باب کا مصدر آتا ہے اور سب کے معنی کھڑے ہونا اور چاروں کا فاعل ایک ہی ہے یعنی قائم (کھڑا ہونے والا) اور اس کی حالت کو قیام کہو یا قومہ بہر حال ترجمہ ایک ہی ہوگا یعنی کھڑا ہونا اور کھڑے ہونے کو حدیث میں قیام کہا گیا ہے، دیکھو بخاری: ۱/ ۱۰۳، مسلم: ۱/ ۱۸۱ اور المحلی لابن حزم: ٤/ ۱۳۲ میں ہے کہ کان ابو عبیدۃ یطیل القیام بعد الرکوع، اسی طرح محمد سہیل کے ابواب بھی اس پر شاہد ہیں سنن نسائی ۱/ ۱۴۲ میں ہے:

”عن علقمة بن وائل بن حجر عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ اذا کان قائما فی الصلوۃ قبض بیمینه علی شماله“

”یعنی وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نماز میں جب بھی کھڑے ہوتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ کر باندھ لیتے تھے۔“

اس روایت سے ثابت ہوا کہ نماز میں ہر کھڑے ہونے کی حالت میں سنت یہی ہے کہ ہاتھ باندھے جائیں اور رکوع کے بعد بھی کھڑا ہونا ہے نہ کہ بیٹھنا نہ سونا ہے اور کلمہ اذا (جب) عموم کے لیے آتا ہے۔

دیکھو نور الانوار: ۱۴٦ اور البرہان فی علوم القرآن للزرکشی: ۴/ ۳۰۳ اور جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۳۲۴ اور فتاویٰ ثنائیہ ۱/ ۳۶۷ وغیرہا نیز مشکوٰۃ ۱۸۴ میں بحوالہ بخاری حدیث مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوسعید بن المعلی کو پکارا تو اس نے جواب نہیں دیا کیونکہ نماز میں تھا بعد میں آپ نے اس کو سمجھایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (الانفال: ۲٤)

یعنی "کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نہیں دیا کہ اللہ کا رسول جب بھی تم کو پکارے تو اس کو جواب دو۔"

یعنی تم کو ہر حالت میں جواب دینا تھا خواہ نماز میں کیوں نہ ہو حالانکہ آیت میں نماز وغیرہ کا ذکر نہیں بلکہ کلمہ "اذا" ہے۔ یعنی اذا دعاکم (جب بھی تمہیں پکارے) اسی طرح اذا کا مفہوم عام لیا، لہٰذا یہاں بھی عام حکم ہوگا کیونکہ تخصیص کی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ سب احادیث سے سمجھا جاتا ہے مثلاً اذا کبر الامام فکبروا "جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔" واذا رکع اسکن یدیہ من رکبتیہ، "اور جب رکوع کرتے تو ہاتھوں سے گھٹنوں کو پکڑتے" اذا سجدت فضع کعبك وارفع مرفقیك، "جب تم سجدہ کرو تو ہتھیلیوں کو زمین پر رکھو اور کہنیوں کو اوپر کرو۔" اذا رفع راسہ من الرکوع قال اللھم ربنا لك الحمد الخ، "جب رکوع سے سر اٹھائے تو دعا پڑھتے" اذا جلس فی الصلوۃ وضع یدیہ علی رکبتیہ، "جب بھی نماز میں بیٹھتے تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے" وغیرہ سب روایات میں کلمہ اذا سے عموم لیتے ہیں یعنی سب تکبیریں سب رکوع سب سجدے اور سب جلسے اسی طرح اذا کان قائما فی الصلوۃ، "جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے۔"

یعنی نماز میں کھڑے ہونے کی جتنی حالتیں ہیں سب کو شامل ہے اور عام ہے نیز روایت اس مسئلہ میں نص صریح ہے کہ نماز کے اندر قائم کی سنت ہاتھ باندھنا ہے اور حدیث میں رکوع کے بعد کھڑے ہونے والے کو قائم ہی کہا گیا ہے۔

چنانچہ بخاری: ۱/ ۱۰۹ میں ہے:

ثم یقول وھو قائم ربنا لك الحمد. "جب آپ رکوع سے پیٹھ مبارک اٹھاتے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور جب قائم ہوتے ربنا لك الحمد کہتے۔"

دونوں روایتوں کو سامنے رکھنے سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا ہے کیونکہ رکوع کے بعد کھڑے ہونے والے کو قائم کہا گیا ہے اور قائم کی سنت ہاتھ باندھنا بتلائی گئی ہے۔ اب تعصب یا ہٹ دھرمی کے علاوہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی صورت میں بھی اعراض یا انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور بعضوں نے یہ سمجھا ہے کہ ہاتھ باندھنا صرف اس حالت میں ہے جب کہ قراءت موجود ہو۔

اولاً: یہ ان کی اپنی طرف سے ایجاد ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ اذا کان قائم ''جب آپ کھڑے ہوتے'' نہ کہ اذا کان قارئا ''جب آپ قراءت کر رہے ہوتے۔'' اسی طرح حدیث میں تحریف لازم آتی ہے یا اس میں قراءت کا لفظ بڑھانا پڑتا ہے اور دونوں ناجائز ہیں۔

ثانیاً: وہ خود اس قاعدہ کے خلاف عمل کرتے ہیں کیونکہ ان کو بقول ان کے قراءۃ شروع کرنے سے پہلے ثنا پڑھتے وقت ہاتھ نہیں باندھنے چاہئیں، حالانکہ تکبیر تحریمہ کہتے ہی ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور مقتدی ہونے کی صورت میں ان کو جہری نماز میں فاتحہ پڑھنے کے بعد ہاتھ کھولنے چاہئیں لیکن وہ رکوع کرنے تک ہاتھ باندھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح جنازہ کی نماز میں دوسری تکبیر کے بعد ان کو ہاتھ کھول دینے چاہئیں۔ مگر ایسا نہیں کرتے الحاصل اس قسم کی تفریق وتقسیم حدیث کے الفاظ سے ہٹ کر کی جاتی ہے لہٰذا قابل قبول نہیں۔ کئی علماء سے سنتے ہیں کہ کسی مخلوق کے سامنے بالخصوص قبر کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا جائز نہیں اس کے بابت کوئی آیت یا حدیث تو پیش نہیں کرتے لیکن یوں کہتے ہیں کہ یہ نماز کی ہیئت ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نماز میں بندہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اسی طرح کسی غیر اللہ مردہ یا زندہ کے سامنے اسی ہیئت سے کھڑا ہونا جائز نہیں بعض تو اس کو شرک تک قرار دیتے ہیں کوئی شک نہیں کہ یہ دلیل معقول و مسلم ہے لیکن اسی بناء پر ارسال (ہاتھ لٹکانا) بھی تو بقول ان کے نماز میں ہونے کا فعل ہے اور نماز کی ہیئت ہے پس اس طرح ہاتھ لٹکائے کسی مخلوق کے آگے کھڑا ہونا یا کھڑا ہو کر باتیں کرنا کیسے جائز ہوگا۔ اب یہ حضرات دو طریقوں سے ایک کو اختیار کریں یا تو مخلوق کے سامنے بھی ہاتھ باندھنے کو ناجائز نہ کہیں یا تو کسی مخلوق کے سامنے نہ ہاتھ باندھیں اور نہ کھولیں بلکہ کوئی اور طریقہ اختیار کریں جو کہ کسی طرح نماز کی ہیئت نہ بنتی ہو ؎

من نہ گریم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت ہیں و کار آساں کن

اور اگر یہ دونوں صورتیں منظور نہیں تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ دونوں قیاموں میں (رکوع سے پہلے اور بعد) ہاتھ باندھا کریں تا کہ اس چکر سے نکلیں اور کسی طرح قانون شکنی بھی نہ ہو بعض یہ کہتے ہیں چونکہ ہاتھ باندھنے کا حکم وارد نہیں لہٰذا ہاتھ کھولنے چاہئیں کیونکہ کھڑے ہونے کی اصلی حالت ہاتھ لٹکانا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہ عذر بھی تارِ عنکبوت سے زیادہ مضبوط نہیں۔

اولاً: جب کہ عموماً ہاتھ باندھنے کا حکم ہے جو کہ سب قیاموں کو شامل ہے پس یہ کہنا کہ حکم وارد نہیں صحیح نہیں ہوا۔

ثانیاً: جن حدیثوں میں آپ (ﷺ) کی نماز تفصیل وار مذکور ہے اس میں صرف پہلے سجدے کی کیفیت مذکور ہے، دوسرے کی نہیں۔

حالانکہ ایک رکعت میں دو سجدے ہیں اس کے لیے کہا جاتا ہے کہ چونکہ سجدوں کی کیفیت ایک جیسی ہے اس لیے راویوں نے پہلے سجدے کی کیفیت بیان کی ہے اسی طرح یہاں بھی ایک قیام قبل الرکوع کی کیفیت ذکر کی ان دونوں میں جو فرق تھا وہ بتلا دیا یعنی قبل الرکوع کے قیام میں قراءت اور بعد والے میں دعا پڑھتے تھے اگر ہاتھ باندھنے یا کھولنے کا فرق ہوتا تو ضرور بتلاتے بلکہ راویوں کا ایک ہی قیام کی کیفیت پر اکتفا کرنا واضح دلیل ہے کہ ان قیاموں کی کیفیت ایک ہی تھی اور دونوں کا حکم ایک ہے پس یہ عذر کرنا کہ اصلی حالت پر رہنا ہے بے سود ہے کیونکہ حکم موجود ہے ایضاً یہ بتلائیں کہ ارسال (ہاتھوں کا لٹکانا) کوئی عمل بھی ہے یا لا عمل یعنی کوئی عمل نہیں پہلی صورت میں محتاج دلیل ہے کیونکہ نماز کے سب اعمال توقیفی ہیں، یعنی اس پر موقوف ہیں کہ کسی دلیل شرعی سے اس کا ثبوت ہو اس کے بغیر نماز کے اندر کوئی داخل نہیں ہو سکتا ہے۔ دوسری صورت میں جو چیز عمل نہیں بن سکتی وہ نماز میں کیسے جائز ہوگی حالانکہ نماز خود افضل الاعمال ہے اور چونکہ وضع (ہاتھ باندھنا) عمل ہے اور حدیث میں صریحاً مذکور ہے اور علماء نے اس کو عجز اور خشوع کی دلیل بتلائی ہے پس اس کا نماز کے اندر ہونا عین اس کے مناسب ہے ؎

نہ بینی کہ پیش خداوند جاہ
ستائش کناں دست بر بر نہند

اور ارسال نماز کے لیے مناسب نہیں اور نہ اس کا ذکر کہیں حدیث میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے کی صورت میں جو مسبوق بعد میں آتا ہے اس کو پتہ نہیں لگے گا کہ امام قبل الرکوع میں یا بعد میں تا کہ قراءت کرے یا دعا پڑھے اس لیے ارسال سے فرق ہو جاتا ہے یہ بہانہ بھی کارآمد نہیں۔

اولاً: اس فرق کا حکم نہ اللہ نے دیا ہے اور نہ اس کے رسول ﷺ نے پھر کسی دوسرے کا اس طرح فرق کرنا نئی تشریع ہے، جو کسی طرح جائز نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: یہ عذر تب مانا جائے کہ مسبوق ہمیشہ اس حال میں آتا ہو اور سب نمازوں میں قراءت آہستہ پڑھی جاتی ہو بلکہ جہری نماز میں تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ سوال کسی حدیث پر مبنی نہیں بلکہ قیاسی ہے جس کا مدار ایک مفروضہ پر ہے جو قطعی اور ہمیشہ نہیں لہٰذا باطل ہو۔

ثالثاً: مسبوق کا آنا دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو جماعت کو رکوع سے سیدھے ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہوگا اور یا تو سب مقتدیوں کو بالکل سیدھے ہو جانے کے بعد اس کی نظر ان پر پڑی ہوگی صورت اول میں تو عمل بالکل ظاہر ہے کیونکہ اس نے دیکھ لیا کہ قیام دوم میں کھڑے ہو رہے ہیں اور دوسری صورت میں اگر یہ قیام بعد الرکوع ہوگا تو بھی وہ آ کر جب تک مسجد میں داخل ہوگا اور کچھ قدم چل کر صف کو پہنچے گا اور نیت باندھ اللہ اکبر کہے گا، اس اثناء میں وہ امام کی سجدہ کے لیے تکبیر سن لے گا یا مقتدیوں کو سجدہ کے لیے جھکتے دیکھ لے گا پس یہ اشباہ کا عذر لنگ اور بے سود ہے۔

اور بعض یہ عذر کرتے ہیں کہ نماز نبوی کی ترتیب میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ رکوع کے بعد سیدھے ہوتے تھے تو ہر ہڈی اپنی جگہ پر آجاتی تھی اس لیے ہاتھ لٹکانے چاہیے تاکہ کہنیاں اپنی جگہ پر آجائیں۔ یہ بھی کوئی دلیل نہیں۔

اولاً: ہاتھ باندھنے کے لیے جو صریح حکم موجود ہے اس کے مقابلہ میں یہ...... بات قابل تسلیم نہیں۔

ثانیاً: اسی طرح کا ذکر قیام قبل الرکوع کے لیے بھی وارد ہے کہ:

((کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلوة یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یکبر حتی یقر کل عظم موضعه معتدلا))

(ابوداود:۱/ ۱۵۶، بیہقی:۲/ ۷۱)

یعنی ''آپ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے مونڈھوں تک اٹھاتے پھر اللہ اکبر کہہ کر سیدھے ہوتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ پر آ کر قرار لیتی۔''

تو کیا اب یہاں بھی یہی مفہوم لیا جائے گا کہ رکوع سے پہلے بھی ہاتھ لٹکائے جائیں؟ نہیں بلکہ یہاں بدن کے سیدھے ہونے کا ذکر ہے ہاتھ لٹکانے کا نہیں۔

ثالثاً: بلکہ اس سے تو ہاتھ باندھنا ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ بعض روایات میں ہڈیوں کے بجائے عضو کا بھی ذکر ہے اور یہ بات نماز کی ہو رہی ہے اور نماز کی ہر حالت میں عضووں کا محل و موضع معلوم ہے اور پھر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوٹنے کا بھی ذکر ہے سب کی تفصیل بیان ہو چکی ہے ثابت ہوا کہ ہاتھ رکوع کی وجہ سے اپنی جگہ (جو قیام میں ان کے لیے مخصوص تھی) اس سے ہٹ گئے اور جب قیام واپس آیا تو اپنی جگہ (سینہ پر) واپس آئیں گے۔

سعودی عرب کے کئی علماء بھی اس حدیث سے ہاتھ باندھنے پر استدلال کرتے ہیں بالخصوص علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز جو کہ ان میں ممتاز حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے جو رکوع کے بعد کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے کے متعلق رسالہ لکھا ہے اس میں جو دلائل ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے الغرض رکوع کے بعد بھی قیام ہے اور اس کی سنت ہاتھ باندھنا ہی ہے اور ارسال (ہاتھ لٹکانے) کے لیے نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی عذر معقول اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنت پر عمل کرنے کی اور اس پر کاربند رہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة الثانية

رسالہ عجاب
یعنی رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا

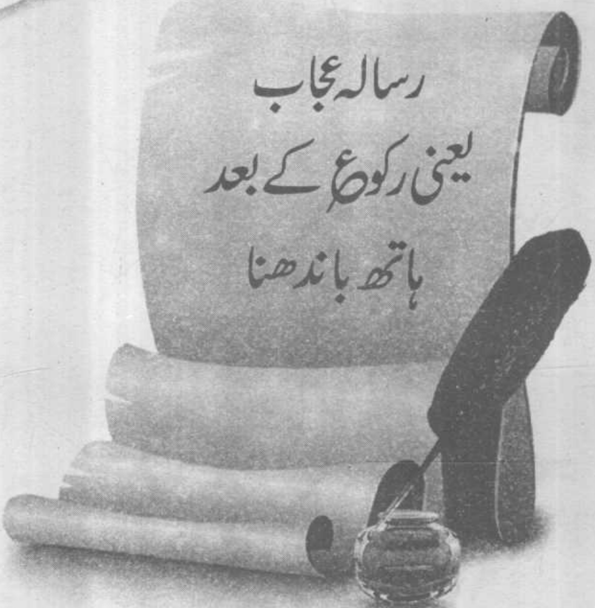

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ایک مغالطے کو دور کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ”رکوع کے بعد کھڑے ہوتے وقت ہاتھ باندھنے کا کسی حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے پہلے قبض الیدین پر سات دلائل کرنے کے بعد تمام فقہیہ مسالک سے ان کا ثبوت پیش کرتے ہوئے بتایا کہ دراصل ارسال الیدین والوں کے پاس کسی بھی حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله والسلام على عباده الذين اصطفىٰ . امابعد!

اس مختصر مقالہ میں نماز میں رکوع کے بعد کھڑا ہوتے وقت ہاتھ باندھنے کے بارے میں وضاحت کی جائے گی، کیونکہ بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہے کہ رکوع کے بعد کھڑا ہوتے وقت ہاتھ باندھنا کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں۔ اس لیے یہاں وضاحت کی جاتی ہے تاکہ طالب تحقیق کے لیے مذکورہ مسئلے کی صحیح صورتحال واضح ہو جائے۔

پیارے بھائیو! نماز میں ارسال یا ہاتھوں کو لٹکا کر کھڑے ہونے (قبل از رکوع یا بعد از رکوع) کا ثبوت کسی بھی حدیث کی کتاب میں رسول اللہ ﷺ خواہ آپ کے اصحاب میں سے کسی سے بھی نہیں ملتا۔ نیز نماز ایک عمل ہے اس میں وہ کام سرانجام دیئے ہیں، جو عمل ہونے کی حیثیت رکھتے ہوں اور ظاہر ہے کہ ارسال (ہاتھوں کو لٹکانا) کوئی عمل نہیں ہے۔ اس لیے ایسا عمل نماز میں داخل نہیں ہوسکتا اگر اس کو عمل قرار دیا بھی جائے تو بغیر ثبوت کے اس کو نماز میں داخل کرنا درست نہیں ہے کیونکہ نماز توقیفی عبادت ہے، اس لیے ثبوت کے بغیر کسی بھی عمل کو اس میں داخل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

نیز نمازی اور غیر نمازی کے کھڑے ہونے کی حالت میں یہی فرق ہے کہ اگر اس کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں تو سمجھا جائے گا کہ وہ نماز کی حالت میں ہے۔ مثلاً: کوئی بھی کسی مخلوق کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ ہیئت نماز کے مشابہ ہے اگر وہ ہاتھ کھول کر کھڑا ہوگا تو اس کو منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ہیئت نماز کی نہیں ہے۔ نیز علماء نے نماز میں ہاتھ باندھنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ ''اس طرح نماز میں ہاتھوں کو بے فائدہ حرکت سے روکا جا سکتا ہے۔''

امام نووی رحمہ اللہ شرح مسلم جلد۱ ص ۱۷۳ میں رقمطراز ہیں کہ:

((قال العلماء والحكمة فى وضع احداهما على الاخرى انه اقرب الى الخشوع ومنعهما من العبث))

''علماء نے ہاتھ باندھنے کی حکمت یہ بیان کی ہے کہ یہ کام خشوع اور عاجزی کے قریب ہے اور اس طرح نمازی اپنے ہاتھوں کو عبث کام، یعنی بے جا حرکت سے روک سکتا ہے۔''

اسی طرح علامہ زرقانی رحمہ اللہ شرح موطا جلد۱ ص ۳۲ میں رقمطراز ہیں کہ:

اس سے مراد غیر ارادی طور پر حرکت ہے کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ جب ہاتھ لٹکے ہوئے ہوتے ہیں تو سکون کے باوجود انگلیاں حرکت کرتی رہتی ہیں۔ باقی ارادی طور پر نماز میں حرکت سے تو مومن ہمیشہ اجتناب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا ہے اور اگر ہاتھ بندھے ہوئے ہوں گے تو یہ حرکت بھی نہیں رہے گی۔ پھر جبکہ یہ حالت رکوع سے پہلے والے قیام کے لیے ہی خاص نہیں بلکہ رکوع کے بعد کا قیام بھی رکن اور فرض ہے۔ اس میں طول کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ یقیناً اس قیام میں بھی ہاتھوں کی بے جا اور عبث حرکت کا امکان ہے، بلکہ عام طور پر اکثر لوگوں کو ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ علت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس قیام میں بھی ارسال (ہاتھوں کا کھولنا) درست نہیں ہے بلکہ ارسال نماز کی ہیئت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس میں اس کی اجازت ہے۔ جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

((عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلٰوةِ)) ❶

''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز میں ارسال (لٹکانے) سے منع فرمایا ہے۔''

یہاں یہ بیان نہیں ہے کہ کونسی چیز لٹکائی نہ جائے، حالانکہ عربی لغت خواہ شرعی اصطلاح میں اعضاء، بال خواہ کپڑوں وغیرہ کے لٹکانے کو ''سدل'' کہا جا سکتا ہے۔ حدیث خواہ لغت اور شروح احادیث میں سدل کے تین معانی مذکور ہیں جس طرح راقم الحروف کے عربی رسالہ "زيادة الخشوع" میں مذکور ہے۔ چونکہ مذکورہ بالا حدیث میں کسی خاص چیز کا نام نہیں لیا گیا ہے، اس لیے ان تینوں (اعضاء، بالوں اور کپڑے وغیرہ) میں سے کسی بھی چیز کو نماز میں لٹکانا ممنوع اور درست کہا جائے گا۔

الحاصل:- یہ کہ نماز میں ہاتھ لٹکانا کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔ نیز دنیا جانتی ہے کہ شیعہ نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد میں ہاتھ لٹکاتے ہیں اور ہم رکوع سے پہلے ان کی مخالفت کرتے ہیں اور رکوع کے بعد ان سے موافقت کرتے ہیں۔ تلك اذا قسمة ضيزى ۔ یہ تو فیصلہ ہی الٹا ہے۔

حالانکہ رکوع کے بعد والا قیام (کھڑا ہونا) بھی ایک رکن ہے۔ اس کا مستقل حکم اور اس کی مستقل ہیئت اور حالت ہے، اسی لیے اس میں شیعوں کی مخالفت ضروری ہے۔ نیز جس کام کا قرآن وحدیث میں ثبوت نہیں اور وہ فعل کسی غیر قوم کے کسی بھی فرقہ کا شعار ہے تو اس فعل میں ان کی مخالفت ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) ❷

''جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا وہ ان میں سے ہوگا۔''

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد۳ ص ۵۴۷ میں فرماتے ہیں کہ:

---

❶ ابوداود والترمذی، مشکاۃ: ۷۳.

❷ رواه احمد، وابوداود، مشكوٰة ص۳۷۵، الجامع الصغير للسيوطى ۲/ ۱۵۱.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''یہاں ''تشبہ'' اخلاق، اعمال اور لباس تمام کو شامل ہے۔''

پھر اس طرح شیعوں سے مشابہت نامناسب ہے کیونکہ یہ کام (ہاتھوں کو لٹکانا) قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے، بلکہ نماز میں قیام کی حالت (کھڑے ہونے کی حالت) کی مسنون ہیئت یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر باندھ کر کھڑے ہو۔ ذیل میں وہ احادیث درج کی جاتی ہیں:

دلیل اول:

((عن علقمة بن وائل عن ابيه قال رأيت رسول اللهﷺ اذا كان قائما فى الصلوٰة قبض بيمينه على شماله))❶

''علقمہ بن وائل اپنے باپ (وائل بن حجر) سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ سے پکڑ کر کھڑے ہوتے تھے۔''

اس روایت سے ثابت ہوا کہ نماز میں کھڑے ہونے کی حالت کی سنت ہاتھ باندھنا ہے کھولنا نہیں اور رکوع کے بعد بھی کھڑا ہونا ہے بیٹھنا اور سونا نہیں ہے۔ اس لیے اس وقت بھی ہاتھ باندھنا سنت ہوا نہ کہ ہاتھ کھولنا۔ کیونکہ راوی یہ نہیں کہتا کہ آپ ﷺ فلاں قیام میں ہاتھ باندھتے تھے اور فلاں قیام میں ہاتھ کھولتے تھے۔ اس قسم کی تقسیم اور تفریق ہم اپنی طرف سے نہیں کر سکتے اور نہ ہی حدیث میں ایسے الفاظ بڑھا سکتے ہیں۔ بلکہ راوی کے الفاظ میں صاف بیان ہے کہ نماز کے اندر جب بھی آپ ﷺ کے قیام کی حالت ہوتی تھی تو آپ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوتے تھے، کیونکہ حدیث میں (فى الصلوٰة) کا لفظ وارد ہے۔ جس کا معنی ہے ''نماز میں'' یعنی نماز کے اندر اور نماز الله اكبر سے شروع ہوتی ہے اور السلام عليكم، کہنے کے ساتھ ختم ہوتی ہے۔ ثابت ہوا کہ پوری نماز میں جتنی مرتبہ قیام ہوگا، اتنی ہی مرتبہ ہاتھ باندھے جائیں گے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے نماز کی صفت (کیفیت) بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

((ثم يقول سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه من الركعة ثم يقول وهو قائم ربنا لك الحمد))❷

''پھر جب رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے اور جب قائم (کھڑے) ہوتے تو ربنا لک الحمد کہتے تھے۔''

❶ سنن نسائی: ١/ ٩٠. ❷ مشکوٰۃ: ٧٦.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناظرین:- اس حدیث میں رکوع کے بعد سیدھے ہونے والے کو قائم کہا گیا ہے اور اوپر وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں قائم (کھڑے ہونے والے) کی سنت ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا بتائی گئی ہے۔ اسی طرح اس مسئلہ کے لیے صحیح اور صریح دلیل ہے جیسا کہ ان دونوں دلائل کا نتیجہ بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ رکوع کے بعد سیدھے کھڑا ہونے والے کے لیے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا سنت ہے، نہ کہ ہاتھ چھوڑنا۔ اس کی مثال صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے کہ:

((عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال کل مسکر خمر وکل خمر حرام)) ❶

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نشہ دلانے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ لانے والی شراب حرام ہے۔''

ان دونوں مقدموں کا نتیجہ ظاہر ہے کہ کل مسکر حرام یعنی ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔ امام ابن حزم ''النبذ ص ۱۰۱'' میں فرماتے ہیں کہ: ''یہ دلیل فی نفسہ نص ہے۔'' اس حدیث پر کچھ اعتراضات کیے جاتے ہیں، جن کو بمع جوابات ذکر کرتے ہیں۔

اعتراض اول: بعض کا خیال ہے کہ راوی علقمہ کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں۔

جواب اولاً: جنہوں نے اس طرح کہا ہے، انہوں نے صرف اس بنا پر کہ ان کو اس کے سماع کا ثبوت نہیں ملا۔ البتہ جن کو اس سماع کا ثبوت ملا ہے انہوں نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ چنانچہ امام بخاری (جن کی اس مسئلہ کے بارے میں سب محدثین سے شرط سخت ہے) تاریخ کبیر جلد ۴ ص ۴۱ قسم اول میں لکھتے ہیں کہ: (سمع اباہ) یعنی علقمہ نے اپنے باپ وائل سے (حدیث کو) سنا ہے۔ یعنی سماع ثابت ہے، نیز امام ترمذی اپنی سنن جلد ۱ ص ۱۶۵ میں لکھتے ہیں کہ:

((علقمة بن وائل بن حجر سمع عن ابیه))

''علقمہ نے اپنے باپ وائل سے حدیث سنی ہے۔''

ان ائمہ کا یہ دعویٰ اس بنا پر ہے کہ ان کو سماع کا ثبوت ملا ہے۔ اس لیے یہ شبہ باقی نہیں رہا کیونکہ من عرف الشیء حجة علی من لم یعرفه .

ثانیاً: خود علقمہ نے کئی احادیث میں حدثنی وغیرہ کے الفاظ استعمال کر کے اپنے باپ سے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ جس طرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۱، نسائی ج ۱ ص ۱۶۱ اور جزء رفع الیدین بخاری ص ۷ میں ایسی روایات موجود ہیں۔ پس اس قسم کے راوی کے سماع میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا جس طرح اصول حدیث

❶ مسلم مع النووی: ۲/ ۶۷ .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی کتب میں وضاحت سے بیان شدہ ہے۔

ثالثاً: صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابوعوانہ، صحیح حاکم، صحیح ضیاء المقدسی میں علقمہ کی اپنے باپ سے کئی مرویات درج ہیں۔ اس لیے ایسی روایات قابل قبول کہی جائیں گی۔ الغرض! یہ روایت بالکل صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ (پختہ اور معتبر) ہیں اور سند میں کسی ارسال یا انقطاع کا کوئی شبہ نہیں ہے۔

اعتراض دوم: بعض یہ کہتے ہیں کہ وائل رضی اللہ عنہ کی مشکوۃ وغیرہ میں موجود روایت جس میں وہ نبی ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہیں، اس میں وہ صرف رکوع سے پہلے ہاتھ باندھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد خاص وہ قیام ہے جو رکوع سے پہلے ہو۔

جواب اولاً: اس روایت میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا انکار نہیں ہے اور نہ ہی راوی یہ کہتا ہے کہ آپ ﷺ رکوع کے بعد ہاتھ نہیں باندھتے تھے۔ اس حدیث میں عموم ہے جو ہر قیام کی حالت کو شامل ہے اور عموم میں زیادہ بیان اور سب حالات کا ذکر ہے۔ اس لیے اس حکم کو خاص نہیں کہا جائے گا۔

ثانیاً: اس روایت میں جس طرح رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کی منع نہیں ہے، اسی طرح ہاتھ کھولنے کا بھی ذکر نہیں۔ اس لیے یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ نمازی کو اس رکن میں کیا کرنا ہے؟ ہاتھ باندھنے ہیں یا کھولنے ہیں۔ اس الجھن کو اس روایت کا عموم قطعی فیصلہ کے ذریعے دور کرتا ہے۔ چونکہ یہ بھی قیام (کھڑا ہونا) ہے اور نماز میں قیام کے وقت ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اس لیے اس وقت بھی ہاتھ باندھے جائیں گے کھولے نہیں جائیں گے۔

ثالثاً: خود وائل رضی اللہ عنہ دوسری حدیث میں صاف طور پر رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ دلیل ۷ میں آئے گا اس روایت میں ہاتھ کھولنے کا نہیں بلکہ باندھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ تو کیا اس اعتراض کا سہارا لے کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہاتھ باندھنا صرف قیام کے بعد، یعنی رکوع کے بعد کھڑے ہونے کے ساتھ مخصوص ہے اور رکوع سے قبل والا قیام اس میں داخل نہیں؟ حاشا و کلا

رابعاً: وائل رضی اللہ عنہ کے ایک جگہ رکوع سے پہلے ذکر کرنے اور دوسری جگہ بعد میں ذکر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سنت رکوع سے پہلے، خواہ بعد کے قیام کے تمام حالات کے لیے ہے۔

اعتراض سوم: بعض کا قول ہے کہ یہ روایت شاذ ہے، کیونکہ دوسرے راویوں سے یہ الفاظ منقول نہیں ہیں۔

جواب: شاذ کے لیے شرط ہے کہ راویوں کی روایت میں اختلاف اور تعارض ہو اور تطبیق ممکن نہ ہو۔ یہاں یہ بات نہیں ہے کیونکہ کسی بھی راوی نے اس طرح نہیں کہا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد والے قیام میں ہاتھ نہیں باندھے یا خود ارسال (ہاتھوں کو لٹکانا) کیا ہے اور نہ ہی کسی راوی نے یہ کہا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ صرف اول قیام میں ہاتھ باندھتے تھے۔ صرف یہ کہا ہے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر آپ نے ہاتھ باندھے۔ اس روایت میں رکوع سے پہلے یا بعد میں ہاتھ باندھنے یا چھوڑنے کا کوئی ذکر نہیں ہے اور اس میں عموم ہے جو تمام قیام کا ذکر ہے، یعنی آپ جب بھی کھڑے ہوتے (قیام کرتے) تو ہاتھ باندھتے تھے۔ اس لیے دونوں میں کوئی اختلاف یا منافات نہیں ہے۔ پھر اس کو شاذ کہنا درست نہیں ہے جیسا کہ اصول حدیث کے علماء سے مخفی نہیں ہے۔

دلیل دوم:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اپنی کتاب الجامع الصغیر جلد ۲ ص ۹۱ میں ایک حدیث اس طرح لائے ہیں کہ:

((كان اذا قام فی الصلوٰة قبض على شماله بيمينه (طب) عن وائل بن حجر "ح"))

"جناب رسول اللہ ﷺ جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کو رکھ کر پکڑ کر کھڑے ہوتے۔"

اس روایت کو علامہ سیوطی (ح) کا نشان دے کر حسن اور معتبر کہتے ہیں۔ اس روایت سے روز روشن کی طرح ظاہر ہوا کہ نماز میں داخل ہونے کے بعد نمازی جتنی مرتبہ کھڑا ہوگا، ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوگا اور جو لوگ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے خلاف ہیں وہ یا تو یہ کہیں کہ رکوع کے بعد کھڑا ہونا نہیں ہے (قیام نہیں ہے) یا پھر یہ ثبوت پیش کریں کہ آپ ﷺ اس قیام کے وقت (یعنی رکوع کے بعد) ہاتھ کھول دیتے تھے۔ وليس لهم الى ذلك سبيل. بحمد للہ یقیناً وہ لوگ نہ تو یہ کہہ سکیں گے کہ یہ قیام (کھڑا ہونا) نہیں ہے اور نہ ہی کوئی ایسی حدیث دکھا سکیں گے کہ آپ ﷺ نے اس وقت ارسال کیا ہے۔ لہٰذا عام حکم اپنے عموم پر رہے گا اور یہ ہاتھ باندھنے والا حکم قیام (کھڑا ہونے) کی تمام حالات پر لاگو رہے گا۔

دلیل سوم:

((عن سهل بن سعد قال كان ناس يؤمرون ان يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى فی الصلوٰة)) ❶

"سہل بن سعد سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں ہر آدمی اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے۔"

اس روایت میں امر کرنے والے خود رسول اللہ ﷺ ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں حکم کرنے والے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ:

---

❶ موطا مالك: ٥٥۔ صحيح بخاری: ١/ ١٠٢.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الانعام، یوسف)

''حکم اور امر کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔''

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں تک احکام پہنچانے والے صرف رسول اللہ ﷺ ہی تھے۔

قال اللہ تعالیٰ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ (المائدة: ٦٧)

''اے رسول! تمہارے پاس جو بھی تمہارے رب کی طرف سے حکم آیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچا دے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہاتھ باندھنے کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا ہے۔ نیز اہل اصول کے نزدیک ایسی حدیث مرفوع کا حکم رکھتی ہے جس طرح اصول حدیث کی کتب۔ مثلاً: کفایۃ للخطیب، شرح النخبہ، مقدمہ ابن صلاح، تدریب الراوی اور فتح المغیث وغیرہ میں بیان شدہ ہے۔

یہ روایت اپنے مطلب میں بالکل واضح اور صاف ہے۔ اس میں نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم ہے اور نماز کم از کم ایک رکعت کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ایک رکعت وتر احادیث میں بیان شدہ ہے۔ (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداود، ابن ماجہ، داری، احمد، دار قطنی، بیہقی اور مروزی) اور صلاۃ الخوف بھی ایک رکعت ثابت ہے۔ (ابوداود، جزء رفع الیدین بخاری) اور ہر ایک رکعت میں ایک دفعہ کھڑے ہو کر پھر رکوع کیا جاتا ہے۔ پھر نمازی کھڑا ہوتا ہے، پھر سجدہ کر کے بیٹھتا ہے، پھر دوسرا سجدہ کرتا ہے گویا کہ ہر رکعت سات ارکان کا مجموعہ ہے۔ یعنی دو قیام، دو سجدے، دو جلسے اور ایک رکوع اور مذکورہ بالا حدیث میں کسی کو خاص کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ مطلق نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم ہے۔ جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم تمام حالات کیلئے ہے، یعنی ہر رکن میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا ہوا ہو، مگر جیسا کہ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کیلئے جدا حکم وارد ہے۔ (ابوداود، دارمی، مشکوٰۃ ص ۷۲) اور جلسہ میں گھٹنوں اور رانوں پر ہاتھ رکھنے کے لیے بھی الگ حکم وارد ہے۔ (ابوداود ج ۱ ص ۱۰۵ مشکوٰۃ ۵۵) اور سجدے میں زمین پر ہاتھ رکھنے کے متعلق بھی الگ حکم وارد ہے۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۷۶) اس لیے رکوع، سجدہ اور قعدہ کی تمام کیفیات اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ باقی قیام (کھڑے ہونے) کی ہیئات رہتی ہیں، اس لیے یہ حکم ان سے منسلک کہا جائے گا اور رکوع کے بعد ہاتھوں کے لیے کسی اور قسم کا کوئی حکم وارد نہیں ہے۔ اس لیے یہ قیام بھی اسی حکم میں داخل ہوگا اور جو شخص اس کو اس حکم میں داخل نہیں سمجھتا اس پر لازم ہے کہ وہ کوئی بھی ایسی روایت پیش کرے جس میں رکوع یا سجدہ یا جلسہ کی طرح اس قیام کے بعد رکوع کے لیے ہاتھ باندھنے کے علاوہ کوئی اور حکم وارد ہو۔ ورنہ بصورت دیگر اس کو اس حکم سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

الحاصل یہ حدیث یہی تقاضا کرتی ہے کہ نماز کے اندر جب بھی کھڑے ہونے کی حالت ہوگی تو اس میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ باندھنے ہوں گے۔

دلیل چہارم:

((عن هلب رضی اللہ عنہ قال كان رسول الله ﷺ يؤمنا فياخذ شماله بيمينه)) ❶

"سیدنا ہلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری امامت کرتے تھے سو پکڑتے تھے اپنا بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ سے۔"

اوپر بیان ہوا کہ رکوع، سجدہ اور جلسہ میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھ کر باندھنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ ان حالات کے لیے ہاتھوں کے متعلق علیحدہ علیحدہ احکام بیان شدہ ہیں۔ اس لیے اس روایت میں صرف کھڑے ہونے کی تمام حالتوں میں ہاتھ باندھنا مراد ہے۔ تو کھڑا ہونا خواہ پہلی رکعت میں ہو یا دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں ہو۔ قبل از رکوع ہو یا بعد از رکوع۔ کیونکہ رکوع کے بعد بھی قیام (کھڑا ہونا) ہے۔ اس لیے کوئی اور حکم مذکور نہیں ہے۔

دلیل پنجم:

((عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال سمعت نبی ﷺ يقول انا معشر الانبياء امرنا بتعجيل فطرنا وتاخير سحورنا وان نضع ايماننا على شمائلنا فی الصلوٰة)) ❷

"سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ہم انبیاء کی جماعت کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین کاموں کا) حکم ہوا ہے کہ (۱) افطاری میں جلدی کریں۔ (۲) سحری میں دیر کریں۔ (۳) نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں۔"

یہ حکم بھی ہر قیام کی ہر حالت کے لیے ہے۔ کیونکہ یہ بات بالکل محال اور ناممکن ہے کہ ہاتھ باندھنے کا یہ حکم صرف رکوع سے پہلے کی حالت کے لیے خاص ہو اور حکم کرنے والے (یعنی اللہ تعالیٰ) نے اس طرح واضح طور پر نہیں بتایا بلکہ مطلق قیام کے وقت ہاتھ باندھنے کا حکم دیا۔ حاشا وکلا

اس لیے اللہ تعالیٰ یا اللہ کے رسول ﷺ کا مطلق حکم قیام کی تمام حالات کو شامل ہوگا۔ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم آپ کے مشترکہ حکم میں تفریق کریں یا اس کو حصوں میں تقسیم کریں۔

---

❶ ترمذی: ۱/ ۵۵۔ بیہقی: ۲/ ۲۲۹.

❷ رواہ الطبرانی فی الکبیر ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد:۲/ ۱۰۵.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللّٰهُ﴾ (الشوری: ۲۱)

''یا ان کے شریک اور معبود ہیں، جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین بنا رکھا ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔''

پھر جو حکم اللہ تعالیٰ نے مشترکہ بنا کر بھیجا ہے، اس کو قرآن وحدیث کی حجت کے سوا، حصوں میں تقسیم کرنا کہ یہ حکم رکوع سے پہلے کے لیے ہے، بعد کے لیے نہیں ہے۔ یہ تو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی اذن کے بغیر شریعت میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا ہے۔ نعوذ بالله من ذالك

دلیل ششم:

((عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال رایت النبی ﷺ حين كبر رفع يديه حذاء اذنيه ثم حين ركع ثم حين قال سمع الله لمن حمده رفع يديه ورايته ممسكا يمينه على شماله فى الصلواة)) ❶

''سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے نبی کریم ﷺ کو تکبیر تحریمہ اور رکوع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھاتے دیکھا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھتے تھے۔''

یہ روایت اس مسئلے کو صاف طور پر واضح کرتی ہے کیونکہ یہاں صحابی رسول ﷺ سے رکوع سے پہلے کی حالت میں ہاتھ باندھنا نقل نہیں کرتا، بلکہ رکوع سے پہلے خواہ بعد کی حالت میں رفع الیدین نقل کرنے کے بعد کہتا ہے: ''میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھنے والے تھے۔ جس سے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ رکوع سے پہلے، خواہ بعد کی دونوں حالتوں میں ہاتھ باندھتے تھے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ حکم پہلے قیام کے لیے خاص نہیں ہے۔

دلیل ہفتم:

((عن وائل الحضرمی رضی اللہ عنہ قال صليت خلف رسول الله ﷺ فكبر حين دخل ورفع يديه وحين اراد ان يركع رفع يديه وحين رفع راسه من الركوع رفع يديه ووضع كفيه)) ❶

''سیدنا وائل حضرمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ تو آپ ﷺ اللہ اکبر کہہ کر نماز میں داخل ہوئے اور دونوں ہاتھوں کو اوپر اٹھایا (رفع الیدین کی)

❶ مسند احمد: ۴/۳۱۶.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اسی طرح جب رکوع کا ارادہ کیا تو بھی دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب رکوع سے اپنا سر اٹھایا تب بھی اپنے ہاتھ اٹھائے اور دونوں ہاتھ رکھے (یعنی باندھے)۔"

اس حدیث میں رکوع کے بعد سیدھے ہو کر رفع الیدین کرنے کے بعد ہاتھوں کو رکھنے (یعنی باندھنے) کا بالکل وضاحت سے بیان ہے۔ اس کے بعد ائمہ دین، محدثین اور فقہائے دین سے اس کا ثبوت ذکر کیا جاتا ہے۔

ائمہ دین سے ثبوت:

یہ کہا جاتا ہے کہ چاروں ائمہ میں سے کوئی بھی رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا قائل وعامل نہیں ہے۔ یہ بات بالکل غلط اور کم کتب بینی وعدم مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ بلکہ حقیقتاً ائمہ دین سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ چاروں ائمہ میں سے آخری امام جو باقی تین ائمہ کے بعد آئے اور ان کے اقوال ودلائل کی تحقیقات کو دیکھا ان میں تدبر وغور کیا اور جو بات برحق وصواب اور دلیل کے قریب نظر آئی، اس کو اختیار کیا اور دنیا کے سامنے اس کو ظاہر (پیش کیا) اور اسلام کی خاطر قربانیاں دیں اور ہر آنے والے فتنہ کا سینہ سپر ہو کر مردانہ وار مقابلہ کیا، یعنی محدثین فقہاء کے مقبول ومسلم بزرگ جناب امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے قائل تھے۔ ❶ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ان کے فرزند صالح سوال کرتے ہیں:

((قلت کیف یضع الرجل یده بعد ما یرفع راسه من الرکوع یضع الیمنی علی الشمال ام یسدلهما؟ قال ارجوا ان لا یضیق ذلك ان شاء الله)) ❷

"میں نے (اپنے والد امام احمد بن حنبل سے) پوچھا کہ جب نمازی رکوع سے سر اٹھائے تو کیا کرے؟ دایاں ہاتھ بائیں کے اوپر باندھ کر کھڑا ہو یا دونوں ہاتھوں کو لٹکا دے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ ان میں کوئی تنگی نہیں ہے۔"

فقہ حنبلی سے ثبوت:

فقہ حنبلی کی مشہور کتب "شرح الزاد المستقنع، منتهی الارادات اور کشاف القناع" میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا ذکر موجود ہے اور آج تک بہت سے حنبلی مذہب کے علماء اس پر عامل ہیں اور رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے تھے۔

دیگر ائمہ سے ثبوت:

اسی طرح امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف القاضی، امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہم اللہ سے ثابت ہے جیسا کہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب "کبری شرح منیۃ المصلی ص ۳۱۲" میں ہے:

---

❶ کشاف القناع فی متن الاقناع۔ ❷ مسائل الامام احمد بروایة ابنه ابی الفضل صالح: ۲/ ۲۰۵.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((وذكر السيد الامام ابو الشجاع صاحب الملتقط انه ياخذ اليسرىٰ باليمنى فى تلك القومة على قولهما))

"کتاب ملتقط کے مصنف سید ابوشجاع ذکر کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور ابویوسف کے قول کے مطابق اس قیام یعنی رکوع کے بعد بھی دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ کر باندھ کر کھڑا ہونا چاہیے۔"

اسی طرح حنفی مذہب کے سرخیل عالم علامہ کاسانی جو ملک العلماء کے لقب سے مشہور ہیں، اپنی مشہور اور معتبر کتاب "بدائع الصنائع ص ۵۳۲ ج ۲" میں رقمطراز ہیں کہ:

((وكذلك روى عن ابى حنيفة ومحمد انه يضعهما كما يضع يمينه على يساره فى الصلواة)) اھ۔

"امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رکوع کے بعد بھی نمازی ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو۔"

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین (ابویوسف اور محمد) رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے قائل تھے۔

فقہ حنفی سے ثبوت:

بہت سے علماء حنفیہ بھی اس کے قائل وعامل تھے:

۱۔ ((وبه قال ابو على النسفى والحاكم عبدالرحمن الكاتب واسماعيل الزاهد)) ❶

"علماء حنفیہ (۱) ابوعلی نسفی (۲) حاکم عبدالرحمٰن (۳) اسماعیل زاہد۔ تینوں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔"

۲۔ ((وفى الجامع الاصغر عن ابى سليمة اذا رفع راسه من الركوع يطمئن قائما ويضع يده اليمنى على اليسرى حتى ينحط للسجود)) ❷

"(فقہ کی کتاب) جامع اصغر میں ہے کہ نمازی جس وقت رکوع سے سیدھا کھڑا ہو تو سکون لے اور سجدہ کی طرف متوجہ ہونے تک دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر باندھ کر کھڑے ہو۔"

۳۔ ((والصحيح جواب ظاهر الرواية لقوله ﷺ انا معشر الانبياء امرنا ان نضع ايماننا على شمائلنا فى الصلوٰة من غير فصل بين حال وحال فهو على العموم الا ما خص بدليل ولان القيام من اركان الصلوٰة والصلوٰة

❶ بنایه شرح هدایه للعینی: ۱/ ۶۱۱. ❷ بنایه للعینی ۱/ ۶۱۱۔ سعایه شرح وقایه: ۲/ ۱۵۷.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدمة الرب تعالى وتعظيم له والوضع فى التعظيم ابلغ من الارسال)) ❶

''اگرچہ ظاہر روایت میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں مگر اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کو نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم ہے (جس طرح دلیل پنجم میں گزرا) یہ حکم بالکل عام ہے، جس میں کسی خاص حالت (رکوع سے پہلے یا بعد) کی کوئی تفصیل نہیں، اس لیے حکم عام رہے گا۔ (یعنی قیام کی تمام حالات کو شامل رہے گا) اور دلیل کے سوا کوئی بھی حالت اس میں سے خاص نہیں کی جا سکتی۔ نیز قیام نماز کا رکن ہے اور نماز اللہ تعالیٰ کی خدمت اور تعظیم کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ ہاتھوں کا باندھنا کھولنے کے مقابلے میں تعظیم وادب میں بڑھ کر ہے۔''

٤۔ ((وهو مختار السيد ابو الشجاع صاحب الملتقط)) ❷

''کتاب ملتقط کے مصنف سید ابوالشجاع حنفی نے بھی رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کو اختیار کیا ہے۔''

٥۔ ((وقال الطحاوى فى حواشى الدر المختار ظاهره يعم كل قيام)) ❸

''علامہ طحطاوی حنفی درمختار کے حاشیہ پر رقمطراز ہیں کہ ہاتھ باندھنے کا حکم قیام کی تمام حالات کو شامل ہے۔''

ہندوستانی علمائے احناف کے مایہ ناز عالم علامہ عبدالحئی لکھنوی اپنی کتاب ''السعایہ شرح الوقایہ ۱/۱۵۹'' میں طویل بحث کے بعد فیصلہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

((لا مضايقة فى اختياره بعد ظهور موافقة للاصول))

''رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والے مذہب کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ اور حرج نہیں ہے کیونکہ یہ ہمارے اصول کے موافق ہے۔'' ❹

جب ائمہ وفقہاء سے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا ثابت ہے تو پھر یہ اعتراض کرنا کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں، یہ بالکل غلط اور غیر صحیح ہے۔

محدثین سے ثبوت:

متقدمین میں سے کسی بھی محدث سے قولاً خواہ فعلاً رکوع کے بعد ارسال (ہاتھوں کا کھولنا یا لٹکانا) ثابت نہیں ہے۔ مثلاً امام شافعی، امام مالک، اوزاعی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد، ابوثور، ابراہیم

---

❶ بدائع الصنائع: ٢/ ٥٣٣. ❷ كبيرى منية المصلى: ١/ ٥٩.

❹ سعاية: ٢/ ١٥٩.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نخعی، اسحاق بن راہویہ مغیرہ، عطاء، حمیدی، ابن المدینی، امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، داری، محمد بن نصر مروزی، ابن خزیمہ، ابن تیمیہ، نووی، ابن حجر اور شوکانی ﷭ وغیرہم میں سے کسی نے بھی اس طرح نہیں لکھا کہ رکوع کے بعد ہاتھ نہیں باندھنے چاہئیں یا ہاتھ کھول دینے چاہئیں، بلکہ جس نے بھی لکھا ہے اس نے مطلقاً کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے کے متعلق ہی لکھا ہے۔ بلکہ امام احمد بن حنبل جو کبار محدثین اور ائمہ اہل حدیث میں سے تھے۔ ❶ ان سے تو ثبوت ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور امام ابن حزم اندلسی کتاب "المحلی ۲/ ۱۱۲" میں رقمطراز ہیں کہ:

((ونستحب ان یضع المصلی یده الیمنی علی رکوع یده الیسری فی الصلوٰة فی وقوفه کله))

''نمازی اپنے نماز کے قیام کے تمام حالات میں اس طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو کہ اس کا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اوپر رکھا ہوا ہونا چاہیے۔''

رکوع کے بعد ارسال کرنے والوں کے عذر:

عذر اول: بعض کہتے ہیں کہ اگر رکوع کے بعد ہاتھ باندھے ہوئے ہوں گے تو کوئی مسبوق نماز کے درمیان آ کر ملے اور اس کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ رکوع سے پہلے والا قیام ہے تو اس لیے وہ سورۃ الحمد پڑھے یا بعد والا ہے تو وہ دعا پڑھے۔

جواب: یہ عذر غلط ہے۔

اولاً: یہ عذر اس وقت مانا جائے گا جب مسبوق ہمیشہ اسی حالت میں رہے اور قراءت تمام نمازوں میں آہستہ پڑھی جائے اور ظاہر ہے کہ جہری نماز میں اس قسم کا شبہ آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ثانیاً: اس قسم کے شبہ آنے کا قطعاً کوئی امکان نہیں ہے، کیونکہ اگر امام اور جماعتی رکوع سے کھڑے ہوں گے تو جو شخص مسجد کی طرف نماز کے لیے جا رہا ہوگا، وہ یا تو نمازیوں کو رکوع سے اٹھتے ہوئے دیکھے گا یا اگر وہ پہلے سے رکوع سے اٹھے ہوئے ہوں گے تو جب تک مسجد کے دروازے تک پہنچے اور چند قدم آگے بڑھ کر صف سے جا کر ملے اور اللہ اکبر کہہ کر نماز میں داخل ہو، اس وقت تک امام اور جماعتی سجدے میں جا چکے ہوں گے، اس لیے یہ عذر درست نہیں ہے۔

ثالثاً: اگر فرضاً و تقدیراً مسبوق کو ایسا شبہ ہو بھی جائے تو بھی اس کے لیے شبہ سے نکلنے کا آسان راستہ یہ ہے کہ وہ سورۃ الحمد پڑھے۔ کیونکہ اگر رکوع سے پہلے ہوگا تو اس کا پڑھنا باموقعہ و محل ہوگا، اور اس کی یہ

❶ منهاج السنه لابن تیمیه: ٤/ ١٤٣ـ مختصر طبقات الحنابله ص: ٨.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکعت ضائع ہونے سے بچ جائے گی اور اگر رکوع کے بعد ہوگا تو سورۃ الحمد اس کی اس دعا (جو رکوع کے بعد پڑھی جاتی ہے) کے عوض کافی ہوسکتی ہے۔ جس طرح حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ:

((ام القرآن عوض عن غیرھا ولیس غیرھا منھا عوض)) [1]

''سورۃ الحمد شریف دوسری ہر چیز کی بدل ہوسکتی اور دوسری کوئی چیز (قراءت یا دعا) اس کا عوض یا بدل نہیں ہوسکتی۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اس وقت اس نے دعا کے عوض سورۃ الحمد پڑھی تو بھی کافی ہوگا اور رکوع کے بعد قرآن پڑھنے کی کوئی ممانعت نہیں آئی ہے۔

الغرض! اس طرح کی بہانہ بازی سے رسول اللہ ﷺ کے عام حکم کو جو قیام کے تمام حالات کو شامل ہے، ایک حالت سے خاص کرنا تحقیق و انصاف کے خلاف ہے۔

رابعاً: دلیل ۶ اور ۷ سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کے بعد بھی ہاتھ باندھتے تھے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مسبوق کو ہرگز ایسا شبہ نہیں پڑ سکتا، ورنہ احادیث میں ضرور ایسا بیان آتا کہ فلاں فلاں صحابی کو شبہ پڑا۔ جب اس قسم کا کوئی ذکر ہی نہیں تو خواہ مخواہ اس طرح کے شبہ کا گمان کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہم نے تو نہیں سنا کہ کبھی کسی کو اس طرح کا شبہ پیدا ہوا ہو۔

خامساً: صرف شبہ یا اس طرح کے شک کے امکان کی بنا پر اصل مسئلہ کو رد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ شبہ کے امکان کی صورت میں اس کا حل تلاش کیا جاتا ہے اور بالفرض اگر اس قسم کا شبہ پیش آئے بھی تو اس کا حل موجود ہے جو جواب نمبر ۳ میں گزرا۔

الغرض! اس قسم کے عذروں سے مطلق حکم میں ترمیم یا تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

عذر دوم: بعض کہتے ہیں کہ نبوی نماز کی ترتیب میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ رکوع سے سیدھے ہوتے تھے تو ہر ایک ہڈی اپنے جوڑ کی طرف لوٹ آتی تھی۔ اس لیے ہاتھ کھولنے چاہئیں تا کہ کہنیاں اپنی اصل حالت میں واپس آ جائیں۔

جواب: اولاً: یہاں یہ مراد نہیں ہے کیونکہ نماز میں ہر ایک عضو اور ہڈی کی جگہ متعین ہے۔ اس لیے رکوع کے بعد بھی کھڑا ہونا ہے۔ اس کے لیے اس وقت بھی جو کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھوں کی جگہ ہوگی، اسی جگہ لوٹ کر آئیں گے۔

ثانیاً: یہ ذکر ابو حمید ساعدی کی روایت میں ہے۔ اس روایت میں یہی الفاظ رکوع سے پہلے والی

---

[1] مستدرك حاكم: ۱/ ۲۳۸.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالت کے لیے بھی آئے ہیں، جیسا کہ ابو حمید کی روایت میں ہے کہ:

((كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوٰة يرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه ثم كبر حتى يقر كل عظم فى موضعه معتدلا)) ❶

”رسول اللہ ﷺ جب بھی نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں تک اٹھاتے تھے۔ پھر اللہ اکبر کہہ کر سیدھے ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ ہر ایک ہڈی اپنی جگہ پر قرار پکڑتی تھی۔“

پھر اگر ہڈیوں کا اپنے جوڑوں پر آنے سے مراد ہاتھوں کا چھوڑنا یعنی ارسال کرنا ہے تو پھر یہاں بھی یہی مطلب ہوگا کہ نماز شروع کرنے کے بعد رکوع سے پہلے بھی ہاتھ لٹکائے جائیں۔ حالانکہ اس کے تو وہ لوگ بھی قائل نہیں ہیں۔ وہ اس روایت سے رکوع کے بعد ہاتھ کھولنے کی دلیل لیتے ہیں۔ تو آدھی روایت پر عمل اور آدھی روایت کا انکار، کیسے درست ہوگا۔

ثانیاً: اسی روایت میں پہلے سجدہ سے اٹھ کر بیٹھنے کے وقت بھی یہی الفاظ مذکور ہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا کتب میں اس روایت میں بیان شدہ ہے کہ:

((ويفتح اصابع رجليه اذا سجد ثم يسجد ثم يقول الله اكبر ويرفع ويثنى رجله اليسرى فيقعد عليها حتى يرجع كل عظم الى موضعه))

”آپ ﷺ جب سجدہ کرتے تھے تو پاؤں کی انگلیوں کو کھلا رکھتے تھے، پھر اللہ اکبر کہتے اور سر اٹھاتے اور بائیں پاؤں کو ٹیڑھا کر کے اس پر بیٹھتے یہاں تک کہ ہر ہڈی حالت اعتدال میں اپنی جگہ آجاتی۔“

اب اگر ہڈیوں کا اپنے جوڑوں پر قرار پکڑنے سے مراد ہاتھوں کا لٹکانا ہے تو پھر کہا جائے گا دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت بھی ہاتھوں کو لٹکایا جائے۔ حالانکہ اس وقت ہاتھوں کو گھٹنوں اور رانوں پر رکھا جاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اس کا یہ مطلب ہی نہیں۔

رابعاً: بلکہ اس کے برعکس اس روایت سے ہاتھ باندھنا ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ رکوع سے پہلے کھڑے ہونے کے وقت ہاتھ بندھے ہوئے سینے پر رکھے ہوئے تھے اور رکوع کی وجہ سے وہاں سے گھٹنوں پر آتے ہیں، جیسا کہ رکوع سے سیدھا ہونے کے بعد پھر قیام کی حالت ہوتی ہے۔ اس لیے ہاتھ اپنی پہلی حالت (رکوع سے پہلے والی) پر لوٹ کر آئیں گے۔ یعنی اس طرح رکھے اور باندھے جائیں گے۔

نیز ہاتھوں کے لوٹانے سے ہی ظاہر ہے کہ رکوع سے پہلے قیام میں ہاتھ کس جگہ پر تھے اور رکوع کی وجہ

---

❶ ابو داؤد: ١/ ١٠٦۔ بیهقی: ٢/ ٧٢.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے وہاں سے ہٹ کر گھٹنوں پر پہنچے۔ پھر جب قیام ہوا تو اپنی جگہ پر لوٹ کر آئیں گے۔

عذر سوم: بعض کہتے ہیں کہ رکوع کے بعد والے قیام میں قراءت نہیں ہے، اس لیے ہاتھ باندھنے نہیں چاہئیں۔

جواب: ہاتھ باندھنا قیام کی حالت میں سنت ہے اور قراءت کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، کیونکہ دلیل اول میں "کان قائما" کے لفظ ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کھڑے ہوتے وقت ہاتھ باندھتے تھے۔

ثانیاً: اگر اس طرح ہوتا تو حدیث کے الفاظ اس طرح ہوتے کہ:

((اذا کان قارئا فی الصلواۃ، الخ))

"یعنی آپ ﷺ نماز میں قراءت کرتے تھے تو ہاتھ باندھتے تھے۔"

مگر جب کہ اس طرح کے الفاظ نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی غلط نسبت کرنا کس قدر درست ہوگی؟ بلکہ اس طرح شریعت میں اپنی طرف سے الفاظ گھڑنا اور بڑھانا ہے۔ جس کی کسی کو ہرگز اجازت نہیں ہے۔

ثانیاً: اگر ہاتھوں کا باندھنا قراءت کے ساتھ مخصوص ہوتا تو نماز شروع ہوتے وقت ہاتھ نہیں باندھے جاتے بلکہ ثناء پڑھنے کے بعد سورۂ فاتحہ شروع کرتے وقت ہاتھ باندھے جاتے۔ اسی طرح مقتدیوں کو بھی الحمد شریف پڑھنے کے فوراً بعد ہاتھ چھوڑ دینے چاہیے تھے، بلکہ حنفی مذہب کے مقتدیوں کو تو سرے سے ہاتھ باندھنے ہی نہیں چاہئیں کیونکہ وہ نہ تو امام کے پیچھے الحمد پڑھتے ہیں اور نہ ہی کوئی اور سورت، حالانکہ وہ بالکل قراءت نہ کرنے کے باوجود بھی ہاتھ باندھے رہتے ہیں۔ نیز نماز جنازہ میں بھی دوسری تکبیر کے بعد ہاتھ کھول دینے چاہئیں، کیونکہ اس میں قراءت فقط پہلی تکبیر کے بعد ہے اور دوسری تکبیر کے بعد قرأت نہیں ہے، حالانکہ نماز جنازہ میں سلام پھیرنے تک ہاتھ باندھے جاتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ ہاتھوں کا باندھنا قیام کی حالت کی سنت اور ہیئت ہے نہ کہ قرأت کرنے سے۔ فافهم

عذر چہارم: بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ "قیام" میں باندھے جاتے ہیں اور رکوع کے بعد "قومہ" ہے۔

اولاً: رکوع کے بعد کھڑے ہونے کو "قومہ" کہنا متاخرین کی اصطلاح ہے اور حدیث شریف میں اس کا یہ نام نہیں ہے، بلکہ حدیث میں تو اس کو بھی "قیام" ہی کہا گیا ہے۔ ❶ نیز سلف صالحین میں بھی اس کا نام قیام ہی مشہور تھا، جیسا کہ امام ابن حزم کی کتاب المحلی ص ۲۲ ج ۴ میں ہے:

((عن ابراهيم قال كان ابو عبيدة بن عبدالله بن مسعود يطيل القيام بعد

❶ بخاری: ١/ ١٠٣۔ مسلم: ١/ ١٨٩۔ نسائی.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الرکوع)) الخ

''ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابوعبیدہ رکوع کے بعد کا قیام طویل کرتے تھے۔''

ثابت ہوا کہ رکوع کے بعد کھڑے ہونے کو حدیث یا سلف صالحین کے ہاں قیام ہی کہا گیا ہے نہ کہ قومہ، اور قیام کی سنت ہاتھ باندھنا ہے نہ کہ ہاتھ چھوڑنا۔ کما مضی

ثانیاً: دلیل نمبر اول میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز جس وقت اپنی نماز میں قائم، یعنی کھڑا ہوتا ہے تو اسے ہاتھ باندھنے ہیں، حالانکہ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونے والے کو بھی حدیث میں ''قائم'' کہا گیا ہے۔ [1] ثابت ہوا کہ چونکہ وہ بھی قیام ہی ہے، اس لیے اس میں بھی ہاتھ باندھنا لازمی ہے۔

ثالثاً: اگر اس کا نام ''قومہ'' تسلیم کیا جائے تو بھی ہاتھ باندھنے کے منافی نہیں ہے، حدیث شریف سے ظاہر ہوا کہ کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے چاہئیں اور قیام یا قومہ کا نام نہیں ہے۔ اس لیے نمازی جب بھی نماز میں کھڑا ہوگا، خواہ قیام کی حالت ہو یا قومہ کی، ہر حالت میں اس کو ہاتھ باندھنے ہیں، چھوڑنے نہیں۔

رابعاً: قیام اور قومہ دونوں ایک ہی باب کے مصدر ہیں، جیسا کہ کتاب المنجد ص ۷۰۴ طبع جدید میں ہے، کہ قام یقوم (۱) قوما (۲) وقومة (۳) وقیامة (٤) وقامة، انتصب وقف. اسی طرح القاموس میں ج ۴، ص ۱۶۸۔ اور لغت کی دیگر کتب میں بھی ہے اب قیام کہیے یا قومہ، دونوں کے معنی کھڑے ہونا ہے اور کھڑے ہونے کی سنت ہاتھ باندھنا ہے نہ کہ چھوڑنا۔ فتدبر

عذر پنجم: بعض لوگ کہتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بعد ہاتھ کھل جاتے ہیں۔ اب پھر رکوع کے بعد دوبارہ اسی جگہ پر کیسے آئیں گے؟

اولاً: ہاتھ کا باندھنا کھڑے ہونے کی حالت سے خاص ہے، پھر جبکہ رکوع کے بعد پھر بھی کھڑے ہونے کی حالت دوبارہ آتی ہے، اس لیے دوبارہ بھی وہی حکم لوٹ کر آئے گا اور ہاتھ باندھے جائیں گے۔

ثانیاً: دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی ہاتھ باندھے جاتے ہیں، حالانکہ اس کے لیے کوئی جداگانہ ہیئت وارد نہیں، مگر صرف اس وجہ سے کہ قیام (کھڑنے ہونے) کی حالت لوٹ کر آتی ہے۔

ثالثاً: تلاوت کرتے وقت سجدہ تلاوت آتا ہے تو سجدہ کیا جاتا ہے، جس میں ہاتھ کھل جاتے ہیں لیکن پھر بھی کھڑے ہونے کے بعد ہاتھ باندھے جاتے ہیں، جس سے ظاہر ہے کہ نماز میں جتنی مرتبہ بار بار

---

[1] بخاری: ۱/ ۱۰۵۔ مسلم: ۱/ ۱٦۹۔ نسائی: ۱/ ۱٦٥.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھڑے ہونے کی حالت لوٹ آئے گی، ہاتھ باندھنے ہوں گے۔

رابعاً: دلیل ہفتم میں صاف بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رکوع سے سیدھے کھڑے ہونے کے بعد دوبارہ ہاتھ باندھے ہیں۔

خامساً: احناف، خواہ اہل حدیث حضرات ایک ہی رکعت میں کئی بار ہاتھ کھولنے کے بعد دوبارہ ہاتھ باندھتے ہیں، چنانچہ حنفی مذہب والے وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کے وقت رفع الیدین کرتے ہیں اور ہاتھ کھول کر اوپر اٹھاتے اور پھر باندھتے ہیں اور دعائے قنوت پڑھتے ہیں۔ اسی طرح اہل حدیث سورج، چاند گرہن کی نماز میں ہر ایک رکعت میں دو رکوع کرتے ہیں اور پہلے رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو کر دوبارہ ہاتھ باندھتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ ہاتھ کھول کر دوبارہ باندھنے کا سوال ہی غلط ہے، بلکہ جب بھی کھڑے ہونے کی حالت آئے گی تو ہاتھ باندھنے چاہئیں۔

سادساً: جو حدیث ان الفاظ کے ساتھ پیش کی جاتی ہے ((حتی یرجع کل عظم فی موضعه)) یعنی ہر ہڈی اپنی اپنی جگہ پر لوٹ کر آ جائے۔ یہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ہاتھوں کی ہڈیاں رکوع سے پہلے سینے پر رکھی ہوئی تھیں۔ رکوع کرنے سے وہاں سے ہٹ گئیں اور از سر نو سیدھے ہونے کے بعد اسی جگہ پر لوٹ آتی ہیں۔

الغرض! رکوع کے بعد ہاتھ کھولنے اور نہ باندھنے کے بارے میں کوئی عذر اور حیلہ بہانہ کارگر نہیں ہے بلکہ اس وقت ہاتھ باندھنے ہیں۔ یہی مسنون طریقہ اور حدیث شریف میں مذکور ہے، آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو صحیح راستہ دکھائے اور حق کی تحقیق نصیب فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين وصلى الله على خير خلقه محمد خاتم النبيين وعلى آله اجمعين ومن تبعهم بالاحسان الى يوم الدين .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة الثالثة

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ کاوش دراصل سیّد محبّ اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی کتاب "نیل الأمانی وحصول الأمال" کا جواب ہے جس میں ارسال الیدین کے تمام دلائل کا مسکت اور مثبت جواب دیا گیا ہے اس کتاب کے ابتداء میں فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کا انتہائی جاندار مقدمہ بھی ہے۔

(الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔ أمّا بعد!

نماز دین کا انتہائی اہم اور بنیادی اہمیت کا حامل رکن ہے۔ (الصلاۃ عماد الدین) شریعت نے اس کی بنیادی حیثیت کو اجاگر کرتے ہوئے اسے کفر اور اسلام کے درمیان فارق قرار دیا۔ چنانچہ اس کا ترک موجب کفر ہے۔

((العھد الذی بیننا وبینھم الصلوٰۃ فمن ترکھا فقد کفر .))

(مسند احمد، نسائی، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ)

یعنی: ''ہمارے اور کفار کے درمیان نماز کا فرق ہے، جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا'' جبکہ اس کی حفاظت اور پابندی جزو ایمان ہے۔

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ٭ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خَاشِعُوْنَ٭﴾

(المومنون: ۱۔۲)

''بلا شبہ مومن فلاح پا گئے، جو کہ اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں۔''

یہ وہ عظیم الشان فریضہ ہے جس پر اخروی حساب کا دارومدار ہے۔ چنانچہ حقوق اللہ میں سب سے پہلا سوال نماز کا ہوگا، اور بقیہ سوالات اس پر مرتب ہوں گے۔ حدیث ملاحظہ ہو۔

((اول ما یسال عنہ العبد یوم القیامۃ عن صلاتہ فان تقبلت تقبل منہ سائر عملہ وان ردت رد سائر عملہ)) (رواہ احمد فی کتابہ المسمی بالرسالۃ السنیۃ)

یعنی ''قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے اس کی نماز کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اگر نماز قبول کر لی گئی تو بقیہ تمام اعمال قبول کر لیے جائیں گے اور اگر نماز رد کر دی گئی تو بقیہ تمام اعمال رد کر دیئے جائیں گے۔''

یہ بات معلوم ہے کہ نماز کی ادائیگی کا مدار نقل پر ہے، قیاس وتخمین پر نہیں۔

شریعت نے ہمیں اپنی مرضی یا خود ساختہ طریقے کے مطابق نماز ادا کرنے سے روکا ہے۔ اور یہ حکم دیا ہے کہ ہم بعینہٖ سنت کے مطابق نماز ادا کریں۔

﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا عَلَّمَکُمْ﴾ (البقرۃ: ۲۳۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی ”جب (حالت خوف سے) امن میں آ جاؤ تو بالکل اسی طرح اللہ کو یاد کرو (نماز پڑھ) جس طرح اس نے تمہیں (اپنے پیغمبر کے ذریعہ) سکھا دیا ہے۔“

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

((صلوا کما رأیتمونی اصلی .)) (بخاری)

”جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا بالکل اسی طرح نماز پڑھو۔“

صرف اسی نماز کا ثواب ملے گا جو رسول اکرم ﷺ کے حکم اور طریقے کے مطابق ہوگی، چنانچہ امام نسائی اپنی سنن میں یہ حدیث لائے ہیں۔

((عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ قال: انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من توضا کما امر وصلی کما امر غفرله ما قدم من عمل .)) (سنن نسائی: ۱/ ۲۰)

یعنی ”ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جس شخص نے وضو کیا بالکل اس طرح جس طرح اسے حکم دیا گیا ہے۔ پھر نماز پڑھی بالکل اسی طرح جس طرح اسے حکم دیا گیا ہے۔ تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں۔“

اسی لیے نبی اکرم ﷺ بطور خاص نماز کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حدیث مسیئ الصلاۃ سے واضح ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جناب ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((ان رسول اللہ ﷺ علمنا صلاتنا وعلمنا ما نقول فیھا .))

(الرسالة السنیة الامام احمد: ۲)

یعنی ”بے شک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ادائیگی نماز کا طریقہ سکھایا اور یہ بھی بتایا کہ ہم نماز میں کیا کچھ پڑھیں۔“

ان تمام دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ نماز کا ہر رکن بمطابق منصوص ادا کرنا چاہیے، بالفاظ دیگر ہر وہ فعل جو ہم نماز میں انجام دیں اس کا منبع رسول ﷺ کی ذات مبارک ہو، ورنہ اس خلاف سنت فعل کی اللہ کے ہاں کوئی قیمت نہیں ٹھہرے گی۔

((من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد .))

جب قرآن وحدیث کے ان صریح دلائل سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ہر شخص رسول اکرم ﷺ کے طریقہ کے مطابق نماز ادا کرنے پر مکلف ہے تو پھر اس کا لازمی اور بدیہی نتیجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مکمل نماز کتب احادیث میں محفوظ ہے۔ اور نماز کے ہر فعل اور ہر حالت پر قولی یا فعلی دلیل موجود ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کما لا یخفی علی اھل العلم والمعرفۃ، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس ذات باری تعالیٰ نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے طریقہ مبارک کے مطابق نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہو اور آپ کے ہر فعل کے اپنانے پر مکلّف کیا ہو، اور اس کے بعد آپ کے مکمل طریقہ نماز کو ہمارے لیے محفوظ بھی نہ رکھا ہو۔ جبکہ اس کا دعویٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر: ۹)

بنا بریں میرا یہ دعویٰ ہے کہ نماز میں ادا کیے جانے والے ہر فعل اور ہر حرکت پر دلیل موجود ہے۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ کے طریقہ ہے کہ روشنی میں نماز ادا کرنی چاہیے۔

نماز میں ادا کیے جانے والے کسی فعل کے متعلق یہ نہیں کہنا چاہیے کہ جس طرح سب لوگ ادا کرتے ہیں اس طرح ادا کر لینا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اس فعل کو ادا کرنے کے سلسلہ میں رسول اکرم ﷺ کی ہدایت کیا ہے؟ پھر جب آپ کی ہدایت مل جائے تو اسے دل وجان سے قبول کر لینا چاہیے۔ خواہ پوری دنیا کا عمل اس کے خلاف ہو۔ مندرجہ ذیل آیات پر خوب غور کرنا چاہیے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷)

''اور جو چیز تم کو رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے تم کو روکے اس سے رک جاؤ۔''

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

''البتہ تمہارے لیے (صرف) رسول اللہ کی ذات میں اچھا نمونہ ہے۔''

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النساء: ۶۵)

''اور تیرے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں۔ پھر اپنے دلوں میں اس فیصلہ کو سن کر کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ (اسے فوراً) تسلیم کر لیں۔''

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ (الانعام: ۱۵۳)

''اور بے شک یہ میرا راستہ ہے جو سیدھا ہے، اسی کی پیروی کرو، اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو کہ یہ پیروی تمہیں سیدھے راستہ سے بھٹکا دے گی۔''

اکثریت کے عمل کے مقابلہ میں نبی ﷺ کے فرمان پر عمل کرنے والے کے خلاف روز قیامت کوئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حجت قائم نہیں ہو سکتی، لیکن آپ کے مبارک فرمان کو چھوڑ کر اکثریت کے متفق علیہ فیصلہ کو اختیار کرنے والے کے پاس بھلا کیا عذر ہوگا؟

کیا ہم نے اکثریت کی فرمانبرداری کرنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کا کلمہ پڑھا ہے۔ یہ فرمان خداوندی بھی مدنظر رہنا چاہیے۔

﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (الانعام: ١١٦)

''اور اگر تو نے زمین والوں میں اکثریت کی پیروی کی تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کردیں گے۔''

اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم زیر بحث مسئلہ کی طرف آتے ہیں یعنی رکوع کے بعد ہاتھوں کو باندھنا چاہیے یا کھلا چھوڑ کر لٹکانا چاہیے؟ اس مسئلہ میں اکثریت کا عمل کیا ہے، اس سے قطع نظر پہلے ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا مبارک عمل کیا ہے؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آپ ﷺ سے کوئی عمل منصوص نہ ہو ورنہ آیت فاذکروا الله کما علمکم اور حدیث صلوا کما رایتمونی اصلی سے ثابت ہونے والے عموم پر زبردست اعتراض اور طعن وارد ہو سکتا ہے پہلے یہ بات طے ہو جانی چاہیے کہ رکوع کے بعد کھڑا ہونے کے عمل کو شرعاً کیا کہا جاتا ہے؟ شرعی دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ اس کھڑا ہونے کو قیام کہا جاتا ہے۔ اور کھڑا ہونے والا قائم کہلاتا ہے، بعض حضرات اس حالت کو قومہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن یہ بے دلیل ہے۔ چند دلائل ملاحظہ ہوں:

1. صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے مسی الصلاۃ سے فرمایا تھا۔

((ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع حتی تعتدل قائما .))

پھر رکوع کرو حتیٰ کہ بحالت رکوع اطمینان حاصل ہو جائے، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ بحالت قیام اعتدال حاصل ہو جائے۔ (صحیح بخاری: ١/ ١٠٩)

2. سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((ثم یقول سمع الله لمن حمده حین یرفع صلبه من الرکعة ثم یقول وهو قائم ربنا لك الحمد .)) (بخاری: ١/ ١٠٩)

''پھر جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے پھر آپ جب کھڑے ہو جاتے تو ربنا لك الحمد کہتے۔

3. جناب براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((کانوا اذا صلوا مع النبی ﷺ فرفع، رأسه من الرکوع قاموا قیاما حتی یروه قد سجد.)) (صحیح بخاری: ۱/ ۱۰۳)

''یعنی صحابہ نبی ﷺ کے ساتھ جب نماز پڑھتے، تو نبی ﷺ جب رکوع سے سر اٹھا لیتے تو صحابہ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک نبی ﷺ کو سجدہ میں نہ دیکھ لیتے۔''

اس حدیث میں قوله: قاموا قیاما، خوب قابل غور ہے۔ اگر قومہ نامی کوئی اصطلاح ہوتی تو قاموا قومة کہہ دیتے، کیونکہ قومہ کو بھی اس باب کے مصادر میں ذکر کیا گیا ہے۔

۴۔ جناب انس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی نماز کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((فاذا رفع راسه من الرکوع قام حتی نقول قد نسی)) (بخاری: ۱/ ۱۱۰)

یعنی ''جب آپ ﷺ رکوع سے سر اٹھاتے تو اتنا قیام فرماتے کہ ہم سوچنے لگتے کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔''

ان احادیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) رکوع کے بعد کھڑا ہونا شرعاً قیام کہلاتا ہے۔

(۲) رسول اکرم ﷺ کا یہ قیام کافی طویل ہوا کرتا تھا۔

سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہما نے بھی رکوع کے بعد کھڑا ہونے کو قیام سے تعبیر فرمایا ہے، جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فکر کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ ما بعد الرکوع کو قیام کہنا ائمہ دین و محدثین کے نزدیک مشہور و معروف تھا۔ طوالت سے بچنے کے لیے امام نسائی رحمہ اللہ کے دو ابواب نقل کرتا ہوں جو انہوں نے اپنی سنن میں قائم فرمائے ہیں۔

(۱) باب قدر القیام بین الرکوع والسجود.

(۲) باب ما یقول فی قیامه ذلك. (نسائی: ۱/ ۱۲۷)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے رسالہ متعلقہ نماز میں فرماتے ہیں:

((وامره اذا رفع راسه من الرکوع فقال سمع الله لمن حمده ان یثبت قائما معتدلا حتی یقول ربنا ولك الحمد وهو قائم معتدل من غیر عجلة فی کلامه ولا مبادرة وان زاد علی ذلك وقال ربنا ولك الحمد ملء السموات...... الخ)) (الرسالة السنیة فی الصلاة: ص ۱۰)

بہر حال رکوع کے بعد کھڑا ہونے کو شرعاً قیام کہا جاتا ہے، جس کا ماضی قام ہے۔ مضارع یقوم ہے، اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسم فاعل کا صیغہ قائم ہے اور یہ تمام صیغے مختلف احادیث میں مابعد الرکوع کے لیے وارد ہوتے ہیں، جبکہ اسی قسم کے صیغے قبل الرکوع والے قیام کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔نقل کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ قبل الرکوع کھڑا ہونے کو سب قیام تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ بعد الرکوع کھڑا ہونے کو قیام تسلیم کرنے میں انہیں کچھ الجھن اور اضطراب ہے۔ اسی الجھن کے ازالہ کے لیے بعض احادیث اور سلف کی نقول پیش کی گئی ہیں۔

بہرکیف رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد دونوں مقامات پر کھڑا ہونے کو شرعاً قیام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو پھر رسول اکرم ﷺ کی درج ذیل حدیث پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے:

((یقول الامام النسائی فی سننه: وضع الیمین علی الشمال فی الصلاة، اخبرنا سوید بن نصر قال حدثنا عبدالله عن موسی بن عمیر العنبری وقیس بن سلیم العنبری قالا حدثنا علقمة بن وائل عن ابیه قال رایت رسول الله ﷺ اذا کان قائما فی الصلاة قبض یمینه علی شماله.))

(سنن نسائی:۱/ ۱۰۵)

”وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ نماز میں جب بھی قیام کی حالت میں ہوتے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے تھے۔“

اس حدیث میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کی نماز کے ہر قیام کے موقع پر ہاتھوں کی کیفیت واضح کر دی ہے۔ جو کہ وضع ہے ارسال نہیں ہے۔ ہر قیام اس میں اس لیے داخل ہے کہ کلمہ (اذا) بالاتفاق عموم کا صیغہ ہے۔ اپنے عموم پر ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ الا یہ کہ شرعی دلیل سے کوئی تخصیص وارد ہو جائے۔

لہٰذا یہاں کسی ایک قیام کی تخصیص اور دوسرے قیام کی نفی کے لیے کوئی قوی اور صریح دلیل چاہیے۔ جو آج تک کوئی پیش نہیں کرسکا۔

مذکورہ حدیث کی دلالت اور مصداق اظہر من الشمس ہے۔ اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے عموم کے ساتھ تسلیم کرلیا جائے اور اپنی یا اپنے بڑوں کی خواہش کو حدیث رسولؐ کے مقابلہ میں باطل کر دیا جائے۔

((وفقنا الله جمیعا لما فیه حبه ورضاه.))

البتہ یہاں ایک اشکال عام ذہنوں میں دیکھنے میں آیا ہے اور گفتگو کے موقع پر کئی دوست اس اشکال کو وارد کر چکے ہیں، اور وہ یہ کہ شرعی اصطلاح میں اور عرف عام میں جب لفظ قیام بولا جاتا ہے تو اس سے مراد پہلا قیام یعنی رکوع سے پہلے والا قیام ہی سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا قیام نہیں سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث میں قیام کا ذکر تو ہے اور وہ کسی خاص وقت کے ساتھ مقید بھی نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے قیام قبل الرکوع ہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مراد ہوگا، مابعد الرکوع نہیں۔ لیکن اس اشکال کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جہاں تک شرعی اصطلاح کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے ابطال کے لیے کئی حوالے پیش کر چکا ہوں۔ جن میں قیام کا ذکر ہے اور اس قیام سے مراد صرف قیام بعد الرکوع ہے اور جہاں تک عرف عام کے فہم کا تعلق ہے تو کیا عرف عام کو شریعت کے مقابلہ میں دلیل بنا کر پیش کرنا جائز ہے؟

پھر بھی ان دوستوں کی تشفی کے لیے میں نے اس مسئلہ پر کافی غور وخوض کیا ہے، اور غور کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ نماز کے باب میں جب بھی لفظ قیام یا اس کے کسی اشتقاق کا استعمال ہوگا تو وہ تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ خاص ہوگا۔

① یا تو اس سے مراد صرف قیام قبل الرکوع ہوگا۔

② یا اس سے مراد قیام بعد الرکوع ہوگا۔

③ یا اس سے مراد دونوں قیام ہوں گے۔

اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

1 ...... قیام سے مراد قیام قبل الرکوع اس وقت ہوگا جب کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو قیام کو ماقبل الرکوع کے ساتھ خاص کر دے اور مابعد الرکوع کی نفی کر دے۔ اس کی مثال صحیح بخاری کی حدیث ہے جو جناب براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

((كان ركوع النبى ﷺ وسجوده وبين السجدتين واذا رفع من الركوع ما خلا القيام والقعود قريبا من السواء.))

یہاں (ما خلا القيام) میں قیام سے مراد صرف قیام قبل الرکوع ہے، قیام بعد الرکوع نہیں ہے کیونکہ قرینہ موجود ہے جو قیام بعد الرکوع کو اس سے خارج کر دیتا ہے، اور وہ قرینہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قیام بعد الرکوع کا پہلے الگ ذکر فرما دیا ہے۔ وهو قوله: واذا رفع من الركوع، لہٰذا مستثنیٰ کو دوبارہ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح جزء القراءۃ کے حوالے سے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب بھی قیام فرماتے سورۂ فاتحہ پڑھتے یہاں بھی قیام سے مراد صرف قیام اول ہی ہے، قیام بعد الرکوع نہیں ہے، کیونکہ قرینہ موجود ہے جو قیام کو ماقبل الرکوع کے ساتھ خاص کرتا ہے اور وہ قرینہ قراءۃ فاتحہ کا ہے، کیونکہ قراءۃ قیام اول کے ساتھ خاص ہے۔ قیام بعد الرکوع قراءۃ کا محل نہیں ہے۔ كما لا يخفى على من له ادنى ممارسة بالدين، فتفكر.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

②……نماز کے باب میں قیام کا دوسرا استعمال یہ ہے کہ اس سے مراد صرف قیام بعد الرکوع ہو، یہ معنی اس وقت مراد ہوگا جب کوئی ایسا قرینہ ہو جو قیام کو مابعد الرکوع کے ساتھ خاص کر دے۔ اور ماقبل الرکوع کی نفی پر دلالت کرے۔ اس کی مثال صحیح بخاری کی حدیث ہے جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی ثم یقول وھو قائم ربنا ولك الحمد، (۱۰۹/۱) پھر آپ ربنا ولك الحمد کہتے درانحالیکہ آپ قیام میں ہوتے، یہاں قیام سے مراد قیام بعد الرکوع ہے کیونکہ قرینہ موجود ہے جو مابعد الرکوع کے لیے مخصص ہے اور وہ ہے: ربنا ولك الحمد کہنا کہ یہ رکوع کے بعد والے قیام میں کہا جاتا ہے، قیام اول میں نہیں کہا جاتا۔ اس طرح صحیح بخاری کی حدیث:

((فاذا رفع راسه من الركوع قام حتى تقول قدنسى .))

(صحیح بخاری: ۱/ ۱۱۰)

اور حدیث:

((ثم ارفع حتى تعتدل قائما .)) (صحیح بخاری: ۱/ ۱۰۹)

میں بھی قیام سے مراد قیام ثانی ہے، قیام اول ہرگز نہیں۔ والقرینة واضحة .

③……نماز کے باب میں لفظ قیام کا تیسرا استعمال یہ ہے کہ وہ قیام اول اور قیام ثانی دونوں پر مشتمل ہو اور کسی ایک کے ساتھ خاص نہ ہو خواہ کسی بھی رکعت کا قیام ہو، خواہ رکوع سے پہلے۔ خواہ رکوع کے بعد اور یہ معنی اس وقت مراد ہوگا جب کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو قیام کو ماقبل الرکوع یا مابعد الرکوع کے ساتھ خاص کرے ایسی صورت میں عموم ہوگا اور وہ دونوں قیاموں کو شامل ہوگا، کسی ایک قیام کی تخصیص اور دوسرے کی نفی نہ صرف یہ کہ بلا دلیل عمل ہوگا۔ بلکہ نص پر زیادتی اور اضافہ کا موجب ہوگا۔

مثلاً: قولہ تعالیٰ: ﴿وقوموا للّٰه قانتين﴾ میں قیام کا حکم ہے۔ اس قیام سے کون سا قیام مراد لیں گے؟ رکوع سے پہلے والا یا رکوع سے بعد والا؟ ظاہر ہے یہاں قیام کی تخصیص نہیں کر سکتے کیونکہ کوئی قرینہ یا دلیل موجود نہیں ہے جو قیام کو قیام اول یا قیام ثانی سے خاص کرے۔ اگر یہاں یہ کہا جائے کہ عرف میں قیام اول ہی سمجھا جاتا ہے تو پھر کیا قانتین کی شرط رکوع سے پہلے والے قیام کے ساتھ لگائی جائے گی؟ قانتین کے بہت سے معنی ہیں لیکن صحیحین میں اس آیت کے شان نزول کو پڑھا جائے تو قانتین بمعنی ساکتین ہے۔ گویا سکوت کی قید پہلے قیام کے ساتھ خاص رہے گی۔ وھو باطل ، اسی طرح قولہ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا میں کوئی ایسا قرینہ نہیں جو قیام کو قیام اول یا قیام ثانی میں محصور کرے۔ لہٰذا یہاں بھی عموم ہے اور دونوں قیام مراد ہوں گے۔ رکوع سے پہلے والا بھی اور رکوع سے بعد والا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی۔ والامثلة كثيرة، اسی طرح ہم بجا طور پر قیام کے اس تیسرے اطلاق کی مثال میں سنن نسائی کی مذکورہ حدیث پیش کر سکتے ہیں، اس حدیث میں کوئی ایسی دلیل یا کوئی ایسا قرینہ نہیں ہے جو قیام اول کے ساتھ خاص کرے، پھر غور سے حدیث پڑھ لیجئے۔

((عن وائل بن حجر قال رأيت رسول الله ﷺ اذا كان قائما فى الصلاة قبض بيمينه على شماله.)) (نسائی: ۱/ ۱۰۵)

یعنی ''رسول اکرم ﷺ جب بھی نماز میں قیام کی حالت میں ہوتے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لیتے۔''

یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں جو قیام مذکور فی الحدیث کو قیام قبل الرکوع کے ساتھ خاص کرے اگر کوئی شخص ہے تو خدارا اسے پیش کیجئے...... فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ بعض حضرات تخصیص کا قرینہ لانے کے لیے اپنی ہمتیں اور توانائیاں صرف کرتے ہیں لیکن ان کا وضع کردہ قرینہ خود ان کے اپنے لیے بہت سے اشکالات کا سبب بن جاتا ہے۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ وضع قراءۃ کو مستلزم ہے۔

قیام اول میں چونکہ قراءت ہے، لہٰذا وضع بھی ہے اور قیام ثانی میں چونکہ قراءت نہیں لہٰذا وضع بھی نہیں۔

لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ وضع کے مستلزم قراءۃ ہونے کا قاعدہ کہاں سے آیا؟ جو کچھ حدیث رسول ﷺ میں ہے کیا وہ ہمارے لیے قاعدہ نہیں بن سکتا؟

اگر حدیث یوں ہوتی: اذا كان قائما فى الصلاة، او هو يقرأ) قبض بيمينه...... تب تو یہ قاعدہ فی الواقع منصوص ہوتا۔ اور کم از کم اہلحدیثوں میں کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ کیونکہ حدیث رسول کی پیروی کرنا ہی اہل حدیث کا مقصد حیات ہے۔

لیکن دوستو! حدیث رسول میں ایسی کوئی قید نہیں ہے۔ تو جو قید نبی ﷺ نے نہیں لگائی، اسے ہم محض اپنا مطلب اخذ کرنے اور اپنی خواہش کی تکمیل کرنے کی خاطر لگانا گوارہ کر لیتے ہیں۔ انا لله وانا اليه راجعون

پھر اگر وضع قراءت کو مستلزم ہے، تو نماز کے شروع میں ثنا پڑھتے وقت ہاتھوں کو چھوڑ دینا چاہیے، امام جہری نمازوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد جب دوسری آیت پڑھتا ہے تو مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم ہے تو پھر اگر وضع مستلزم قراءت ہے تو مقتدی کو چاہیے کہ یہاں اپنا ہاتھ چھوڑ دے۔

نماز جنازہ کی دوسری تکبیر کے بعد قراءت نہیں بلکہ درود اور دعائیں ہیں تو دوسری تکبیر کے بعد بھی ہاتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوڑ دینے چاہئیں۔

بہر حال آپ کا اختراع کردہ قاعدہ بہت سے اشکالات کا دروازہ کھول دے گا اور سب سے بڑا اشکال یہ کہ حدیث رسول پر زیادتی جیسے گھناؤنے اور تاریک ترین جرم کا ارتکاب:

((وقد اخرج الامام احمد فی مسنده بان رسول الله ﷺ قال: ستة لعنتهم ولعنهم الله وكل نبی ﷺ حجاب...... فذکر (الزائد فی کتاب الله) اعاذنا الله من الزیاده والنقص فی الدین ورزقنا التمسك بهدية كما ورد، وجعلنا مثل الذی سمع فقال لا ازيد على هذا شيئا ولا انقص منه شيئا، فقال رسول الله ﷺ فی حقه: من سر ان ينظر الى رجل من اهل الجنة فلينظر الى هذا.))

بعض حضرات یہاں یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ قیام اول میں ہاتھ باندھے پھر رکوع میں گئے تو ہاتھ کھل گئے اب رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد دوبارہ باندھنے کی دلیل چاہیے، اس شبہ کی کوئی حقیقت اور بنیاد نہیں، بلکہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مصداق اعتراض کرنے والے کو بھی اعتراض کے کھوکھلے پن کا احساس ہوگیا ہوگا۔

یہاں اس دلیل کا علمی تجزیہ کرنے کی بجائے اگر ہم آپ ہی کے نہج پر چلتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ رکوع میں جانے سے ہاتھ کھل گئے، پھر رکوع اور سجدہ سے فارغ ہو کر جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوں گے تو یہاں اب دوبارہ ہاتھ باندھنے کی کیا دلیل ہے؟ نماز میں قراءت کرتے کرتے اگر سجدہ تلاوت آجائے تو سجدہ تلاوت کرنے سے ہاتھ کھل گئے، اب جب دوبارہ کھڑے ہوں گے تو یہاں ہاتھ باندھنے کی کیا دلیل ہے؟......؟

یقیناً آپ یہی کہیں گے کہ ان سب صورتوں میں چونکہ قیام کی حالت عود کر آئی ہے لہٰذا وضع بھی عود کر آیا ہے۔ اور یقیناً سنن نسائی کی مذکورہ حدیث کے عموم سے استدلال کریں، تو رکوع کے بعد کھڑا ہونے کو کیا کہیں گے؟ اسے قیام تسلیم کرنے سے کیا پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ جبکہ واضح ہو چکا ہے کہ رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ ومحدثین رحمہم اللہ اس حالت کو قیام ہی سے تعبیر فرماتے تھے۔ لہٰذا رکوع سے کھڑے ہو کر قیام عود کر آیا، وضع بھی عود کر آئے گا۔ اور اس کی دلیل سنن نسائی کی حدیث ہے، جس کا آج تک کوئی مخصص نہیں لا سکا: هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين.

دوسری دلیل:...... صحیح بخاری سے ایک اور دلیل ہدیہ قارئین ہے:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

((عن سهل بن سعد قال كان ناس يومرون ان يضع الرجل يده اليمينى على ذراعه اليسرى فى الصلاة.)) (صحيح بخارى: ١/ ١٠٢)

”جناب سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نمازی، نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں بازو پر رکھے۔“

وجہ استدلال: ......اس حدیث میں یہ صراحت ہے کہ نماز پڑھنے والا نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے سوال یہ ہے کہ کیا مکمل نماز میں اور نماز کی ہر حالت میں یہ عمل برقرار رہے گا؟

جواب: ......اس حدیث کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ عمل پوری نماز میں برقرار رہے گا، لیکن ہاتھوں کی کیفیت سے متعلق دیگر احادیث بعض حالتوں کو وضع الیمین علی الشمال کے حکم عام سے خارج کر دیتی ہیں۔

① ......مثلاً: رکوع میں وضع نہیں ہے، بلکہ ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھنا وارد ہے۔

دلیل: واذا ركع امكن يديه من ركبتيه. (صحيح بخارى: ١/ ١١٤)

وفى رواية اخرجها البخارى فى صحيحه، وامرنا ان نضع ايدينا على الركب. (١/ ١٠٩)

((وفى حديث رواه النسائى فى سننه (فلما ركع وضع راحتيه على ركبتيه وجعل اصابع اسفل من ذلك.)) (١/ ١٢٤)

② ......اسی طرح سجدہ کی حالت میں وضع نہیں ہے بلکہ ہاتھوں کو زمین پر ٹیکنے کا حکم ملتا ہے۔

دلیل: فوضع يديه بالارض. (سنن نسائى: ١/ ١٣٠)

دوسری حدیث میں ہے: ثم كبر وسجد فكانت يداه من اذنيه على الموضع الذى استقبل بهما الصلاة. (نسائى: ١/ ١٣٠)

③ ......بیٹھنے کی صورت میں بھی وضع نہیں ہے۔ بلکہ ہاتھوں کو رانوں پر رکھنے کا حکم ہے۔

دلیل: واذا جلس ضجع اليسرى ونصب اليمنى ووضع يده اليسرى على فخذه اليسرى ويده اليمنى على فخذه اليمنى. (نسائى: ١/ ١٤٨)

مقام غور یہ ہے کہ نماز کی چار ہی حالتیں ہیں۔

(۱) قیام۔ (۲) رکوع۔ (۳) سجود۔ (۴) جلوس۔ پانچویں حالت کوئی نہیں۔

حدیث زیر بحث میں نماز کے اندر وضع الیمین علی الشمال کا حکم ہے۔ لیکن تین حالتیں اس عمومی حکم سے مستثنیٰ ہو گئیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(۱) رکوع کی حالت۔ (۲) سجود کی حالت۔ (۳) جلوس کی حالت۔

باقی قیام رہ گیا...... قیام کے سلسلہ میں کسی حدیث میں نہ کوئی استثناء وارد ہوا ہے، اور نہ ہی وضع کے علاوہ کوئی دوسری صورت وارد ہوئی ہے۔ اور قیام ایک رکعت میں دو بار ہوتا ہے۔

(۱) رکوع سے پہلے (۲) رکوع کے بعد۔

اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں قیاموں میں ہاتھوں کی کیفیت کیا ہونی چاہیے؟

صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث کا ترجمہ دوبارہ پڑھ لیا جائے۔ تاکہ مسئلہ کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

''نمازی کو نبی علیہ السلام کی طرف سے یہ حکم دیا جاتا تھا۔ کہ وہ نماز میں اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں بازو پر رکھیں۔'' (صحیح بخاری: ۱/۱۰۲)

دلیل کے ساتھ یہ واضح ہو چکا ہے کہ رکوع، سجود، اور جلوس کی حالتیں اس حدیث کے عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ لامحالہ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس حدیث میں جو وضع الیمین علی الشمال کا حکم دیا گیا ہے وہ صرف قیام کے ساتھ خاص ہے اور قیام چونکہ دو ہیں لہٰذا اگر کہیں کہ یہ حکم دونوں قیاموں کے لیے ہے تو مسئلہ یہیں ختم ہوجائے گا۔ مزید کسی مباحثہ یا مناقشہ کی ضرورت نہیں پڑے گی اور یہی عافیت اور سلامتی کا راستہ ہے۔ اور اگر یہ کہیں کہ یہ حکم صرف قیام اول کے ساتھ خاص ہے اور رکوع کے بعد والا قیام اس سے مستثنیٰ ہے۔ تو اس استثناء کے لیے بعینہٖ اس طرح واضح اور قوی دلیل چاہیے جس طرح کی واضح اور قوی دلیلیں ہم نے رکوع، سجود اور جلوس کے استثناء کے لیے پیش کیں ہیں۔

صحیح بخاری کی حدیث سے معارضہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ پھر قیام ثانی کے استثناء کے لیے، نہ صرف یہ کہ دلیل استثناء تلاش کرنی پڑے گی بلکہ ایک مسئلہ اور کھڑا ہو جائے گا کہ آخر آپ قیام ثانی کو وضع کے حکم سے جو مستثنیٰ کرتے ہیں تو آخر وہ کس فارق کے تحت؟ یعنی قیام قبل الرکوع اور قیام بعد الرکوع میں فارق کیا ہے کہ محض اپنی رائے سے ایک کے لیے وضع اور دوسرے کے لیے ارسال کا حکم لگا دیا......؟

اگر یہ کہیں کہ ان دونوں میں قرات فارق ہے کہ یہ قیام اول کے ساتھ خاص ہے۔ جبکہ قیام ثانی میں قرات نہیں ہے تو یہ فارق من حیث الوضع والارسال ہرگز مؤثر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ قراءت وضع کو مانع نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ پہلا قیام بڑا ہے جبکہ رکوع سے بعد والا قیام چھوٹا ہے اور یہی وضع اور ارسال کے لحاظ سے فارق ہے، تو یہ بھی محتاج دلیل ہوگا یعنی ایک ایسی دلیل لانی ہوگی جس میں یہ تفصیل ہو کہ جب قیام بڑا ہو تو وضع کرو اور جب چھوٹا ہو تو ارسال کرو۔

پھر اگر یہ دونوں فارق درست ہیں، تو اس صحابی (یا اس جیسے کسی دوسرے شخص) کے لیے آپ کا فتویٰ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہوگا جو رسول اکرم ﷺ کے پاس آیا اور قرآن کو یاد کرنے سے اپنی معذوری ظاہر کی نبی علیہ السلام نے فرمایا تم مندرجہ ذیل کلمات پڑھ لیا کرو (یہ کلمات تمہارے لیے قرأت کا بدل ہیں) سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم. (نسائی: ۱/۱۱۳)
اس شخص کے قیام میں نہ قرات ہے نہ طوالت۔

تو اب کیا وہ ارسال کرے گا؟ اگر ہاں تو کس دلیل کے تحت؟ اور اگر نہیں تو پھر ذکر کردہ دونوں فارق باطل ہوگئے۔ وھو الحق

رسول اکرم ﷺ دوسری اور تیسری رکعت میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔

دلیل: کان یقرأ فی الظھر فی الاولیین بام الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب...... وھکذا فی العصر۔ (صحیح بخاری: ۱/۱۰۷)

جبکہ رکوع کے بعد پڑھے جانے والے ماثور ومنصوص اور اذکار اگر جمع کیے جائیں تو وہ تعداد کلمات کے اعتبار سے اگر سورۂ فاتحہ سے متجاوز نہیں تو کم وبیش مساوی ضرور ہوں گے بلکہ ایک حدیث میں تو حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((وکان قیامه ورکوعه واذا رفع راسه من الرکوع وسجوده وما بین السجدتین قریبا من السواء.)) (سنن نسائی: ۱۲۷)

بہرحال قیام اول اور قیام ثانی کے درمیان طوالت کو فارق بنانا اور پھر بناءً علیہ وضع وارسال کی تفریق کا حکم لگانا باطل ہوگیا۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ سنن نسائی سے ذکر کردہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث اور صحیح بخاری سے پیش کردہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے عموم کو تسلیم نہ کرنے سے قیل وقال اور بے فائدہ قسم کے جلال وخصام کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جبکہ اس کے عموم کو تسلیم کر لینے میں عافیت ہی عافیت ہے۔

فالسامع المطیع لا حجة علیه والسامع العاصی لا حجة له.

یہاں ایک شبہ کا ازالہ از حد ضروری ہے۔ یہ شبہ عام ذہنوں میں ابھرتا ہے اور وہ اکثر اس کا ذکر بھی کرتے رہتے ہیں کہ اگر رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا مسنون عمل ہے تو آج تک کسی نے اسے اختیار کیوں نہیں کیا، آخر بڑے بڑے علماء اور محدثین گزرے ہیں ان سب سے یہ سنت اوجھل ہی رہی؟

اس سلسلہ میں واضح ہونا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی قولی اور فعلی حدیث آجانے کے بعد اس قسم کا کوئی شبہ یا اشکال باقی نہیں رہنا چاہیے، یہی ایک مومن کی شان ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾

مشرکین مکہ نے رسول اکرم ﷺ کی دعوت سن کر کہا تھا۔

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰى أُمَّةٍ وَّإِنَّا عَلٰى آثَارِهِمْ مُّقْتَدُونَ﴾ (الزخرف: ۲۳)

''ہم نے اپنے آباء واجداد کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم تو انہیں کے نقش قدم پر چلیں گے۔''

دین میں معیار نبی ﷺ کی ذات ہے یا علماء اور بزرگوں کا عمل؟

اہل تحقیق کی زبانوں سے اس قسم کی بات سن کر افسوس ہوتا ہے۔ اگر چہ یہ اشکال اپنی نکارت اور سخافت کے اعتبار سے اس قابل نہیں کہ اسے یہاں ذکر بھی کیا جائے تاہم بعض دوستوں کی ذہنی الجھن اور پریشانی دور کرنے کے لیے چند سطریں اس موضوع پر لکھنی ضروری ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ پر کلام کرنے کے لیے دو مقدمے بناتا ہوں۔

① کیا بڑے بڑے علماء اور محدثین سے کسی مسئلہ کا مخفی اور اوجھل رہنا ممکن نہیں ہے۔

② کیا رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا فی الواقع علماء پر مخفی ہی رہا؟ اور یہ کہ یہ مسئلہ اس دور کی پیداوار ہے۔ یا بقول بعض حضرات یہ مسئلہ استاذ العلماء راس المحققین علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی مدظلہ العالی کا ایجاد کردہ اور ان ہی کا تشہیر کردہ ہے؟ وسنذکر انه لیس بالصواب

مقدمہ اولیٰ:...... ایک مسئلہ نبی پاک ﷺ کے قول وعمل سے ثابت ہو وہ بڑے بڑے علماء سے مخفی رہ سکتا ہے۔ اور علماء اور لوگوں کی اکثریت اس مسئلہ سے ناواقف ہو سکتی ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے کہ لوگوں کی اکثریت ایک ثابت شدہ مسئلہ سے ناواقف ہو تو میں پوچھوں گا کہ پھر نبی علیہ السلام کی اس حدیث سے کیا مراد لیں گے جس میں کسی مردہ سنت کے زندہ کرنے کا ثواب مذکور ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی الجامع السنن میں لائے ہیں۔ اگر چہ یہ حدیث کثیر بن عبداللہ کی وجہ سے مقال سے خالی نہیں۔ لیکن علامہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی میں بحوالہ منذری لکھا ہے کہ اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ (تحفة الاحوذی: ۳/ ۳۷۹)

حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

((من أحيا سنة من سنتي قد اميتت بعدي كان له من الاجر مثل من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شيئا.))

(ترمذی: مع تحفة الاحوذی: ۳/ ۳۷۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جس پر میرے بعد عمل کرنا چھوڑ دیا گیا ہو تو جس نے اس سنت پر عمل کیا ان کے اجر کے برابر اللہ تعالیٰ اس (زندہ کرنے والے) کو بھی اجر عطا فرمائے گا اور اس طرح کہ عمل کرنے والوں کے اجر میں سے کوئی کمی نہ کی جائے گی۔''

اب دو باتیں ہیں: یا تو یہ کہیں کہ نبی ﷺ کی کسی سنت کا متروک ہونا اور امت کی اکثریت کا اس سے ناواقف ہونا ممکن نہیں۔ اور یا یہ کہیں کہ ایسا ہونا ممکن ہے۔ اگر یہ ممکن نہیں تو پھر مذکورہ حدیث کا مصداق کیا ہوگا؟ اور اگر مذکورہ واضح الدلالت حدیث کو تسلیم کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ یہ ممکن ہے۔ تو پھر مسئلہ زیر بحث میں اس قسم کا شبہ یا اشکال وارد کرنے کا کیا معنیٰ؟ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ کسی متروک اور مردہ کی گئی سنت کا احیاء ہو جائے تو پھر بلا تاخیر اس سنت کو قبول کر لینا چاہیے اور یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ اس سنت کو میرے بزرگوں اور میرے مولویوں نے قبول کیا ہے یا نہیں؟ نہ ہی یہ دیکھنا چاہیے کہ اس سنت کے مقابلہ میں اکثریت کا عمل کیا ہے؟ کیونکہ مردہ سنت کے احیاء کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ علماء کی اکثریت یا کسی خطے کے تمام لوگ اس سے ناواقف تھے اور اس پر عمل متروک ہو چکا تھا۔ پھر اللہ کی توفیق اور اس کے فضل سے صحیح اور مسنون مسئلہ لوگوں کو بتایا گیا۔ تو ظاہر ہے اس سنت کے احیاء کے وقت تو اکثریت کا عمل اس کے خلاف ہی ہوگا، ورنہ وہ سنت متروک نہیں کہلائی جا سکتی؟ لہٰذا ایسی صورت میں نبی علیہ السلام کی حدیث پر ہی عمل کرنا پڑے گا، اور اس کے مقابلہ میں اکثریت کے عمل یا فتویٰ کی تلاش و جستجو ایک غلط اقدام ہوگا۔

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و قرار

صحابی رسولؐ جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب مدینہ تشریف لائے تو لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ نے رسول اکرم ﷺ کا مبارک زمانہ دیکھا ہے۔ ہمارے اندر کوئی ایسا عمل تو نہیں دیکھا جو نبی علیہ السلام کے زمانے کے عمل سے مختلف ہو، تو جناب انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((ما انكرت شيئا الا انكم لا تقيمون الصفوف))

(صحيح بخاری مع فتح البارى: ٢/ ٢١٠)

''میں نے کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی الا یہ کہ تم صفوں کو سیدھا نہیں کرتے۔''

غور کیجئے یہ تابعین کا دور ہے۔ بڑے بڑے علماء موجود تھے، مدینہ میں رہنے والے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والے پھر ان کا زمانہ نبی علیہ السلام سے قریب تر ہے اس کے باوجود ایک ایسا عمل جس کا نبی علیہ السلام خوب اہتمام فرمایا کرتے تھے اور جب تک صفوں کے سیدھے ہونے کا ایقان واطمینان نہ ہو جاتا نماز شروع نہ فرماتے وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل جناب انس کے مشاہدہ کے مطابق لوگوں میں موجود نہیں رہا تھا۔ پھر آپ نے حدیث پیش کی اور لوگوں نے قبول کر لیا۔

چنانچہ واضح ہوا کہ بڑے بڑے علماء پر ایک سنت مخفی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ اہل مدینہ پر تسویۃ الصفوف کا عمل مخفی ہوا، حالانکہ اہل مدینہ کا تمسک بالسنۃ دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ مشہور ومعروف تھا۔ اور اہل مدینہ کا عمل دوسرے شہروں کی بہ نسبت زیادہ معتبر تھا۔

اب کیا یہاں اس اشکال کی کوئی گنجائش یا حقیقت ہے کہ اہل مدینہ پر تسویۃ الصفوف کی سنت کیوں مخفی ہوئی حالانکہ مدینہ بڑے بڑے علماء اور محدثین کا مسکن تھا؟ پھر کیا کسی نے جناب انس رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض کیا؟ یا یہ کہا کہ آپ اہل مدینہ کے عمل کے خلاف ایک نیا مسئلہ یا ایک نئی حدیث کہاں سے لے آئے؟ مگر ہرگز نہیں؟ ان کے ایمان نے قطعاً یہ گوارہ نہیں کیا کہ وہ انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی حدیث کے مقابلہ میں اہل مدینہ کے عمل کو ترجیح دیتے۔

اس سے ملتی جلتی ایک اور مثال پیش خدمت ہے۔ یہ مثال بھی عہد تابعین سے متعلق ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم فرمایا ہے (باب تضييع الصلاة عن وقتها) اس باب کے تحت جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا واقعہ نقل فرمایا جو دمشق میں پیش آیا۔

چنانچہ امام زہری فرماتے ہیں:

((دخلت على انس بن مالك بدمشق وهو يبكي فقلت ما يبكيك فقال: لا اعراف شيئا مما ادركت الا هذه الصلوة وهذه الصلاة قد ضيعت .))

(صحیح بخاری مع فتح الباری: ۳/ ۱۳)

”زہری فرماتے ہیں کہ میں دمشق میں جناب انس کے پاس گیا تو دیکھا کہ آپ رو رہے ہیں میں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو فرمانے لگے۔ نبی علیہ السلام کے دور کی کوئی چیز مجھے نظر نہیں ائی علاوہ نماز کے اور اس نماز کو بھی ضائع کر دیا گیا ہے۔“

ایک روایت میں آپ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

((اليس صنعتم ما صنعتم فيها؟)) (۳/ ۱۳)

کیا تم نے نماز میں فلاں فلاں بگاڑ پیدا نہیں کر دیا؟“

قارئین کرام! خوب غور کیجئے، یہ تابعین کا زمانہ ہے، لیکن اس زمانہ میں بھی نماز سے متعلق بعض چیزیں متروک ہوگئیں، جن پر سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ رو رہے تھے۔ آج کا دور تو بہت بعد کا دور ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روشنی میں فتویٰ کو سن کر کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے لیے تو اہل دمشق کا عمل زیادہ معتبر ہے۔ آخر یہاں بڑے بڑے علماء اور محدثین ہیں۔

لیکن افسوس آج کا مسلمان نبی علیہ السلام کے مبارک اور انتہائی پاکیزہ اور روز روشن کی طرح واضح اور چمکدار عمل کو حاصل کرنے کے بعد بھی بزرگوں کے عمل کے پیچھے دوڑتا اور لپکتا ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون .

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کیا خوب فرمایا کرتے تھے:

((عجبت لقوم عرفوا الاسناد وصحته یذهبون الی رای سفیان والله تعالی یقول: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اتدری ما الفتنة؟ الفتنة الشرك ، لعله اذا رد بعض قوله انه یقع فی قلبه شیء من الزیغ فیهلك .))

(کتاب التوحید مع شرحہ تیسیر العزیز الحمید: ص۴۸۳)

”مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو حدیث کو صحیح سند کے ساتھ لینے کے باوجود سفیان ثوری کی رائے کو اختیار کر لیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: پس رسولؐ کے حکم کی مخالفت کرنے والے کو کسی فتنہ یا دردناک عذاب کے پہنچ جانے سے ڈرنا چاہیے۔ کیا تم جانتے ہو کہ فتنہ کیا ہے؟ ”فتنہ شرک“ ہے شاید جب وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کو ٹھکرا دے تو اس کے دل میں کجی واقع ہو جائے اور اس کی ہلاکت کا باعث بن جائے۔“

جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے مذکور واقعہ کی طرح امام مالک رحمہ اللہ موطا میں ایک روایت لاتے ہیں جس میں عروہ بن زبیر نے عمر بن عبدالعزیز کے تاخیر سے جماعت کرانے پر اعتراض کیا، اور نبی علیہ السلام کی حدیث کے ذریعے ان کی اصلاح فرمائی۔“ (موطا امام مالک: ص۲۔۳)

امام اہل السنۃ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے نماز کے موضوع پر ایک رسالہ تالیف فرمایا ہے جو (الرسالة السنية فی الصلاة وما یلزم فیها) کے نام سے موسوم ہے، اس رسالہ میں انہوں نے ان غلطیوں کی نشاندہی فرمائی ہے جو اس دور میں لوگوں میں عام ہو چکی تھیں، چنانچہ اس رسالہ کے شروع میں فرماتے ہیں:

((وقد جاء الحدیث قال: یاتی علی الناس زمان یصلون ولا یصلون وقد تخوفت ان یکون هذا الزمان ، ولقد صلیت فی مائة مسجد فما رأیت اهل مسجد یقیمون الصلاة علی ماجاء عن النبی ﷺ وعن اصحابه رضوان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الله عليهم فاتقوا الله وانظروا الى صلاتكم وصلاة من يصلى معكم .))

(الرسالة السنية ص ٤)

"حدیث میں نبی علیہ السلام کا یہ فرمان آیا ہے: لوگوں پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ وہ نماز پڑھیں گے لیکن نہ پڑھنے جیسی۔"

(امام احمد فرماتے ہیں) مجھے ڈر ہے کہ وہ زمانہ ہمارا آج ہی کا زمانہ نہ ہو، میں نے تقریباً ایک سو مسجدوں میں نماز پڑھی ہے لیکن کسی مسجد میں نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مطابق نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا اللہ سے ڈرو اور اپنی اور اپنے ساتھ والوں کی نمازوں کو درست کرو۔ (الرسالۃ السنیۃ: ص۴)

غور کیجیے! امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جن کا ۲۴۱ ہجری میں انتقال ہوا۔ تیسری صدی ہجری کی تقریباً ایک سو مساجد اور ان کے نمازیوں کا حال بیان فرما رہے ہیں کہ کسی مسجد میں طریقہ نبوی کے مطابق نماز ادا نہیں کی جاتی۔ پھر انھوں نے رسالہ مذکورہ میں لوگوں کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ان کی اصلاح فرمائی۔ سو مسجدوں کے نمازیوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہوتی، اور پھر یہ تو اس دور کی بات ہے۔ جب مسجدیں نمازیوں سے آباد ہوا کرتی تھیں۔ لوگوں کی اس اکثریت کے خلاف امام احمد بن حنبل نے آواز اٹھائی۔ آج کا مسلمان ہوتا تو وہ یقیناً امام صاحب پر اعتراض کرتا کہ اتنے بڑے جم غفیر کی نمازوں کو آپ اکیلے انسان خلاف سنت قرار دے رہے ہیں؟ لیکن اس قسم کا اعتراض کسی نے پیش نہیں کیا۔ کیونکہ وہ تیسری صدی کے مسلمان تھے اور بخوبی جانتے تھے کہ حدیث رسول کے مقابلہ میں دنیا کے سارے علماء اور مفتیوں کے فتوے بے اصل اور لایعنی ہیں۔

لہٰذا مسئلہ زیر بحث کے متعلق میں اپنے بھائیوں کو دعوت دوں گا کہ وہ اپنی روش اور کردار پر دوبارہ غور کریں اور ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں نبی علیہ السلام کی قولی اور فعلی حدیث سن کر آپ کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ پر ہمارے بزرگ کیوں نہ عمل کرتے تھے، یا یہ کہنا کہ فلاں عالم اور فلاں محدث ہاتھ نہیں باندھتا۔ کیا واقعتاً افسوسناک اقدام نہیں ہے؟ ہمارے لیے حدیث رسول معیار ہے یا بزرگوں کا عمل؟

امام مالک رحمہ اللہ کے دور میں حکومت وقت اور تمام علماء نے متفقہ طور پر زبردستی طلاق کو جائز قرار دیا۔ اور تمام علماء کے اجماع کو اکیلے امام مالک نے توڑا۔ اور اکیلے امام مالک کا فتویٰ علماء کے جم غفیر پر بھاری پڑ گیا۔ اس لیے کہ ان کا فتویٰ حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے دور میں حکومت کے اس فیصلے کی کہ قرآن مخلوق ہے تمام علماء نے توثیق و تائید کی اور اکیلے امام احمد نے اس کے خلاف آواز اٹھائی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ آٹھویں صدی ہجری کے امام اور مجدد ہیں، اس دور میں حکومت وقت سمیت علماء کی اکثریت ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتی تھی اور یہی فتویٰ عام اور معمول بہ تھا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تنہا حکومت اور علماء کے اس فتویٰ کو للکارا...... اور ایک مجلس کی تین طلاقوں کے ایک ہی نافذ ہونے کا فتویٰ دیا اور دلیل میں صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش فرما دی۔

چنانچہ اس کی پاداش میں آپ کو مختلف مشقتوں اور صعوبتوں کا نشانہ بننا پڑا۔ میرے دوستو! اس وقت مخالفین کے پاس صرف ایک ہی حجت اور ایک ہی عذر تھا کہ یہ نیا مسئلہ کہاں سے آ گیا؟ نہ ہمارے بزرگ اس کے قائل تھے، نہ علماء اس کے قائل ہیں۔ حالانکہ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی دلیل بالکل واضح تھی۔

یہاں تھوڑا سا توقف کیجئے اور بتایئے کہ اس مسئلہ میں آپ کے لیے معیار کیا ہے؟

لوگوں کی اکثریت کا عمل اور علماء کی اکثریت کا فتویٰ یا شیخ الاسلام کا فتویٰ جو نبی علیہ السلام کی حدیث کی روشنی میں تھا۔ نیز بتایئے کہ:

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتویٰ اور صحیح حدیث کے مقابلہ میں لوگوں کا یہ کہنا کہ انہوں نے ایک نیا مسئلہ نکالا ہے کوئی دوسرا عالم یا بزرگ اس کا قائل نہیں کیا آپ کے لیے قابل قبول ہوگا۔

اگر ہاں تو پھر آپ بھی ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا کریں، اور اگر نہیں تو پھر جو چیز ان کے لیے ناپسندیدہ اور ناجائز ہے۔ وہ آپ کے لیے پسندیدہ اور جائز کیوں کر ہوگی؟ پھر آپ مسئلہ وضع الیدین بعد الرکوع کو ایک نئی ایجاد اور اختراع کہہ کر کیوں رد کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ مسئلہ قولاً اور عملاً نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منصوص ہے۔

خدارا مسئلہ کی سنگینی کو سمجھنے کی کوشش کیجئے، نماز کے ایک مسئلہ کے بارے میں ہمارا تعصب لوگوں کے ساتھ ہے یا براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ؟

میں یہاں تین دعوتیں پیش کروں گا ان میں سے کسی ایک دعوت کو ضرور قبول کیجئے۔

① ...... یا تو وضع کی مذکورہ دو دلیلوں کے مقابلہ میں ارسال کے لیے کوئی ایسی حدیث لایئے جو وضع الیدین کے سلسلہ میں پیش کردہ صحیح بخاری اور سنن نسائی کی حدیثوں سے زیادہ اعلیٰ فی الدرجہ اور زیادہ اصرح فی الدلالۃ ہو۔

② ...... یا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یا کم از کم صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے کوئی ایسا مخصص لے آیئے جو صحیح بخاری اور سنن نسائی سے پیش کردہ حدیثوں کے عموم کو توڑ دے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

......اور اگر یہ دونوں کام نہیں ہو سکتے (اور نہ کوئی آج تک کر سکا ہے اور نہ ہی ان شاء اللہ ہو سکیں گے) تو پھر ان دونوں حدیثوں کے عموم کو تسلیم کرتے ہوئے وضع پر عمل شروع کر دیجیے، اور یہ تیسری دعوت ہے۔

آخر عمومات سے استدلال، ایک ایسی حقیقت ہے جس کا آج تک کوئی انکار نہیں کر سکا، اور شاہ صاحب کے رسالہ میں عمومات سے استدلال کے متعلق ایک مفصل بحث آپ کو ملے گی۔ فلیرجع الیہ

قارئین کرام! یہ ساری بحث اس وقت تھی جب وضع الیدین بعد الرکوع کے مسئلہ کو ایک نیا مسئلہ کہا جائے جیسا کہ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے تو صرف فلاں عالم یا فلاں شخص کو رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے دیکھا ہے اور کسی کو اس کا عامل نہیں پایا۔ ہم دلائل کے ساتھ یہ واضح کریں گے کہ یہ مسئلہ نہ تو نیا ہے اور نہ ہی اس دور کی ایجاد ہے۔ بلکہ سلف کی کثیر تعداد سے اس پر عمل کرنا ثابت ہے۔ قبل اس کے کہ اس پر چند حوالے پیش کروں اتنا واضح کر دیتا ہوں کہ جب رسول اکرم ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہو چکا ہے تو اس کو نیا یا پرانا کہنا اس کی صحت پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوتا۔

کوئی مسئلہ نبی علیہ السلام کی حدیث سے ثابت ہو جائے تو اس کی تائید وتقویت کے لیے بزرگوں کا عمل پیش کرنا میرے مزاج اور ضمیر کے خلاف ہے۔ مگر بعض حضرات کی تشفی اور اطمینان خاطر کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند حوالے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ امام اہل سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تیسری صدی ہجری کے چوٹی کے محدث ہیں۔ ان کے شرف اور مقام عالی کے بیان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد ہیں۔ ان سے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے یا نہ باندھنے کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا:

((اذا رفع راسه من الركوع ان شاء ارسل يديه وان شاء وضع يمينه على شماله .)) (الانصاف فی مصرفه الراجع من الخلاف للمرداوی) (وایضا کشاف القناع: ۱/ ٤٠٦)

یعنی "جب نمازی رکوع سے سر اٹھائے تو چاہیے اپنے ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دے اور چاہے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ لے۔"

گویا امام صاحب نے دونوں صورتوں میں سے ایک صورت کو اپنانے کا اختیار دیا ہے اور ان کا اختیار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ سلف میں اور خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے۔

کیونکہ امام صاحب کا اصول یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ملتے اور وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ترجیح کی کوئی صورت نہ پاتے، تو بلا ترجیح اسے چھوڑ دیتے اور اختیار دے دیتے کہ کسی ایک قول پر عمل کر لیا جائے...... جیسا کہ مسئلہ زیر بحث میں انہوں نے اختیار دیا۔ امام صاحب کے اصول خمسہ کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: (اعلام الموقعین للحافظ ابن القیم: ۱/ ۷۲۹ تا ۷۳۳)

لیکن کسی مسئلہ میں اگر امام صاحب پر وجہ ترجیح واضح نہ ہو تو اس کا معنی یہ نہیں کہ اس مسئلہ میں ترجیح کی صورت کسی پر منکشف نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ واضح ہونا چاہیے کہ حنابلہ کے ہاں وضع پر عمل کرنا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے۔

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب (الروض المربع فی شرح زاد المستقنع) للشیخ شرف الدین ابو النجا موسیٰ بن احمد المقدسی الدمشقی المتوفی ۹۶۸ ہجری میں ہے۔

((واذا رفع المصلی من الركوع فان شاء وضع يمينه على شماله او ارسلها.)) (الروض المربع: ۲/ ۴۹)

یعنی ''جب نمازی رکوع سے سر اٹھائے تو چاہے ہاتھوں کو باندھ لے اور چاہے کھلا چھوڑ دے۔''

(الروض الربیع) اس کتاب کے نیچے شیخ عبدالرحمٰن بن محمد بن قاسم العاصمی النجدی کا حاشیہ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

((والاول اولى، لثبوت وضعهما حال القيام وعدم المخصص والان الاصل ان كل قيام فيه ذكر مسنون يضع فيه يمينه على شماله وقد ثبت فيه الذكر ولان الوضع ابلغ فى التعظيم من الارسال.))

(حاشية الروض المربع: ۲/ ۴۹)

''یعنی رکوع کے بعد ہاتھ باندھ لینا، چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔'' کیونکہ

(ا) قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے ہی کا ثبوت ملتا ہے۔

(ب) اور کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جو ہاتھ باندھنے کو قیام اول کے ساتھ خاص کرے۔

(ج) اور کیونکہ اصل یہ ہے کہ ہر وہ قیام جس میں کوئی ذکر مسنون ہے اس میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ہے۔ اور رکوع کے بعد والے قیام میں ذکر ثابت ہے۔ ربنا ولک الحمد...... الخ وغیرہ

(د) اور اس لیے بھی کہ ہاتھ باندھ لینے میں، ہاتھ چھوڑ دینے کی نسبت زیادہ تعظیم کا اظہار ہے۔ انتہی کلامہ۔

نوٹ: محشی نے لکھا ہے کہ ہاتھ باندھ لینے میں زیادہ تعظیم ہے۔ ہاتھ باندھ لینے کی یہی حکمت حافظ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بہت سے علماء سے نقل کی ہے۔ ضمنی طور پر یہ حوالہ بھی پڑھتے جائیے، فرماتے ہیں:

قال العلماء: ((الحکمة فی هذه الهیئة انه صفة للسائل الدلیل وهو امنع من العبث واقرب الی الخشوع .)) (التعلیقات السلفیه: ۱/ ۱۰۵)

"علماء فرماتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے کی ہیئت میں حکمت یہ ہے کہ یہ سائل ذلیل کی صفت اور حالت کا مظہر ہے۔ اور ہاتھ باندھ لینا (ارسال کی بہ نسبت) عبث حرکات سے زیادہ باز رکھتا ہے اور یہ خشوع وخضوع کے زیادہ قریب ہے۔"

گویا وضع میں ارسال کی بہ نسبت زیادہ تعظیم، زیادہ عاجزی اور زیادہ خشوع اور تضرع ہے تو علل الاحکام کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ پوچھ سکتے ہیں کہ جس تعظیم، عاجزی، تضرع اور خشوع کی رکوع سے پہلے والے قیام میں ضرورت تھی رکوع سے بعد والے قیام میں اس کے لیے کیا رکاوٹ پیش آ گئی؟ کیا رکوع سے پہلے والا قیام اللہ کے لیے ہے اور رکوع سے بعد والا قیام اللہ کے لیے نہیں ہے؟

((والا فما هو الفارق بین القیامین من حیث عجز العبد واظهاره التعظیم لله سبحانه و تعالیٰ))

۴۔ چھٹی صدی ہجری کے مایہ ناز محدث اور فقیہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی عظیم الشان کتاب المحلی میں اس مسئلہ پر بحث فرمائی ہے تفصیلی حوالہ شاہ صاحب کی کتاب میں ملاحظہ فرما لیجیے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ نماز میں ہر کھڑا ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھ لینا بہتر اور افضل ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ (ہر قیام میں ہاتھ باندھ لینے کا عمل) ابومجلز، ابراہیم النخعی، سعید بن جبیر، عمرو بن میمون، محمد بن سیرین، ایوب السختیانی اور حماد بن سلمہ سے منقول ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (المحلی: ٤/ ١١٢ تا ص ١١٤)

قارئین کرام! غور کیجئے کتنے بلند پایہ محدثین اور فقہاء سے وضع کا عمل منقول ہے۔

مندرجہ بالا حوالہ جات کو غور سے پڑھ کر خاص طور پر وہ حضرات اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھیں جو وضع الیدین بعد الرکوع کو بدعت کہتے ہیں، کتنی بڑی دیدہ دلیری ہے۔ کراچی کے ایک مقتدر اور انتہائی محترم عالم دین کے بارہ میں یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ انہوں نے باقاعدہ اپنے ایک درس میں اسے بدعت قرار دیا۔ انہیں کیا معلوم کہ اس فتویٰ کی زد میں کتنے بڑے بڑے ائمہ ومحدثین آ گئے ہیں کیا یہ سب بدعتی تھے؟ ابھی بہت سے معاصر علماء کی فہرست پیش کی جائے گی کیا وہ سب بدعتی ہیں؟

کیا بدعت کہنے والوں میں اتنی ہمت وجرأت ہے کہ وہ باقاعدہ ایک پوسٹر شائع کر کے ان حضرات کے نام لکھ کر ان پر بدعتی ہونے کا فتویٰ لگائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر صحیح بخاری اور سنن نسائی کہ مذکورہ حدیثیں اگرچہ صراحت کے ساتھ ہاتھ باندھنے پر دلالت کرتی ہیں لیکن آپ کہتے ہیں کہ یہ صریح دلیلیں نہیں بلکہ اشارہ اور استنباط ملتا ہے۔

اگر چند لمحوں کے لیے آپ کی بات تسلیم کر لی جائے تو پھر بتایئے کہ جو مسئلہ استنباطی طور پر نبی علیہ السلام کی حدیث سے ثابت ہوا سے بدعت کہنا جائز ہے؟ اگر گستاخی نہ ہو تو عرض کر دوں کہ محض زور خطابت اور کھوکھلے قسم کے بے دلیل فتوے ہی ہر چیز نہیں۔ زور خطابت کے ساتھ استدلال کی قوت بھی ہونی چاہیے۔ ہر وہ فتویٰ جو بے دلیل ہو وہ محض عبث ہے، کیا ہی اچھا ہوتا جو وضع کو بدعت کہنے سے پہلے ارسال کو نبی علیہ السلام کی حدیث سے ثابت کر دیا جاتا۔ مگر افسوس اس درس میں سب کچھ تھا بے دلیل فتویٰ بھی تھا۔ سب وشتم کی بھرمار بھی تھی۔ نہیں تھا تو دلیل نہیں تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

۳۔ قرن حاضر کے بہت سے علماء اور محققین سے عملی طور پر رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا ثابت ہے اور یہ عمل انہوں نے بڑی تحقیق کے بعد ہی اختیار کیا ہوگا۔

سرزمین حجاز یا سعودی عرب کے دیگر علاقوں یا دوسرے بلاد عرب کے تمام بڑے بڑے علماء اور مشائخ رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے تھے اور ہیں۔

سعودی عرب کے سابق مفتی اعظم الشیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھا کرتے تھے اور موجودہ مفتی اعظم مجلس کبائر علماء کے رئیس اعلیٰ، عالم اسلام کی مسلمہ اور متفق علیہ علمی شخصیت، علم وعمل کے مضبوط پہاڑ سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے ہیں۔ سعودی عرب کے سابق قاضی القضاۃ الشیخ عبداللہ حمید مرحوم اس سنت کے عامل تھے اس کے علاوہ علامہ حمود بن عبداللہ التویجری، فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز المحمد السلمان، مدینہ یونیورسٹی کے ہر دلعزیز استاد الشیخ عبدالقادر حبیب اللہ السندی اور عرب کے محکمہ افتاء کے بڑے بڑے علماء اور مفتیان کرام رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے ہیں۔

راقم نے ریاض یونیورسٹی میں چار سال تک تعلیم حاصل کی ہے اور وہاں کے تقریباً تمام مشائخ اور اساتذہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور سب کو اس کا عامل پایا۔

راقم اس وقت ارسال کا قائل تھا لہٰذا بعض کے ساتھ بحث بھی ہوئی اور بحث کے دوران مکمل طور پر احساس ہو جاتا تھا کہ ارسال بعد الرکوع کا مذہب کچے سے دھاگے پر قائم ہے اور دلیل کے اعتبار سے بالکل کھوکھلا ہے۔ پھر کویت، قطر، بحرین، امارات عربیہ، سوڈان، مصر، عراق اور دیگر بلاد عربیہ سے آئے ہوئے مختلف اہل حدیث وفود اور خصوصاً اہل حدیث طلبہ کو قریب سے دیکھا ان سب کو علمی اعتبار سے انتہائی مخلص اور مستحکم پایا، عقیدہ ایسا ٹھوس کہ کسی قسم کی کوئی لچک نہیں۔ اعتصام بالکتاب والسنہ میں پاکستان کے اہل حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرات سے چند قدم آگے ہی ہوں گے۔ بدعات ورسومات اور تقلید شخصی کے خلاف جتنی ان میں شدت دیکھی ہے اتنی اپنے ہاں نہیں پائی۔ الا ماشاء اللہ اور خاص بات یہ ہے کہ ان سب کو رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے ہوئے پایا۔ جس طرح ہمارے پاکستان میں ارسال کرنے والوں کی اکثریت ہے اور ہاتھ باندھنے والے قلت میں ہیں، اسی تناسب سے سعودی عرب میں میرے مشاہدے کے مطابق علمی حلقوں میں ہاتھ باندھنے والوں کی اکثریت ہے جبکہ ارسال کرنے والے انتہائی قلت میں ہیں۔

سرزمین عرب کے ایک بہت بڑے عالم دین، جن کا علمی مرتبہ ومقام شیخ عبدالعزیز بن باز کے بعد شمار ہوتا ہے اور جو انتہائی راسخ اہل حدیث اور ٹھوس علمی شخصیت جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ (فرع القصیم) کے پروفیسر ہیں۔ اور وہاں کی مرکزی مسجد کے امام وخطیب ہیں ان سے میری مراد الشیخ محمد صالح بن عثیمین ہے وہ بھی رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے ہیں۔ اس کے علاوہ الشیخ صالح العلی الناصر جو جامعہ الامام کے قسم فقہ کے رئیس ہیں اور زبردست قسم کے اہل حدیث وہ بھی اس سنت کے قائل وعامل ہیں۔

پھر سرزمین پاک وہند میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ بڑے بڑے علماء اس کے قائل وفاعل تھے۔ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید مولانا ابو اسماعیل یوسف حسین ہزاروی نہ صرف یہ کہ وضع کے قائل تھے بلکہ وضع کے اثبات میں ایک مدلل رسالہ بنام اتمام الخشوع فی وضع الیمین علی الشمال بعدالرکوع تصنیف فرمایا، علاوہ ازیں علامہ خان مہدی زمان ہزاروی مرحوم وضع کے قائل تھے۔

مولانا عبدالحق بہاولپوری مرحوم اس سنت کے قائل وعامل تھے۔ بنگال میں مولانا محی الدین صاحب اور ان کے فرزند مولانا محمد الیاس صاحب رکوع کے بعد ہاتھ باندھا کرتے تھے۔

ملتان میں مولانا عبدالتواب صاحب مرحوم کے صاحبزادے (غالباً مولانا عبدالودود صاحب) کا بھی یہی مسلک تھا اس کے علاوہ عظیم محدث مولانا اسماعیل صاحب غزنوی رحمہ اللہ وضع کے قائل وعامل تھے اور ان کی روایت کے مطابق نجد کے بادشاہ ملک عبدالعزیز بن سعود رکوع کے بعد ہاتھ باندھا کرتے تھے اور ملک عبدالعزیز صرف بادشاہ ہی نہیں تھے بلکہ کتاب وسنت کے عالم اور سلفیت سے محبت کرنے والے تھے۔

جماعت کے عظیم محدث حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دہلی میں بعض لوگ ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ عظیم محقق مولانا احمد دین گکھڑوی مرحوم کے متعلق روایت ملتی ہے کہ وہ بھی اس سنت کے قائل تھے بلکہ کسی مجلس میں انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا تھا کہ ارسال کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اسے کوئی ثابت نہیں کرسکتا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دور حاضر کے عظیم محدث اور عالم اسلام کے مایہ ناز محقق، جماعت اہل حدیث کے قابل صد افتخار عالم دین، شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی مدظلہ العالی رکوع بعد ہاتھ باندھنے کے قائل وعامل ہیں، آپ سے میری اس موضوع پر متعدد بار گفتگو ہوئی۔ دلائل سنے، دل نے قبول کیا، اور ارسال سے رجوع کر کے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے شروع کر دیے۔

جزاه الله عنی وعن سائر المسلمین خیر الجزاء واسعده فی الدارین.

محترم شاہ صاحب نے وضع الیدین بعد الرکوع کے موضوع پر کم وبیش دس مدلل کتب ورسائل تصنیف فرمائے ہیں۔ بعض عربی میں، بعض اردو میں اور بعض سندھی میں۔

اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ سرزمین پاکستان میں اس سنت کے احیاء کا شرف اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے۔ زیر نظر رسالہ بھی آپ ہی کی تالیف ہے۔

کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں

مؤلف کتاب، استاد محترم، علامہ السید بدیع الدین شاہ الراشدی (رحمہ اللہ) کی شخصیت کسی سے اوجھل نہیں اور نہ ہی محتاج تعارف ہے۔ اور نہ ہی آپ روایتی اور مروجہ انداز تعارف کو پسند فرماتے ہیں اور ظاہر ہے علماء حق کی شان استغناء، اس قسم کے روایتی تعارف اور سمعہ وریاء سے بالاتر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس قدر علم سے نوازا ہے اسی قدر عمل کی دولت بھی عطا فرمائی ہے۔

علمی اعتبار سے آپ عرب وعجم کی مسلمہ اور معترف بہ شخصیت ہیں۔ وہ دور تاریک کے اوراق سے کبھی محو نہیں ہو سکتا، جب شاہ صاحب حرم مکہ میں درس حدیث دیا کرتے تھے ان حلقات کا مشاہدہ کرنے والے بتاتے ہیں کہ شاہ صاحب کی مجالس علم کو دیکھ کر قرون اولیٰ کے محدثین کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ سعودی عرب کے اطراف اکناف سے تشنگان علم حدیث اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے آیا کرتے تھے۔ بلکہ دیگر بلاد عربیہ مثلاً کویت، عرب امارات اور مصر وغیرہ سے بھی علماء اور طلبہ محض شاہ صاحب سے استفادہ کرنے کے لیے اتنے طویل وعریض فاصلے طے کر کے آیا کرتے تھے۔ استحضار علمی، قوت استدلال اور بروقت کسی بھی مسئلہ کے لیے کتاب وسنت سے دلیل لانا، آپ ہی کا خاصہ ہے، اس علمی شان کے ساتھ عملی استحکام اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔ جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے، فتعلمنا العلم والعمل معا.

راقم نے اس چیز کا بخوبی مشاہدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے راقم کو آپ کے پنجاب اور اندرون سندھ مختلف تبلیغی سفروں میں مرافقت کا موقع عطا فرمایا ہے۔ یقیناً آپ کی مرافقت سے علمی اور عملی دونوں فائدے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تقریری، تحریری اور تدریسی تمام میدانوں کی شہسواری کے لیے پیدا فرمایا ہے، جس میدان میں قدم رکھیں اس میدان میں اپنا کوئی ثانی نہیں پاتے، اور مذکورہ تینوں مجالات میں، تینوں زبانوں عربی اردو اور سندھی کے ساتھ یکساں عبور ہے۔ مناظرانہ صلاحیت بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ غالباً پچاس سے زائد مختلف موضوعات پر مختلف زبانوں میں علمی تصانیف موجود ہیں، بعض مطبوع ہیں اور بعض طباعت کی منتظر ہیں۔

آج کل ایک عظیم الشان کام شروع کیا ہوا ہے۔ یعنی قرآن مجید کی سندھی میں تفسیر راقم اس کوشش میں مصروف ہے کہ اس تفسیر کا اردو اور پھر عربی میں ساتھ ساتھ ترجمہ کرلیا جائے۔ تاکہ یہ تفسیر بیک وقت تینوں زبانوں میں شائع ہو جائے، اللہ تعالیٰ اس پروگرام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین کرام! یہ چند سطور بطور نصیحت تحریر کی ہیں اور یہ نصیحت پہلے میرے لیے ہیں اور پھر تمام ان حضرات کے لیے ہے تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اسی رنگ میں رنگنے کی کوشش کریں، جس جانب کی دلیل راجح اور وزنی معلوم ہو اسے قبول کریں، اور مخالف کو اپنی تنقید یا طعن کا نشانہ نہ بنائیں۔ دلیل کی روشنی میں کسی مسئلہ کو قبول کر لینا اندھی تقلید سے بہتر ہے۔ جبکہ خواہش وہوٰی یا تعصب وعناد کی ذرہ برابر گنجائش بھی مہلک ترین ہے۔ اور سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑی شقاوت یہ ہے کہ آدمی کسی مسئلہ کی دلیل اور اس کی صحت سے مطمئن ہونے کے باوجود محض تعصب وعناد کی بنا پر اسے قبول کر لینے سے انکار کر دے یہ تکبر ہے۔ (الکبر بطر الحق وغبط الناس) اس کو شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے۔ یہ نفاق کی واضح ترین علامت ہے۔ اور کفر کی اولین پہچان ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ انسان حق کے معاملہ میں تعصب کا مظاہرہ کرے؟ کیا ہم نے قبر میں نہیں جانا؟ کیا ہم پر اللہ تعالیٰ کی عظیم اور مہیب عدالت نے قائم نہیں ہونا؟

یہ سوال ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

العبد الفقير الراجي الى رحمة ربه الكريم

عبداللہ ناصر رحمانی

★......★......★

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله الذی شرح صدر رسوله ووضع عنه وزره فمن اتبعه فی جمیع ماجاء به دون تفریق المجموع والجمع بین المتفرق یضاعف له اجره۔ وجمع حوله انصار اوحواری یستنون بسنته یتبعون نهیه وأمره۔ وافضل الصلوٰت وازکی التسلیمات علی امام سبیل المؤمنین بین لهم حده وأثره۔ ووضع لهم العمل بما یتقربون لدی ربهم ویستحقون نصره۔ وعلی آله واهله وصحبه الذین تشبثوا بسننه کل وقت عسره ویسره۔ وادوا کل ماحفظوه قوله اوفعله وترغیبه او ترهیبه۔ وحکمه اوقضاء ه وکذا نهیه اوز جره بالامانة دون شوب الرأی اوالهوی اوبتبذیله اثره۔ ففاز من طاوعه کما بلغه عنه وطوع له سمعه وبصره۔ وخاب من ولی عما جاء عنه وثبت وبره۔ اعراض اوبتأ ویل اوتغییر فما نال البشری بل ولی هلا که وخسره۔

امابعد: آج ہمیں ایک رسالہ پہنچا ہے جس پر یہ نام لکھا ہوا ہے "نیل الامانی وحصول الآمال بتحقیقة ان الهیئة المسنونة للقیام بعد الرکوع هی الارسال" اس میں کوشش کی گئی ہے کہ نماز میں رکوع کے بعد قیام کی حالت میں ہاتھ نیچے چھوڑ دینے چاہئیں باندھے نہ جائیں حالانکہ اِس میں کوئی نئی بات نہیں لکھی گئی اکثر وہی باتیں ہیں جن کا جواب ہمارے عربی اور اردو وسندھی رسائل میں ذکر ہو چکا ہے جن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱: هدیة البدیع الی اخیه الکریم الرفیع فی ثبوت الوضع بعد الرکوع من الحبیب الشفیع.

اِس کے رد میں اسی مصنف محترم نے ایک رسالہ بنام "التعقب المنیع علی هدیة البدیع" لکھا تھا جس کا جواب میں نے مفصل بنام۔

۲: الجواب الوقیع عن التعقب المنیع لکھا تھا۔

۳: زیادة الخشوع بوضع الیدین فی القیام بعد الرکوع یہ رسالہ مجلّہ الجامعة السلفیه "بنارس میں تین قسطوں میں چھپ چکا ہے۔ یہ تینوں رسالے عربی زبان میں ہیں۔

۴: زیادة الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۵: الدلیل التام علی ان سنۃ المصلی الوضع کلما قام۔

یہ رسالہ مرحوم حافظ عبداللہ صاحب روپڑی کے رسالہ ارسال الیدین کے جواب میں لکھ گیا تھا۔

۶: "الاعلام بجواب رفع الابهام وتاييد الدليل التام" یہ رسالہ حافظ عبداللہ کے رسالہ رفع الابہام کے جواب میں تحریر کیا گیا تھا۔

۷: "اسكات الجزوع فى جواب رسالة مابعد الركوع وتاييد اتمام الخشوع" جو کہ غرباء اہلحدیث کی طرف سے شایع کردہ رسالہ مابعد الرکوع کے جواب میں لکھا گیا تھا۔

۸: صحیح بخاری کی ایک حدیث اور مسئلہ وضع الیدین فی القیام بعد الرکوع۔

۹: ''رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا'' یہ رسالہ سندھی زبان میں ہے۔

ان رسائل میں سب اعتراضات اور خدشات کا پورا اور مفصل جواب مذکور ہے اگر ناظرین بنظر انصاف ان رسائل کا مطالعہ کریں تو ان شاء اللہ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی۔ اگرچہ اس نئے رسالہ لکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

کیونکہ ہمارے رسائل کا مطالعہ سمجھدار کے لیے کافی تھا مگر بعض دوستوں کے اصرار پر اس کا بھی مختصر جواب قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اس کا نام القنوط والیأس لاهل الارسال من نيل الآمانی وحصول الآمال رکھا گیا ہے۔ ناظرین تفصیلی جواب سے پہلے کچھ اجمالی جواب ملاحظہ فرمائیں۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

۱: مصنف محترم نے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والوں کو مقلد کہا ہے۔ حالانکہ ایک عام عمل لوگوں میں مروج ہو اس کے خلاف کسی اور عمل کو قبول کرنا مشکل ہے۔ یہ وہی کرسکتا ہے جو ایسے دلائل دیکھے جن کو قبول کیے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔ البتہ اس عام عمل کو دیکھ کر اس کا ساتھ دینا تو تقلید ہو سکتا ہے۔

؎ اگر درخانہ کس است یک حرف بس است

۲: اہلحدیثوں پر الزام دینا کہ انہوں نے غیر نبی کو امام بنا رکھا ہے۔

یہ ان کے شان میں انتہائی گستاخی ہے کیونکہ ان کا امام تو صرف حضرت محمد ﷺ ہے (تفسیر ابن کثیر ص۵۲/ج۳) ہاں!! یہ بات وہاں صادق آتی ہے جہاں پیری مریدی ہو کیونکہ مریدوں کے لیے پیر کا قول ہی شریعت کا آخری فیصلہ ہے جس کی ترجمانی حافظ شیرازی نے اس طرح کی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر

۳: مصنف محترم اپنی سندھی کتاب التحقیق الجلیل کے متعلق لکھتے ہیں کہ عوام خواص اور علماء وفضلاء ومحققین نے اُسے پسند فرمایا۔" حالانکہ تھوڑا آگے چل کر خود فرماتے ہیں کہ وہ اس کتاب کو اُٹھانا بھی پسند نہیں کرتے لیکن بعض خواص بھی اس کا پورا مطالعہ نہیں کرتے اور اس کو فریق مقابل کے اقوال وتحریرات سے مقابلہ کر کے دیکھتے بھی نہیں کہ آخر کون سی بات حق ہے اور کیوں؟'' اَب ناظرین غور فرمائیں کہ خود ہی اپنی بات کی تردید کر رہے ہیں۔ کیا پسند کرنا اس کا نام ہے کہ اس کو دیکھا اور نہ پڑھا جائے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں

۴: فرماتے ہیں'' ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ دلائل صحیحہ جو احادیث صحاح سے ثابت ہیں ان پر غور وفکر اور تامل وتدبر کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں حق یہی ہے کہ رکوع کے بعد والے قیام میں ارسال کرنا چاہیے۔ یعنی ہاتھوں کو چھوڑ دینا چاہیے۔ نہ کہ ان کو باندھنا چاہیے۔

اس بات سے صاف واضح ہے کہ مصنف کے پاس اپنے مسلک یعنی ہاتھ چھوڑنے کے لیے کوئی صریح دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ان کا استنباط ہے بلکہ مصنف محترم کا ایک مضمون صحیفہ اہلحدیث کراچی یکم شعبان ۱۳۹۹ھ جولائی ۱۹۷۹ء میں چھپا تھا اُس کے ص ۱۸ پر اُن کے یہ الفاظ ہیں ''مثلاً نماز میں رکوع کے بعد وضع کرنا چاہیے یا ارسال؟ لیکن اِس مسئلہ کے متعلق نص صریح تو بہرحال کسی کی جانب نہیں ہے اگر نص صریح ہوتی تو کم از کم اہلحدیث میں تو اختلاف نہ ہوتا۔ بہرصورت نص صریح نہیں اور جس نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ اگرچہ احادیث نبوی پر مبنی ہے لیکن ان سب کی حیثیت استنباط واجتہاد کی ہے۔

ناظرین! اِس عبارت کو بار بار پڑھیں اِس سے چند باتیں ظاہر ہوتیں

الف:...... یہاں انکار کرتے ہیں کہ نص کسی طرف نہیں ہے اور اِس سے دس سال قبل اپنی سندھی کتاب التحقیق الجلیل جو کہ ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی ہے اِس کے ص ۲۴۳ اور ۲۹۴ میں صاف دعویٰ کرتے ہیں کہ ارسال کے لیے ہمارے پاس خصوصی دلیل موجود ہے۔ اَب قارئین خود فیصلہ کریں کہ کونسی بات صحیح ہے؟ یا یہ کہ دس سال بعد اُن کے موقف میں یہ تبدیلی آئی ہے اور اس پہلے دعوے سے دستبردار ہوئے ہیں اِس طرح اگر دلائل پر مزید غور جاری رکھیں گے تو بعید نہیں کہ اپنے مسلک سے رجوع فرمائیں۔" وما ذالك على الله بعزيز.

الحاصل: جب انہوں نے قبول کرلیا کہ اُن کے پاس نص نہیں ہے بلکہ ان کا اپنا استنباط ہے جس کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسروں پر مسلط نہیں کر سکتے دوسروں کو منوانے کے لیے احادیث کے الفاظ چاہئیں دوسری طرف ہمارے پاس نص موجود ہے ایک طرف سنن نسائی کی حدیث ہے کہ "اذا کان قائما فی الصلوٰۃ قبض بیمینہ علی شمالہ" یعنی آپ ﷺ نماز میں جب قائم ہوتے تھے تو اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھتے تھے یہ حدیث نص صریح ہے کہ نماز میں "قائم" کھڑے ہونے والے کے لیے سنت یہ ہے کہ ہاتھ باندھ لے یہ نہ استنباط ہے نہ یہاں غور وتدبر کی ضرورت ہے بلکہ صریح لفظ ہے۔ دوسری طرف صحیح بخاری ص ۱۰۹/ ج ۲ میں حدیث میں یہ الفاظ ہیں "ثم یقول سمع اللہ لمن حمدہ حین یرفع صلبہ من الرکعۃ ثم یقول وھو قائم ربنا ولک الحمد" یعنی آپ ﷺ جب رکوع سے اپنی پیٹھ مبارک کو اُوپر اُٹھاتے تو "سمع اللہ لمن حمدہ" کہتے اور پھر جب "قائم" ہوتے تو "ربنا ولک الحمد" کہتے۔ یہ حدیث بھی اس مسئلہ کے لیے نص صریح ہے کہ رکوع کے بعد سیدھا ہونے والا قائم ہے یہ بھی نہ استنباط ہے اور نہ فکر وتامل کی ضرورت بلکہ دونوں مسئلے مخصوص ہیں اور اِن دونوں نصوص کو ملانے سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ قارئین کرام اچھی طرح جانتے ہیں۔

ب:...... اِس مضمون میں تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اجتہاد واستنباط ہے حالانکہ یہ کام مقلد کا نہیں۔ لہٰذا ہاتھ باندھنے والوں کو مقلد کہنے کا الزام خود اُن کے اپنے قول سے رد ہوگیا۔

ج:...... اِس مضمون میں یہ بھی مانتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے اور کھولنے والے دونوں اہلحدیث ہیں پھر ایک فریق کو مقلد کہنا اور دوسرے کو نہیں چہ معنی دارد۔

د:...... جب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اِس مسئلے کے متعلق کسی جانب نص صریح نہیں تو پھر ایک فریق کی تحقیق ماننے والے مقلد ٹھہریں اور دوسرے کے ماننے والے نہ ہوں یہ بھی عجیب ہے۔

۵: دلیل اول کے تحت لکھتے ہیں کہ وہ آدمی جو نماز صحیح طور پر ادا نہیں کر رہا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اُن کو تین بار نماز لوٹانے کا امر فرمایا اور پھر اس کو صحیح طور پر نماز ادا کرنے کی تعلیم دی" اب سوال یہ ہے کہ اگر اِس حدیث میں بقول مصنف ہاتھوں کو چھوڑ دینے کا حکم ہے تو پھر کیا مصنف ہاتھ باندھنے والوں کی نماز کو باطل کہیں گے یا اِن کو لوٹانے کا حکم دیں گے؟ کیا ایسا فتویٰ صادر فرمائیں گے؟ حالانکہ وہ خود میرے پیچھے کئی بار نماز پڑھ چکے ہیں اور کئی بار اپنے مصلی پر امامت کے لیے کھڑا ہونے کے لیے اصرار کرتے رہے ہیں نیز سعودیہ میں کئی ایسے ائمہ کے پیچھے نماز پڑھ چکے ہیں جو رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے ہیں اور اگر ایسے فتوے کی جرأت نہیں کرتے تو پھر اس روایت سے ان کا استدلال کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۶: دلیل دوم میں امام بخاری کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک ہی حدیث کو مختلف ابواب میں الگ الگ مسائل کے اثبات کے لیے بار بار دہراتے ہیں اور رکوع کے بعد والے قیام میں بھی وضع یا ہاتھ باندھنے ہوتے تو ضرور اِس حدیث (حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ) کو دوبارہ اِس باب میں رکوع کے بعد والے قیام کی ہیئت بیان کرنے کے لیے ذکر فرماتے (الخ) لیکن ہم کہہ سکتے ہیں دونوں قیاموں کے لیے ہاتھوں کا الگ حکم نہیں تھا اِس لیے ایک ہی باب پر اکتفا کیا اگر فرق ہوتا تو اِس کے لیے الگ باب رکھتے۔ جیسا کہ پہلے قیام میں قراءۃ اور دوسرے میں دُعا ہے اِس لیے دونوں کے الگ باب مقرر فرمائے "فما ادق النظر واحسن الفکر"

۷: تیسری دلیل میں المراوح (پنکھوں) والی روایت ذکر کی ہے حالانکہ رفع الیدین تو افتتاح کے وقت بھی ہوتی ہے تو کیا اِس وقت بھی ہاتھ چھوڑ دینے چاہیے؟ کیونکہ مصنف محترم نے پنکھوں سے تشبیہ کا مطلب یہی سمجھا ہے اور اگر کہا جائے گا۔ افتتاح کی رفع الیدین کے بعد صریحاً ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے تو یہ خود اِس استدلال کو غلط ثابت کرتا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں جو مصنف محترم نے سمجھا ہے۔

۸: چوتھی دلیل میں لکھتے ہیں کہ اِس روایت میں ہاتھ باندھنے کی غایت یا حد رکوع کرنے تک بتائی گئی ہے جب نماز شروع کر کے ہاتھ باندھنے اور رکوع اس کی غایت اور حد ہوگئی تو پھر دوسری تیسری اور چوتھی رکعت میں ہاتھ باندھنے کے لیے کوئی خاص دلیل چاہیے جس کو کوئی بھی پیشکش نہیں کرسکتا۔ کیونکہ جب ایک نماز میں ایک عمل کی انتہا ہو جانے کا دعویٰ ہے تو پھر وہ عمل دوبارہ اِس نماز میں کیوں کیا جائے؟ ہاں جب سلام کے بعد دوسری نماز شروع کی جائے تو اور بات ہے لیکن اِس نماز میں بقول مصنف یہ عمل صرف رکوع تک ہے اور رکوع پہلی رکعت میں آ جاتا ہے لہٰذا یہ فعل دوبارہ سلام پھیرنے تک نہ ہونا چاہیے۔

۹: پانچویں دلیل میں فرماتے ہیں کہ رکوع کے بعد ارسال کرنا عمل متواتر ہے ایسا دعویٰ تو پھر ہر مذہب والا کرسکتا ہے نہ معلوم کس کا تواتر صحیح ہے اور کس کا غلط؟ ایضاً تواتر عملی کے مدعی یہ بتائیں کہ قیام بعد الرکوع میں جتنی دیر رسول اللہ ﷺ کھڑے رہتے اور قیام طویل کرتے جیسا کہ حدیثوں میں ہے کیا اِس پر عملاً تواتر رہا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وضع یا ارسال کا تو سوال ہی نہیں رہا۔

۱۰: چھٹی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کی صورت میں آنے والے نئے مقتدی کو پتہ نہیں لگے گا کہ پہلا قیام ہے کہ دوسرا تا کہ ثناء اور سورۃ فاتحہ پڑھے یا دُعا "ربنا ولك الحمد" پڑھے۔ اگر یہ اشتباہ ہی ارسال کی دلیل ہے تو پھر جہری نماز میں تو کوئی اشتباہ نہیں اِس میں تو مصنف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محترم ہاتھ باندھنے کی ضرور اجازت دیں گے یعنی مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتیں اور فجر کی دو رکعتوں میں تو ہاتھ باندھنے کی اجازت دیں گے اسی طرح جمعہ اور عیدین کی نماز میں بھی کوئی اشتباہ نہیں ہوگا۔ بلکہ مصنف محترم کی مسجد میں تو کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ آپ کے پیچھے مقتدی بلند آواز سے "ربنا ولك الحمد" کہتے ہیں اس لیے کم از کم مصنف کو تو یہ اعتراض پیش نہیں کرنا چاہیے۔

۱۱: ہماری پہلی دلیل کا جواب دیتے ہوئے فقرہ "ب" میں فرماتے ہیں۔ "لیکن تفصیل کے موقعہ پر دوسرے قیام کو بالکل ترک کر دیا" یہی اس کی دلیل ہے کہ یہ قیام ثانی اِس حکم میں داخل ہے اور اگر اس کے لیے ہاتھ باندھنے کے علاوہ کوئی اور دوسری جدا حیثیت ہوتی ہے تو یہ عالی قدر صحابی اس کو ضرور بیان کرتے جب کوئی دوسری ہیئت نہیں پس ایک ہی پر اکتفا کیا یعنی جس طرح ہر رکعت میں دو سجدے ہوتے ہیں اور راوی پہلے سجدے کی کیفیت بیان کرتا ہے اور دوسرے کی نہیں۔ اِس لیے کہ دونوں کی ہیئت میں کوئی فرق نہیں اِس طرح راوی نے ایک جگہ عموم کے الفاظ ذکر فرمائے یعنی "اذا كان قائما" تاکہ دونوں قیاموں کی ہیئت معلوم ہو جائے اور دوسری حدیث جس کو مصنف محترم مفصل کہتے ہیں اِس میں صرف پہلے قیام کی ہیئت ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ دوسرے قیام کی ہیئت پہلے سے مختلف نہیں ہے اور فقرہ "ج" میں امام نسائی کے فہم جو کہ بزعم خود ذکر کرتے ہیں اِس سے استدلال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان کا فہم ہماشا کے فہم سے بہرحال مقدم ہے اور پھر خود ہی فقرہ "ب" میں صحابی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں کہ اس وقت یہ ان کا فہم ہوتا اور اُن کا فہم دوسروں پر حجت نہ ہوتا" پس جب بقول اُن کے صحابی کا فہم کسی پر حجت نہیں تو دوسرے ائمہ کا فہم کیسے حجت ہو سکتا ہے؟

۱۲: اِس حدیث کے جواب میں نمبر:۵ میں لکھتے ہیں کہ واضعین حضرات کو دیکھتے ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں رکوع سے پہلے خواہ بعد وضع پر عامل ہیں" لیکن ارسال کرنے والے حضرات بھی بتائیں کہ وہ بیٹھنے والے قیام میں رکوع سے پہلے ہاتھ باندھتے ہیں بعد میں کھول دیتے ہیں اِس تفریق کی کیا دلیل ہے اگر وہی کہیں گے جو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی حالت کے لیے کہتے ہیں تو بس وہی ہمارا جواب ہوگا۔

۱۳: دوسری دلیل کے جواب میں شاذ روایت کے لیے شرط لگاتے ہیں کہ وہ کوئی روایت ایسی کرتا ہے جو اس سے زیادہ ضابط و حافظ کی روایت سے مخالف ہو" لیکن یہاں کوئی مخالفت نہیں کیونکہ ارسال کے بابت صحیح صریح نص نہ ہونے کا مصنف کو بھی اعتراف ہے تو پھر مخالفت نہ رہی پس اسی صورت میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادۃ الثقات مقبولۃ یعنی ثقات اور معتبر راویوں کے روایت میں بڑھائے ہوئے الفاظ مقبول اور معتبر ہوتے ہیں اس قانون کے مطابق کیوں نہیں فیصلہ کیا جاتا ہے اور راوی عبداللہ بن ولید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ صدوق ہے اور صدوق کی روایت حسن ہوتی ہے۔

۱۴: چند روایتیں پیش کیں جن میں دوسرے قیام کا ذکر نہیں تو کیا وہ اس کے منافی ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اُن کے ذکر کرنے کا تکلف کیوں فرمایا یہ تو آپ کے ہاں بھی مسلم ہے عدم الذکر عدم الوجود کو مستلزم نہیں ہے۔

۱۵: مصنف محترم فرماتے ہیں کہ "فی الصلوٰۃ "میں فی الواقع عموم ہے اور اِس لیے دونوں قیاموں کو شامل ہے خود ابھی تک محوث فیہ ہے' اِس میں آپ کی کارگر بات صرف یہ ہوسکتی ہے کہ آپ ارسال کا صحیح ثبوت دیں بصورت دیگر اس کو عام ماننے سے کیا مانع ہے؟

۱۶: اولاً: فرماتے ہیں کہ نماز کا طریقہ متواتر تھا اِس میں کسی التباس یا اِس سے کسی غلط فہمی کی کوئی وجہ نہیں تھی لہٰذا تقدیم وتاخیر سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا لیکن بقول مصنف بعد رکوع کے قیام میں نہ وضع منصوص ہے نہ کہ ارسال تو پھر اِس صورت میں تقدیم وتاخیر تقیہ فائدہ دیتی ہے اور مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔

ثانیاً: اگر یہی بات ہے تو امام بخاری اور امام نسائی کے بزعم شما ابواب کی تقدیم وتاخیر سے استدلال کیوں کیا؟

یہ سولہ اجمالی نوٹ ہیں جن کا قارئین کرام بغور مطالعہ کریں ان ہی سے اِس رسالہ کی بناء گرجاتی ہے یعنی کوئی دلیل نہیں صرف طویل لاطائل کی مثال ہے اَب آگے تفصیلی جواب ملاحظہ فرمائیں۔

ناظرین! مصنفِ محترم نے شروع میں دعویٰ کیا کہ یہ چند سالوں سے بحث چلی ہے لیکن پہلے علماء کی کتابوں میں اس قسم کی بحث مشہور ہے اِس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل جو مشہور امام اہلسنت ہیں جو تیسری صدی ہجری کے مانے ہوئے محدث ہیں آپ فرماتے ہیں "اذا رفع رأسہ من الرکوع اِن شاء ارسل یدیہ وان شاء وضع یمینہ علی شمالہ (الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف علی مذھب الامام احمد ابن حنبل تالیف مرداوی) امام احمد فرماتے ہیں کہ جب نمازی رکوع سے سر اُٹھائے تو چاہے تو ہاتھ نیچے چھوڑ دے چاہے تو دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر باندھ لے اسی طرح فقہ حنبلی کی مشہور کتاب کشاف القناع ص ۴۰۶/ج ۱ میں امام احمد سے یہی صراحت منقول ہے پس امام ہمام کا یہ اختیار دینا صاف بتلاتا ہے کہ یہ مسئلہ سلف میں مختلف فیہ تھا۔ کیونکہ امام صاحب کے پانچ اصول حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین ص ۲۹ ۷ تا ۳۳ ۷ میں ذکر کئے ہیں جن میں تیسرا اصول یوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیان کرتے ہیں! "الاصل الثالث من اصوله اذا اختلف الصحابة تخير من اقوالهم ماكان اقرباً الى الكتاب والسنة ولم يخرج عن اقوالهم فان لم يتبين له موافقة احد الاقوال حكى الخلاف فيها ولم يجزم بقول" یعنی امام موصوف کا تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف ہوتا ہے تو ان میں سے اِسی قول کو اختیار کرتے ہیں جو قرآن اور حدیث کے زیادہ قریب ہو اور اُن کے اقوال سے باہر نہیں نکلتے ہیں اور جہاں اِس کو کسی ایک قول کی قرآن و حدیث سے موافقت معلوم نہیں ہوتی تو وہاں کسی خاص قول کے مطابق فیصلہ نہیں دیتے بلکہ سب کے اختلاف کو برقرار رکھتے ہیں یعنی مسئلہ کا اختیار دیتے ہیں اب اِس قاعدہ اور ان کے مذکورہ قول دونوں کو سامنے رکھنے سے نتیجہ ظاہر ہوتا ہے کہ اِس مسئلہ میں صحابہ کا اختلاف تھا اور امام صاحب کو دلیل کے لحاظ سے کوئی ایک بات راجح معلوم نہ ہوسکی اِس لیے اختیار دے دیا۔ اِس کو دلیل انّی کہتے ہیں کہ معلول سے علت کا معلوم ہونا جیسا کہ دھوئیں کی علت آگ بسا اوقات کسی گھر میں آگ نظر نہیں آتی ہے مگر اس میں سے دھواں نکلتے دیکھ کر انسان سمجھ سکتا ہے کہ اس گھر میں آگ ہے۔اسی طرح امام صاحب کے اس قاعدہ کی بناء پر ان کے اس فتویٰ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ صحابہ دونوں طرف تھے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جس اختلاف کے متعلق امام احمد بن حنبل فیصلہ نہ کرسکے تو قیامت تک کوئی دوسرا آنے والا اِس کا فیصلہ نہ کرسکے پس ثابت ہوا کہ یہ مسئلہ شروع ہی سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے ہم نے تقریباً پاکستان بننے سے کچھ عرصہ قبل سب سے پہلے مولانا محدث ابومحمد عبدالحق بہاولپوری مہاجر مکی مرحوم کو رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا انہوں نے اس مسئلہ پر ایک رسالہ بنام رافع اللومة عن الواضع فی القومہ بھی تصنیف فرمایا تھا۔ وہ آخر تک اسی مسلک پر قائم رہے بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ انہوں نے آخر میں اس مسئلہ سے رجوع کیا تھا۔ جب ہم نے انہیں ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا تو پھر کچھ عرصہ تک ان کے ساتھ بحث چلتا رہا بالآخر جب ہمیں یہ مسئلہ صحیح نظر آیا تو عمل شروع کردیا۔ ان ہی دنوں میں ہمیں یہ شیخ الکل سیّد میاں نذیر حسین صاحب محدّث دہلوی کے شاگرد رشید علامہ محدّث ابواسماعیل یوسف حسین ہزاروی جو کہ بڑے پایہ کے عالم تھے اور میاں صاحب کے درس حدیث میں ہمیشہ ساتھ رہے ملاحظہ ہونزہتہ الخواطر ص۵۲۶ تا ۵۲۷ کا رسالہ بنام اتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع ملا۔ جس میں نہایت تفصیل کے ساتھ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کو ثابت کیا گیا ہے قیام پاکستان کے سال سفرحج کو روانگی ہوئی اِس سفر میں مولانا اسمٰعیل صاحب غزنوی موحوم بھی ساتھ تھے بعض لوگوں نے ان کے پاس اِس مسئلہ کے بابت میری شکایت کی تو انہوں نے جواب میں کہا کہ یہ حق ہے اور میں خود بھی باندھتا ہوں چنانچہ میں نے خود انہیں رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا اسی سفرحج میں کئی علماء کو باندھتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیکھا اور ان سے گفتگو بھی ہوئی۔ خاص طور پر اس وقت سعودیہ کے چیف جج قاضی محمد بن ابراہیم آل شیخ کو بھی ہاتھ باندھتے دیکھا اور ان سے گفتگو بھی ہوئی اور جب شیخ حماد انصاری (استاد جامعہ اسلامیہ جن کا مکتب پورے سعودیہ میں مشہور ہے) کی معیت میں ہم نے قاضی موصوف سے ملاقات کی اور شیخ حماد نے جب یہ ان کو خبر سنائی کہ میں نے اِس مسئلہ پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے تو قاضی موصوف اِس پر بے حد خوش ہوئے اِس کے علاوہ بار بار سفرِ حج کی وجہ سے مختلف ممالک اسلامیہ کے لوگ ملے مثلاً نجد کے علاوہ شام، مصر، عراق، اردن، افریقہ، حضر موت، سوڈان، مراکش وغیرہ کے کئی لوگوں کو ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا اور بعض سے گفتگو بھی ہوتی رہی اِن باتوں سے یہ بت ٹوٹ گیا کہ ارسال پر اجماع ہے اور یہ تواترِ عملی ہے اِس کے بعد علامہ حافظ عبداللہ صاحب روپڑی سے تحریری مناظرہ ہوا ان کا مضمون ان کی اخبار تنظیم اہلحدیث میں شائع ہوتا رہا اور ہم جوابی مضامین جماعتی اخبارات الاعتصام تنظیم اہلحدیث، صحیفہ اہلحدیث، کو بھیجتے رہے مگر کسی نے شائع نہیں کیا پھر ہم نے وہ بصورت رسالہ شائع کیا۔ ملتان میں جماعت کے سالانہ کانفرنس کے موقع پر ایک مجلس میں جب اس تحریری مناظرہ کا ذکر ہوا تو جماعت کے مشہور عالم و فاضل، مناظر و محقق مولانا احمد الدین گکھڑوی نے بھرے مجمع میں صاف الفاظ میں فرمایا کہ میں تم کو بتاؤں کہ ارسال کبھی ثابت نہیں ہوسکتا اس کے بعد مولانا ارشاد الحق اثری کی زبانی معلوم ہوا۔

کہ مولانا موصوف رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے تھے وہ ایسے شخص تھے جن کو سب اہلحدیث محقق ماننے کے ساتھ مخلص اور تعصب حسد سے خالی جانتے ہیں اس کی یہ شہادت پھر ان کا قائل و عامل ہونا مصنف کی اس لاطائل تقریر جس میں انہوں نے ہاتھ باندھنے والوں کو متعصب وحاسد ہونے کا الزام دیا ہے وہ ختم ہو جاتی ہے اَب اہل انصاف اِس پر کوئی توجہ نہیں دیں گے۔ مصنف صاحب کو یہ بھی شکایت ہے کہ لوگ میری سندھی کتاب کو نہیں پڑھتے پڑھیں بھی کیا وہ بیچارے اس بات کے متلاشی ہیں کہ ہمیں حدیث سے دو الفاظ مل جائیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد ہاتھ نیچے لٹکا دیتے تھے تا کہ ہم بھی چھوڑ دیں کیونکہ ہمیں تو عام حکم ملا ہے کہ آپ ﷺ نماز میں جب بھی قائم ہوتے تھے تو ہاتھ باندھ لیتے تھے جب تک ہمیں اس قیام میں ہاتھ کھولنے کا حکم نہ ملے تب تک ہم کسی کی راہ پر نماز کے ایک قیام کو نماز سے کیسے باہر نکالیں؟ مصنف صاحب کا احترام بسر وچشم مگر آپ کے عمل یا قول سے حدیث کے عموم کو خاص کرنے سے ہم مجبور ہیں مصنف نے مولوی اللہ بخش کے عربی رسالہ کا بھی ذکر کیا ہے جس میں کوئی نئی بات نہیں ہے وہی باتیں جن کے جوابات ہمارے مذکورہ بالا رسائل میں آچکے ہیں مولوی صاحب خود ہاتھ باندھتا تھا اور باندھنے کی زور شور سے تبلیغ کرتا تھا جو دلائل انہوں نے اس رسالہ میں لکھے ہیں اُن کی تردید اور جواب دیتا رہتا تھا۔ بلکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارسال کو بدعت اور دین میں نیا کام جانتا تھا لیکن جب ہم سے بگڑ کر چلا گیا اس کے بعد انہوں نے اپنا عمل بدلا اور وہی دلائل سامنے پیش کیے جن کو غلط سمجھتا تھا مصنف صاحب تو فرماتے ہیں کہ اس نے میرے رسالہ کو قبول کیا لیکن اس کے قبول کرنے میں کیا حکمت تھی؟ اس کا بیان ابھی آتا ہے اس طرح مولوی صاحب کا کسی غرض کی بنا پر اپنے خیالات کو بدلنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ ''وماهي باول قارورة كسرت۔ کیونکہ کچھ عرصہ کے بعد یہی مولوی صاحب مسلک اہلحدیث کو غلط کہنے لگے اور جناب مسعود احمد بی۔ ایس۔ سی کی جماعت المسلمین میں داخل ہو گئے۔ مسلک اہلحدیث کو بدعت کہنے لگے اور لوگوں کو اہلحدیث کہلوانے سے روکنے لگے حالانکہ اس سے پہلے ایک کتاب سندھی زبان میں بنام تعارف اہلحدیث انہوں نے لکھی جس میں بڑے زور شور سے اہلحدیث کی فضیلت اور شان کو بیان کیا اور اس لقب کو بڑی شدومد سے ثابت کیا لیکن افسوس اس ترقی اور ہیرا پھیری پر لیکن افسوس تو مصنف محترم پر ہے جو اس کے اس رجوع کرنے اور ہاتھ کھولنے کی تائید پر فخر کرتے ہیں حالانکہ خود اسی مولوی اللہ بخش کے حق میں فرماتے ہیں کہ ''لیکن افسوس کہ ایسے جید عالم و فاضل مخلص دوست کی قدر جماعت اہلحدیث سندھ نے نہ کی بلکہ ان کو انتہائی ستم ظریفی سے طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی گئی ''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده'' کا ارشاد عالیہ کم از کم مولانا مرحوم کے معاملہ میں بالکل ترک کر دیا گیا۔

کس شوق کس تمنا کس درجہ سادگی ہے
ہم آپ کی شکایت کرتے ہیں آپ ہی سے

ان اذیتوں کو برداشت کرتے کرتے بالآخر زندگی کے آخری ایام میں جماعت المسلمین کے ساتھ ہی منسلک ہو گئے تاہم جماعت اہلحدیث سے والہانہ عقیدت مندی میں آخری دم تک کوئی کمی نہیں آئی (صحیفہ اہلحدیث یکم (۱۶ ذوالحج ۱۴۰۳ھ بمطابق ۹، ۲۴ ستمبر ۱۹۸۳ء ص ۳۶)

اب ناظرین خود غور فرمائیں کہ یہی قدر دانی تھی جس کی بناء پر مولوی صاحب نے ہاتھ باندھتے باندھتے چھوڑ دیے اور پھر اس قدر دانی نے یہ ترقی بخشی کہ بالآخر مسلک اہلحدیث کو چھوڑ کر مسعودی جماعت میں چلے گئے لیکن مصنف صاحب کے مضمون کے آخر میں یہ کہنا کہ آخر تک اہلحدیث سے عقیدت رہی یہ صحیح نہیں ہے دراصل مولوی صاحب مصنف صاحب کو دھوکہ میں رکھے رہے کیونکہ یہ بھی قدر دانی حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مولانا حافظ محمد سلیمان صاحب خطیب جامع مسجد اہلحدیث مارچ بازار سکھر ابھی تک بقید حیات ہیں اللہ ان کی عمر میں برکت کرے آمین۔ قارئین ان سے پوچھ سکتے ہیں ان کے سامنے مولوی اللہ بخش نے مناظرہ کا چیلنج دیا مجھے لکھا گیا کہ مولوی اللہ بخش آپ کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ لقب اہل حدیث کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کے مسئلہ پر مناظرہ کرنے کے لیے تیار ہیں کیا آپ بھی تیار ہیں یا نہیں؟ میں نے جواب میں ایک شرط پیش کی کہ ہمارے اس مناظرہ میں منصف (ثالث) محترم مصنف صاحب ہوں گے لیکن مولوی صاحب یہ شرط سن کر مناظرہ سے مکر گئے اس میں کیا گر تھا اس کو قدر دان ہی جانتے ہیں اس سے کچھ عرصہ قبل مولوی صاحب لاڑکانہ کی مسجد میں خطیب اور امام رہے ہیں لیکن جب وہ اہلحدیث کے خلاف بولنے لگے اور مسعودی جماعت کی پرچار کرنے لگے تو وہاں سے اس کو ہٹنا پڑا حافظ غلام سرور شیخ نابینا ایک صالح انسان ہیں اور مسجد کمیٹی کے خاص ممبر ہیں انہوں نے میرے سامنے حلفیہ بیان میں کہا کہ اگر ہم اس کو اپنے یہاں مسجد میں نہ رکھتے تو وہ قادیانیوں کے ساتھ ملنے والا تھا اور اُن کا مذہب اختیار کرنے والا تھا اس لیے اس کو وہاں سے روکنے کے لیے ہم نے اپنے پاس امام رکھ لیا اب ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر آپ غور کریں کہ مولوی صاحب موصوف کا رنگ بدلتے رہنا ایک نئی بات نہیں تھی۔

ناظرین! مصنف محترم نے سات دلائل ذکر کیے ہیں پہلی دلیل مسند احمد کے حوالہ سے اس طرح ذکر کی ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے اس کو ان الفاظ میں امر فرمایا ''فاذا رفعت رأسك فاقم صلبك حتی ترجع العظام الی مفاصلها الحدیث'' ان الفاظ مبارک کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ جب تم رکوع سے سر اُٹھاؤ تو اپنی پیٹھ کو سیدھا کرو حتیٰ کہ تمہاری سب ہڈیاں اپنے جوڑوں کی طرف لوٹ جائیں۔''

اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اس سے سب ہڈیاں مراد ہیں حتیٰ کی کہنیوں کی ہڈیاں بھی اس میں شامل ہیں مگر ایک ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ حتیٰ غایت کے لیے ہے اور یہاں پیٹھ کی ہڈیاں ہی مراد ہوسکتی ہیں کیونکہ خود ترجمہ کرتے ہیں کہ اپنی پیٹھ کو سیدھا کر حتیٰ کہ تمہاری سب ہڈیاں اپنے جوڑوں کی طرف لوٹ آئیں یہ غایت پیٹھ کے سیدھے کرنے کے لیے ہے یعنی پیٹھ کو اتنا سیدھا کرو کہ ہڈیاں اپنی جگہ پر آجائیں اس میں دوسری ہڈیوں کی بات نہیں بات پیٹھ کی چل رہی ہے۔ مثلاً نحو کی کتابوں میں حتیٰ کہ مثالیں مذکور ہیں مثلاً نمت البارحة حتی الصباح یعنی میں آج رات صبح تک نیند میں سوتا رہا۔ اَب ناظرین غور فرمائیں کہ یہ صبح اسی رات کی مراد ہے یا دوسری صبحیں بھی اس میں داخل ہیں؟ ہرگز نہیں اسی طرح یہاں بھی اسی پیٹھ کی ہڈیاں مراد ہیں۔ دوسری مثال: اکلت السمکة حتی رأسها میں نے مچھلی کو اس کے سر تک کھایا۔ یہاں بھی اسی مچھلی کا سر مراد ہے اگر یہاں ضمیر ''ہا'' نہ ہوتا اور حتی الرأس (سر تک) ہوتا پھر بھی وہی معنی ہوتا دوسری مچھلیوں کے سر اس میں شامل نہیں ہوں گے۔

تیسری مثال: قدم الحاج حتی المشاة یعنی حاجی آگئے یہاں تک کہ پیدل تو کیا ان میں حاجیوں کے علاوہ دوسرے پیدل بھی شامل ہوں گے؟ نہیں ہوں گے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چوتھی مثال: سرت حتی تغیب الشمس یعنی میں چلتا رہا سورج کے غروب ہونے تک اس میں بھی اسی دن کے سورج کا غروب مراد ہے۔

پانچویں مثال: صمت رمضان حتی الفطر یعنی میں نے رمضان کے روزے رکھے عید الفطر تک یہاں بھی اسی مہینہ کی فطر مراد ہے۔

چھٹی مثال: ضربتُ القوم حتیٰ زیداً یعنی میں نے قوم کو مارا حتیٰ کہ زید کو بھی اور زید اسی قوم کا فرد ہے۔

ساتویں مثال: اسلمت حتی ادخل الجنة میں اسلام لایا تاکہ جنت میں داخل ہو جاؤں۔ یہاں حتیٰ کی معنی ''کی'' کے ہیں پھر بھی وہی جنت مراد ہے جو اسلام والوں کے لیے آخرت میں ہے ورنہ جنت تو ہر باغ کو کہا جا سکتا ہے جیسے ﴿كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ﴾ (البقرة) ﴿جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ﴾ (الکھف) ﴿كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ﴾ (الدخان) ﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ﴾ (االنوح) وغیرها من الآیات۔"

آٹھویں مثال: "دخلت البلد حتی السوق" میں شہر میں داخل ہوا بازار تک اور بازار سے اسی شہر کا بازار مراد ہوگا۔ ایسی قرآن میں بہت مثالیں ہیں ﴿حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ (القدر) یعنی طلوع فجر ہونے تک اور فجر اسی لیلۃ القدر کی مراد ہے دوسری فجر اس میں شامل نہیں حتی ﴿إِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ﴾ (یوسف) یہاں تک کہ دلوں کو نا اُمیدی ہوتی اس میں وہ رسول مراد ہیں جن کا پہلے ذکر ہے یا یہ مراد لوگے کہ اللہ کے سارے رسول نا اُمید ہوئے حاشا وکلا ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبہ) یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ دینے لگیں یہ حکم بھی ان لوگوں کے لیے ہے جن کا حتی سے پہلے ذکر ہے ﴿حَتّٰى إِذَا أَتَوْا عَلٰى وَادِي النَّمْلِ﴾ اس میں وہی لوگ مراد ہیں جن کا حتی سے پہلے ذکر ہے یعنی سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں اس صحابی رفاعہ ابن رافع رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کا راوی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "ثم ارکع حتی تطمئن راکعا" یعنی پھر رکوع کر یہاں تک کہ آرام کے لیے رکوع کرنے میں ظاہر ہے کہ اس میں رکوع کا حکم ہے جس کا ذکر ہے پھر فرمایا "ثم ارفع حتی تطمئن قائما" یعنی پھر رکوع سے سر اُٹھاؤ یہاں تک آرام لے تو کھڑے ہوئے یہاں بھی قیام بعد الرکوع مراد ہے "ثم اسجد حتیٰ تطمئن ساجدا" پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ آرام سے سجدہ کرتے "ثم ارفع حتی تطمئن ساجدا" سجدہ کر یہاں تک کہ آرام لے، تو سجدہ کرتے ہوئے اس سے وہی دوسرا سجدہ مراد ہے اسی طرح یہاں بھی یہ حکم ہے کہ جب رکوع سے سر اُٹھاؤ تو اپنی پیٹھ کو سیدھا کر حتی کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہڈیاں اپنے جوڑوں کی طرف لوٹ جائیں پس یہ ہڈیاں پیٹھ کی مراد ہیں اور پیٹھ کو سیدھا کرنے کا حکم ہے مرحوم حافظ عبداللہ صاحب روپڑی رسالہ ارسال الیدین ص۱۹ میں بھی یہی معنی کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ'' اس عبارت میں اگر یہ دیکھا جائے کہ لفظ حتیٰ'' غایت (انتہا) کے لیے ہے اور مقصد پیٹھ سیدھی کرنے اور سر اُٹھانے کی حد بتانا ہے یعنی پیٹھ اتنی سیدھی ہو جائے اور سر اس قدر اونچا ہو جائے کہ ہر ہڈی اپنے جوڑ کی طرف لوٹ آئے تو اس صورت میں ہڈیوں سے پیٹھ کی ہڈیاں مراد ہوں گی کیونکہ پیٹھ کے سیدھا کرنے اور سر اُٹھانے میں انہی کا دخل ہے۔

اَب شارحین کا کلام ملاحظہ ہو۔ علامہ محمد مغربی البدر التمام شرح بلوغ المرام (قلمی) میں اِس جملہ کی شرح میں لکھتے ہیں حتی ترجع العظام التی انخفضت حال الرکوع الی مفاصلها الی ماکانت علیه حال القیام للقراء ة وذلك لکمال الاعتدل'' یعنی وہ ہڈیاں لوٹیں جو رکوع کی حالت میں جھک گئیں اور اپنے جوڑوں کی طرف لوٹیں اس حالت پر جس قراء ۃ والے قیام (یعنی رکوع سے پہلا قیام) میں تھیں اس طرح کمال اعتدال ہوتا ہے اسی طرح یہ معنی علامہ امیر اسماعیل یمانی نے سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۱۹۰/ ج۱ میں نواب صدیق حسن خان نے فتح العلام شرح بلوغ المرام ص۱۲۰/ ج۱ میں اور علامہ سید احمد حسن دہلوی نے تنقیح الرواۃ ص۱۴۳/ ج۱ میں کیا ہے ہر ایک جانتا ہے کہ رکوع کرتے وقت کمر کی ہڈیاں جھکتی ہیں نہ ہاتھوں کی نہ کہنیوں کی۔ اسی طرح رکوع سے سر اُٹھاتے وقت جو رفع الیدین کی جاتی ہے اس وقت بھی کہنیوں کی ہڈیاں نہیں جھکتیں۔

ناظرین! تجربہ کر کے دیکھیں۔ ثابت ہوا کہ اس حدیث میں پیٹھ کی ہڈیوں کو سیدھے کرنے کا حکم ہے ہاتھوں کو بھی اس میں داخل کرنا سراسر سینہ زوری ہے بلکہ دوسری دلیل جو مصنف نے ذکر کی ہے وہ مزید ہماری ہی بات کی تائید کرتی ہے جیسا کہ بیان ہوگا ان شاء اللہ اور مصنف صاحب تو یہ فرماتے ہیں کہ'' حدیث پاک میں تو العظام کا لفظ ہے جس سے عربیت کے اصول وقواعد کے بموجب سب ہڈیاں مراد ہیں'' لیکن پہلے چونکہ پیٹھ کو سیدھا کرنے کا حکم ہے اور العظام (ہڈیوں) کے لوٹنے سے پیٹھ کو سیدھا کرنے کی انتہا ہو جاتی ہے لہٰذا اس سے سب ہڈیاں مراد نہیں ہو سکتیں بلکہ اس میں خاص پیٹھ کی ہڈیاں مراد ہیں جس طرح کہ اوپر بیان ہوا اور علامہ محمد ناصر الدین البانی اپنی کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی ﷺ (ص۱) میں بھی اس روایت سے صرف اطمینان مراد لیتے ہیں۔

دوسری دلیل ابوحمید رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں فاستوی حتی یعود کل فقار مکانه اور ترجمہ کرتے ہیں کہ'' اور برابر ہو کر کھڑے ہو جائیے تاکہ ہڈیاں اپنی جگہ پر لوٹ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئیں۔

ناظرین: نقار نقارۃ کی ہے اس کے معنی پیٹھ کی ہڈیاں ہیں عام لغت کی کتابوں میں اسی طرح ہے چنانچہ لغت کی مشہور کتاب لسان العرب ص۶۱/ج۵ میں ہے "والفقرة والفقرة والفقارة بالفتح واحدة فقار الظهر وهو ما انتضد من عظام الصلب من لدن الكاهل الى العجب والجمع فقرو فقار" وقيل فى الجمع فقرات وفقرات" يعنى الفقار فقرة فقرہ اور نقارۃ کی جمع ہے یہ پیٹھ کی ہڈیاں ہیں جو کہ پیٹھ میں جمع ہوتی ہیں، کندھے کی ہڈی سے لے کر ریڑھ کی ہڈی تک یہی معنیٰ سب لغت کی کتابوں میں مذکور ہے مثلاً امام ابو عبید القاسم بن سلام کی کتاب غریب الحدیث ۳۸/۱۰ امام ابن القطاع الصقلی کی کتاب الافعال ۴۵۸/۲ امام جوہری کی کتاب الصحاح ۷۸۲/۲۔ امام ابن سیدہ المخصص ۱۶-۱۵/۲ میں امام ابن درید جمہرۃ اللغۃ ۳۹۸/۲ میں امام ابن جوزی غریب الحدیث ۱۹۸۔ المصور میں مجدالدین فیروز آبادی القاموس ۱۱۱/۲ میں امام زبیدی تاج العروس ۳۷۳/۳ میں امام ابن الاثیر النہایہ فی غریب الحدیث ۲۰۹/۳ میں امام ابوالحسین ابن فارس معجم مقاییس اللغۃ ۴۴۳/۴ میں علامہ زمخشری الفائق ۱۳۲/۳ طبع بیروت میں علامہ الفیومی المصباح المنیر ۱۳۴/۲ میں علامہ زنجانی تہذیب الصحاح ۳۱۹/۱ میں عبدالقادر رازی مختصر الصحاح ۵۰۸ میں، فرید وجدی دائرۃ المعارف ۳۴۴/۷ میں سب نے یہی معنیٰ کیا ہے اسی طرح منجد ۵۹۰/طبع جدید اور اقرب الموارد ۹۳۷/۲ میں بھی ہے مجمع بحار الانوار ۸۹/۳ میں صاف لکھا ہے "ومنه حتى يعود كل فقار مكانه اى مفاصل الصلب "یعنی پیٹھ کے جوڑ۔ صراح ص۲۰۴/طبع کانپور میں ہے فقرۃ بالکسر استخوان پشت فقرات ...... وجمعہ فقار" یعنی پیٹھ کی ہڈیاں غیاث اللغات ص۳۵۴ میں ہے فقار بالفتح مہرہ ہائی پشت ازگردن تا کمر یعنی گردن سے لے کر کمر تک کی ہڈیاں منتخب اللغات ص۴۴۵ میں ہے فقار بالفتح استخوان مہرہ پشت ازگردن تا کمر یعنی گردن سے کمر تک پیٹھ کی ہڈیاں۔ نواب وحید الزمان کی لغات الحدیث ص۹۳/کتاب ف میں ہے حتى يعودكل فقار مكانه" یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنے مقام پر آجائے (یعنی پیٹھ کے جوڑ) مصباح اللغات ص۶۲۸ میں الفقارۃ ریڑھ کی ہڈی ج فقار لغات کشوری ص۳۵۱ میں ہے فقار پیٹھ کی کڑیاں گردن سے کمر تک کریم اللغات ص۱۲۲ میں ہے فقرہ جملہ استخوان پیٹھ کی منکا کمر کا منجد عربی اردو ص۹۳۸ میں ہے الفقارۃ ریڑھ کی ہڈی جمع فقار وغیرہ القاموس المحیط عربی انگریزی ص۵۱۱ میں ہے فقرۃ فقارۃ خرزۃ الظہر VERTEBRA PUERTEBREE المورد انگریزی عربی ص۱۰۲۸ میں ہے VERTEBRA نقارۃ فقرۃ اور پریکٹیکل ڈکشنری (PRACTICAL DICTIONARY) انگریزی اردو ص۷۳۲ میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

VERTEBRA کی معنی فقرہ لکھی ہوئی ہے۔

ثانیاً یہی معنی شراح حدیث نے کیا ہے فتح الباری لابن حجر ص۳۴۵/ج۲ مطبع بہیہ مصریہ میں ہے "الفقار بفتح الفاء والقاف جمع فقارة وهی عظام الظهر وهی من الكاهل الی العجب " یعنی فقار فقارة کی جمع ہے یہ پیٹھ کی ہڈی ہی ہیں جن کو ریڑھ کی ہڈیاں کہا جاتا ہے اور بقول امام ابن سید گردن سے لے کر کمر تک کی ہڈیاں ہیں اسی طرح دوسری شروح اور حواشی میں بھی ہے مثلاً شرح کرمانی للبخار "ص۱۵۵/ج۵" عمدة القاری شرح البخاری للعینی ص١٠٤/ج٦ منیرة ارشاد الساری شرح البخاری للقسطلانی ص١٢٠/ج٢، شرح البخاري للزرکشی ص۲۱۶/ج۲ فتح المبارک شرح مختصر الزبیدی للشرقاوی ص٢٧٥/ج١۔ عون الباری تجرید البخاری للنواب صدیق الحسن خان ص٤٤/ج٣ علی هامش نیل الاوطار نیل الاوطار ص٢٨٤/ج٢ مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح ص٢٥٥/ج٢ لمعات التنقیح شرح مشکواة المصابیح مصنفه شیخ عبدالحق دهلوی ص١٠٢/ج٣ مرعاة المفاتیح شرح مشکواة المصابیح للمبارکفوری ص٢٥١/ج٢ تنقیح الرواة فی تخریج احادیث المشکواة المصابیح للمبارکفوری ص٢٥١/ج٢ تنقیح الرواة فی تخریج احادیث المشکواة ص١٤٤/ج١۔ البدر التمام شرح بلوغ المرام للمغربی (قلمی) سبل السلام ص١٦٢/ج١ فتح العلام شرح بلوغ المرام مصنفه نواب صدیق حسن خان ص١٦٢/ج١، حاشیه بلوغ المرام للسید احمد حسن الدهلوی ص٤٤، حصول المأمول شرح التاج لجامع الاصول ص١٩٧/ج١ مشارق الانوار للقاضی عیاض ص١٦٢/ج٢ میں شیخ عبدالحق دهلوی اشعة اللمعات ص٣٥٦/ج١ میں فرماتے ہیں حتی یعود کل فقار مکانه تا آنکه بازمی نشست همه بند هائے استخوان پشت بجائے خود و فقار بفتح فامی مقدم برقاف بندهاومهره هاے استخوان پشت واحد فقاره بفتح فا وفقره بکسر فاوسکون قاف وفتح آن نیز گونید و فقر بمعنی د رویشی مشتق از دست که از گر سنگی وناتوانائی پشت شکسته شده است" یعنی جبکہ پیٹھ کی ہڈیاں اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ جائیں اور فقار پیٹھ کے مہرے ہیں جس کا واحد فقارة آتا ہے اور فقر بمعنی مسکینی یا درویش وہ بھی اس لحاظ سے ہے کہ تنگ دستی سے اس کی کمر ٹوٹی ہوئی ہوتی ہے اس طرح اردو تراجم وشروح میں ہے چنانچہ فیض الباری ملقب تسہیل القاری مصنفہ مولانا محمد ابوالحسن محدث ص۱۹/ج۴ میں ہے اور جب رکوع سے سر اُٹھائے تو سیدھے کھڑے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے اور ٹھہرے رہتے۔

یہاں تک کہ پشت کی ہر ہڈی اپنی جگہ میں پھر آتی۔ تیسیر الباری ترجمہ وشرح صحیح البخاری مصنفہ علامہ نواب وحید الزماں ص۵۱۹/ ج۱ میں ہے پھر سر اُٹھا کر سیدھے کھڑے ہوجاتے آپ کی پیٹھ کی ہر پسلی اپنی جگہ پر آجاتی ترجمہ بخاری علامہ داؤد راز دہلوی ص۲۰۴/ پ۳ میں ہے اور ابوحمید صحابیؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے (رکوع) سے سر اُٹھایا تو سیدھے اس طرح کھڑے ہوگئے کہ پیٹھ کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر آگیا'' انوار المصابیح ترجمہ مشکواۃ المصابیح مصنفہ مولانا عبدالسلام بستوی ص۵۳۱/ ج۲ میں ہے۔ پھر جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہوجاتے کہ پیٹھ کی ہڈیوں کا ہر جوڑ اپنی جگہ پر آجاتا'' ترجمہ بلوغ المرام للشیخ عبدالتواب ملتانی ص۱۱۰ میں ہے'' پھر جب سر اُٹھاتے تو سیدھے ہوجاتے یہاں تک کہ پیٹھ کی ہر ہڈی اپنی جگہ پر پھر آتی بخاری شریف کے انگریزی ترجمہ مصنفہ ڈاکٹر محمد محسن خان نے ص۴۳۹ میں ترجمہ اس طرح لکھا ہے۔

"Then he stood up straight from bowing till all the vertebree took their normal position."

الغرض: اہل لغت اور شارحین ومترجمین سب یہی معنی کرتے ہیں کہ یہاں پیٹھ کی ہڈیوں کا ذکر ہے پس ہاتھوں کو اس میں شامل کرنا غلط ہے خود حافظ عبداللہ صاحب مرحوم روپڑی رسالہ ارسال الیدین ص۱۹ میں اس روایت کے تحت فرماتے ہیں ''یعنی رکوع سے سر اُٹھاتے تو اس طرح ٹھیک ہوکر کھڑے ہوتے کہ پیٹھ کا ہر مہرہ اپنے ٹھکانے لوٹ آتا اس عبارت میں فقار کا لفظ ہے اور فقار فقرۃ کی جمع ہے پیٹھ کے مہروں کو کہتے ہیں اس میں ہاتھ شامل نہیں ہیں۔

الغرض اس روایت میں ہاتھوں کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ یہ روایت پہلی دلیل والی روایت کی تفسیر ہے اسی طرح سبل السلام ص۱۶۲/ ج۱ میں اشارہ ہے مصنف کا ہاتھوں کی ہڈیوں کو اس حدیث سے مستثنیٰ کرنے سے شکوہ ہے مگر ہمیں اس استثنا کی کیا ضرورت؟ کیوں کہ ہم نے ثابت کردیا کہ ہاتھ اس میں داخل ہی نہیں تو پھر استثنا کا کوئی سوال ہی نہیں رہا مصنف نے امام بخاری کی تبویب سے عجیب استدلال کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

چنانچہ حضرت امام والا مقام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے باب صفۃ الصلوۃ میں اولاً نماز شروع کرنے کے بعد قیام اول یعنی جس میں قراءۃ ہوتی ہے اس کی ہیئت بیان کرنے کے لیے حضرت سہل بن سعد کی حدیث ذکر کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے قیام میں وضع کرنا ہے یعنی ہاتھوں کو باندھنا ہے لیکن جب رکوع کے بعد والے قیام کا ذکر فرمایا تو اس حدیث کو وہاں ذکر نہیں کیا۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر اولاً دونوں قیاموں میں کوئی فرق نہیں تھا جب ہی تو ایک ہی باب پر اکتفا کیا اس کی مثال: امام بخاری نے ص ۱۱۲/ تا ۱۱۳/ ج ۱ میں پہلے سجدہ کے لیے یہ ابواب رکھے ہیں اس کے بعد دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا باب لکھتے ہیں یعنی باب المکث بین السجدتین اس کے بعد باب لایفترش ذراعیه فی السجود اور اس کے بعد جلسہ استراحت کا باب رکھتے ہیں۔ مگر دوسرے سجدہ کے لیے کوئی باب نہیں رکھا ہے اگر اس سے کوئی سمجھے کہ امام صاحب نے ان حدیثوں سے یہی سمجھا ہے کہ جتنی حدیثیں سجدہ کی کیفیت کے بیان میں ہیں وہ صرف پہلے سجدہ کے لیے ہیں اگر دوسرے کے لیے ہوتیں تو ان کے لیے بھی الگ باب ذکر کرتے اور یہ حدیثیں لاتے تو کیا اس کو آپ صحیح سمجھیں گے؟ جب نہیں لائیں تو ثابت ہوا کہ امام موصوف کے نزدیک دونوں سجدوں کی کیفیت ایک ہے اس طرح یہاں بھی سمجھیں کہ جب دونوں قیاموں میں کوئی فرق نہیں تھا اس لیے الگ باب نہیں رکھا صرف یہ فرق تھا کہ پہلے میں قراءۃ اور دوسرے میں دعا ہے اس لیے دونوں کے لیے الگ باب رکھے دوسرے قیام کے لیے خاص بات واضح کی کہ صرف پیٹھ سیدھی کی جائے

ثانیاً اس قسم کی ترتیب سے مصنف کا استدلال بھی قوی نہیں ہے کیونکہ امام بخاری نے باب وضع الیمنیٰ علی الیسریٰ فی الصلوٰۃ سے قبل دو اور باب رکھے ہیں۔

"باب رفع الیدین اذاکبر واذا رکع واذا رفع " اور دوسرا باب "رفع الیدین اذا قام من الرکعتین" مصنف کے قول کے مطابق ہاتھ باندھنے کا باب ان دونوں ابواب سے پہلے ہونا چاہیے تھا کیونکہ جب ہاتھ باندھنا امام صاحب کے نزدیک بقول مصنف پہلے قیام کے لیے خاص ہیں تو پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ رکوع کے لیے یا اس سے سر اُٹھانے کے وقت یا دو رکعتوں کے بعد اُٹھتے وقت رفع الیدین کرنا یہ سب کام قیام اول کے بعد ہیں لیکن امام صاحب نے رفع الدین کا مسئلہ یکجا جمع کر دیا اور ہاتھ باندھنے کا مسئلہ بھی یکجا جمع کر دیا پھر جب بھی کھڑا ہو یہی حکم ہے۔

پھر مصنف فرماتے ہیں "بلکہ اس رکوع کے بعد والے قیام کی ہیئت بیان کرنے کے لیے حضرت ابوحمید کی روایت کا وہی ٹکڑا ذکر فرمایا جو ابھی ہم ذکر کر آئے ہیں اور باب کا عنوان یہ رکھا "باب الطمأنیة حین یرفع رأسه من الرکوع" پھر ابوحمید رضی اللہ عنہ والی حدیث کا ٹکڑا ذکر کیا"

یہاں انتہائی جرأت سے کام لیا گیا ہے۔ جو معنی اس جزء کی مصنف نے اپنے خیال میں سمجھی ہے اس کو امام بخاری کے ذمہ بھی لگا دیا گیا حالانکہ امام بخاری کی شان اس سے اعلیٰ ہے کہ وہ اجماعِ اہل لغت کے خلاف مصنف کی طرح کوئی نیا معنیٰ اختیار کرے۔

ثانیاً امام بخاری نے یہ جملہ اس باب کے تحت ذکر کیا ہے یعنی "باب الطمأنیة حین یرفع رأسه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

من الرکوع" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اس جملہ سے اطمینان ثابت کیا ہے اس میں ہاتھوں کے باندھنے اور کھولنے کا کوئی ذکر نہیں مصنف محترم نے اپنی مفروض معنی کو ذہن میں رکھ کر پھر امام صاحب کی طرف اس بات کو منسوب کیا ہے فتح الباری ص ۲۸۸/ ج ۲ (السلفیہ) میں اس کے بارے میں ہے کہ "وهو ظاهر فيما ترجم له" یعنی جس مسئلہ کے لیے امام موصوف نے باب رکھا ہے یعنی اطمینان اس کے لیے یہ جملہ ظاہر دلیل ہے امام المحدثین کی تحقیق واقعی اپنی مثل آپ ہے لیکن ان کی بات سے جو مصنف لینا چاہتے تھے وہ ثابت نہیں ہوا۔

تصویر کا دوسرا رُخ:

السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۳۴۵/ ج ۲ میں "رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث مسئی الصلوٰۃ کے بارے میں ان الفاظ کے ساتھ ہے "انها لاتتم صلوٰة احدكم حتى يسبغ الوضوء كما امره الله تعالىٰ يغسل وجهه ويديه الى المرفقين ويمسح برأسه ورجليه الى الكعبين ثم يكبر و يحمدالله ويمجده و يقرأ من القرآن ما اذن الله له فيه ثم يكبر فيركع ويضع كفيه على ركبتيه حتى تطمئن مفاصله فيستوى ثم يقول سمع الله لمن حمده ويستوى قائما حتى يأخذ كل عضو مأخذه ثم يقيم صلبه ثم يكبر فليسجد" یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کی نماز پوری نہیں ہوتی جب تک حکم کے مطابق وضو نہ کرے اپنے منہ اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوئے اور سر کا مسح کرے اور دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھوئے پھر اللہ اکبر کہے اور اللہ کی حمد کرے اور پھر قرآن پڑھے جتنا کہ اللہ نے اس کو اجازت دی ہے پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرے اور دونوں ہتھیلیوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھے یہاں تک کہ اس کے جوڑ اطمینان کریں اور سیدھے ہو جائیں۔ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر سیدھا کھڑا ہو جائے یہاں تک کہ ہر عضو اپنی جگہ لے لے پھر اپنی پیٹھ کو سیدھا کرے پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کرے۔ (الحدیث)

اس حدیث میں بیان ہے کہ رکوع کے بعد اس طرح کھڑا ہو کہ ہر عضو اپنی جگہ لے لے اعضاء میں ہاتھ بھی شامل ہیں اور ہاتھوں کی جگہ قیام کی حالت میں معلوم ہے اس میں پیٹھ بھی داخل ہے۔ کیونکہ وہ بھی عضو ہے رکوع کی وجہ سے جب نیچے جھک گئی تھی لیکن کھڑے ہونے کے بعد اپنی جگہ پر آنی چاہیے تھی اسی طرح ہاتھ رکوع کی وجہ سے اپنی جگہ سے ہٹ گئے تھے لیکن کھڑے ہونے سے پھر اپنی جگہ آ جانے چاہئیں۔ اس طرح یہ روایت ہاتھ باندھنے کو ثابت کرتی ہے۔

تیسری دلیل جزء رفع الیدین للبخاری سے حسن بصری کا قول نقل کرتے ہیں اور اس کا ترجمہ یوں لکھتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ" وہ فرماتے تھے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز میں رکوع کے طرف جانے کے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرتے تھے اور ان کے ہاتھ ایسے دکھائی دیتے کہ گویا پنکھے ہیں جو جھلائے جا رہے ہیں۔ پھر تقریر استدلال میں فرماتے ہیں کہ" اور یہ تشبیہ تب ہی صحیح ہو سکتی ہے جب رکوع کے بعد والے قیام میں ارسال ہو کیونکہ اس وقت یہ بجلی کے پنکھے تو نہیں تھے بلکہ وہی پنکھے تھے جو عام طور پر جہاں بجلی نہیں ہوتی اور وہاں ہاتھ کے بنے ہوئے پنکھے جھلائے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے پنکھے کا جھلانا اس طرح نہیں ہوتا کہ صرف اس کو اوپر اُٹھایا جائے بلکہ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ ایسے پنکھے کو پہلے اوپر اُٹھایا جاتا ہے پھر نیچے گرایا جاتا ہے اس اوپر اور نیچے کی طرف تحریک سے ہوا لگتی ہے اور گرمی سے آرام ملتا ہے۔

اولاً: یہ استدلال بھی عجیب ہے کیونکہ رکوع کے بعد سر اُٹھانے کے بعد جو رفع الیدین کی جاتی ہے اس کے بعد ہاتھ اوپر نہیں رہتے بلکہ نیچے سینہ تک آتے ہیں یعنی ہاتھ اوپر نیچے آتے رہتے ہیں اور وہی تشبیہ باقی رہتی ہے ہاتھ اوپر آتے ہیں اور نیچے جاتے ہیں بالکل پنکھے کے مشابہ ہے نہ معلوم مصنف نے یہاں سے کیسے استدلال کیا ہے حالانکہ ہاتھ باندھنے والی صورت میں بھی پنکھوں کی تشبیہ موجود ہے۔ لہٰذا اس استدلال کا کوئی معنی نہیں کیونکہ رکوع سے قبل اور بعد دونوں حالتوں میں بھی ہاتھ پنکھے کی طرح اوپر نیچے آتے جاتے رہتے ہیں لہٰذا وضع ارسال سے اس روایت کا کوئی تعلق نہیں۔

ثانیاً: یہی روایت المحلی لابن حزم ص ۹۷/ ج ۴ میں اس طرح ہے "عن الحسن کان اصحاب النبی ﷺ یرفعون ایدیھم اذا احرموا واذا رکعوا واذا رفعوا کانھا المرواح" یعنی حسن بصری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی جب تکبیر تحریمہ کہتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو رفع الیدین کرتے تھے اس طرح گویا کہ ان کے ہاتھ پنکھوں کے مشابہ ہیں اب بقول مصنف رکوع سے پہلے بھی ہاتھ نہیں باندھے جائیں بلکہ نیچے لٹکائے جائیں اگر کہا جائے کہ پہلے قیام میں صریحاً ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے تو ثابت ہوا کہ یہ استدلال ہی غلط ہے معلوم ہوا کہ اگر پنکھوں کی طرح ہاتھ اُٹھائے جاتے تھے تو بھی اس طرح ہاتھوں کو اُٹھایا جانا ہاتھوں کے باندھنے کے منافی نہیں ہے اور اس روایت سے مصنف کا یہ کہنا کہ صرف دو جگہوں پر (رکوع کرتے اور سر اُٹھاتے وقت) کے لیے یہ تشبیہ مذکور ہے غلط ثابت ہوا بلکہ المحلی کی روایت میں نماز شروع کرتے وقت اس طرح کی تشبیہ مذکور ہے اگر کوئی کہے کہ المحلی والی روایت بحوالہ ابن ابی شیبہ ہے اور مصنف ابن ابی شیبہ میں پہلی بار یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن حزم نقل کرنے میں ثقہ اور معتبر ہیں بعید نہیں کہ اس کے نسخہ میں یہ الفاظ ہوں نسخوں کا اختلاف ہو سکتا ہے اس لیے یہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثالثاً: پہلے قیام میں ہاتھ سینہ پہ ہوتے ہیں وہاں سے ہٹ کر کندھوں یا کانوں تک جاتے ہیں اس کو تو مصنف پنکھے کے ساتھ مشابہ مانتے ہیں لیکن دوسرے قیام میں ان ہی کندھوں یا کانوں سے ہاتھ اسی سینہ پر آتے ہیں تو اس کو پنکھوں کے مشابہ نہیں جانتے یہ بھی عجیب اجتہاد ہے پس اگر پہلے قیام میں مشابہت صحیح ہے تو دوسرے میں بھی صحیح ہے اگر دوسرے میں صحیح نہیں تو پہلے میں بھی صحیح نہیں کیونکہ سینہ سے ہاتھ اُٹھتے ہیں اور وہاں ہی واپس آتے ہیں ناظرین تجربہ کر کے دیکھیں۔

چوتھی دلیل کا ترجمہ یوں ذکر کرتے ہیں ''جریر الضبی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کے اس جوڑ پر رکھ دیتے جو ہتھیلی اور کلائی کے درمیان ہے پھر اسی حالت میں اگر کپڑے کو ٹھیک کرنا ہوتا یا جسم کے کسی حصہ کو خارش کی وجہ سے رگڑنا ہوتا تو ہاتھ اُٹھاتے ورنہ ہاتھ باندھے رہتے حتیٰ کہ رکوع کرتے پھر فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ہاتھ باندھنے کی غایت یا حد رکوع کرنے تک بیان کی گئی ہے۔ الخ

اولاً: اس کی سند میں جریر الضبی راوی ہے جس کے متعلق حافظ ذہبی میزان الاعتدال ص ۳۹۷/ ج ۱ میں فرماتے ہیں ''لا یعرف'' یعنی یہ غیر معروف ہے یعنی مجہول ہے اگرچہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں داخل کیا ہے مگر وہ مجاہیل بھی داخل کرتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان کے مقدمہ میں ذکر فرمایا ہے اس لیے حافظ صاحب نے اس کو تقریب میں مقبول لکھا ہے اور مقدمہ تقریب میں فرماتے ہیں "السادسة من ليس له من الحديث الا القليل ولم يثبت فيه مايترك حديثه عن اجله واليه الاشارة بلفظ مقبول حيث يتابع والافلين الحديث" یعنی مقبول اس حیثیت میں ہے جب اس کی متابعت ہو ورنہ وہ لین الحدیث ہے یعنی روایت ضعیف شمار ہوگی حافظ صاحب نے یہ فیصلہ تحقیق کے بعد انصاف سے دیا ہے جیسا کہ مقدمہ میں فرماتے ہیں "انی احكم على كل شخص منهم بحكم يشمل اصح ماقيل فيه واعدل ماوصف به بالخص عبارة اواخلص اشارة" یعنی میں اس کتاب میں ہر ایک راوی کے بارے میں وہ حکم لگاؤں گا جو کہ اس کے حق میں انصاف پر مبنی ہو اور اس جگہ اس راوی (جریر الضبی) کا اس روایت میں کوئی دوسرا راوی متابع یا شاہد نہیں لہٰذا یہ روایت حجت نہیں بن سکتی اور نہ عام حکم کو خاص کرنے کی اہلیت رکھتی ہے۔

ثانیاً: اگر بالفرض اس روایت کی صحت تسلیم کی جائے پھر بھی اس سے ارسال پر دلیل لینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ رکوع سے قیام کی انتہا ہوتی ہے لیکن جب قیام واپس آیا تو وہی حالت بھی واپس آئے گی۔

ثالثاً: اگر ہاتھ باندھنے کی انتہا ہوگئی تو پھر دوسری اور تیسری رکعت میں بھی ہاتھ نہ باندھے جائیں جب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تک سلام نہ پھیرا جائے کیونکہ جب ایک نماز میں بقول مصنف ہاتھ باندھنے کی انتہا ہوگئی تو پھر سلام تک نہیں باندھے جاسکتے جب تک دوسری نماز شروع نہ کرے۔

رابعاً: یہ بھی قاعدہ ہے کہ ''حتیٰ'' کے ماقبل کا حکم اگر کسی حالت کی وجہ سے ہے تو اس حالت کے لوٹ آنے پر وہی حکم بھی لوٹ کر آئے گا مثلاً حدیث میں ہے کہ ''لاتقبل صلوٰۃ من احدث حتی یتوضأ'' (مشکوٰۃ ص ٤٠ بحواله بخاری ومسلم) یعنی بے وضو شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک وضو نہ کرے۔ ابھی یہاں حتیٰ کے ماقبل کا حکم نماز کا قبول نہ ہونا ہے جو کہ بے وضو ہونے کی حالت کی وجہ سے ہے اور وضو پر اس حکم کی انتہا ہوگئی لیکن اگر وہی حالت لوٹ کر آئے گی۔ یعنی بے وضو ہو جائے گا تو وہی حکم واپس آجائے گا۔ یعنی نماز قبول نہیں ہوگی اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو سمجھنا چاہیے یعنی حتیٰ کے ماقبل کا حکم ہاتھ باندھنا ہے جو کہ قیام کی حالت کے لیے تھا جب وہ حالت ختم ہوئی اور رکوع آگیا تو وہ حکم بھی ختم ہوا لیکن جب وہی حالت قیام کو لوٹ کر آئے گی تو وہی حکم ہاتھ باندھنے کا لوٹ کر واپس آئے گا اس کی مزید بحث ہماری کتاب الدلیل التام میں دیکھنی چاہیے۔

پانچویں دلیل: یوں ذکر کرتے ہیں کہ رکوع کے بعد ارسال کرنا یا ہاتھوں کو چھوڑ دینا عمل متواتر ہے اور امت مسلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اس دور تک جس میں ہم ہیں اس ارسال پر عمل پیرا ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ ''اب چند سال ہوئے ہیں کہ بعض علماء نے اس مسئلہ کو اُٹھایا ہے ورنہ اِس سے قبل سب کے سب کا عمل ارسال پر ہی تھا۔''

اولاً تواتر کا ثبوت سماع یا مشاہدہ پر موقوف ہے جیسا کہ شرح النخبہ ص ٧ میں ہے یعنی ایسا ثبوت ہو کہ اس وقت کے لوگ ایک دوسرے کو دیکھنا نقل کریں ایک دوسرے سے سننا بیان کریں یہاں تک کہ سلسلہ صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچے اور ایسا تسلسل ثابت کرنا ناممکن ہے

ثانیاً: کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں لوگ اس پر عامل رہے ہیں خاص طرح امام احمد بن حنبل کا وضع وارسال دونوں کا اختیار دینا خود بتاتا ہے کہ یہ عمل سلف میں موجود تھا۔

ثالثاً: ایسا تواتر عملی جیسا کہا جاتا ہے۔ یہ کوئی شرعی دلیل نہیں کافر بھی تو اپنے عقیدہ وعمل کے لیے ایسی ہی دلیل پیش کرتے تھے کہ ﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّهْتَدُونَ﴾ (الزخرف) یعنی ہم اپنے بڑوں کو ایک طریقہ پر دیکھتے چلے آرہے ہیں اور ہم ان ہی کے راستہ پر چلتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے بھی دلیل کا مطالبہ کیا اسی طرح ہم بھی تواتر کا نام لینے والوں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ہاتھ باندھنے کا ذکر پاتے ہیں اگر آپ نے کھولنے کا ذکر پالیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تو پیش کرو باقی عمل اس کے بعد خواہ کسی طرح بھی رہا ہو وہ حجت نہیں۔

رابعاً: دنیا جانتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد جلد ہی تبدیلیاں آنی شروع ہوگئیں تھیں بخاری شریف ص ۷۶/ج ۱ میں امام زہری سے روایت ہے کہ اس نے دمشق میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے دیکھا سبب پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ ھذہ الصلوٰۃ قد ضیعت یعنی نماز کے بارے میں شکایت کی کہ یہ بھی ضائع کردی گئی اور بخاری شریف کی دوسری روایت میں ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگوں نے اس نماز میں بہت کچھ کیا؟

اَب قارئین کرام غور فرمائیں کہ جب خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی نماز میں تبدیلی ہونے لگی تھی تو اَب صدیوں کے بعد تواتر عملی کا نام لینا کوئی عقلمندی نہیں ہے

خامساً: حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں کئی ایسے مسائل ذکر کئے ہیں جن میں زمانہ کے گذرنے سے تبدیلی ہوتی گئی۔

سادساً: مالکی مذہب والے رکوع سے پہلے خواہ بعد ہمیشہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مدینہ میں اس پر عمل رہا ہے یہ بھی ایسے ہی تواتر کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں کیا ان کا یہ دعویٰ تسلیم کیا جائے گا؟ ان کو جواب میں یہ بتایا جاتا ہے کہ چونکہ حدیث میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے لہٰذا یہ عمل اس کے خلاف ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے کا حکم عام ہے ہر کھڑے ہونے والے کے لیے ہے پھر تمہارے عمل کو کیسے مانا جائے بلکہ اس اعتراض سے یہی ثابت ہوا ہے کہ صرف عمل دلیل نہیں ہے بلکہ کبھی عمل دلیل کے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔

سابعاً: فقہاء کے نزدیک دلیلیں چار ہیں جیسا کہ اصول میں مذکور ہے قرآن حدیث اجماع اور قیاس اَب تواتر کے مدعی بتائیں کہ اس تواتر کو ان چار دلیلوں میں سے کس میں شمار کرو گے؟ قرآن و حدیث تو نہیں کہہ سکتے نہ قیاس کیونکہ اس کے لیے فقہاء کے قول کے مطابق پہلے مقیس علیہ (جس پر قیاس کیا جاتا ہے) کا ہونا ضروری ہے اور وہ یہاں نہیں ہے۔ نیز اجماع بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہر زمانہ میں وضع پر عمل رہا ہے خاص طرح امام احمد کا قائل ہونا اس اجماع کے دعویٰ کو پاش پاش کر دیتا ہے اَب اگر تواتر کے قائل اجماع کے مدعی ہیں تو اول سے لے کر آخر تک ان لوگوں کے نام گنوائیں جو ارسال کرتے رہے اور سب مجتہدین کے نام گنوانا محال ہے حالانکہ اس طرح اجماع کے مدعی کو امام احمد کذاب کہتے ہیں (الاحکام لابن حزم ص ۵۴۲) اور اگر اکثریت مراد لیتے ہیں تو یہ کوئی دلیل نہیں

ثامناً: اس قسم کا عذر کسی مسئلہ کو رد نہیں کرسکتا بلکہ سلف سے خلف تک کئی لوگ اپنی تحقیق سے مسائل بیان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے تھے مثلاً امام ابن حزم الاحکام ص ۵۴۳ میں فرماتے ہیں "وقد ذکر محمد بن جریر الطبری انه وجد للشافعی اربع مائة مسائل خالف منهما الاجماع وهكذا القول حرفاً حرفاً فی اقوال ابن ابی لیلی وسفیان والاوزاعی وزفروابی یوسف و محمد بن الحسن والحسن بن زیاد والشعبی وابن الماجشون والمزنی وابی ثور واحد واسحٰق و داؤد و محمد بن جریر مامنهم احد الاوقد ثبت عنه اقوال فی القینا لا یعلم احمد من العلماء قالها قبل ذلك القائل ممن سمینا واكثر ذلك فیما لاشك فی انشاره واشتهاده" یعنی امام ابن جریر طبری نے امام شافعی سے چار سو ایسے مسائل نقل کئے ہیں جن میں انہوں نے اجماع کا خلاف کیا ہے۔ اسی طرح بعینہٖ دوسرے ائمہ کے اقوال ومسائل میں پایا جاتا ہے۔ یعنی ابن ابی لیلیٰ سفیان ثوری، اوزاعی، زفر، ابو یوسف محمد بن الحسن شیبانی حسن بن زیاد لؤلؤی، اشہب ابن الماجشون، مزنی، ابوثور، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ داؤد اصفہانی اور محمد بن جریر طبری ان میں سے ہر ایک سے ایسے فتوے واقوال منقول ہیں جن کا کوئی دوسرا عامل ان سے قبل قائل معلوم نہیں ہوتا یہ بالکل مشہور ومعروف باتیں ہیں۔

ناظرین: ایسی ہی حالت میں اگر کوئی عالم اپنی تحقیق سے کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے نکالتا ہے جو پہلے لوگوں کو معلوم نہیں (حالانکہ یہ حالت اس مسئلہ میں نہیں ہے بہت سے علماء اس مسئلہ پر پہلے بحث کر چکے ہیں) اور اگر اس کو کوئی غلط سمجھتا ہے تو قواعد کے لحاظ سے اس کے استنباط کو رد کر دے نہ کہ یہ کہے کہ اس کے خلاف تواتر عملی ہے اور سلف سے خلف تک کوئی اس کا قائل نہیں اس کا نام تحقیق نہیں ہے

الحاصل: ...... یہ دلیل تو کیا ایک معقول بات بھی نہیں ہے اور چند رسالوں کا نام لینے والے کتابوں کا مطالعہ کریں۔ مصنف نے اپنے کلام کی تائید میں تین علماء کی عبارتیں نقل کی ہیں پہلے نواب وحید الزماں کی عبارت نقل کی ہے جس میں تین باتیں ہیں پہلی یہ کہ "اور یہ محال ہے کہ اس قیام میں وضع مسنون بھی ہے پھر بھی اس کو نقل نہیں کیا گیا ہے۔

مگر ارسال کا بھی اس طرح نقل نہیں نہ رسول اللہ ﷺ سے نہ کسی صحابی سے نہ کسی تابعی سے کہ اس نے رکوع کے بعد والے قیام میں ارسال کیا ہو بلکہ عموم احادیث سے دونوں بلکہ سب قیاموں میں ہاتھ باندھنے کی نص موجود ہے پھر نواب صاحب کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہوگا؟ جب دونوں قیاموں بلکہ سب قیاموں (مثلاً رکوع سے قبل، رکوع سے بعد جنازہ نماز میں قیام، عیدین میں قیام) کا ایک ہی حکم ہے تو پھر الگ کرنے کی کیا ضرورت ہے مجموعی طور پر نقل کیا گیا کہ نبی ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ہاتھ باندھ لیتے تھے بلکہ یہ سوال تو ہم کر سکتے ہیں کہ حدیث میں صرف ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے پھر اگر سب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیاموں میں ہاتھ باندھے جاتے تھے تو ضرور صحابہ میں کوئی نہ کوئی نقل کرتا حالانکہ وہ روزانہ پانچ نمازیں آپ (ﷺ) کے پیچھے پڑھتے تھے جب اس قسم کا نقل نہیں ہے اور مجموعی طور پر حکم ہے کہ جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو ہاتھ باندھتے پس ہم ارسال کرنے والوں پر حجت قائم کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ جب ہر قیام میں ہاتھ باندھنے کا حکم ہے اور آپ ایک قیام (بعد الرکوع) کو اس سے نکالتے ہیں اگر یہ صحیح ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پانچ نمازیں پڑھنے والے نقل کرتے جب ایسا نقل نہیں ہے تو یہ تخصیص بھی صحیح نہیں۔

دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ ''بیشک میں نے اپنے اہل حدیث شافعی اور حنبلی اساتذہ کو دیکھا کہ وہ سب کے سب اس قیام میں ہاتھوں کو چھوڑتے تھے اور ان میں سے ایک کو بھی میں نے اس قیام میں ہاتھ باندھتے ہوئے نہیں دیکھا''

نواب صاحب کا کسی چیز کو نہ دیکھنا تواتر کی دلیل نہیں ہے جناب شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے شاگرد علامہ ابو اسماعیل قاضی یوسف حسین خان پوری رسالہ اتمام الخشوع ص ۳۹ میں فرماتے ہیں'' اور باعتبار کتب مذاہب اربعہ سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے چنانچہ حنابلہ کو ہم نے اپنی آنکھوں سے اس پر عمل کرتے دیکھا اور ان کتابوں میں بتصریح یہ مسئلہ مرقوم ہے کتاب شرح الزاد المستقنع اور شرح المنتهى اور شرح الاقناع میں دیکھو اور شافعیہ میں بھی بتصریح موجود ہے۔ ایک قول میں دیکھو بشری الکریم وغیرہ اور بعض کتب مالکیہ میں بھی اشارہ قریب بتصریح پایا جاتا ہے اور کتب فقہ حنفیہ میں بھی یہ مسئلہ بکثرت موجود ہے پھر مولانا نے فقہ کی عبارتیں ذکر کی ہیں اور فقہ کی عبارتوں میں کئی لوگوں کے عمل کا ذکر ہے اور ہم نے بھی کئی لوگوں کو جن میں' اہل حدیث حنابلہ اور دیگر مذاہب کے لوگ شامل ہیں سب کو ہاتھ باندھتے وقت دیکھا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ''من عرف الشيء حجة على من لم يعرفه'' یعنی جس نے دیکھا ہے اس کی بات نہ دیکھنے والے پر حجت ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ کہتے ہیں کہ ''پھر جو شخص اس قیام میں ہاتھوں کو باندھنے کا قائل ہے وہ گویا امت کے اجماع کی مخالفت کرتا ہے اور دین میں احداث کرتا ہے یعنی بدعت کا ارتکاب کرتا ہے''

الجواب: اجماع کا دعویٰ سراسر غلط ہے کیونکہ چاروں مذاہب کی کتابوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی لوگ ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں اور ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ خود مصنف بھی اجماع کے قائل نہیں مولانا سیّد اقتدار احمد سہسوانی رسالہ ما بعد الرکوع ص ۱۰ میں فرماتے ہیں کہ ''یہ مسئلہ کہ بعد الرکوع کیا کرنا چاہیے؟ اس میں زمانہ ائمہ اربعہ اور فقہاء سے جزوی اختلاف چلا آتا ہے'' اور ص ۱۳ میں فرماتے ہیں'' اور اکثر کا تعامل یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہو'' پھر ص ۵۹ میں مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرنوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ جمہور کا مذہب ہے

اب ناظرین غور فرمائیں کہ ان عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعد الرکوع ارسال پر کوئی اجماع کا دعویٰ درست نہیں ہے اور جمہور بھی کوئی حجت نہیں نہ یہ دلائل شرعیہ میں شمار ہے پس نواب صاحب کی یہ بات خلاف واقع ہے اس کو احداث فی الدین اور بدعت کہنا بھی جرأت ہے کیونکہ کسی روایت میں بعد الرکوع نہ ارسال کا ثبوت ہے نہ وضع کی نفی اور جو مسئلہ عموم سے ثابت ہوا اس کو بغیر کسی معتبر اور واضح دلیل کے بدعت کہنا علماء کے شان کے خلاف ہے حافظ عبداللہ صاحب روپڑی مرحوم رسالہ رفع الیدین اور آمین ص ۱۴۲ میں فرماتے ہیں ’’اور اگر مقتدی نے فاتحہ امام کے ساتھ نہیں پڑھی بلکہ آگے پیچھے پڑھی تو پھر اس کو الگ آمین کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ ابوزہیر نمیری ﷜ کی حدیث اوپر گذر چکی ہے کہ آمین ’’مہر‘‘ ہے گویا دو جگہ آمین ہوگی ایک اپنی فاتحہ پر حدیث ابوزھیر کی بناء پر اور ایک امام کی فاتحہ پر حدیث ”اذا امن الامام فأمنوا“ کی بنا پر مقتدی کی دو آمین یہاں سے بعض لوگوں کے اس اعتراض کا بھی جواب ہوگیا جو کہا کرتے ہیں کہ اگر مقتدی امام کی فاتحہ کے درمیان آکر ملے تو وہ اپنی فاتحہ پڑھے یا امام کے ساتھ آمین کہے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کام کرے تاکہ دونوں حدیثوں (آمین اور سورت فاتحہ) پر عمل ہو جائے۔ خیر یہ سوال و جواب تو ضمنی چیز ہے اصل بحث یہ ہے کہ مقتدی کی دو حیثیتیں ہیں پہلی حیثیت میں تو وہ منفرد کی طرح ہے کیونکہ وہ اپنی فاتحہ الگ پڑھتا ہے امام کی فاتحہ پر اکتفا نہیں کرتا اس حیثیت سے اس کی آمین اپنی دعا پر ہوگی اس حیثیت میں اگر مقتدی امام کے آگے پیچھے ہونے کی وجہ سے دوسری آمین کہے تو یہ آہستہ ہی ہوگی۔

ناظرین: انصاف سے بتائیں کہ یہ قول کہ مقتدی دوبارہ آمین کہے یہ پہلے کسی نے کہا ہے یا کسی کتاب میں کسی نے لکھا ہے کیا آپ اس کو بھی بدعت کہیں گے یا یہ کہیں گے کہ (نعوذ باللہ) حافظ صاحب مرحوم نے نئی بدعت نکالی ہے حاشا وکلا زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ حافظ صاحب کی یہ اجتہادی غلطی ہے بشرطیکہ دلیل کے خلاف ہو مگر ہم حافظ صاحب کے اس فیصلہ کو غلط نہیں کہتے بلکہ صحیح مانتے ہیں کیونکہ دلیل کے موافق ہے اگرچہ نص صریح نہیں ہے بلکہ استنباط ہے اور کوئی صحیح اور صریح دلیل اس کے منافی نہیں لیکن آج کل کے مفتی صاحبان ان حالات کو نہیں دیکھتے اور فتویٰ دینے میں جلد بازی کرتے ہیں۔ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا مسئلہ ہماری تحقیق کے مطابق تو منصوص ہے لیکن جو لوگ اس کو منصوص نہیں مانتے اور استنباط کہتے ہیں ان کو بھی بدعت کہنے کا کیا حق ہے؟ جبکہ اس کی نفی میں کوئی صریح دلیل موجود نہیں الغرض نواب صاحب کی اس عبارت سے مصنف صاحب اور اُن کے ہمنواؤں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

دوسرے نمبر میں محدث شیخ ناصر الدین الالبانی کی عبارت نقل کی ہے ہم سوال پوچھتے ہیں کہ محدث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موصوف کی شخصیت کو دیکھا گیا ہے یا ان کی تحقیق اور دلائل کو اگر اس کی شخصیت ملحوظ ہے تو پھر اُن کے چند مسائل پیش کیے جاتے ہیں پھر دیکھتے ہیں کہ مصنف اور ان کے ہمنوا مسائل کو مانتے ہیں یا نہیں۔ پہلا مسئلہ یہ کہ وہ جہری نماز میں امام کے پیچھے قراءت کرنے کے قائل نہیں۔

بلکہ اس کو منسوخ کہتے ہیں دیکھو ان کی کتاب صفۃ صلوٰۃ النبی ﷺ ص ۹۳ تا ۹۴ (طبع ششم) اس میں کوئی شک نہیں کہ شیخ البانی صاحب بہت بڑے محقق ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی محقق غلطی نہیں کر سکتا کیا اہلحدیث موصوف کا یہ مسئلہ مانیں گے؟ دوسرا مسئلہ یہ کہ شیخ البانی صاحب رکوع میں ملنے والے کی رکعت کو صحیح کہتے ہیں جیسا کہ ان کا مضمون مجلۃ الجامعۃ السلفیہ بنارس مئی جون ۱۹۷۸ء بمطابق جمادی الثانی رجب ۱۳۹۸ھ ص ۹ تا ۱۷ میں شائع ہوا ہے اب مصنف صاحب محقق محترم کا یہ فیصلہ قبول کریں گے؟ تیسرا مسئلہ یہ کہ شیخ البانی صاحب عورت کے لیے منہ کا پردہ ضروری نہیں سمجھتے جیسا کہ اس مسئلہ پر ان کا مستقل رسالہ بنام حجاب المرأۃ المسلمۃ مشہور ہے اس طرح اور کئی مسائل ہیں اگر ان کی عبارت اور استدلال مقصود ہے تو ہم اس کا ابھی تجزیہ کرتے ہیں ان کے کلام میں دو باتیں ہیں پہلی بات یہ ہے کہ فرماتے ہیں۔ اگر اس قیام میں ہاتھ باندھنے کا اصل (دلیل) ہوتا تو ہماری طرف نقل کیا جاتا اگرچہ ایک ہی طریقہ سے کسی ایک نے بھی یہ کام نہیں کیا اور جہاں تک میں جانتا ہوں حدیث کے ائمہ میں سے کسی ایک نے ابھی اس کا ذکر نہیں کیا" حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ جو مسائل عمومیات سے ماخوذ ہیں ان کو بھی علماء منقول جانتے ہیں اور احادیث کے عمومات سے لیے ہوئے احکام میں اُن کی سند بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا اور ایسے کیا ایضاً امام احمد کا اس قیام میں وضع وارسال دونوں کا اختیار واضح کرتا ہے کہ وضع منقول ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ مثلاً دوسری تیسری یا چوتھی رکعت میں ہاتھ باندھنے کے لیے کوئی صریح اور صحیح نص نہیں بلکہ یہ سب عمومات سے ماخوذ ہیں اسی طرح رکعت کا دوسرا سجدہ، سجدہ تلاوت سجدہ سہو، سجدہ شکر کی کیفیت کے لیے احادیث میں کوئی جدا صریح نص موجود نہیں بلکہ عمومات سے لیا جاتا ہے صلوٰۃ الکسوف کے دوسرے رکوع کی کیفیت کے لیے جدا کوئی نص نہیں کہ ہاتھ کہاں رکھے جائیں اور کیسے رکھے جائیں پیٹھ سیدھی کی جائے یا ٹیڑھی اس کے لیے بھی کوئی خاص نص نہیں بلکہ عمومات کے تحت ہیں ان سب مسائل کو علماء سنت اور منقول جانتے ہیں اسی طرح اس مسئلہ میں جب عام الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نماز میں جب کھڑے ہوتے تو ہاتھ باندھتے اس عموم میں جس طرح دوسری تیسری اور چوتھی رکعت کا قیام نماز جنازہ کا قیام صلوٰۃ الکسوف کا قیام بعد الرکوع داخل ہیں اسی طرح رکعت کے رکوع کے بعد والا قیام بھی اس میں داخل ہے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ باقی سب قیاموں کو تو اس میں داخل کیا جائے اور منقول کہا جائے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مگر رکوع کے بعد قیام کے لیے کہا جائے کہ منقول نہیں علامہ البانی صاحب نے دوسری بات یہ کہی ہے کہ ”اور مجھے اس بات میں شک نہیں ہے کہ سینہ پر اس قیام میں ہاتھوں کا باندھنا بدعت گمراہی ہے“ اب اگر دوسری اور تیسری رکعت میں ہاتھ باندھنے کو بدعت کہا جائے اور اس کا جو جواب دیا جائے گا وہی ہمارا جواب سمجھیں۔

ثانیاً: علامہ حمود بن عبداللہ تویجری جو نجد کے مشہور عالم اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں وہ اپنی کتاب ”التنبیهات علی رسالۃ الالبانی فی الصلوٰۃ ص۱۹۔۱۸ میں البانی صاحب کی اس عبارت کی تردید یوں کرتے ہیں۔ ”اقول ان الجزم بالتبديع والتضليل فيما ذكر ههنا فيه نظر لما رواه النسائی فی اول کتاب الافتتاح من سننه الصغرى عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان قائما فی الصلوٰۃ قبض بیمینه علی شماله اسناده جيد وقد رواه الدارقطنی فی سننه من طریق النسائی والا اعلم لهٰذا الحدیث معارضاً ولا مخصصاً و ظاهر ایفید العموم لماقبل الرکوع ومابعده لان کلا منهما یسمی قیاماً ومن خصص ذلك بماقبل الرکوع فعلیه الدلیل ولیس فی باقی الروایات من وائل رضی اللہ عنہ ولا فی الاحادیث عن غیره ماینفی وضع الیدین علی الصدراو تحت السرة فيما بعد الركوع كما يفعل فيما قبله والله اعلم وقد ذكر ابن مفلح فی الفروع والنكت عن الامام احمدرحمة الله تعالیٰ انه قال اِن شاء ارسل يديه۔“ یعنی ”بعد الرفع من الركوع۔وان شاء وضع يمينه على شماله قال فی النكت وقطع به القاضی فی الجامع لانه حالة قيام فی الصلاة فاشبته ماقبل الركوع قال و ذكرفی المذهب والتلخيص انه يرسلهما بعد رفعه و ذكرفی الرعاية اِن الخلاف هنا كحالة وضعهما بعد تكبيرة الاحرام انتهى۔“

”ومن المعلوم عند العلماء كافة ماكان عليه الامام احمد رحمة الله تعالیٰ من مزيد التمسك بالآثار والبعد عن البدع والضلالات وقد قال فی هذه الرواية بالتخيير بين ارسال اليدين فی القيام بعد الركوع وبين وضع اليمين علیٰ الشمال۔ والقول بالوضع هو الصواب لعموم حديث وائل الذی ذكر نا والله اعلم“ یعنی میں کہتا ہوں کہ اس عمل کو بدعت اور ضلالت کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ سنن نسائی میں بہترین سند سے وائل بن حجر سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جب بھی نماز میں قائم یعنی کھڑے ہوتے تو اپنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دائیں ہاتھ مبارک سے بائیں ہاتھ مبارک کو پکڑ لیتے ہیں اور یہی روایت سنن دارقطنی اور ابن ماجہ میں نسائی کی سند سے مروی ہے اور میرے علم میں کوئی ایسی حدیث نہیں جو اس حدیث کے معارض یا مخالف ہو یا اس کے لیے مخصص ہو جو کسی ایک قیام کو اس میں سے خاص یا مستثنیٰ کر دے۔ بظاہر یہ حدیث عموم کا فائدہ دیتی ہے یعنی یہ حکم رکوع سے قبل یا اس کے بعد دونوں قیاموں کے لیے عام ہے اور جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ یہ حکم رکوع سے قبل کے قیام کے لیے ہے تو اس کے لیے دلیل دینا اس کے ذمے ہے وائل کی کسی روایت میں یا کسی اور حدیث میں بعد الرکوع ہاتھ باندھنے کی کوئی نفی نہیں ہے۔ ابن مفلح کتاب الفروع اور النکت میں امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے فرمایا کہ رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد ہاتھ باندھ لے یا چھوڑ دے اسی طرح قاضی نے کتاب الجامع میں اس کا فیصلہ دیا ہے کیونکہ یہ بھی نماز میں قیام کی حالت ہے۔

لہٰذا قبل الرکوع کے موافق ہے اور المذہب میں لکھا ہے کہ رکوع سے سر اُٹھاتے وقت ہاتھوں کو نیچے چھوڑ دیا جائے اور الرعایہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ اختلاف اسی طرح ہے جس طرح تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھنے میں ہے اور یہ جمیع علماء جانتے ہیں کہ امام احمد کس طرح احادیث سے تمسک کرنے والا اور بدعات و گمراہی سے دور رہنے والا تھا ان کا یہ اختیار دینا کہ ہاتھ باندھے جائیں یا چھوڑے جائیں۔ فی الحقیقت ہاتھ باندھنا ہی صحیح قول ہے کیونکہ وائل رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث عام ہے۔

اَب اس عبارت کو غور سے پڑھو اور انصاف کرو کہ اس کو بدعت کہنا کہاں تک صحیح ہے۔

اِس کے بعد مولانا عبدالقادر حصاروی کی عبارت رسالہ مابعد الرکوع سے نقل کرتے ہیں کہ ''رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا کسی دلیل اور تعامل سلف وخلف سے ثابت نہیں ہے اس لیے اس بدعت سے بچنا چاہیے۔'' یہ بھی وہی بات ہے جس کا جواب پہلے گزر چکا ہے

ثانیاً: ہم نے جو دلائل پیش کیے ہیں وہ عام ہیں اس کو رد کرنے کے لیے یہی طریقہ ہے کہ اس عموم کی تخصیص کی دلیل پیش کی جائے اور جو مسئلہ عموم سے ثابت ہو اس کو بدعت کہنا کسی مذہب میں نہیں۔

مثلاً خود مولانا حصاروی صاحب نماز کے اندر نبی ﷺ کا نام لینے یا سننے والے دونوں کو درود پڑھنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اس کے لیے کوئی صریح نص نہیں پیش کر سکتے بلکہ مسئلہ کا عام دلائل سے استنباط کرتے ہیں کیا اس بناء پر اُن کے اس عمل کو بدعت یا اختراع کہا جاسکتا ہے؟ وھو الثالث بلکہ خود مصنف محترم عمومات سے لیے جانے والے مسئلہ کو بدعت کہنا صحیح نہیں سمجھتے۔ چنانچہ خود کسی مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''یہ عجیب معاملہ ہے کہ اس اجتماعی دعا کے متعلق بعض احباب فرماتے ہیں کہ بدعت کے اندیشہ سے کسی بات کا چھوڑ دینا اس کے کرنے سے بہتر ہے اور احوط ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ جب عمومی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلیل موجود ہے اور شارع بارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے کسی اجتماع کو مستثنیٰ بھی نہیں کیا گیا تو یہ بدعت کیسی اور اس کا اندیشہ کیا؟ کیا عمومات کتاب وسنت دلیل نہیں ہوا کرتے؟'' (صحیفہ اہلحدیث کراچی)

رابعاً: ہم بھی سوال کرتے ہیں کہ ارسال جس کے آپ قائل یا عامل ہیں اس کو آپ عمل جانتے ہیں یا لاعمل؟ اگر عمل ہے تو کسی دلیل کی بناء پر آپ اس کو نماز میں داخل کرتے ہیں؟ اگر دلیل ہے تو پیش کیجئے۔ کیونکہ نماز توقیفی ہے کوئی بھی عمل بغیر دلیل کے اس میں داخل نہیں کیا جاسکتا اگر دلیل نہیں ہے تو پھر اس کو بدعت کہنا اولیٰ ہوگا بہ نسبت اس کے جو عموم سے ثابت ہے کیونکہ ارسال نہ عموم سے ثابت ہے نہ خصوص سے اگر آپ ارسال کو عمل ہی نہیں جانتے تو ایسی چیز نماز میں کیسے داخل ہوسکتی ہے مولانا کا یہ فتویٰ خود بدعت ہے کیونکہ سلف میں سب مذاہب والے عمومات سے استدلال کرتے رہے ہیں۔

جو اُن کے خلاف تھے ان کو غلط اور اُن کے اجتہاد واستنباط کو خطاء ضرور کہتے ہیں مگر کسی نے نہ ایسے فعل کو بدعت کہا نہ اس کے قائل یا عامل کو بدعتی کہا اس طرح بدعت کی فتویٰ دینا اس صدی کی ایجاد ہے۔

ے میرے دل سے گیا پالاستمگر سے بڑا
مل گئی اے دل تجھے کفران نعمت کی سزا

اب ہم ایک عبارت پیش کرتے ہیں پھر اس کے ساتھ اُن نقول کا مقابلہ کریں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ اپنی مایۂ ناز کتاب المحلی ص۱۱۲ تا ۱۱۴/ ج۴ میں نماز میں ہاتھ باندھنے کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

”ونستحب اِن یضع المصلی یده الیمنی علی رکوع یده الیسری فی الصلوٰۃ فی وقوفه کله فیهما“ یعنی ہم اس کو مستحب جانتے ہیں کہ نمازی اپنی نماز کی جملہ وقوفات یعنی کھڑے ہونے کی حالتوں میں ہاتھ باندھ لے۔ اس کے بعد امام موصوف دلائل نقل کرتے ہیں جس میں مرفوع احادیث و آثار ہیں پھر فرماتے ہیں ”وروینا فعل ذلك عن ابی مجلز و ابراهیم النخعی و سعید بن جبیر و عمرو بن میمون و محمد بن سیرین وایوب السختیانی وحماد بن سلمة انهم کانوا یفعلون ذالك وهو قول ابی حنیفة والشافعی واحمد وداؤد “ یعنی اس طرح ہاتھ باندھنا ہم نے ان ذکر کئے ہوئے تابعین اور اتباع سے روایت کیا ہے اسی طرح ائمہ دین ابوحنیفہ، شافعی ''احمد بن حنبل اور داؤد ظاہری کا قول ہے اَب ایک طرف تو کہتا ہے کہ نماز کے ہر وقوف اور قیام میں ہاتھ باندھنے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ یہی تابعین وتبع تابعین سے مروی ہے اور ائمہ دین کا بھی یہی قول ہے اب قارئین کرام غور فرمائیں کہ اس عبارت کے بعد اس کو بدعت کہنے کی کوئی گنجائش باقی ہے؟ حاشا وکلا

چھٹی دلیل چند مقدمات پر مبنی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱: صحیح بخاری کی حدیث "نماز اسی طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھ رہے ہو۔"

۲: اور حدیث صحیح میں یہ وارد ہے کہ آنحضرت ﷺ رکوع کے بعد والے قیام میں سیدھا ہو کر اتنا کھڑا رہے کہ مقتدیوں کو یہ خیال گزرا کہ شاید آپ کو نیچے سجدہ کی طرف جانے کا نسیان ہو گیا۔

۳: اگر کوئی مقتدی آئے تو ہاتھ باندھنے کی صورت میں آخر کس طرح معلوم کرے کہ یہ کون سا قیام ہے آیا یہ پہلا قیام ہے اس لیے اس میں ثنا پڑھے اور سورت فاتحہ بھی پڑھے یا یہ بعد الرکوع والا قیام ہے لہٰذا اس میں "ربنا لك الحمد" وغیرہ کہے لیکن وضع کی صورت میں اس کا پتہ قطعاً نہیں چل سکتا۔

پہلے مقدمہ کا تو اس کے ساتھ تعلق ہی نہیں کیونکہ کسی صحابی نے یہ حکایت نہیں کی کہ رسول اللہ ﷺ قیام بعد الرکوع میں ہاتھ چھوڑتے تھے لہٰذا اس حدیث کو صرف گمان وظن پر اس مسئلہ پر چسپاں کرنا صحیح نہیں بلکہ ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ ہر قیام کی حالت میں ہاتھ باندھتے تھے پھر اس حدیث (نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھ رہے ہو) کا مصداق ہاتھ باندھنے والے ہوئے نہ کہ کھولنے والے

ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

دوسرے مقدمہ سے بھی ظاہر ہے کہ وضع ہو کیونکہ قیام کا اصول اسی کو مقتضی ہے اور یقیناً "اذا کان قائما" کے تحت داخل ہے تیسری بات بھی کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ ایسا واقعہ کبھی ہوا ہو صرف ایک مفروضہ پیش کر کے دلیل بنائی گئی ہے چونکہ ایسا اشتباہ منقول نہیں اس لیے محض ظن وتخمینہ ہے ثانیاً یہ اشتباہ کی صورت پیش بھی نہیں آسکتی کیونکہ جب کوئی شخص باہر سے آئے گا تو اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو نمازیوں کو رکوع سے سر اُٹھاتے دیکھ لے گا یا ان کو اس وقت دیکھے گا جب وہ سر اُٹھا کر سیدھے کھڑے ہو چکے ہوں گے پہلی صورت میں تو کوئی اشتباہ نہیں دوسری صورت میں آنے والا جب مسجد میں داخل ہوگا اور چل کر صف تک پہنچے گا حالانکہ آنے والے کو جلدی چلنے سے منع ہے بلکہ آہستہ وآرام سے آنے کا حکم ہے پھر صف میں داخل ہونے کے بعد تکبیر تحریمہ کہے گا اتنے عرصہ میں تو وہ امام کی سجدہ کے لیے تکبیر سن لے گا۔ پس دونوں صورتوں میں کوئی اشتباہ نہیں کیونکہ پہلی صورت میں تو وہ جماعت کو رکوع سے سیدھے ہوتے ہوئے دیکھ لے گا اور سمجھ جائے گا کہ یہ قیام بعد الرکوع ہے اور دوسری صورت میں اگر اس نے سب نمازیوں کو بالکل سیدھا دیکھا ہے اور کسی کو سر اوپر کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے تو پھر اس وقفہ کے اندر معلوم کر لے گا کہ یہ دوسرا قیام ہے اگر وہ قیام بعد الرکوع ہوگا پس اس قسم کے مفروض اور مظنون شبہات سے حدیث کے صریح الفاظ جو عموم پر دلالت کرتے ہیں۔ ان سے اس قیام کو مستثنیٰ کرنا یا اس کے حکم سے باہر نکالنا صحیح نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثالثاً: جن نمازوں، میں قراءت جہری کی جاتی ہے ان میں تو کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

نیز جب سنت کے مطابق "ربنا لك الحمد الى آخره" جہر سے پڑھایا جائے تو قطعاً کوئی اشتباہ نہیں رہے گا بلکہ آنے والا جان لے گا کہ یہ قیام بعد الرکوع ہے۔

رابعاً: بلکہ اگر اشتباہ کا ممکن ہونا تسلیم کیا جائے گا تو بھی احتیاط اس میں رہے گا کہ ہاتھ باندھے جائیں کیونکہ ایسی صورت میں انسان تحقیق کا امور ہے اور بوقت اشتباہ غالب گمان پر چلنا ہے پس اگر آنے والا جو کہ اس مسئلہ میں مصنف محترم کا ہم خیالی ہے وہ یہ گمان کرے گا کہ یہ قیام بعد الرکوع میں کھڑے ہیں تو ارسال ہی کرے گا اور فی الواقع وہ قیام قبل الرکوع ہو تو اس کا یہ عمل مصنف کے نزدیک بھی غلط ہوگا اور اگر یہ گمان کیا کہ وہ قبل الرکوع قیام میں ہیں اور ہاتھ باندھ لیتا ہے لیکن فی الواقع وہ رکوع کے بعد والا قیام ہو تو وہی لازم آئے گا۔ جس کو مصنف محترم غلط جانتا ہے اس لیے احتیاط وضع میں ہی ہے تاکہ جس قیام میں مصنف محترم وضع کو سنت مانتا ہے اس میں خلاف سنت عمل لازم نہ آئے اور بعد الرکوع کے قیام میں اگرچہ مصنف ہمارے دلائل کو صریح دلیل نہیں مانتا تو بھی اس کو ناجائز کہنے کے لیے کوئی نص نہیں پس اس صورت میں اگر بالفرض ایسا اشتباہ ہے تو بھی وضع ہی کرنا ہوگا۔

الغرض ایسا اشتباہ نہ ہوا ہے نہ ہونے کا امکان ہے مصنف کو چاہیے کہ ایسی چند مثالیں پیش کریں ایسے فرضی مسائل بنا کر پیش کرنا فقہ والوں کا انداز ہے مگر سلف صالحین ایسے مفروضات سے سخت متنفر تھے چنانچہ سنن دارمی ص۴/۴۷/ج۱ میں سلف سے آثار منقول ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی شخص نے کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ایسی بات کے متعلق نہ پوچھا کرو جو واقع نہ ہوئی ہو "فانی سمعت عمر بن الخطاب يلعن من سأل عملم يكن" یعنی میں نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ ایسے مسائل پر لعنت کرتے تھے جو ایسا سوال کرے جو کبھی واقع نہ ہوا ہو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو پہلے اس سے پوچھتے کہ واقعی ایسا ہوا بھی ہے؟ اگر ہاں کہتا تو اس کو مسئلہ بتاتا تھا اگر کہتا نہیں تو فرماتے "فذروه حتى يكون" یعنی اس مسئلہ کا پوچھنا چھوڑ دو جب تک یہ واقعہ پیش نہ آئے اس طرح عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے نیز اسی طرح امام ابوخیثمہ زہیر بن حرب کی کتاب العلم (مجموعہ رسائل اربعہ ص۱۲۷ میں ابی بن کعب سے بھی مروی ہے پس ایسی فرضی باتوں کو پیش کر کے مسئلہ ثابت نہیں کیا جاسکتا اَب مصنف کی اس عبارت کی حقیقت کھل گئی جو کہتے ہیں کہ "اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ما بعد الرکوع والے قیام میں بھی وضع کے عامل ہوتے تو آپ کے عہد مبارک میں بھی یہ مشکل ضرور پیش آتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کے حل کے لیے ضرور بارگاہ رسالت کی طرف رجوع فرماتے لیکن جب ایسی کوئی مشکل پیش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی نہیں آئی اور نہ ہی اس کا حل منقول ہوا ہو تو لامحالہ یہی اس کا منطقی نتیجہ ہوگا کہ ان دونوں قیاموں میں وضع وارسال کا فرق تھا اس لیے یہ اشکال پیش ہی نہیں آیا۔ جب یہ فرضی صورت ہے تو پھر اس کا منطقی نتیجہ نکالنا خود ایک غیر ضروری بات ہوئی۔

ساتویں دلیل یوں ذکر کرتے ہیں کہ ''ان دونوں قیاموں کے احکام میں فرق ہے مثلاً پہلے قیام میں قراءۃ فرض ہے اور سورت فاتحہ لازمی طور پر پڑھنی ہے لیکن بعد الرکوع والے قیام میں قراءۃ نہیں ہے بلکہ "سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد" وغیرہ پڑھنے کا حکم ہے اسی طرح پہلے قیام میں سورت فاتحہ پڑھنے سے مقتدی رکعت کو پائیگا لیکن مابعد الرکوع والے قیام میں سورت فاتحہ پڑھنی ہی نہیں ہے اور اگر کسی نے پڑھ لی تو وہ رکعت کو پالینے والا نہ ہو اس قسم کے احکام میں امتیاز کی وجہ سے یہ بھی راجح اور اولی قوی اور حق ہے کہ ان دونوں قیاموں کی ہیئتوں میں بھی امتیاز ہونا چاہیے۔

مگر ہر ایک جانتا ہے کہ یہ کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ یہ ہماری دلیل ہے جو ان دونوں قیاموں میں فرق تھا وہ بتلا دیا یعنی رکوع سے قبل والے قیام میں دعا ہے اگر ہاتھ باندھنے یا کھولنے کا فرق ہوتا تو ضرور راوی بیان کرتا جیسا کہ قراءت اور دعا کا فرق بتلایا پس ثابت ہوا کہ دونوں قیاموں میں ہاتھوں کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں تھا اس لیے راوی نے بیان نہیں کیا۔ اپنی طرف سے ایسا امتیاز یا فرق کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

ناظرین: یہ تھے ہاتھ کھولنے والوں کے دلائل جن کی حقیقت ظاہر کر دی گئی اب پڑھنے والے انصاف کریں کہ جب ایک طرف عام دلائل ہیں اور صریح طور پر بتلاتے ہیں کہ نماز میں جب بھی انسان کھڑا ہو تو ہاتھ باندھ لے تو دوسری طرف کوئی ایسی واضح دلیل ہو جس سے ثابت ہو کہ رکوع کے بعد والا قیام اس میں داخل نہیں بلکہ وہ اس حکم سے خارج اور مستثنیٰ ہے ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے نہ کوئی ایسی روایت ہے بلکہ اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے کہنا کہ یہ دوسرا قیام اس سے جدا ہے صرف اس قدر کافی نہیں ہے اور اسی کا نام تعصب ہے کہ محض اپنی پسند یا لوگوں کے عمل کو دیکھ کر فیصلہ دیا جائے اور حدیث کے عام حکم سے کسی ایک قیام کو خاص کیا جائے۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر!

اس کے بعد مصنف محترم ہاتھ باندھنے والوں کے دلائل میں سے دو دلیل ذکر کر کے جواب دیتے ہیں ہم ان کے کلام کو ذکر کر کے حقیقت ظاہر کر دیتے ہیں پہلی دلیل اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ ''حضرت علقمہ اپنے والد وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب بھی آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑتے تھے‘‘ اور خود اس کا خلاصہ اور ماحصل یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے یعنی قیام میں ہوتے تو اپنے ہاتھ باندھتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے قیام میں ہاتھ باندھنے چاہئیں کیونکہ مابعد الرکوع والا رکن بھی قیام ہی ہے اور اس کو بھی کھڑا ہونا کہا جاتا ہے نہ کہ بیٹھنا نہ سونا جب یہ ثابت ہوا کہ وہ کھڑا ہونا یعنی قیام ہے تو صحابی رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ جب بھی کھڑے ہوتے تو وضع کرتے لہٰذا مابعد الرکوع والے قیام کو بھی شامل ہوگا لہٰذا اس میں بھی وضع ہونا چاہیے نہ ارسال‘‘

ناظرین: غور فرمائیں کہ اس عبارت میں کتنی وضاحت ہے۔

اوّل: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی دیکھا گیا کہ آپ جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے تو ہاتھ باندھ لیتے۔

دوم: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قیام میں ہاتھ باندھنے چاہئیں۔

سوم: مابعد والا رکن بھی قیام ہی ہے اور اس کو بھی کھڑا ہونا کہا جاتا ہے نہ کہ بیٹھنا اور سونا۔

اَب انصاف کریں کہ باقی کیا رہ جاتا ہے مصنف محترم پر لازم تھا کہ ان مقدمات کو غلط ثابت کرتا یعنی یہ ثابت کرتا کہ رکوع کے بعد کھڑا ہونا قیام نہیں ہے یا یہ ثابت کرتا کہ رکوع کے بعد والے قیام میں ہاتھ باندھنے کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی اور طریقہ مروی ہے مگر دونوں کاموں میں سے ایک بھی نہیں کیا۔

کوئی بھی کام مسیحا تیرا پورا نہ ہوا
نامرادی میں ہوا ہے تیرا آنا جانا

بہرحال جو کچھ مصنف محترم نے لکھا ہے ہم اس کا جائزہ لیتے ہیں فرماتے ہیں کہ ’’اس قیام سے مراد صرف قیام اول مراد ہے جس میں قراءت کی جاتی ہے نہ کہ (مابعد والا قیام)

اب ناظرین کرام اللہ کے واسطے انصاف کریں کیا یہ الفاظ حدیث میں ہیں؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قیام میں ہاتھ باندھتے تھے جس میں قراءت تھی؟ بلکہ یہ اپنی طرف سے قید بڑھائی گئی ہے حدیث میں تو یہ الفاظ ہیں ’’جب بھی آپ نماز میں کھڑے ہوتے تھے۔‘‘ جیسا کہ خود مصنف صاحب نے نقل کیا ہے اور پھر معنی یہ کرتے ہیں کہ ’’جب قراءت کے لیے نماز میں کھڑے ہوتے تھے‘‘ اَب غور کریں کہ یہ الفاظ ’’قراءت کے لیے‘‘ حدیث میں ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ اپنی طرف سے بڑھائے گئے ہیں اور ہر ایک تھوڑے علم والا جانتا ہے کہ یہ محض تاویل ہے اور اپنی طرف سے الفاظ بڑھائے ہیں کیونکہ اس کے بغیر کام نہیں بنتا تھا ورنہ حدیث کے الفاظ بالکل واضح تھے اور حجت قائم تھی جس کا مصنف کو بھی اعتراف ہے مگر اس تاویل کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اَب کوشش کر کے ہاتھ کھولنے والوں کو ایسی حدیث تلاش کر لینی چاہیے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس میں یہ بیان ہو کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کے بعد والے قیام میں ہاتھ چھوڑ دیتے تھے پھر یہ کہنا صحیح ہوتا کہ اس حدیث سے مراد صرف قیام اول قبل الرکوع مراد ہے اور دوسرا قیام بعد الرکوع اس حدیث کے حکم سے مستثنیٰ اور خارج ہے جب یہ بات نہیں ملتی تو پھر انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ تسلیم کرنا چاہیے کہ اس حدیث میں حکم عام ہے اور سب قیاموں کو شامل ہے بعد الرکوع کھڑا ہونا بھی قیام ہے اور نماز کے اندر ہے لہٰذا اس کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

مگر چونکہ انصاف کے لیے توفیق دینا صرف اللہ کا کام ہے اَب جو کچھ مصنف نے اس تاویل کے لیے دلائل ذکر کیے ہیں ان کا بھی حال دیکھیں پہلی دلیل کو تین فقروں میں بیان کرتے ہیں۔

الف:......صحابہ میں پہلا قیام مشہور تھا اور اس کے لیے بخاری کی روایت یوں نقل کرتے ہیں ''حضرت رسول اللہ ﷺ کا نماز میں اطمینان کے ساتھ ارکان الصلوٰۃ کو ادا کرنے کا بیان ہے اس میں یہ الفاظ ہیں ماخلا القیام والقعود یعنی قیام اور بیٹھنے کے سوا اور سب ارکان تقریباً برابر برابر ہوتے تھے'' میں کہتا ہوں کہ بخاری شریف ص۱۰۹/ ج۱ میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ ''کان رکوع النبی ﷺ وسجوده وجلوسه "بین السجدتین واذا رفع من الرکوع ماخلا القیام والقعود قریباً من السواء" یعنی آپ ﷺ کا رکوع اور سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان میں بیٹھنا اور رکوع سے کھڑا ہونا یہ حالتیں قیام اور قعود کے علاوہ سب برابر تھیں اَب یہاں رکوع کے بعد کھڑے ہونے کا ذکر الگ موجود ہے اس لیے قیام سے مراد قیام قبل الرکوع ہوگا لیکن اس حدیث "اذاکان قائمافی الصلوٰة قبض بیمینه علی شماله" میں قیام بعد الرکوع کا ذکر کہاں ہے جو یہاں بھی قیام سے مراد قیام قبل الرکوع مراد لیا جائے اور یہ بھی غلط ہوا کہ صحابہ کے ہاں مطلق قیام سے مراد قیام اول قبل الرکوع والا تھا یہ دعویٰ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوا کیونکہ اس میں قیام قبل الرکوع کا ذکر جدا موجود ہے اس لیے ہر ایک جانتا ہے کہ یہاں القیام سے کون سا قیام مراد ہے لہٰذا یہاں ایسی قید لگانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ یہ وہ قیام تھا جو قبل الرکوع ہے یا وہ قیام جس میں قراءت ہو اسی طرح جزء القراءۃ سے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رکعت کے ادراک کے لیے تمہید ضروری ہے کہ امام کو کھڑے ہونے کی حالت میں (قیام میں پاؤں) یہاں بھی واضح ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ فاتحہ کے بغیر کوئی رکعت نہیں اس لیے یہاں پہلا قیام مراد ہے کیونکہ قراءت اُسی میں ہے۔

ثانیاً: جزء القراءۃ ص۳۸ (المطبعة العربیه لاهور پاکستان) میں مصنف کی نقل کردہ روایت کے ساتھ متصل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ "یقول لایجزئك الا ان تدرك الامام قبل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان یـــرکـع" یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ تمہیں رکعت میں پہنچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ امام کو رکوع کرنے سے پہلے پہنچ جاؤ۔ اس روایت نے وضاحت کردی کہ قیام اول ہے پھر ص ۶۸ میں اس طرح ہے "عـن ابـی هـریرة قال اذا ادرکت الامام رکوعاً لم تعتد بتلك الرکعة" یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب تو جماعت کو رکوع کی حالت میں پہنچے تو اس رکعت کو شمار نہیں کیا جائے گا اس روایت سے بھی واضح ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے مراد قیام قبل الرکوع ہے کیونکہ جب رکوع میں پہنچنے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رکعت شمار نہیں کرتا تو کوئی عقلمند آدمی ایسا گمان نہیں کرے گا ہمیں یقین ہے کہ مصنف محترم نے یہ دونوں روایتیں دیکھی ہوں گی مگر نہ معلوم ان کی طرف کوئی توجہ کیوں نہیں کی

الحاصل یہ وجہ بھی کارگر نہیں پھر فرماتے ہیں" لیکن ایسی کوئی دلیل ہاتھوں کے باندھنے والوں نے پیش نہیں فرمائی۔ جس میں اس طرح قیام کو یا قائما کو مطلق چھوڑا گیا ہو اور اسی سے مراد دوسرا قیام یعنی مابعد الرکوع والا قیام لیا ہو۔ جس طرح پہلے قیام پر اس لفظ کا اطلاق اور اسی معنی میں اس کا استعمال مروج اور معروف تھا" ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ جہاں بھی قیام سے مراد قبل الرکوع ہے وہاں کوئی قرینہ ہے جیسے بخاری شریف کی مذکورہ حدیث میں ہے اور جہاں بعد الرکوع مراد ہے تو وہاں بھی کوئی قرینہ ہے جیسا کہ بخاری شریف ص۱۰۹/ج۱ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "ثـم یـقـول سمع الله لمن حمده حین یرفع صلبه من الرکعة ثم یقول و هو قائم ربنا ولك الحمد" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنی پیٹھ مبارک اُٹھاتے تھے تو "سـمـع الله لمن حمده" کہتے اور جب کھڑے ہوتے تو ربنا ولك الـحـمـد کہتے اس میں قرینہ موجود ہے کہ یہاں قیام بعد الرکوع مراد ہے اور جہاں کوئی قرینہ موجود نہیں وہاں عام مراد ہوگی سب قیام اس میں داخل ہوں گے اور ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ کوئی ایسی روایت پیش کی جائے جس میں کوئی بھی قرینہ موجود نہ ہو پھر بھی اس سے قیام قبل الرکوع مراد ہو پھر کوئی بات بنتی اس کے بغیر عام کو خاص کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں خود مصنف محترم بلا وجہ ایسی تخصیص کے قائل نہیں ہیں چنانچہ خود ایک مضمون میں فرماتے ہیں کہ "ویسے ہی اپنے خیال سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان عمومات کو محض اپنے کسی خیال یا اندیشہ کی وجہ سے مخصوص کردے اگر یہ طریقہ چل نکلا تو پھر بے دین لوگ بہت سی عام باتوں کو مخصوص (کسی خاص آدمی کے ساتھ یا کسی مخصوص عمل و موقع کے ساتھ) کریں گے اور اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

وہ بخوبی جانتے ہیں (صحیفہ اہلحدیث کراچی یکم شعبان ۱۳۹۹ھ ص۱۷ مصنف اس کی تائید میں ایک مثال لکھتے ہیں کہ "دابة" کا لفظ ہر اس چیز یا جانور پر بولا جاتا ہے جو زمین پر چلتا ہے لیکن عرف میں یہ عموما سواری والے جانور پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ مگر یہ بات یہاں مفید نہیں کیونکہ ایسا عرف قیام کے بابت ثابت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ پہلے یہاں عرف ثابت کر کے پھر ایسی مثالیں پیش کی جائیں جب تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''قیام اصل لغت کے لحاظ سے تو عام ہے اور قبل الرکوع وما بعد الرکوع دونوں قیاموں کو شامل ہے'' میں کہتا ہوں جب لغت میں دونوں قیاموں کو شامل ہے تو پھر اس حکم کو قیام اوّل سے خاص کرنے کے لیے صریح دلیل چاہیے لیکن صرف عرف کا نام لے کر اس کو خاص کرنا صحیح نہیں اور جس روایت پر یہ بنیاد رکھی گئی تھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ صحابہ اور تابعین کے ہاں عرف میں مطلق قیام سے صرف قیام قبل الرکوع مراد لیا جاتا تھا بلکہ اس حدیث میں ایسا واضح قرینہ ہے کہ اس سے مراد قیام اوّل ہی ہے اگر انسان تعصب سے خالی ہے تو اس کے لیے یہ بات واضح ہو چکی ہے کسی طرح اوجھل نہیں رہی۔

اس کے بعد دوسرے فقرہ (ب) میں فرماتے ہیں۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی یہ زیر بحث حدیث مجمل اور مختصر ہے اور جو مفصل حدیث علقمہ کے واسطے سے حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے اس میں صاف بیان ہے کہ یہ وضع یا قبض قیام اول میں ہی ہے اور اس مفصل حدیث میں اس اول قیام میں وضع کا ذکر تو فرمایا لیکن قیام بعد الرکوع میں صرف رفع الیدین کا تو ذکر کیا اور وضع کا بالکل نہ کیا جس سے ظاہر ہے کہ اس مختصر ومجمل حدیث میں بھی صحابی محترم رضی اللہ عنہ کی مراد قائما سے پہلے قیام کی ہی حالت ہے ورنہ اگر اس سے دونوں قیام ہوتے تو مفصل حدیث میں بھی مابعد الرکوع والے قیام کے لیے بھی رفع الیدین کے بعد ہاتھوں کو باندھنے کا صراحت کے ساتھ ذکر فرماتے صرف قیام اول پر اکتفا نہ فرماتے جب صحابی رضی اللہ عنہ جو اس زیر بحث حدیث کا راوی ہے وہی اس سے قیام اول مراد لیتا ہے اس لیے مفصل حدیث میں مابعد الرکوع والے قیام کا ذکر نہیں کرتا تو پھر ہمیں کسی طرح جائز ہوسکتا ہے کہ ہم اس کو عموم پر رکھ کر دونوں قیاموں کو اس میں شامل کر دیں''

ناظرین: اس مضمون کے اندر اہم دو باتیں ہیں پہلی یہ ہے کہ نسائی والی حدیث یعنی ''اذا کان قائما'' مسلم والی حدیث سے مختصر ہے اور مسلم والی حدیث عموم پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اذا عموم کے لیے ہوتا ہے امام زرکشی البرہان فی علوم القرآن ص۲۰۳/ ج۴ میں ذکر کرتے ہیں

والصحیح ان المراد بها العموم کسائر اسماء الشرط یعنی صحیح بات یہ ہے کہ باقی اسماء شرط کی طرح اذا بھی عموم کی معنی کے لیے ہے نور الانور ص۱۱۴ میں ہے اذا ومتیٰ یدلان علی عموم الزمان و کلیته یعنی کلمة اذا ومتی عموم اور کلیت پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح حافظ ابن عبدالبر جامع بیان العلم وفضلہ ص۶۴/ ج۲ میں ایک خاص باب کے تحت ثابت کرتے ہیں کہ کلمہ اذا عموم کے لیے ہے نیز حدیث میں بھی کلمہ اذا ''عموم کے لیے استعمال کیا گیا ہے چنانچہ بخاری شریف میں ابوسعید بن المعلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کنیت اصلی فی المسجد فدعانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم اجبه ثم اتیته فقلت یا رسول الله انی کنت اصلی قال الم یقل الله استجیبوا لله وللرسول اذا دعاکم الحدیث (المشکوٰۃ ص ۱۸٤) یعنی میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا لیکن میں نے جواب نہیں دیا پھر بعد میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا کہ اللہ نے حکم نہیں فرمایا ہے؟ ﴿اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ (الانفال ع ۳) یعنی اللہ تعالیٰ کو جواب دو اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جواب دو جب بھی تم کو پکاریں۔ اَب اِس آیت میں نماز کا ذکر نہیں اور یہ بھی نہیں کہ نماز میں بلائیں تو بھی جواب دو بلکہ یہ الفاظ ہیں کہ اذا دعاکم یعنی جب بھی آپ کو بلائیں اِسی طرح یہاں بھی حکم ہے کہ اذا کان قائما فی الصلوٰۃ یعنی جب بھی نماز کے اندر کھڑے ہوتے تھے پس رکوع سے قبل ہو یا بعد رکعت پہلی ہو یا دوسری تیسری۔ نماز فرضی ہو یا نفلی، عام نماز ہو یا جنازہ جب بھی کھڑا ہوگا سنت ہاتھ باندھنا ہوگا کیونکہ اذا عموم کے لیے ہے نیز ہمیشہ علماء اذا کو عموم پر محمول کرتے آئے ہیں جب تک کوئی تخصیص کی دلیل وارد نہ ہو چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ ص۸۰/ ج۱ میں استاذ علماء ابوسعید شرف الدین صاحب دہلوی فرماتے ہیں اور "اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعة فصلیا معهم فانها لکما نافلة انتهی لفظ اذا محاورہ شرع" میں عموم کے لیے ہے موجبہ کلیہ ہے ہر نماز کو شامل ہے لہٰذا اس میں مغرب بھی داخل ہے" اِسی طرح یہاں بھی اذا کان قائما ہر قیام کو شامل ہے خواہ رکوع کے پہلے ہو یا بعد میں نیز اسی ہی صفحہ پر مولانا عبدالرزاق صاحب صادق پوری کی عبارت ہے کہ "فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم: اذا جئت فصل مع الناس وان کنت قد صلیت "اگر تم نماز پڑھ چکے ہو تو جماعت کے ساتھ مل کر دوبارہ پڑھ لو اس حکم کی تخصیص نیت کی ہیرا پھیری ہے یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادتی ہے جو کسی امتی کے لیے جائز نہیں" اسی طرح عام محدثین اور شوافع مکروہ اوقات میں بھی تحیۃ المسجد پڑھنے کے قائل ہیں ان کی دلیل وہی بخاری کی مشہور حدیث ہے "اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس" (بخاری وغیرہ) یعنی جب بھی تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت پڑھے۔ علماء اِس حدیث کو عموم پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ فتح الباری ص۸۴/ ج۲ اور نیل الاوطار ص۴۷/ ج۳ وغیرہ میں ہے پس جب نسائی کی حدیث میں عموم ہے تو وہ مسلم والی حدیث کے لیے مفصل ہوگی اور یہ حدیث کیسے اِس سے مختصر ہوگی۔ بلکہ مسلم والی حدیث میں بقول مصنف محترم صرف پہلے قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے تو یہ نسائی والی حدیث اِسی کو متضمن ہے اور اسی سے عام ہے پس دونوں حدیثیں اپنی جگہ اپنا حکم بیان کرتی ہیں دوسری بات مصنف کی عبارت میں ہی ہے کہ مسلم کی روایت میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں لیکن کیا ہاتھ کھولنے کا ذکر بھی ہے؟ ہرگز نہیں پس کیا کہا جائے؟ پس یہ نسائی والی حدیث کا عموم اِس مشکل کو حل کر دیتا ہے اور مسلم کی حدیث دوسرے قیام میں ہاتھوں کے حکم سے ساکت اور خاموش ہے اور نسائی کی حدیث بوجہ عموم دونوں قیاموں میں ہاتھوں کا حکم ایک ہے اس لیے صحابی نے صرف ایک قیام کی حالت ذکر کرنے پر اکتفا کیا اگر فرق ہوتا تو دونوں کی حالت بیان کرتے۔

رابعاً: اگر مصنف کا قول تسلیم کیا جائے کہ نسائی کی روایت مفصل ہے پھر بھی کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ مختصر میں عام لفظ بول کر راوی نے دونوں قیاموں کے لیے ہاتھوں کا حکم بتلا دیا اور مفصل حدیث میں صرف پہلے قیام کا ذکر کیا اس لیے کہ دونوں کی ہیئت میں کوئی فرق نہیں تھا پس بات وہی ہے۔

خامساً: اگر بالفرض مسلم کی حدیث میں صرف پہلے قیام کا ذکر ہے اور دوسرے قیام کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں پھر بھی مصنف کا اس سے کام نہیں بنے گا کیونکہ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں بعد الرکوع صرف رفع الیدین کا ذکر ہے اور ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں تو پھر بتائیے کہ کیا کیا جائے؟ کوئی نص پیش کریں کوئی دلیل لائیں جس میں یہ بیان ہو کہ رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد رفع الیدین کر کے ہاتھ اوپر ہی رکھے یا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر باندھے یا نیچے چھوڑ دے یا کچھ اور کرے جس کو بھی پسند کریں اس کو حدیث سے ثابت کریں۔ صرف یہ کہنا کہ اس مسلم کی حدیث میں قیام بعد الرکوع میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں اس لیے ہاتھ نیچے چھوڑ دینے چاہئیں یہ کیسا انصاف ہے کہ بقول آپ کے ہاتھ باندھنے کا ثبوت نہ ملنا ہاتھ چھوڑنے کے ثبوت کو مستلزم ہے؟ یہ استلزام خود دلیل کا محتاج ہے اس لیے نسائی کی حدیث عام حکم بتا کر مسئلہ کو واضح کر دیتی ہے اگر اس عموم کو نہیں مانتے ہیں تو بھی مسلم کی حدیث سے آپ کو استدلال کرنے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اس حدیث میں دوسرے قیام میں ہاتھ کھولنے کا کوئی ذکر نہیں۔ پھر اس روایت کو صحابی کا فہم قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ کے یہ الفاظ نہیں ہیں یعنی یہ نہیں کہ...... جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو ہاتھ باندھتا ہوں'' پھر فرماتے ہیں کہ ''بلکہ آپ کا فعل مبارک جو اپنی آنکھوں سے دیکھا اس کو اپنے الفاظ میں نقل فرمایا لہٰذا اگر اس گراں قدر صحابی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کو دوسرے قیام (مابعد الرکوع والے قیام) میں بھی وضع کرتے دیکھا تھا تو مفصل حدیث میں بھی لازمی طور پر اس کو ذکر کرتا'' میں کہتا ہوں کیا معاذ اللہ صحابی رضی اللہ عنہ نے غلط بیانی کی؟ بلکہ اِس نے جو دیکھا وہ بیان کیا یعنی جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تو ہاتھ باندھتے رہا یہ کہ بقول مصنف کے مفصل حدیث یعنی مسلم والی حدیث میں قیام بعد الرکوع میں ہاتھ باندھنے کا ذکر نہیں کیا۔ یہ اس لیے کہ دونوں قیاموں کی ہیئتوں میں فرق نہیں تھا اس لیے پہلے قیام کی ہیئت ذکر کرنے پر اکتفا کیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صفت نماز میں صحابہ صرف پہلے سجدہ کی حالت بیان کرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اور دوسرے کی نہیں حالانکہ ہر رکعت میں دو سجدے ہیں اَب اگر کوئی شخص کہے کہ دوسرے سجدہ کی یہ کیفیت نہیں کیونکہ راوی نے صرف پہلے سجدہ کی ہیئت بیان کی دوسرے کی نہیں تو کیا ان کا یہ کہنا تسلیم کیا جائے گا؟ نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ دونوں سجدوں کی ہیئتوں میں فرق نہیں اس لیے صرف ایک کو ذکر نا کافی سمجھا اِسی طرح مسلم کی حدیث میں صرف ایک قیام کے لیے ہاتھوں کی حالت بیان کرنے کو کافی سمجھا اِس لیے کہ دونوں قیاموں کی حالتوں میں کوئی فرق نہیں اگر یہ کہا جائے کہ حدیث میں صرف عام حکم وارد ہے کہ اذا سجد ...... الخ یعنی جب بھی سجدہ کرتے ......تو یہ الفاظ سب سجدوں کو شامل ہیں۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ اذا کان قائما سب قیاموں (کھڑے ہونے کی حالتوں) کو شامل ہے اگر یہ کہا جائے کہ حدیث میں آیا ہے کہ امرت ان أسجد علی سبعة؟ یعنی مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم ہوا ہے یہ حکم عام ہے سب سجدے اس میں داخل ہیں پہلا سجدہ خواہ دوسرا، سجدہ سہو۔

خواہ تلاوت خواہ سجدہ شکر وغیرہ سب کو شامل ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ صحیح ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ "امرنا ان نؤخر سحورنا ونعجل فطورنا وان نمسك ايماننا على شمائلنا فی صلاتنا" (موارد الظمآن ص ۲۳۳) "یعنی ہم نبیوں کو حکم ہے کہ ہم سحری دیر سے کھائیں اور افطار جلدی کریں اور اپنی نمازوں میں دائیں ہاتھوں کو بائیں ہاتھوں پر رکھیں اَب یہاں بھی ساری عمر کی سحری اور افطار ہی مراد ہے اور ہاتھ باندھنا پوری نماز کے لیے ہیں مگر سجدہ رکوع اور جلسہ کی کیفیتیں الگ مذکور ہیں۔ اِن دونوں قیاموں کی الگ ہیئت مذکور نہیں۔ جو دوسرے قیام میں وضع کے قائل نہیں ہیں وہ اس کی الگ ہیئت ثابت کریں پس جیسے سجدہ کا حکم عام ہے اس کی طرح ہاتھ باندھنے کا حکم بھی عام ہے یہ عجب ہے کہ ہر جگہ عموم سے استدلال کیا جائے اور اِس مسئلہ میں استدلال کرنے والوں پر اعتراض کیا جائے اور ان حدیثوں میں وائل رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس نے وضع کے حکم کو پہلے قیام کے لیے خاص سمجھا ہے یہ محض تخمینہ ہے کوئی دلیل یا حجت نہیں ہے اور اس نے جو اپنا مشاہدہ نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے تو ہاتھ باندھتے پھر یہ کہنا کہ جب وضع ثابت نہیں تو اصلی حالت ارسال ہے اس پر عمل رہے گا یہ جب ہو کہ کوئی حکم وارد نہ ہو حالانکہ یہاں اس طرح نہیں ہے اور عموم سے جو حکم ثابت ہو وہ بھی حکم ہے اور حکم کے ہوتے ہوئے اصلی حالت والی بات نہیں چل سکتی عام حکم کے لیے ایسے دلیل کی ضرورت ہے جو اس کو خاص کر سکے یا اس سے کسی ایک فرد کو مستثنیٰ کر سکے مگر محض اِس قسم کی منطقی باتوں سے شرعی احکام کو مستثنیٰ کرنا صحیح نہیں دوسرے قیام میں بقول مصنف کے وضع کا ذکر نہ کرنا صرف اس لیے ہے کہ دونوں کی ہیئتوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تیسرے فقرہ میں کہتے ہیں کہ ''امام نسائی ؒ نے بھی اس حدیث میں '' قائما '' کے لفظ کو صرف پہلے قیام کے لیے ہی سمجھا ہے دوسرے قیام کو اس میں شامل نہیں سمجھا۔ اس لیے اپنی سنن میں زیر بحث حدیث کو باب صفة الصلوٰة میں صرف پہلے قیام کی ہیئت بیان کرنے کے لیے لائے ہیں۔

یہ عذر بالکل بیکار ہے۔

اولاً: امام نسائی نے باب بھی مطلق رکھا ہے فرماتے ہیں کہ "باب وضع اليمين على الشمال في الصلوٰة " اب یہ فی الصلوٰۃ کی قید صاف بتلاتی ہے کہ وہ اس سے کوئی خاص قیام مراد نہیں لیتے بلکہ ساری نماز کے قیام مراد لیتے ہیں۔

ثانیاً: یہ سوال سجدہ کے لیے بھی ہوسکتا ہے۔ امام نسائی نے پہلے سجدہ کا ذکر کیا ہے تو اس کی کیفیت بیان کرنے کے لیے چالیس سے اُوپر ابواب ذکر فرماتے ہیں لیکن جب دوسرے سجدہ کا ذکر کیا تو صرف ایک باب یعنی باب التكبير للسجود ذکر کیا اَب اگر کوئی مصنف کی تقلید کر کے کہدے کہ امام نسائی نے یہ احکام صرف پہلے سجدہ کے لیے سمجھے ہیں دوسرے کے لیے نہیں تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا؟ نہیں بلکہ یہی کہا جائے گا کہ جب دونوں سجدوں کی کیفیت ایک ہے۔ اس لیے ایک ہی کے ذکر پر اکتفا کیا اسی طرح قیام کے مسئلے کو سمجھیں۔

ثالثاً: امام نسائی نے صلوٰۃ الکسوف کے کئی طریقے بیان کئے ہیں مثلاً ایک رکعت میں دو رکوع پھر تین پھر چار مگر کسی رکوع کی کیفیت بیان نہیں کی۔ اَب اگر کوئی کہے کہ صلوٰۃ الکسوف میں رکوع کرنے میں کوئی کیفیت نہیں اِس لیے جو چاہے جس طرح رکوع کرے تو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ جب جملہ رکوع کی کیفیت میں کوئی فرق نہیں اس لیے محدثین نے ان کے لیے الگ ابواب نہیں رکھے بلکہ ایک دفعہ رکوع کی کیفیت بیان کردی۔ جتنے بھی رکوع ہیں۔ سب کی کیفیت وہی ہوگی اسی طرح محدثین کے ابواب اس مسئلہ میں عموم پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ نسائی کا باب ذکر کیا گیا اسی طرح امام بخاری بھی یوں ہی باب رکھتے ہیں کہ "باب وضع اليمنىٰ على اليسرى فى الصلوٰة "یعنی پوری نماز کے اندر قیام کی حالت میں لیکن اگر بقول مصنف یہ تسلیم کیا جائے کہ انہوں نے صرف قیام اول ہی سمجھا ہے تو بھی اس لیے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں اسی لیے ایک کے ذکر کرنے کو کافی سمجھا۔

دوسری دلیل میں فرماتے ہیں کہ '' یہ حدیث اگر اپنے عموم پر رکھی جائے تو یہ صحیح بخاری کی حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ والی یعنی دلائل ارسال میں مذکورہ حدیث کے معارض ہوگی کیونکہ حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ والی حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کے بعد والے قیام میں آنحضرت ﷺ ارسال کرتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن وہاں قارئین کرام نے دیکھ لیا کہ اِسی روایت کا ارسال سے کوئی تعلق نہیں پس کوئی تعارض نہیں اور جب تعارض نہیں تو پھر تاویل کی کوئی ضرورت نہیں یہ خوامخواہ تکلف ہے کہ اذا کان قائما سے پہلے قیام کی حالت مراد لی جائے بلکہ وہ اپنے عموم پر قائم ہے۔

تیسری دلیل میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اگر اپنے عموم پر ہوگی تو وہ اس صحیح حدیث قولی کے مخالف ہوجاتی ہے جس میں مسیئ الصلوٰۃ کو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب رکوع سے سر اُٹھاؤ تو کھڑے رہو اپنی پیٹھ کو سیدھا رکھو حتیٰ کہ تمہاری سب ہڈیاں اپنے اپنے جوڑوں کی طرف لوٹ آئیں اور اس سے رکوع کے بعد ارسال کیا جائے اور زیر بحث حدیث (جو فعلی ہے) سے معلوم ہوتا ہے (علی زعم الواضعین) کہ اس میں وضع کرنا ہے اور یہ مسلم ہے کہ قول وفعل میں تعارض کے وقت اگر جمع نہ ہو سکے تو قول ہی معتمد ہوتا ہے "کما لا یخفیٰ علی اصحاب العلم" میں کہتا ہوں کہ یہ بات پہلے تفصیل سے بیان ہو چکی ہے کہ مسیئ الصلوٰۃ والی حدیث کا ہاتھوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس میں صرف پیٹھ کو سیدھا کرنے کا حکم ہے جیسا کہ قرائن، شراح کے کلام اور کتب لغت سے ثابت کیا گیا نیز حافظ عبداللہ صاحب روپڑی مرحوم کا قول بھی نقل کیا گیا کہ اس حدیث کا ہاتھوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا اس قولی حدیث کا نسائی والی فعلی حدیث سے کوئی تعارض نہیں اس لیے مصنف محترم نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان راجح مرجوح کا جو تکلف کیا ہے وہ بالکل بے معنی ہے کیونکہ نہ دونوں میں مقابلہ ہے نہ تعارض اس لیے نہ تطبیق کی ضرورت ہے نہ کسی ایک کو چھوڑنے کی مجبوری لازم آتی ہے۔

چوتھی دلیل یہ دیتے ہیں کہ اِس حدیث کو عموم پر رکھا جائے گا تو یہ اس صحیح حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے معارض ومخالف ہوگی جو صحیح بخاری میں موجود ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے یا جب بھی قیام کرتے تو ہاتھ مبارک اُٹھاتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ یہاں مصنف نے پوری حدیث نقل نہیں کی ورنہ خود حدیث کے الفاظ اس استدلال کو رد کرنے کے لیے کافی ہیں کیونکہ اس میں ایسا قرینہ ہے جس سے مطلب واضح ہوجاتا ہے چنانچہ بخاری ص۱۰۲/ ج۱ میں یہ پوری حدیث اس طرح ہے کہ "عن عبداللہ بن عمر قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا قام فی الصلوٰۃ رفع یدیہ حتیٰ تکونا حذو منکبیہ وکان یفعل ذلك حین یکبر للرکوع ویفعل ذلك اذا رفع رأسہ من الرکوع سمع اللہ لمن حمدہ ولا یفعل ذلك فی السجود"[1] اب اس روایت میں رفع الیدین تین مقامات پر مذکور ہے نماز شروع کرتے وقت رکوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رکوع کے وقت اور اس سے اٹھتے وقت کا ذکر کرنا بتلاتا ہے کہ اس سے مراد نماز شروع کرتے وقت اور رفع الیدین ہے امام کرمانی شرح بخاری ص۱۰۶/ ج ۵ میں فرماتے ہیں کہ "قام فی الصلوٰة ای شرع فیها و هو غیر قام الیها و قام لها و لا یخفی الفرق بین الثلاثة" اسی طرح یعنی شرح بخاری ص۲۷۵/ ج ۵ (المنیریہ) اور قسطلانی شرح بخاری ص۶۹/ ج ۲ میں ہے۔

اذا قام فی الصلواة ای شرح فیها" ثابت ہوا کہ یہ نماز شروع کرنے کا وقت ہے نسائی کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "اذا کان قائما فی الصلوٰة" یعنی جس وقت نماز میں آپ کے کھڑے ہونے کی حالت آتی تھی اور مصنف کی پیش کردہ حدیث میں ہے اذا قام فی الصلوٰة اس کے بعد رکوع اور اس سے اٹھنے کا ذکر ہے لہٰذا دونوں میں فرق ہے بلکہ حدیث اذا کان قائما فی الصلوٰة قبض بیمینه علی شماله مصنف کے اس معنی کو رد کرتی ہے کہ کھڑے ہونے کی حالت میں رفع الیدین کرے بلکہ کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھتے ہیں۔ اذا کان وغیرہ عموم کے لیے ہیں۔ مگر جہاں تخصیص کے لیے کوئی خاص دلیل وارد ہو دلیل کے بغیر تخصیص جائز نہیں۔ مصنف محترم خود مانتا ہے کہ اس قسم کی ترکیب ہمیشہ عموم وشرط کے لیے نہیں آتی ہے "جس کا معنی کبھی کبھی عموم کے لیے بھی آتی ہے۔ پھر ایسی صورت میں فیصلہ کا طریقہ یہی ہے کہ جہاں کوئی دلیل خاص کرنے والا یا عموم سے کسی ایک فرد کو مستثنیٰ کرنے والا موجود ہے تو تخصیص کی جائے گی ورنہ نہیں مصنف محترم پر لازم تھا کہ تخصیص کی کوئی دلیل پیش کرتے جس سے ثابت ہوتا کہ بعد الرکوع والے قیام میں ہاتھ باندھنے کے علاوہ کوئی اور سنت ہے باقی صرف لمبی تقریر کرنے سے کوئی فائدہ نہیں یہ بھی مصنف کا کہنا صحیح نہیں کہ یہ ترکیب عموم پر نص نہیں کیونکہ جب تک کوئی تخصیص کی دلیل نہیں تب تک یہ ترکیب عموم کے لیے ہی ہوگی ہر جگہ قرآن وحدیث میں اذا عموم کے لیے استعمال ہوا ہے بعض جگہ تخصیص کے لیے دلائل وارد ہیں وہ افراد خاص ہوں گے جو لوگ یہاں بھی "اذا" کو عموم کے لیے نہیں مانتے وہ ایسی دلیل پیش کریں جس سے قیام ثانی اسی حدیث سے مستثنیٰ ہو سکے یہ حدیث صحیح بخاری کی حدیث سے قطعاً مخالف نہیں بلکہ اس میں قرینہ موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت رفع الیدین کی جائے یہ الزام مصنف کا صحیح نہیں کہ "ہاتھ باندھنے والے اس حدیث نسائی والی کو عام سمجھتے ہیں تو بخاری کی حدیث کے مطابق رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ اٹھائے رکھنے چاہئیں" کیونکہ اس میں قرینہ موجود ہے کہ نماز شروع کرنے کے وقت کا ذکر ہے نص ہے اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلم کی حدیث میں قیام قبل الرکوع میں وضع کے لیے نص ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لہٰذا عام حدیث اپنی جگہ پر قائم ہے دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

انصاف کی بات یہی ہے: ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ (الانعام ع۱۹ پ۸)

جب حدیث نسائی عام حکم بتاتی ہے تو پھر اس کو کسی ایک قیام کے ساتھ خاص کرنے کے لیے کوئی ایسی نص صریح چاہیے۔

جو کہ قیام بعد الرکوع کو اس حکم سے خارج یا مستثنیٰ کر سکے۔

گرز عشقت خبرے ہست بگوائے واعظ

ورنہ خاموش کہ ایں شور وفغاں چیزے نیست

ناظرین: جب کسی محدث سے ارسال یا ہاتھ کھولنے کا کوئی ثبوت نہیں نہ اس پر اجماع ہے ایسی صورت میں انصاف فرمائیں کہ مرغی کی ایک ٹانگ کون کہتا ہے۔ ہم کہتے ہیں ہم نے عموم کو تسلیم کیا تخصیص کی دلیل لاؤ یا وہ جو بلاوجہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف پہلا قیام ہے جبکہ دوسرے قیام کے لیے جدا حکم وارد نہیں ہے۔

ذرا انصاف سے کہیے خدا لگتی

پانچویں دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر "اذا کان قائما" کے عموم سے دونوں قیاموں کی ہیئت معلوم ہوتی ہے تو بتایا جائے کہ جو آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے (نوافل میں یا عدم الاستطاعت کی وجہ سے فرائض ہیں) وہ کون سا طریقہ اختیار کرے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی سوال آپ پر بھی وارد ہوسکتا ہے کیونکہ حدیث اذا کان قائما کو اگرچہ ہم عام سمجھتے ہیں لیکن آپ کے نزدیک اس سے مراد صرف قیام قبل الرکوع ہے اور دونوں صورتوں میں معنی شرط کی ہوئی کیونکہ معنی وہی ہوگی کہ ہاتھ اسوقت باندھے جائیں جب قیام ہو فرق صرف یہ ہے کہ ہم ہر ایک قیام سمجھتے ہیں اور آپ صرف قیام قبل الرکوع مراد لیتے ہیں پس آپ سے بھی یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جب بقول آپ کے اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں اس میں قیام نہیں تو پھر آپ ہاتھ کیوں باندھتے ہیں حالانکہ آپ کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے کی صورت میں ہاتھ باندھے دیکھا گیا ہے پس جو آپ جواب دیں گے وہی آپ ہماری طرف سے جواب سمجھیں۔

ثانیاً: قیام نماز کا رکن ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں اَب اگر کوئی آپ سے سوال کرے کہ اس نماز میں جب قیام ہی نہیں ہے تو پھر وہ نماز کیسے درست ہوگی؟ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ قیام فرض یا رکن نہیں ہے تو پھر وہ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ کسی رکن کے رہ جانے سے نماز ہو جاتی ہے پر مصنفِ محترم اور اس کے ہم خیال بتائیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے کو کیسے جائز سمجھتے ہو اگر کہو گے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والی صورت میں وہ حالت قیام والی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حالت کے قائم مقام ہے تو پھر سوال ہی ختم ہوا اور قیام قبل الرکوع کو اس کا قائم مقام جاننا اور قیام بعد الرکوع کو نہ جاننا یہ بھی انصاف کے خلاف ہے۔

ثالثاً: بیٹھ کر نماز پڑھنے والی صورت میں بھی سلف اس کو قیام سمجھتے تھے مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲۱/ ج ۲ میں ہے "من قال اذا صلی وھو جالس جعل قیامه متربعا حدثنا ابو بکر قال حدثنا وکیع قال حدثنا سفیان عن حماد عن ابراھیم قال اذا صلی قاعدا جعل قیامه متر بعا حدثنا اسباط بن محمد عن مطرف عن سلیمان بن بزیع قال دخلت علی سالم وھو یصلی جالسا جعل قیامه متربعا فاذا اراد ان یرکع رکع وھو متربعا واذا اراد ان یسجد ثنی رجله حدثنا وکیع قال کان سفیان اذا صلی جالسا قیامه متربعا فاذا اراد ان یرکع رکع وھو متربع فاذا ارادان یسجد ثنی رجله" ان آثار سے معلوم ہوا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والی صورت میں بھی سلف صالحین قیام سمجھتے تھے پس سوال نہیں رہا۔ نیز مصنف نے جو اپنے ایک دوست کا واقعہ لکھا ہے کہ ہم قیاس والی حالت پر قیام کرتے ہیں۔" اس کے جواب کا وہی ذمہ دار ہے لیکن ہم اتنا مصنف محترم سے پوچھتے ہیں کہ آپ بیٹھ کر نماز پڑھنے والی حالت میں رکوع سے پہلے ہاتھ باندھتے ہو تو اس کے لیے آپ کے پاس قیام کے علاوہ کونسی دلیل ہے جب وہ بیان کریں گے تو ہمارا مسلک ثابت ہوجائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر جو مسلم کی حدیث نقل کی ہے کہ "آنحضرت ﷺ نماز میں بیٹھتے تھے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور دائیں ہاتھ کی وہ انگلی جو انگوٹھے کے متصل ہے اس کو اُٹھا کر دعا کرتے رہتے اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر کھلا ہوا رکھتے" اس کا بھی وہی جواب ہے اگر اس میں بھی وہی عموم رکھو گے تو آپ پر بھی اعتراض وارد ہوگا کیونکہ آپ بھی بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع سے پہلے ہاتھ باندھتے ہو۔ اگر وہاں عموم سے انکار کرو گے تو اعتراض رد ہوجائے گا بلکہ آیت ﴿اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَ تَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ﴾ کے مصداق بھی وہی لوگ ہیں جو بلاوجہ کسی عام حکم کو خاص کرتے ہیں اور ایک حالت کے لیے مانتے ہیں۔ دوسری کے لیے نہیں باقی یہ پہلے ہی بیان ہوچکا ہے کہ امام نسائی اور دیگر محدثین کی طرف کی گئی نسبت صحیح نہیں۔

دوسری دلیل ہماری یوں نقل کرتے ہیں کہ "حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کو دیکھا کہ جب تکبیر تحریکہ کہی تو ہاتھ اُٹھائے پھر جب رکوع کیا تب بھی اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہا تب بھی ہاتھ اُٹھائے اور میں نے آپ کو دیکھا کہ نماز میں اپنے بائیں ہاتھ کو دائیں سے پکڑ رکھا تھا" پھر فرماتے ہیں "اب وضع کے قائلین حضرات فرماتے ہیں کہ اس روایت میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ رکوع کے بعد جب

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنحضرت ﷺ سیدھے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ میں نے آپ کو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑے ہوئے دیکھا اُس سے ثابت ہوا کہ اس قیام میں بھی وضع ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث سے استدلال واضح ہے کہ صحابی رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کرتا ہے اور دونوں قیاموں کا ذکر کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں نے آپ کو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑے ہوئے دیکھا اس طریقہ بیان سے ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ دونوں قیاموں کے بعد وضع کا ذکر کرتا ہے جس میں یہی حکمت ہے کہ دونوں قیاموں میں انہوں نے ہاتھ باندھے دیکھا مسلم والی حدیث جس میں پہلے قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے دوسرے میں نہیں جس کے لیے ہم نے کہا تھا کہ چونکہ دونوں قیاموں میں ہاتھوں کی ہیئت ایک ہے جب ہی تو ایک کے ذکر کرنے کو کافی سمجھا اگر دونوں میں ہاتھوں کی ہیئت کا فرق ہوتا تو صحابی فرق بیان کرتا اور یہ حدیث بحمد اللہ ہمارے جواب کی پوری تائید کرتی ہے دونوں حدیثوں یعنی صحیح مسلم والی گذشتہ حدیث اور مسند احمد والی حدیث دونوں کا ایک ہی راوی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ہے ثابت ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دونوں قیاموں میں ہاتھ باندھے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ اس لیے کہیں تو صرف ایک قیام کی ہیئت بیان کرتا ہے اور کہیں دونوں قیاموں کو ذکر کر کے پھر ہیئت بیان کرتا ہے ایسی واضح دلیل سے کوئی سمجھدار آدی انکار نہیں کر سکتا باقی مصنف نے جو اس کے تین جواب لکھے ہیں ان کی حقیقت پیش کرتے ہیں پہلے جواب میں فرماتے ہیں کہ ”یہ حدیث شاذ ہے“ اور شاذ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں کہ ”شاذ وہ ہے کہ ایک مقبول (غیر ضعیف راوی) اپنے سے زیادہ ثقہ یا احفظ یا اپنے سے زیادہ رواۃ کے مخالف کوئی روایت کرے:

میں کہتا ہوں کہ شاذ کی یہ تعریف صحیح ہے لیکن یہاں روایتوں میں کوئی مخالفت ثابت نہیں ہوتی چنانچہ انہوں نے مسند احمد سے پانچ روایتیں نقل کی ہیں مگر ایک روایت بھی اس کے مخالف یا منافی نہیں ہے کیونکہ خود مصنف کا کلام ہے کہ ”اور یہی عبداللہ بن الولید ہے جس نے اسی امساک والی روایت یعنی ورأيتــه ممسكا يمينه على شماله فى الصلوٰة کا ٹکڑا رکوع کے بعد ذکر کیا۔ حالانکہ امام احمد کی مسند میں اسانید صحیح سے اور بھی چند روایات ہیں امام احمد کے شیوخ بھی سب ثقہ وثبت اور حفاظ ہیں لیکن ان سب ثقات شیوخ سے اس وضع کا ذکر صرف پہلے ہی قیام میں کیا ہے کسی ایک نے بھی بعد الرکوع اس قطعہ کو ذکر نہیں کیا۔

ناظرین: خدا لگتی انصاف کریں کہ اس روایت اور ان پانچ روایتوں جن کو مصنف محترم نے ذکر کیا ہے ان میں کوئی اختلاف یا منافات ہے؟ ہرگز نہیں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ اس روایت میں وائل رضی اللہ عنہ یہ جملہ ورأيتـه ممسكا يمينه على شماله کو دونوں قیاموں کے ذکر کرنے کے بعد ذکر کرتا ہے تاکہ واضح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے کہ یہ حکم ہاتھ باندھنے کا دونوں قیاموں کے لیے ہیں اور دوسری چار روایتوں میں صرف رکوع سے پہلے ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے لیکن ان میں بعد میں ہاتھ باندھنے کی نفی نہیں ہے پھر کیسے منافات ہوگی؟

منافات جب ہو کہ ان روایات میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کی نفی ہو یا اس قیام میں ہاتھوں کے لیے وضع کے علاوہ کوئی اور ہیئت مذکور ہو۔ تب یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ایک راوی تو بعد الرکوع وضع کا ذکر کرتا ہے دوسرے چار وضع کا انکار کرتے ہیں یا وضع کے علاوہ کوئی اور ہیئت بتلائے ہیں پھر تو اکثر اور اوثق کی روایت راجح ہوگی اور ایک کی روایت مرجوح اور شاذ ہوگی۔ کیونکہ مخالفت اور منافات کی تعریف یہ ہے کہ "بحیث یلزم من قبولها رد الروایته الاخری فهذه هی التی یقع الترجیح بینها وبین معارضها فیقبل الراجح ویرد المرجوح" (شرح النخبة ص ۳۷) یعنی ایسی مخالفت جو ایک روایت کو قبول کرنے سے دوسری کا رد لازم لائے۔ ایسی صورت میں جو راجح ہوگی اس کو قبول کیا جائے گا اور مرجوح کو رد کیا جائے گا اور یہ صورت یہاں نہیں دونوں روایتوں میں ایسی مخالفت ہرگز نہیں ہے جو راجح مرجوح یا شاذ اور محفوظ کی بحث کی جائے۔ بلکہ یہاں ایک طرف امام احمد بن حنبل کا استاد عبداللہ بن الولید دونوں قیاموں کو ذکر کر کے پھر ہاتھ باندھنے کا ذکر کرتا ہے جس کا معنی دونوں قیاموں میں ہاتھوں کی ہیئت بتلاتا ہے اور امام احمد کے باقی چار استاد صرف ایک قیام کا ذکر کرتے ہیں جس کی توجیہ ہم نے پہلے بتلادی ہے کہ جب دونوں قیاموں میں ہاتھوں کی ہیئت ایک تھی اس لیے صرف ایک کی ہی کیفیت بیان کرنے کو کافی سمجھا۔ علاوہ ازیں دوسرے قیام میں کچھ نہ ذکر کرنا اس کے منافی نہیں ہے بلکہ اُن کی روایات میں بقول مصنف صرف ایک مسئلہ بیان ہے یعنی رکوع سے قبل ہاتھ باندھے جائیں اور عبداللہ بن الولید کی روایات میں زائد مسئلہ بیان ہے یعنی کہ دونوں قیاموں میں ہاتھ باندھے جائیں عبداللہ بن الولید کو مصنف نے اپنے کلام میں صدوق مانا ہے اور بموجب اصول محدثین ثقہ اور صدوق کی زیادتی مقبول ہے بشرطیکہ کہ اصلی روایت کے منافی نہ ہو جیسا کہ شرح نخبہ ص ۳۷ میں مذکور ہے پس یہ مسئلہ اس باب سے ہے کہ عبداللہ بن الولید کی یہ روایت امام احمد کے باقی چار استادوں کی روایتوں کے خلاف نہیں ہے جو اس کو شاذ کہا جائے مصنف کو چاہیے کہ شاذ کہنے سے پہلے دونوں روایتوں میں ایسی منافات ثابت کرے کہ اگر ایک کو قبول کیا جائے تو دوسرے کو رد کرنا لازم آئے پھر کسی ایک روایت پر شاذ کا حکم لگائے اس کے بغیر یہ حکم لگانا اصول محدثین کے خلاف ہے مصنف نے عبداللہ بن الولید کے بارے میں کلام کیا ہے اس میں صرف تین چیزیں تہذیب سے نقل کی ہیں پہلی یہ کہ امام احمد فرماتے ہیں کہ "یہ راوی بسا اوقات رواۃ کے ناموں میں غلطیاں کرتا تھا" حالانکہ یہاں کسی راوی کے نام میں غلطی پر بحث نہیں لہٰذا یہ بات موضوع سے خارج ہے متن میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی غلطی نہیں

ثانیاً: امام احمد کا کلام اس طرح ہے "وحدیثہ حدیث صحیح وکان ربما اخطأ فی الاسماً" (التھذیب ص ۷۰/ ج۶) یعنی اس کی حدیث صحیح ہے اور کبھی راویوں کے ناموں میں غلطی کرتا ہے پس راویوں کے ناموں میں غلطی کرنا اس کی حدیث کو ضعیف یا کمزور نہیں کرتا مثلاً شعبہ بن الحجاج کے لیے مشہور ہے کہ وہ ناموں میں غلطی کرتا تھا۔ مگر اس بناء پر اس کی حدیث ضعیف نہیں کہی جاتی بلکہ وہ علم حدیث میں غلطی کرنا اس کی حدیث کو ضعیف نہیں بناتا دوسری بات امام ابو حاتم رازی سے نقل کرتے ہیں کہ ''اس کی حدیث لکھی تو جائے گی لیکن اس کو حجت نہیں بنایا جاسکتا مگر ابو حاتم کا تشدد مشہور ہے اور عبداللہ بن الولید کے حق میں ائمہ کی توثیق وارد ہے چنانچہ امام احمد نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے دارقطنی نے اُسے ثقہ ماموں کہا ہے عقیلی نے ثقہ معروف کہا ہے ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ مستقیم الحدیث ابن عدی کہتا ہے کہ میں نے اُن کی احادیث میں کوئی منکر حدیث نہیں دیکھی پس ایسے شخص کی روایت سے حجت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ تیسری چیز یہ نقل کرتے ہیں کہ ''امام ساجی نے امام یحیٰ بن معین سے اس کی تضعیف نقل کی ہے۔'' لیکن اس طرح امام ابن معین سے تضعیف منقول نہیں ان کا قول یہ ہے کہ "لاا عرفه لم اكتب عنه شيئاً" (التھذیب ص ۷۰/ ج۶) یعنی میں اس کو جانتا نہیں اور نہ اس سے کوئی روایت نقل کی ہے لیکن جن لوگوں نے اس کو جانا پہچانا ہے انہوں نے اس کی توثیق اور تعدیل کر دی ہے

ثانیاً: امام احمد نے ان سے بہت سے حدیثیں نقل کی ہیں (التھذیب) اِس لیے آپ نے اس کی حدیث کو صحیح بھی کہا ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔

ثالثاً: امام ابن معین بھی مشہور متشدد ہیں۔ اگر تسلیم کیا جائے کہ واقعی اس نے تضعیف کی ہے تو بھی جرح مبہم ہے اور اس کے مقابلہ میں عبداللہ بن الولید کے حق میں ائمہ حدیث سے توثیق کے مقابلہ میں جرح مبہم معتبر نہیں ہوا کرتی جیسا کہ شرح نخبہ وغیرہ کتب میں مذکور ہے نیز لسان المیز ان کا مقدمہ بھی دیکھنا چاہیے پس ثابت ہوا کہ عبداللہ بن الولید پر کوئی معتبر جرح نہیں ہے لہٰذا اس کی حدیث مقبول ہے۔ پھر تقریب التھذیب سے نقل کرتے ہیں کہ "صدوق ربما اخطأ" ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ ''صدوق ہیں اور بسا اوقات غلطیاں کرتے ہیں'' لیکن "ربما" کا معنی کبھی کبھی بھی ہوسکتا ہے پس یہ روایت قابل قبول ہے مصنف نے جو حدیثیں نقل کی ہیں ان میں اس حدیث کی مخالفت نہیں ہے پس اس روایت میں دراصل راوی کا مقصد آنحضرت ﷺ کی نماز کی ہیات فی الجملہ بیان کرنا تھا یعنی یہ اور باتیں بھی نماز میں ہیں ان باتوں میں سے ایک وضع الیدین علی الصدر بھی ہے جس کی جگہ پہلا قیام ہے لیکن اس جگہ چونکہ ان باتوں کا فی الجملہ بیان کرنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا نہ کہ ان کی ترتیب اس لیے یہ کہہ دیا کہ ورأیتہ ممسکا یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ "

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابی جلیل یہاں دونوں قیاموں کے ذکر کرنے کے بعد اس جملہ کو کیوں ذکر کرتا ہے۔ آخر اس میں بھی کوئی حکمت ہونی چاہیے اور حکمت یہی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں قیاموں کی یہی سنت ہے۔ بیشک اس نے مطلق نماز کی حالت بیان کی ہے کوئی خاص جگہ باندھنے کی ذکر نہیں کی ہے لیکن دونوں قیاموں کے بعد ذکر کرنے میں بیان ہے کہ دونوں قیاموں میں ہاتھ باندھے گئے۔

ثانیاً: اگر چہ فی الصلوٰۃ مطلق ہے لیکن رکوع سجدہ اور جلسہ میں ہاتھوں کی حالت الگ مذکور ہے۔

لہٰذا باقی یہی دو قیام قبل الرکوع اور بعد الرکوع رہتے ہیں جن کے لیے یہ حکم ہے اور فرماتے ہیں کہ یہاں واو عطف میں ترتیب بالکل نہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی تحقیق میں نے کتاب التحقیق الجلیل میں کافی شافی کردی ہے میں کہتا ہوں کہ یہاں لمبے چوڑے کلام کی ضرورت نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ کہنا غلط ہے کہ واو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا کیونکہ امام ابن ہشام المغنی ص ۴۴۴ میں فرماتے ہیں کہ "وللترتیب کثیر و لعکسہ قلیل و قول السیرا فی ان النحویین اجمعوا علی انھا لا تفید الترتیب مردود وبل قال بافاذتھا ایاہ قطرب والربعی والفراء و ثعلب وابو عمر والذاھد وھشام والشافعی " یعنی زیادہ تر واو ترتیب کے لیے آتا ہے اس کے برعکس بغیر ترتیب کے کم آتا ہے اور سیرافی کا یہ کہنا غلط ہے کہ نحوی اور لغوی علماء کا اجماع ہے کہ واو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتا ہے۔ کیونکہ کئی نحوی اس کے قائل ہیں کہ واو ترتیب کا فائدہ دیتا ہے۔ مثلاً قطرب، الربعی، الفرأ، ثعلب، ابوعمر، زاہد، ہشام اور امام شافعی یہ سب کہتے ہیں کہ واو ترتیب کے لیے ہے اسی طرح نحو کی مشہور کتاب اصل الاصول فی ابواب النحو والفصول ص ۴۰ میں بھی ہے نیز امام شوکانی ارشاد الفحول ص ۲۷ میں فرماتے ہیں کہ "ویمکن ان یجاب عن ھذا الاستدلال بانہ امتنع جعل الواو ھنا للترتیب لوجوہ مانع ولا یستلزم ذلک امتناعہ عنہ عدمہ" اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ واو ترتیب کا اس وقت فائدہ نہیں دیتا جب کوئی ایسا قرینہ ہو جو ترتیب کی معنی لینے کو مانع ہو اور جہاں ایسا کوئی قرینہ نہ ہو وہاں ترتیب کا فائدہ دے گا مصنف نے اپنے رسالے میں جتنی مثالیں دی ہیں ان میں کوئی نہ کوئی قرینہ ہے جو ترتیب کی معنی لینے کے مانع اور منافی ہے۔ لہٰذا وہ مثالیں دلیل نہیں بن سکتیں یہاں بھی مصنف نے دو مثالیں دی ہیں پہلی مثال بخاری کی براء بن عازب سے مروی حدیث ہے جس میں رکوع سے پہلے سجدہ کا ذکر ہے مگر یہاں ہر ایک جانتا ہے کہ سب حدیثیں صحابہ کا عمل اور سلف کا طریقہ بلکہ اجماع اُمت ہے کہ رکوع سجدہ سے پہلے ہوا کرتا ہے یہ قرینہ صاف بتلاتا ہے کہ یہاں واو ترتیب کے لیے نہیں ہے بلکہ ترتیب معنیٰ لینے کو مانع ہے دوسری مثال مسند احمد سے وائل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی روایت نقل کرتے ہیں جس میں ہاتھ باندھنے سے پہلے سورۃ فاتحہ پڑھنے اور آمین کہنے کا ذکر ہے میں کہتا ہوں کہ یہ روایت شعبہ کی ہے اور امام ترمذی سنن ص ۳۴/ ج ۱ میں اس کو لا کر فرماتے ہیں "سمعت محمدا یقول حدیث سفیان اصح من حدیث شعبة فی هذا واخطاء شعبة فی مواضع من هذالحدیث فقال عن حجر ابی العنبس وانما هو حجر بن العنبس ویکنی ابا السکن وزادفیه عن علقمة بن وائل ولیس فیه علقمة وانما هو حجر بن عنبس عن وائل بن حجر وقال وخفض بها صوته وانما هو مدّبها صوته" یعنی میں نے امام بخاری سے سنا کہ اس بارے میں سفیان ثوری کی حدیث شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح ہے اور شعبہ نے اس روایت میں چند مواقع پر غلطیاں کی ہیں مثلاً اس نے کہا کہ "عن حجر ابی العنبس حالانکہ صحیح یہ ہے کہ حجر بن العنبس اور اُس کی کنیت ابوالسکن ہے (یعنی شعبہ نے اُس کی کیفیت ابوالعنبس کہہ کر اس کو العنبس کا باپ بنالیا حالانکہ وہ اس کا بیٹا ہے اور اس کی کنیت دوسری ہے) شعبہ نے حجر بن العنبس اور وائل رضی اللہ عنہ کے درمیان میں علقمہ بن وائل کا واسطہ بڑھا دیا ہے حالانکہ دراصل حجر بن عنبس یہ حدیث براہ راست وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے نیز شعبہ نے کہا کہ خفض بہا صوتہ اور صحیح روایت یوں ہے کہ مدّ بہا صوتہ پھر امام ترمذی نے امام ابو ذرعہ رازی سے بھی اس کی تائید میں قول نقل کیا ہے پھر سفیان ثوری کی تائید میں العلاء بن صالح الاسدی کی روایت نقل کرتا ہے جو کہ علی وجہ الصواب ہے اس طرح امام مسلم نے کتاب التمییز میں بھی بتایا ہے کہ شعبہ نے اس روایت میں غلطیاں کی ہیں تو پھر یہ بھی غلطی ہوسکتی ہے ایضا اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ قال آمین واخفی بهاصوته اور مصنف ترجمہ میں لکھتا ہے کہ آمین کہی اور آواز کو مخفی کیا حالانکہ یہ روایت اہلحدیث کے نزدیک حجۃ نہیں ہے۔ پھر ایسی روایت کے پیش کرنے کی کیا ضرورت؟ کیا اس روایت کو دیکھ کر مصنف اور اُن کے ہم خیال آمین آہستہ کہنے کے قائل ہو جائیں گے؟ اگر نہیں تو پھر جو روایت قابل قبول نہیں اس کو یہاں کیوں بیان کرتے ہیں؟ الغرض یہاں یہ کہنا کہ راوی کے تصرف سے تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے محض وہم ہے کیونکہ صحابی کا یہ جملہ اپنی معنی میں بالکل صاف ہے اور یہ کہنا کہ "وضع کی جگہ دوسری احادیث میں متعین ہوگئی ہے۔" کوئی دلیل نہیں کیونکہ ان احادیث میں بعد الرکوع ہاتھ باندھنے کی کوئی نفی نہیں اس لیے یہ تاویلیں کسی کام کی نہیں ہیں پھر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "اس جملہ ورأیته ممسکا یمینه علی شماله کے بعد ہے کہ فلما جلس جس کا مطلب کہ اس کے بعد فوراً بیٹھنا ہے کیونکہ فاء مہلت یا تراخی کے لیے نہیں ہوتی" میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض بھی غلط ہے۔ کیونکہ یہاں صرف فاء نہیں بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ فلما جلس یعنی پس جب بیٹھے۔ پس بیٹھنا اِس قیام ثانی کے بعد متصل ہو یا دونوں کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درمیان میں سجدہ وغیرہ کا فاصلہ ہو پس اِس قسم کا اعتراض عالم کی شان کے خلاف ہے تیسرا جواب یوں دیتے ہیں کہ صحابی اہل لسان تھے اور انہوں نے فی الصلوٰۃ کا لفظ یعنی نماز میں کہا ہے اور یہ الفاظ عام ہیں اگر یہ بات ہوتی جو ہاتھ باندھنے والے کہتے ہیں تو اس طرح کہنا چاہیے تھا کہ پھر جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہاتھ اُٹھاتے اور ان کو سینہ پر رکھا یا پھر ان دونوں ہاتھوں میں سے بائیں کو دائیں سے پکڑا'' میں کہتا ہوں کہ جو الفاظ صحابی نے بیان فرمائے ہیں اِن سے واضح ہے کہ نماز کے اندر ہر کھڑے ہونے والے کے لیے سنت ہے کیونکہ فی الصلوٰۃ کے لفظ کو خود مصنف عام سمجھتا ہے اور پھر دونوں قیاموں کے بعد ہاتھ باندھنے کا ذکر کرنا بھی مطلب میں صاف ہے اس پر مصنف یہ اعتراض کرتا ہے کہ ہمیں ان الفاظ کا اس جگہ عموم مسلم نہیں اور مدعیوں کی طرف سے ابھی تک کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی گئی جس سے فی الصلوٰۃ میں اس جگہ عموم کا اثبات ہوتا ہے'' حالانکہ پہلے خود قبول کر چکا ہے کہ یہ الفاظ عام ہیں ثانیاً فی الصلوٰۃ کا لفظ ہر ایک جانتا ہے کہ پوری نماز کے لیے ہے اور اس نماز سے رکوع، سجدہ اور جلسہ کے لیے ہاتھوں کی ہیئت علیحدہ مذکور ہے پس دو قیام ہی رہتے ہیں جن کے لیے ہاتھوں کی ہیئت ہے یہ ایسی حقیقت ہے جن سے کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کر سکتا۔

الحاصل اس روایت میں نہ شذوذ ہے نہ اس میں کوئی ابہام ہے نہ مزید کسی تاویل کی گنجائش ہے۔ یہ تھے مصنف کے جوابات جن کی حقیقت ظاہر کر دی گئی اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ جتنی باتیں مصنف نے کی ہیں ان سب پر پہلے ہمارے رسائل میں بحث ہو چکی ہے کوئی نئی چیز ذکر نہیں کی تاہم ہم نے تفصیل کے ساتھ ان باتوں پر یہی بحث کر دی ہے ہمیں یقین ہے کہ قارئین کرام انصاف سے ہماری باتوں پر غور فرمائیں گے کیونکہ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ عام ہیں یعنی "اذا کان قائما فی الصلوٰۃ قبض بیمینه علی شماله" اور بعد الرکوع کھڑا ہونے والا لغت اور شرع دونوں میں قائم ہے جس طرح بخاری میں اس کو قائم کہا گیا ہے پس ہم اس لمبی بحث کو نہیں چاہتے بلکہ دو مطالبے ہیں یا تو یہ کہا جائے کہ بعد الرکوع کھڑا ہونے والا قائم نہیں یا اور کسی صریح اور صحیح حدیث سے ثابت کیا جائے کہ رکوع کے بعد کھڑے ہونے والے کے لیے ہاتھ باندھنے کے علاوہ کوئی اور سنت ہے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ اس عموم کو تسلیم کیا جائے اور ہاتھ باندھنے کو دونوں قیاموں کے لیے عام سمجھا جائے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وھو تعالیٰ حسبی و نعم الوکیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة الرابعة:

فضیلۃ الشیخ سید اقتدار احمد صاحب سہوانی صاحب نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتاب "زیادۃ الخشوع" کا مطالعہ کیا اور کسی کے ایماء پر اس کا جواب تحریر کیا اور وہ کتاب "مابعد الرکوع بجواب زیادۃ الخشوع" کے نام سے طبع ہوئی تو اس کا جواب شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ نے "اسکات الجزوع" کے نام سے پیش کیا۔ (الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد! حال ہی میں شعبہ تبلیغ غرباء اہلحدیث کی طرف سے شائع کردہ رسالہ ''مابعد الرکوع'' نظر سے گذرا جو کہ ہمارے رسالہ "زیادۃ الخشوع" کے جواب میں لکھا گیا ہے دراصل جواب میں جو باتیں لکھی گئی ہیں ان کا جواب پہلے ہی ہمارے اس رسالہ میں موجود ہے۔ نیز ہمارا دوسرا رسالہ بنام "الدلیل التام علی ان سنۃ المصلی الوضع کلما قام" جو کہ ہم نے حافظ عبداللہ صاحب روپڑی مرحوم کے رسالہ ''ارسال الیدین'' کے جواب میں لکھا ہے اس میں کافی وشافی جواب ہے مگر اختصار سے اس رسالہ کی خاص خاص باتوں کا جواب لکھا جاتا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین حق و باطل میں فرق کریں گے۔

رسالہ ''مابعد الرکوع'' میں قابل غور باتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) مطلق کو مقید پر محمول کرنا:

حالانکہ یہ قاعدہ علی الاطلاق نہیں ہے۔ بلکہ مشروط ہے۔ امام شوکانی ارشاد الفحول ص ۱۶۶ میں لکھتے ہیں کہ "اشترط القائلون بالحمل شروطا سبعة" اور پانچویں شرط یہ بتائی ہے کہ بدون الحمل دونوں دلیلوں کا جمع ہونا ناممکن ہو امام شافعی نے واقعی کہا ہے کہ مطلق مقید پر محمول ہے لیکن یہ شرط لگائی ہے کہ دونوں کا موجب ایک ہی ہو۔ کمافی المستصفی للغزالی ص ۱۸۵ / ج ۱ پس جو لوگ یہاں حمل کے مدعی ہیں انکو اپنے دعویٰ کے لیے دو چیزوں کا ثابت کرنا ضروری ہے۔

(۱) دونوں دلیلوں میں تعذر (۲) اتحاد موجب۔

کیونکہ حدیث "اذا کان قائما" میں تو وضع کا موجب قیام فی الصلوٰۃ بتایا گیا ہے لیکن جس روایت کو مقید سمجھ کر پیش کیا جاتا ہے یعنی افتتاح کے وقت ہاتھ باندھنے والی روایت اس میں کوئی موجب مذکور نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ موجب افتتاح ہے تو اوّل، دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت اس حکم سے خارج ہوگی اور ثانیاً عدم اتحاد سبب کی وجہ سے امام شافعی کے نزدیک بھی مطلق مقید پر محمول نہ ہوگی۔

نیز روایت "اذا کان قائما" عام ہے یہاں ایسی دلیل کی ضرورت ہے جو اس کو خاص کرے۔

(۲) الحدیث یفسر بعضہ بعضا:

یہ اصل صحیح ہے لیکن اس وقت جب اس روایت میں کوئی ابہام ہو یہ روایت عام ہے اور عموم ابہام نہیں کہلاتا۔

(۳) تعامل امت:

یہاں بڑا دعویٰ کیا گیا ہے کہ سلف میں سب بعد الرکوع ارسال کرتے تھے۔ حالانکہ امام احمد بن حنبل کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دونوں (وضع وارسال) کا اختیار دینا خود دلیل ہے کہ سلف میں دونوں معمول تھے۔ کیونکہ امام موصوف کا اَصل یہ ہے کہ جو مسئلہ سلف میں مختلف پاتے ہیں اور کسی ایک طرف ترجیح نہیں دیکھتے تو دونوں کا اختیار دیتے ہیں جیسا کہ اعلام الموقعین ص ۳۱/ ج ۱ کی عبارت سے ظاہر ہے۔ پس اس کو غیر ثابت کہنا، یا چودھویں صدی کا مسئلہ بتانا اپنے علم کا دیوالیہ نکالنا ہے۔

(۴) وضع قراءۃ سے مختص ہے:

یہ تخصیص محض ادعا ہے بلکہ حدیث میں ہے کہ "اذا کان قائما" نہ کہ "اذا کان قارئا" ہماری بات دو مقدموں پر ختم ہوتی ہے (۱) اذا کان قائما الحدیث ۔(۲) الذی یقوم بعد الرکوع قائم۔ یہ دونوں مقدمات حدیث میں مذکور ہیں۔ جن کا نتیجہ ظاہر ہے۔ آپ کی بات تیسرے مقدمہ کی محتاج ہے وہ یہ ہے کہ "ویکون قارئا" اس کا ذکر کسی حدیث میں نہیں ہے لہٰذا بلا وجہ یہ حکم تحکم کے برابر ہے۔ کیونکہ قائم غیر قاری بھی ہوتا ہے چنانچہ مقتدی جہری نماز میں سورۃ فاتحہ کے بعد خاموش کھڑا رہتا ہے۔

ایضا بدون قراءت قیام صحیح ہے دونوں الگ فرض ہیں۔ مثلاً گونگا قراءت سے عاجز ہے مگر قیام اس سے ساقط نہیں۔ الغرض قراءت وعدم قراءت پر قیام کا ہونا یا نہ ہونا موقوف نہیں۔ پس یہ استدلال میں مخل ہر گز نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے "التقریب لحد المنطق" مصنفہ امام ابن حزم کا مطالعہ کریں۔

(۵) قیام وقومہ:

حدیثوں میں دونوں (قبل الرکوع و بعدہ) کو قیام کہا گیا ہے ہاں قیام بعد الرکوع کو اعتدال بھی کہا گیا ہے۔ لیکن قومہ نہیں کہا گیا ہے حدیث ''ماخلا القیام'' (رسالہ مابعد الرکوع ص ۱۸) میں صرف بوجہ التباس کے قیام بعد الرکوع کو اعتدال کہا گیا ہے۔ کیونکہ قیام قبل الرکوع کا استثنا مطلوب تھا۔ اگر راوی یہ کہتا کہ فرکعۃ فقیامہ بعد رکوعہ فسجدتہ فجلستہ بین السجدتین قریبا من السواء ماخلا القیام تو قدرے التباس ہوتا۔ لہٰذا قیام بعد الرکوع کو اعتدال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فافھم

(۶) "اذا کان قائما"

یہاں مولانا عبدالعزیز صاحب ملتانی سے جو کلام نقل کیا ہے اس پر چند وجوہ کلام ہے۔

اولاً لکھتے ہیں کہ ''حدیث حضرت وائل "اذا کان قائما فی الصلوۃ قبض یمینہ علی شمالہ" (نسائی) سے بعد الرکوع ہاتھ باندھنے کا استدلال غلط وہم اور قیاس مع الفارق ہونے کے علاوہ تحریف فی الحدیث'' ہے الخ (رسالہ مابعد الرکوع)

اقول: استدلال غلط تب ہو کہ بعد الرکوع کھڑا ہونے والا قائم نہ کہلاتا ہو "واذا لیس فلیس"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ بخاری ص۱۰۹/ ج۱ کی حدیث میں ہے کہ "ثم یقول وھو قائم ربنا لك الحمد" پس ثابت ہوا کہ شرعی اصطلاح میں بعد الرکوع کھڑے ہونے والے کو بھی قائم کہا گیا ہے اور حدیث بالا میں مصرح ہے کہ قائم فی الصلوة کے لیے سنت وضع ہی ہے۔ دونوں حدیثیں صحیح اور اپنے مفہوم میں نص ہیں۔ حدیث بخاری میں منصوص ہے کہ رکوع کے بعد کھڑا ہونے والا "قائم" ہے اور نسائی کی حدیث میں قائم فی الصلوة کے لیے وضع کا حکم منصوص ہے یہ دونوں مقدمے مضبوط ہیں اور ان کا نتیجہ بالکل ظاہر ہے۔

اور استدلال غلط یہ ہے کہ بلا مخصص اس کو قیام اول کے لیے خاص کیا جائے کیونکہ یہ دو مقدمات منصوصہ کا نتیجہ صادقہ ہے بلکہ ہم سوال کر سکتے ہیں کہ رکعت اولیٰ کے علاوہ باقی رکعتوں کے لیے کیا ثبوت ہے؟ اگر عموم مانو گے تو بھی ہماری دلیل ہے۔

ایضا عیدین، کسوف، یا جنازہ، یا صلوۃ الخوف واستسقاء میں ہاتھ باندھنے کس بنا پر ہیں؟ ہے کوئی صریح حدیث یا اس کو بھی عموم میں داخل کریں گے۔ حالانکہ آپ خود کہتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ ایک نماز کو دوسری پر قیاس نہیں کر سکتے بلکہ ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے جیسے نماز عیدین تکبیرات زائدہ نماز جنازہ میں عدم رکوع وسجود وغیرہ۔ صلوۃ وصوم، وتسبیح کہ باہم مختلف فیہ ہیں پس ایک کا قیاس دوسرے پر غلط ہے" (رسالہ مابعد الرکوع ص۴۸)

اب ذرا انصاف سے بتائیں کہ ان نمازوں میں وضع کس دلیل کی بنا پر ہے کوئی حدیث تو پیش کریں، بصورت دیگر بقول شما وہی قیاس مع الفارق ہوگا جو کہ آپ غلط بتاتے ہیں۔ مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

اور تحریف فی الحدیث محض بہتان ہے کیونکہ یہ جب ہو کہ کسی لفظ یا معنی یا مفہوم میں تبدیلی کی گئی ہو۔ بلکہ "اذا" فقہاء کے نزدیک عموم کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ زرکشی البرہان فی علوم القرآن ص۲۰۳/ ج۴ میں اذا کے متعلق علامہ ابن عصفور سے نقل کرتے ہیں کہ "والصحیح ان المراد بھا العموم کسائر اسماء الشرط" نیز نور الانوار ص۱۱۴ میں ہے کہ "واذا متی یدلان علی عموم الزمان وکلیته" پس عموم سے استدلال جس کی تخصیص ثابت نہ ہو اس کو تحریف کہنا صریحا افتراء ہے بلکہ تحریف فی الحدیث یہ ہے کہ عموم کو بلا مخصص خاص کیا جائے یہ معنوی تحریف ہے اور لفظی تحریف یہ ہے کہ "اذا کان قائما" کے ساتھ قراءت کی بھی قید بڑھائی جائے گویا عبارت یوں ہوئی کہ "اذا کان قائما فی الصلوة وھو یقرأ" ونحو ذالك۔ دوم یہ کہ اذا کو عموم کے لیے کہنا قواعد عربیہ کے خلاف ہے۔ حالانکہ اذا کبر اذا رکع اذا سجد کو سب عموم پر محمول کرتے ہیں۔ امام ابن عبد البر نے کتاب "جامع بیان العلم وفضلہ" ص۶۴/ ج۲ میں ایک مستقل عنوان کے تحت ثابت کیا ہے کہ اذا عموم کے لیے ہے نیز فتاویٰ ثنائیہ ص۲۶۷/ ج۱ میں استاذ العلماء مولانا ابو سعید شرف الدین صاحب دہلوی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اذا صلیتما فی رحالکما ثم اتیتما مسجد جماعة فصلیا معهم فانها لکما نافلة انتهی۔ لفظ اِذا محاورہ شرع میں عموم کے لیے ہے موجبہ کلیہ ہے ہر نماز کو شامل ہے لہٰذا اس میں مغرب بھی داخل ہے اسی طرح یہاں بھی "اذا کان قائما" ہر قائم کو شامل ہے خواہ قبل الرکوع ہو یا بعد۔ نیز اسی صفحہ پر مولانا عبدالرزاق صاحب صادق پوری کی عبارت ہے کہ "فرمانِ نبی ﷺ اذا جئت فصل مع الناس وان کنت قد صلیت۔ اگر تم نماز پڑھ چکے ہو تو جماعت کے ساتھ مل کر دوبارہ پڑھ لو اس عام حکم کی تخصیص نیت کی ہیرا پھیری یہ سب نبی ﷺ پر زیادتی ہے۔ جو کسی امتی کے لیے جائز نہیں ہے۔ اس طرح جو محدثین اور شوافع اوقات مکروہہ میں تحیۃ المسجد پڑھنے کے قائل ہیں وہ جس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس کے یہ الفاظ ہیں "اذا دخل احد کم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس" (بخاری وغیرہ) اور کہتے ہیں کہ یہ عموم ہے اور اس میں سب اوقات داخل ہیں۔ دیکھو فتح الباری ص ۸۴/ ج ۲ ونیل الاوطار ص ۴۷/ ج ۳۔ اور جو لوگ اس کے قائل نہیں وہ تخصیص کے دلائل دیتے ہیں نہ کہ اذا کو عموم کے لیے ایسے مانتے ہیں۔ آپ بھی اگر تخصیص کے مدعی ہیں تو ایسی دلیل لائیے جو اس عموم کو خاص کردے۔ والا فلا۔

اور جن روایتوں کو ذکر کیا ہے ان کی تخصیص وارد ہے اور جن لوگوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے تو اسی بنا پر کہ اذا عموم پر دلالت کرتا ہے اور جن لوگوں نے ان کو جواب دیا ہے تو انہوں نے دلائل سے تخصیص ثابت کی ہے۔ نہ کہ یہ کہا کہ کرنا عموم کے لیے نہیں ہے یا اس کو عموم کے لیے کہنا قواعد عربیہ کے خلاف ہے۔ نہ معلوم یہ لوگ کتابوں کا مطالعہ بھی کرتے ہیں یا نہیں اور "اذا کان قائما" کی تخصیص وارد نہیں۔ فاین هٰذا من هٰذا۔

سوم یہ کہ یہ قضیہ مہملہ ہے لیکن مہملہ عموم کے منافی نہیں ہے اور نہ جزئیہ پر منحصر ہوتا ہے۔ امام ابن حزم التقریب لحد المنطق ص ۱۰۷ میں لکھتے ہیں کہ "المهملة مالم یبین الناطق بها انه یرید بعض مایعطی اسمها اولم یمنع من العموم مانع ضرورة فانها کالمحصورة الکلیة ولا فرق ...... فعلی هٰذا الحکم یلزم ان المهملة ینتج کانتاج المحصور الکلی" پھر کہتے ہیں کہ قیام اور قومہ کی کیفیت وانداز الگ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قیام بعد الرکوع کی دوسری کیفیت کہاں منقول ہے۔ کوئی ایسی حدیث ہے تو پیش کریں اور قراءت یا دعا کا تعلق کیفیت سے نہیں۔ نیز کیفیت ایک ہونے سے قیام بعد الرکوع میں ملنے سے مسبوق کی رکعت کا ہوجانا کب لازم آتا ہے دونوں قیام فرض ہیں ایک دوسرے کے قائم مقام کیسے ہوگا۔

ایضاً اس پر تو سب کا اجماع ہے کہ قیام بعد الرکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوگی اور بلا دلیل عام کو مخصوص منہ البعض کہنا جراءت ہے اور پھر اس کی مثال وہی مجوث فیہ حدیث یعنی سدل والی پیش کرنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصادرہ علی المطلوب ہے۔

دلیل سوم اور چہارم اور پنجم کے لیے کہتے ہیں کہ انکو صرف بحالت قیام کے لیے کیوں خاص کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس لیے کہ دوسرے ارکان میں ہاتھوں کی دوسری ہیئت احادیث میں مذکور ہے۔ اس لیے وہ ارکان اس حکم سے خارج ہیں۔ اگر آپ قیام بعد الرکوع کو بھی خارج سمجھتے ہیں تو کسی حدیث صحیح اور صریح سے اس میں بھی ہاتھوں کے لیے وضع الیمین علی الشمال کے علاوہ کوئی اور ہیئت ثابت کریں۔ والا فلا

اور حدیث ابوداؤد "اذا قام الی الصلوۃ یرفع یدیه حذو منکبیه ثم کبر" میں لفظ کبر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے "اذا قام الی الصلوۃ" پس دوسری اور چوتھی کی ابتداء میں رفع الیدین کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نیز اگر اس میں ایسا عموم ہوتا تو ابوحمید الساعدی تیسری رکعت کی طرف اٹھتے وقت رفع الیدین کا ذکر نہ کرتے۔ اسی طرح "انه اذا کان قام الی الصلوۃ وضع یمینه علی رسغه" والی حدیث میں بھی ظاہراً فساد المعنی ہے۔ کیونکہ بظاہر معنی یہ ہوگا نماز کی طرف اٹھتے ہی ہاتھ باندھے جائیں لیکن روایت "اذا کان قائما فی الصلوۃ" کو عموم پر رکھنے سے کون سا فساد المعنی لازم آتا ہے؟

دلیل ششم میں تقدیم وتاخیر کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن بلا دلیل اور جو روایت ہلب کی نقل کی ہے اس میں تو ظاہراً تقدیم وتاخیر ہے کیونکہ "الوضع علی الصدر" سلام پھیرنے سے قبل ہی ہوگا۔ لیکن یہاں کیا دعویٰ ہے اور ص ۴۹ میں مولانا حصاروی صاحب کے مضمون میں اسی حدیث پر مذکور ہے کہ "واو ترتیب کے لیے نہیں ہے اس کی مفصل بحث "الدلیل التام" میں ص ۱۰ سے ص ۱۲ تک دیکھیں یہاں صرف یہ عرض کرتے ہیں کہ مولانا حصاری صاحب جس امام شافعی رحمہ اللہ کو امام الحدیث کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور اسی کے اصول کا سہارا لیتے ہیں اس نے فرمایا ہے کہ واو ترتیب کے لیے ہے دیکھو المغنی لابن ہشام ص ۳۴۴ دفی حاشیۃ المغنی للشیخ محمد الأمیر الازہری ص ۳۱/ج ۲ قوله والشافعی لایکفی فی هذا النسبة مجرد قوله بالترتیب فی الوضوء لان له دلیلا آخر۔ پس یہاں ان کا یہ اصول کیوں نہیں مانتے ہیں؟ اور جہاں آیا ہے کہ "الواو لا تستلزم الترتیب" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی قرینہ ہو تو عدم الترتیب بھی ہو سکتی ہے لیکن جہاں کوئی قرینہ ہی نہ ہو وہاں بھی عدم الترتیب سمجھا جائے یہ صحیح نہیں ہے۔

دلیل ہفتم کے لیے کہا ہے کہ وضع الکفین رکوع یا سجدہ میں مراد ہے حالانکہ خواہ مخواہ بلا وجہ عبارت کو توڑنا پڑتا ہے کیونکہ عبارت یہ ہے "وحین رفع رأسه من الرکوع رفع یدیه ووضع کفیه" یہاں جملہ "وضع یدیه" جملہ "رفع یدیه" پر عطف ہے اور معطوف ومعطوف علیہ کا ظرف ایک ہے اور آپ کا کہنا جب صحیح ہوگا کہ یہ واو استیناف کی ہو اور واو عطف نہ بن سکتی ہو اس کے لیے دلیل چاہیے اور جملہ "وجافی" کو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استیناف کہنا پڑے گا۔ اس لیے کہ مجافاۃ بحالت قیام نہیں ہوتی پھر کہتے ہیں کہ وضع کا پتہ نہیں کہ کہاں کیا اور کس طرح کیا سوایسے مبہم کے لیے یہ اصل کار آمد ہوگا کہ الحدیث یفسر بعضه بعضاً پس دوسری حدیثوں سے اس کی تفسیر و تفصیل ہوگی۔

پھر عجب یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کیوں اس حدیث سے یہ مسئلہ نہیں سمجھے۔ ہم کہتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں اضطجاع بعد رکعتی الفجر کی صریح حدیثیں روایت کی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس کے قائم نہیں۔ کمافی المغنی لابن قدامه ص۷۶۷/ ج۱ وغیره من الاحادیث.

ایضاً یہ کوئی اصول کا مسئلہ نہیں ہے کہ جو بات ایک حدیث سے امام احمد نہ سمجھے وہ دوسرے بھی بالکل ہی نہ سمجھیں ان سب باتوں کے باوجود یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ امام موصوف تو وضع کے قائل ہیں اور فقہ حنبلیہ میں یہ مسئلہ موجود ہے دیکھو شرح زاد المستقنع وغیرہ۔ بلکہ بہت سے حنبلیہ اب بھی اس پر عامل ہیں۔

اقوال فقہاء میں سے فقہاء حنفیہ کے اصول کہ ''کل قیام فیہ ذکر مسنون الخ'' کے تحت لکھتے ہیں کہ ذکر سے مراد قراءت ہے نہ کہ دعا'' یہ بھی عجیب تاویل ہے۔ خود اسی اصول کی بنا پر کئی فقہاء حنفیہ وضع کے قائل ہوئے ہیں۔ دیکھو زیادۃ الخشوع ص ۱۵ تا ص ۱۷ اور الدلیل التام ص ۲۰ تا ص ۲۸ خود علامہ عبدالحی لکھنوی بھی سعایہ ص ۱۰۹/ ۲ میں قائل ہیں۔ ایضاً کئی فقہاء صلوۃ التسبیح میں بعد الرکوع وضع کے قائل ہیں (شامی بیاض واحدی وغیرہما) حالانکہ وہاں قطعاً قراءت نہیں۔ پس ایسی تاویل علم کی شان سے بعید ہے اس کے غلط ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نماز جنازہ میں قراءت نہیں ہے صرف دعا ہے باوجود اس کے وہ اس میں وضع کرتے ہیں۔ بلکہ درمختار طبع میرٹھ الہند ص ۵۵ میں ہے کہ ''وهو سنة قيام ...... له قرار فيه ذكر مسنون فيضع حالة الثناء و القنوت الخ'' اور طحطاوی شرح الدر المختار ص۳۳۶/ ج ۱۔ طبع کلکتہ میں ہے کہ ''اراد بالمسنون المشروع فيشمل القراءة و دعاء القنوت وهكذا فى در المختار لابن عابدين الشامى ص۴۰۸/ ج۱

ابو الشجاع فقیہ کے قول کے متعلق لکھا ہے کہ مفتی بہ نہیں بلکہ یہ ایک روایت کی بنا پر ہے اور وہ روایت اصول حنفیہ کے لحاظ سے قابل اخذ ہے۔ جیسا کہ ہم نے الدلیل التام ص ۲۷ پر کتاب امام الکلام لکھنوی اور غنیۃ المستملی اور عقد الجید للشاہ ولی اللہ الدھلوی سے نقل کیا ہے اور اسی بنا پر لکھنوی صاحب قائل ہوئے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے ''لا مضايقة فى اختياره بعد ظهور موافقة للاصول السعاية ص۱۵۹/ ج۲

ثانیاً: ابو الشجاع اکیلا نہیں بلکہ علامہ ملک العلماء الکاسانی بدائع الصنائع میں بھی قائل ہوئے ہیں۔ نیز اور فقہاء بھی قائل و عامل ہوئے ہیں۔ جن کا ذکر دونوں رسائل زیادۃ الخشوع اور الدلیل التام میں ہو چکا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فارجع البصر هل ترى من فطور۔

عجوبہ کا جو جواب دیا ہے اس پر ابھی سوال باقی ہے کہ آیا قیام مع الارسال فعل تعظیمی ہے یا غیر تعظیمی۔ علی الاول غیر اللہ کے آگے کیسے جائز ہوگا وعلی الثانی نماز میں کیسے داخل ہوگا اور آپ نے جونیت کا عذر پیش کیا ہے اگر غیر اللہ کے آگے بلا قصد تعظیم ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو تو جائز ہوگا؟ کیا یہ تشبیہ بالصلوۃ نہیں ہوگا؟ دراصل یہ اعتراض اسی اصل پر مبنی تھا۔

ثانیاً: اگر ارسال فعل تعظیمی ہے تو نیت ہو نہ ہو تعظیم ہی ہوئی اور اگر نہیں ہے تو نہ خدا کے آگے نہ غیر کے آگے۔

(۹) دلیل نہم پر لکھتے ہیں کہ قیاس ہے:

دراصل قیاس نہیں ہے بلکہ یہ الزام ہے کہ جب آپ خود اس کو عموم پر محمول کر کے سب رکعتیں داخل کرتے ہیں تو سب قیام بھی داخل ہونے چاہئیں۔ اگر ہر رکعت کا جداگانہ حکم ہے تو دوسری، تیسری اور چوتھی میں وضع کے لیے جدا دلیل چاہیے۔ جو ثنا وغیرہ کی مثال دی ہے وہ اعتراض آپ پر وارد ہوتا ہے کیونکہ اگر ایک رکعت کا حال معلوم کرنے سے سب کا حال معلوم ہو جاتا ہے تو پھر ثنا بھی سب رکعتوں میں ہونی چاہیے۔ پھر تخصیص کی بحث چھیڑی ہے فی الواقع ہم اسی تخصیص کے قائل ہیں جس کا کوئی داعی ہو اور مخصص موجود ہو نہ کہ بلاوجہ عام حدیث کو قیام اول کے ساتھ خاص کیا جائے۔

(۱۰) دلیل دہم اس قیام ثانی کو قیام اول کہتے ہیں:

حالانکہ یہ قیام اعتدال ہے۔ کیونکہ اس میں رکوع سے اعتدال ہوتا ہے جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے اور فتح الباری ص ۲۳۴ میں بھی اس کو قیام اعتدال بتلایا ہے اور اس میں وضع کرنا حدیث کو عموم پر محمول کرنے کی دلیل ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ "ایک نماز کو دوسری پر قیاس نہیں کر سکتے بلکہ ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے" پس برائے مہربانی صلوۃ الکسوف یا صلوۃ الجنازہ میں ہاتھ باندھنے کی جو جداگانہ دلیل ہے پیش کریں۔ اگر عموم سے استدلال کریں تو وہی ہماری دلیل ہوگی۔

پھر دلائل ارسال ذکر کیے ہیں حالانکہ کسی میں ارسال کا نام تک نہیں ہے دلیل اول پر بحث ہمارے سابقہ رسائل میں ہو چکی ہے اور "صب" کے لیے جو طویل بحث کی ہے اس کی یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث میں صب نہیں ہے "انصب" ہے اولاً اس کے معنی متعدی نہیں چنانچہ ص ۱۳۱ میں بحوالہ فتح الباری جو عبارت نقل کی ہے اس میں دو باتیں ہیں اول یہ ہے کہ سکون الاعضاء ہو حالانکہ سکون وضع میں ہوتا ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارسال میں حرکت کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے امام نووی نے علماء سے وضع کی یہ حکمت نقل کی ہے کہ اس طرح ہاتھوں کو بحث و حرکت سے بچاتا ہے۔" کما ذکرنا فی اتمام الخشوع ص ۳ دوم یہ کہ "کانہ کنی عن رجوع اعضائہ عن الانحناء الی القیام" یہ خود بتاتا ہے کہ وضع ہو کیونکہ رکوع کی وجہ سے قیام کی حالت بدلی تھی اور قیام کے لوٹ کر آنے سے وہی حالت واپس آئے گی۔

ثانیاً بعض روایات میں ہے کہ "فانتصب قائماً" آپ کے اصول "الحدیث یفسر بعضہ بعضاً" کے بموجب یہ روایت خارج عن النزاع نہیں رہتی ہے۔

دلیل دوم پر بحث گذر چکی ہے کہ قیام بعد الرکوع کے دو نام ہیں اور یہ عموم کے منافی نہیں ہے۔

دلیل سوم کا ہم نے جو جواب دیا ہے اس پر دو اعتراض کیے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ قعدہ میں ہاتھ رکھنے کا حکم ہے ہمارا جواب ہے کہ بحالت قیام ہاتھوں کی ہیئت معلوم ہو پس جو فعل عموم سے یا خصوص سے ثابت ہو اسی پر عمل ہوگا۔ دوسرا یہ بتاتے ہیں کہ بیٹھنے کی حالت میں ارسال ہو نہیں سکتا۔ دراصل جب وضع کی کیفیت نہ رہی تو ارسال ہی ہوا پھر ہاتھ خواہ کہیں پہنچیں اور افتتاح کے وقت جو حدیث میں لفظ آیا ہے کہ "یقر کل عظم فی موضعہ" اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ جو فعل بھی کیا جائے پورے اطمینان کے ساتھ ہو۔ یہی معنیٰ اس حصہ کا کیوں نہیں کرتے ہیں جس کو اپنے لیے دلیل بناتے ہیں؟ "فما ھو جوابکم فھو جوابنا" پھر بحوالہ حافظ روپڑی صاحب مرحوم امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کی ہے اس کا مفصل جواب ہم نے رسالہ الدلیل التام ص ۳۱ تا ص ۳۴ میں دیدیا ہے۔ فلیراجعہ

دلیل چہارم میں "النھي عن الخصر" کو قیام بعد الرکوع کے لیے خاص کرتے ہیں کیا دوسرے ارکان میں کوئی ایسا کرے تو اجازت دو گے؟ اگر نہیں تو پھر دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

ایضا النھي عن الخصر ارسال کو کیسے مستلزم ہے؟ اگر کوئی مالکی مذہب والا اس سے استدلال کرے تو صحیح کہو گے۔ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر کہو گے کہ وضع کا حکم وارد ہے تو ہم کہیں گے کہ وہ تو علی العموم وارد ہے۔ فافھم

دلیل پنجم میں جو لکھا ہے وہ قبل الدخول فی الصلوٰۃ ہے اور بعد الدخول بحالت قیام فقط وضع ہے۔ ارسال نہیں ہے۔

دلیل ششم کے لیے عرض ہے کہ یہی الفاظ سب ارکان کے لیے وارد ہیں دیکھو مسند احمد نیز بیہقی ص ۱۷/ ج ۲ ابو داؤد ص ۱۵۶/ ج ۲ وغیرہ۔ پس اگر ارسال ہے اور اگر مراد اطمینان ہے تو پھر آپ کی دلیل نہیں بن سکتی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلیل ہفتم تعامل کے متعلق پہلے بحث گذر چکی ہے۔تواتر کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اگر یہ ہوتا تو امام احمد رحمہ اللہ وضع کے قائل نہیں ہوتے۔ نیز تواتر کا نام تو لے لیا لیکن اسکی ابتداء تو بتائیں کہ کہاں سے شروع ہوئی ہے کسی ایک صحابی سے ارسال ثابت کریں اور کسی کا اختلاف نہ ہو پھر اس پر عمل ہوتا آیا ہو اس کا نام ہے تواتر لیکن جب کوئی اصل یا بنیاد ہی نہیں تو پھر یہ تواتر کیسے بنا نیز کئی مسائل پہلے ایک طرح تھے بعد میں بدل دیئے گئے اس کی مثالیں اعلام الموقعین میں مذکور ہیں۔اس کے بعد علماء کے فتاویٰ جو کہ ذکر کئے ہیں ان پر مختصر تنقید ملاحظہ ہو۔

(۱)......فتویٰ مولانا عبدالجبار صاحب۔آپ کا فرمان جب مفید ہوگا کہ رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین نہ کی جائے۔لیکن جب ہاتھ کندھوں یا کانوں تک پہنچ گئے اب نیچے لٹکانا اور عمل میں لانا محتاج دلیل ہے۔

ایضا ہاتھوں کا باندھنا قیام کے لیے تھا اور چھوڑنا رکوع کی وجہ سے ہوا پس جب قیام لوٹ آیا تو وضع بھی لوٹ کر آئے گا بلکہ یہ اعتراض دوسری رکعت میں وضع کرنے پر بھی ہوسکتا ہے اسی طرح سجدہ تلاوت کے بعد وضع پر بھی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے۔مولانا کی نظر سے یہ لفظ نہیں گذرے کہ آپ (ﷺ) نے قومہ میں ہاتھ باندھے۔لیکن یہ گذرا ہے کہ "اذا کان قائما" اور "ثم یقول ربنا لك الحمد وهو قائم" فاعتبروا یااولی الابصار۔

کیا ہم مولانا سے پوچھ سکتے ہیں کہ کہیں یہ بھی آپ کی نظر سے گذرا ہے کہ آپ (ﷺ) نے رکوع کے بعد ہاتھ لٹکائے ہیں؟

(۲)......فتویٰ مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب۔آپ نے حافظ صاحب مرحوم روپڑی کے رسالہ کو اپنے لیے شافی سمجھا ہے اور اس کا مفصل جواب ہم نے دے دیا ہے جو شائع بھی ہو چکا ہے۔بنام "الدليل التام على ان سنة المصلى الواضع كلما قام" اس کے بعد جو اخبار تنظیم اہلحدیث میں جواب الجواب بنام "رفع الابهام" قسط وار شائع ہوا تھا۔اس کا بھی جواب بنام "الاعلام بجواب رفع الافهام وتائيد الدليل التام" شائع ہو چکا ہے۔والحمد لله على ذالك

(۳)......فتویٰ مولانا حصاروی صاحب۔آپ کا مضمون الاعتصام میں شائع ہوا تھا۔اس کے جواب میں ایک مضمون لکھ کر الاعتصام کو بھیجا گیا تھا۔لیکن شائع نہیں ہوا نہ معلوم کیا وجہ ہے؟ یہ جماعت اور یہ تعصب (اللہ اکبر)

مولانا نے یہاں اول تو اپنا بخار نکالا ہے اور اس کو چودھویں صدی کا اختراع بتایا ہے۔نہ معلوم کہ قول امام احمد اور روایت ائمہ ثلاثہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ ابو یوسف رحمہ اللہ اور محمد رحمہ اللہ سے کیسے اغماض کیا اور فقہی حوالوں سے منہ پھیر لیا اور اس کو قادیانی نبوت سے تمثیل دینا بھی مولانا کی وسعت ظرفی کا پتہ دیتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر ہمیں مکتب استاد ایں ملا۔ کار طفلاں تمام خواہد شد۔

مولانا نے ایک روایت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی لکھی ہے ہم پوچھتے ہیں کہ "صف القدمین" کو دونوں قیاموں کے لیے عام رکھتے ہو یا نہیں۔ اگر عام ہے تو "وضع الید علی الید" کو بھی عام رکھو بدون مفرق کے تفریق صحیح نہیں۔ مولانا نے یہ کوشش کی ہے کہ ایک روایت کو دوسری پر محمول کریں لیکن حمل کرنے کے شرائط سے خاموش ہیں۔ "الحدیث یفسر بعضہ بعضاً" مسلم ہے لیکن "اذا کان قائما" میں کوئی ابہام نہیں ہے بلا شرط مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں۔ لیکن عموم بلوئی کا خیال نہیں کرتے جس کے امثلہ ہم نے رسالہ الدلیل التام ص ۸ اور الاعلام ص ۲۱ پر ذکر کیے ہیں۔ کیونکہ وہ سب اسی طرح "اذا" کے ساتھ وارد ہیں اور ان سب کو عموم پر محمول کرتے ہیں۔

الطلاق الثلاث فی مجلس واحد کی روایت مشہور جو مدخولہ وغیر مدخولہ دونوں ص ۲۹۹/ ج ۱ پر مطلق ہے اور ابو داود ص ۲۱۸/ ج ۱ میں روایت غیر مدخولہ سے مقید ہے اس پر مطلق کیوں محمول نہیں کرتے؟ اگر کہو گے غیر مدخولہ بھی فرد من افراد النساء ہے تو پھر ہم بھی کہیں گے کہ قیام بعد الرکوع بھی قیاموں کے افراد میں سے ایک فرد ہے اور "اذا کان قائما" سب کو عام و شامل ہے پھر ص ۴۷ پر وائل کی ایک روایت بحوالہ ابو داود مذکور ہے۔ لیکن ہمیں بعد الرکوع نہ ارسال مذکور ہے نہ وضع لہٰذا یہ روایت اس قیام میں ہاتھوں کی حالت بتانے سے ساکت ہے اور عام حدیث اس کا بیان ہے۔

پھر فصل رابع میں مشکوۃ والی حدیث ذکر کی ہے جس کا حال الدلیل التام ص ۳۱ پر دیکھیں پھر مرعاۃ المفاتیح کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ارسال اصل ہے لیکن ساتھ یہ بھی مانتے ہیں کہ جہاں حکم وارد ہو وہاں اسی پر عمل ہوگا۔ اسی طرح حافظ صاحب روپڑی مرحوم نے بھی رسالہ "ارسال الیدین" میں لکھا ہے۔ پس جب عموماً قیام کے لیے وضع کا حکم وارد ہے تو پھر اصلیت کا عذر نہ رہا اور حکم عمومی ہو خواہ خصوصی سب برابر ہیں۔

پھر مسند احمد کی حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ "واؤ" ترتیب کے لیے نہیں ہے اس پر مفصل بحث الدلیل التام والاعلام میں ملاحظہ فرمائیں۔

پھر سدل والی روایت کے لیے دعویٰ کیا ہے کہ اعضاء کے ارسال پر سدل کا اطلاق نہیں آیا حالانکہ رسائل سابقہ میں اس کی پوری تردید ہے۔ خود بخاری شریف ص ۵۰۴/ ج ۱ میں ہے کہ سادلۃ رجلیھا۔

پھر ص ۵۱ پر میانوالی صاحب نے یہ کہا کہ فقار سے پیٹھ کی ہڈی مراد لینا غلط ہے۔ اولاً یہ باعتبار لغت لکھا گیا ہے۔ دیکھو غریب الحدیث لابن عبید القاسم بن سلام ص ۳۸/ ج ۱ کتاب الافعال لابن القطاع ص ٤٥٨/ ج ٢ الصحاح الجوھری ص ۷۸۲/ ج ۲ النھایۃ لابن الاثیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ص۲۰۹/ ج۲ الفائق للزمخشری ص۱٤۳/ ج۲ مجمع بحار الانوار ص۸۹/ ج۲۔ المنجد ص۵۹۰/ طبع جدید الصراح ص۲۰٤/ طبع کانپور تاج العروس ص۳۷۳/ ج۳۔ اقرب الموارد ص۹۳۷/ ج۲ وغیرها من کتب اللغة " اور مجمع بحار الانوار میں تو صاف ہے کہ "ومنه یعود کل قفار مکانه ای مفاصل الصلب اھ" ایسا ہی کتب شروح احادیث میں ہے۔ دیکھو فتح الباری ص٤٥۱/ ج۳ طبع حلبی عمدة القاری ص۱۰٤/ ج٦ منیریه الزرکشی ص۲۱٦/ ج۲ عون الباری للنواب صدیق حسن خان ص٤٦/ هامش نیل الاوطار شرح بلوغ المرام للشیخ حسین المعتز (قلمی) سبل السلام ص۱٦۲/ ج۱ نیل الاوطار ص۲۸٤/ ج۲ مرعاة المفاتیح ص۵۲۷/ ج۱ غایة المأمول ص۱۹۷/ ج۱ وغیرها۔

اور ثانیا جب ہاتھوں کا حال کبھی خصوصاً کبھی عموماً مذکور ہے تو پھر ہاتھ اس میں داخل نہ ہوئے بلکہ ص۵٦ پر یہ روایت ذکر کی ہے کہ "فاقم صلبك حتی ترجع العظام" یہ خود دلیل ہے کہ پیٹھ مراد ہے۔ فتدبر

پھر رجوع کو ذکر کیا ہے کہ ہاتھ بوجہ رکوع سینہ سے ہٹ گئے "فاذا عادالقیام عاد الوضع"

ایضا انصباب گرنا ہے گرانا نہیں ہے پھر ص۵۳ پر لکھا ہے کہ "لیکن جس کا ثبوت نہیں اس کو طبعی حالت کے خلاف کرنا سینہ زوری ہے" لیکن حکم تو وارد ہے۔ فلا اذًا

(۴) فتویٰ مولانا سامرودی صاحب۔ آپ نے فطرت کا نام لیا ہے لیکن جب حکم وارد ہے کہ "اذا کان قائما فی الصلوة" یعنی جب بھی نماز کے اندر کھڑا ہو پس عذر نہیں رہا اور سدل والی حدیث کا کچھ جواب نہیں دیا۔ ایسے ہی لکھ دیا کہ "الأصل بقاء الشیء علی الاصل" کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ جلسہ بعد السجدتین میں ہاتھوں کے لیے خاص حکم وارد نہیں ہے اس کے لیے یہاں یہ اصل کارآمد نہیں ہوگا۔

(۵)......فتویٰ مولانا انیس الرحمٰن صاحب۔ آپ نے بھی وہی دلائل لکھے ہیں جس پر کلام کیا جا چکا ہے۔

(٦)......فتویٰ مولانا یونس صاحب آپ نے بھی وہی "فقار" والی روایت ذکر کی ہے۔

(۷)......فتویٰ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب۔ آپ نے دونوں "وضع و ارسال" کو غیر منصوص بتایا ہے۔ کیا فریق ثانی اس کا قائل ہے۔ ذرا بتائیں کہ حدیث نسائی۔ "اذا کان قائما فی الصلوة قبض بیمنه علی شماله" کس مسئلہ کے لیے نص ہے؟ بظاہر اس میں یہی مسئلہ منصوص ہے کہ نماز میں کھڑا ہوتے وقت وضع کیا جائے۔

اب بخدا بتائیں کہ بعد الرکوع کھڑا ہونا نہیں ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر وضع بعد الرکوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی حالة القیام کے منصوص ہونے میں کیا شبہ رہا۔

ثانیاً اگر کوئی آپ سے سوال کرے کہ سجود تلاوت شکر اور سہو میں ہاتھوں کے لیے احادیث میں کیا ہیئت منصوصہ ہے؟ تو کیا آپ بجز حدیث "اذا سجدت فضع کفیك" و ما معتاہ کے کچھ اور پیش کر سکتے ہیں؟ اسی طرح اگر یہ استفتاء وارد ہو کہ صلوٰۃ الکسوف کے دوسرے رکوع میں ہاتھوں کے متعلق کون سا حکم منصوص ہے؟ تو یہی کہیں گے کہ "فاذا رکعت فاجعل راحتیك علی رکبتیك" تو پھر کیا وجہ ہے کہ مبحوث فیہ حدیث وضع بعد الرکوع کے لیے نص نہیں مانتے ہو۔

اس کے بعد مولانا نے تعامل کا نام لیا ہے۔ جس پر بحث گذر چکی ہے۔ نیز تعامل سے کیا مراد ہے؟ اگر اجماع مراد ہے تو غلط ہے۔ امام احمد کا قائل ہونا دعویٰ اجماع پر ضرب کاری ہے۔

اور نیز فقہاء سے بھی عمل چلا آتا ہے۔ اگر اکثریت مراد ہے تو بھی علی التقدیر وہ نہ حجت ہے۔ نہ فقہاء کے جج اربعہ میں شمار ہوتی ہے۔

(۸)......فتویٰ مولانا محمد اسحاق صاحب۔ آپ نے وہی بات کہی ہے جو مولانا ملک عبدالعزیز صاحب نے لکھی ہے۔ ابتدائی مضامین اور دلائل وضع پر بحث میں اس کا جواب ہو چکا ہے۔

اخیر میں مولانا نے بڑی بیباکی سے یہ اعلان کیا ہے کہ ''ارسال الیدین بعد الرکوع پر عمل جمیع مسلمانوں میں تواتر سے قدیماً و حدیثاً چلا آرہا ہے الخ ہم مولانا کو مشورہ دیں گے کہ ایسی بات کہہ کر علم کا مذاق نہ اڑائیں۔ کتابوں کا مطالعہ کیجئے اور پھر دیکھئے کہ قدیم سے ابتک اللہ تعالیٰ کے بندگان وضع بعد الرکوع پر بھی آپ کو عامل ملیں گے۔ اب بھی حجاز، نجد، حضرموت اور سوڈاں وغیرہ علاقوں میں لوگ عامل ہیں۔

(۹)......فتویٰ مولانا عبدالقہار صاحب آپ نے صرف روایت "فانصب هیئة" کو ذکر کیا ہے۔ جس پر کلام گذر چکا ہے۔

آخری گذارش:

صرف فتاویٰ جمع کرنے سے کام نہیں بنے گا۔ ہم فریق ثانی کو دعوت دیتے ہیں کہ ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں۔ حدیث کے الفاظ صاف ہیں آپ دوسری تأویلات کو ترک کریں۔ صرف دو صورتیں ہیں یا تو یہ کہیں کہ بعد الرکوع کھڑا ہونے والے پر ''قائم'' کا اطلاق نہیں ہوسکتا اور صریح حدیث سے قیام بعد الرکوع میں ہاتھوں کے لیے وضع کے علاوہ کوئی اور ہیئت ثابت کریں۔ پس اور کوئی تیسری صورت نہیں ہے اس طویل بحث سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ "واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل "

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة الخامسة:

روپڑی خاندان کے عظیم سپوت جماعت اہلحدیث کا سرمایہ حضرت العلام حافظ عبداللہ روپڑی محدث نے ایک رسالہ ''ارسال الیدین'' تحریر فرمایا جس میں انھوںؒ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''زیادۃ الخشوع'' کو موضوعِ بحث بنایا تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مذکورہ کتاب کے نام سے جواب تحریر کیا۔ (الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلّی علی رَسُوْله الکریم

پیش لفظ

رکوع کے بعد کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے پر عمل ہم نے اپنے علاقہ میں سب سے پہلے علامہ محدث ابو محمد عبدالحق صاحب بہاولپوری مہاجر مکی کو کرتے ہوئے دیکھا اور تحقیق سے ہمیں بھی معلوم ہوا کہ احادیث اور آثار میں صرف کھڑا ہونا پڑتا ہے یہ ایسے مقدمات ہیں جن کا نتیجہ بالکل ظاہر ہے کہ جب تک بعد الرکوع ہاتھوں کے لیے کوئی اور حکم ثابت نہیں ہوتا۔ تب تک ہاتھ باندھنے ہی پڑیں گے اس لیے عام کی تخصیص دلیل کے بغیر جائز نہیں ہے اور دلیل کی فقہاء کے نزدیک چار اقسام ہے۔

کتاب، سنت، اجماع اور قیاس۔

اول و دوم میں تو کہیں بھی ایسا ذکر نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے رکوع کے بعد کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھوں کو لٹکایا یا کچھ اور کیا۔ اسی طرح اگرچہ عام طور پر ارسال پر عمل ہے لیکن اس پر اجماع نہیں ہے کیونکہ سلف خواہ خلف میں کئی ایسے لوگ ملتے ہیں جو ارسال نہیں کرتے۔ باقی رہا قیاس سو اس کے لیے پہلے مقیس علیہ ضروری ہے۔ نیز قیاس سے عموم کو خاص کرنا بھی صحیح نہیں۔ ایضاً قیاس کی حجیت میں بھی اختلاف ہے۔ اس بنا پر ظاہر ہے کہ جب بھی نماز میں کھڑا ہو خواہ قبل الرکوع ہو یا بعد الرکوع اس کو وضع ہی کرنا چاہیے۔ چنانچہ جب یقین ہوا کہ یہ تخصیص بلا مخصص ہے تو ہم نے استخارہ کرنے کے بعد اس پر عمل شروع کیا یہ ۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے اور عربی زبان میں ایک مبسوط رسالہ بھی لکھا جس وجہ سے سندھ کے کئی علماء اس پر عامل ہوئے اور ۱۹۴۶ء میں دہلی جانا ہوا وہاں برادر محترم مولوی عبدالرحمٰن صاحب نومسلم سے شیخ الکل میاں صاحب سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے تلمیذ علامہ ابو اسمٰعیل یوسف حسین صاحب ہزاروی کا رسالہ "اتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع" ملا اور پھر ۱۹۴۷ء میں سفر حج نصیب ہوا۔ وہاں بہت سے علماء کو عامل پایا۔ بلکہ اس وقت بیت اللہ میں عصر کی نماز کے لیے جو پیش امام نوجوان مولانا عبداللہ صاحب تھے ان کو بھی عامل پایا۔ گفتگو پر انہوں نے بھی یہی بتایا کہ حکم عام ہے۔ ان کی معرفت طائف کے ایک سن رسیدہ بزرگ عالم سے ملاقات ہوئی آپ کی گفتگو سے ظاہر ہوا کہ علوم دینیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے اس مسئلہ پر پوری تقریر کی اور ثابت کیا کہ تخصیص کی کوئی دلیل نہیں اسی سفر میں مرحوم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب غزنوی بھی ساتھ تھے۔ آپ کو بھی قائل و عامل پایا۔ نیز حضرت غزنوی اور حضرت بہاولپوری صاحبان کی زبانی یہ بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوا کہ مرحوم حضرت امام عبدالعزیز ابن سعود سابق والی نجد حجاز جو بذات خود ایک مقتدی عالم تھے۔ آپ بھی اسی پر عامل تھے۔

حیدرآباد میں ایک عالم جس کا نام اس وقت یاد نہیں ملا اس نے یہ بتایا کہ میں خوش قسمتی سے ایک دفعہ سلطان موصوف کے ساتھ صف میں کھڑا تھا اور اس کو رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے دیکھا۔ سلام پھیرنے کے بعد پوچھا تو جواب دیا کہ حکم عام ہے اور اگر کوئی عالم ارسال حدیث سے ثابت کردے تو ہم بھی عمل کریں گے۔

نہ من تنہا دریں میخانہ مستم
جنید و شبلی و عطار شد مست

گذشتہ سال عوام کے سمجھنے کے لیے ہم نے اس مسئلہ کے متعلق سندھی زبان میں ایک مختصر رسالہ لکھا جو کہ شائع ہو کر کافی مقبول ہوا۔ غیر سندھی حضرات پنجاب وسندھ کے لوگوں کے اصرار پر اس سال ایک اور رسالہ اردو میں بنام زیادۃ الخشوع بوضع الیدین فی القیام بعد الرکوع لکھا جو کہ شائع ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ ابھی ابھی ہمیں ہمارے محترم مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی کا رسالہ ملا ہے۔ جس میں حافظ صاحب موصوف نے علامہ ہزاروی کے رسالہ اتمام الخشوع کی تردید کے ساتھ ہمیں بھی یاد فرمایا ہے اور جا بجا ہمارے سندھی رسالہ کے حوالے دیئے ہیں کئی دوستوں نے مجبور کیا کہ اس کا جواب لکھا جائے۔ اگرچہ غور سے دیکھا جائے تو ہمارے اردو رسالہ میں اس کی سب باتوں کا جواب بعض کا اجمالاً اور بعض کا تفصیلاً پہلے ہی موجود ہے۔ مگر موجب "کل جدید لذید" اس رسالہ کا بھی مفصل جواب لکھا جاتا ہے۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

سہولت کی خاطر حافظ صاحب کا کلام (**قولہ**) کے ساتھ شروع کیا ہے اور اصل کتاب کے صفحہ وسطر کا بھی نمبر لگا دیا ہے اور جواب (**اقول**) سے شروع کیا ہے اور اس رسالہ کا نام "الدلیل التام علی ان سنة المصلي الوضع کلما قام" رکھا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ حضرت حافظ صاحب بالقابہ اپنے خیالات پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

کون کہتا ہے ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی!

(المؤلف)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قولہ ص ۲ س ۷: جس کا نام اتمام الخشوع الخ **اقول:** اسی طرح مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم والد بزرگوار مولانا عبدالستار صاحب غرباء والے نے بھی اپنے رسالہ میں جائز لکھا ہے۔

قولہ ص ۲ س ۱۲: اس رسالہ کا عملاً تو لوگوں پر خاص اثر نہ ہوا **اقول:** کیوں نہیں ان کے تلمیذ رشید مولانا خان مہدی زمان صاحب کھلابٹی اس پر عامل ہیں۔

قولہ ص ۲ س ۱۷: سجدہ جانے تک ہاتھ اٹھائے رکھتے الخ **اقول:** وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ارسال کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

قولہ ص ٤ س ۱۵: سندھی زبان میں ایک رسالہ شائع کیا جو من وعن الخ **اقول:** نہیں کئی باتوں میں فرق ہے۔ اس میں کئی چیزیں ایسی ہیں جو اتمام الخشوع میں نہیں اور اس کی کئی چیزیں سندھی رسالہ میں نہیں ہیں۔

قولہ ص ۵ س ۲: کہا کہ بنگال میں ہمارے اساتذہ باندھتے ہیں **اقول:** اس کے معنی کہ ہر جگہ عمل موجود ہے ہم نے بھی عرب میں کئی لوگوں کو دیکھا ہے والحمد للہ علیٰ ذلک۔

قولہ ص ۵ س ۸: فریق ثانی کے شبہات کا تسلی بخش جواب دیا جائے الخ **اقول:** افسوس کہ تسلی بخش نہیں لکھا بلکہ بعض پہلوؤں کو اور مضبوط کر دیا۔ کما تعلمون ان شاء اللہ .

قولہ ص ۵ س ۱۰: ان دونوں مذکورہ سوالوں کا مکمل جواب الخ **اقول:** جو لوگ سندھی اور اردو زبانوں سے اچھی طرح واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہنوز دہلی دوراست۔

قولہ ص ٦ س ۲: بعد از رکوع قومہ میں مثل قیام الخ **اقول:** حدیثوں میں تو اس کا نام بھی قیام آیا ہے (بخاری ص ۱۰۳/ ج ۱ مسلم ص ۱۸۹/ ج ۱) اور کسی حدیث میں اس کا نام قومہ مذکور نہیں۔ ہم بڑے مشکور ہوں گے اگر فریق ثانی کسی حدیث سے اس کا ثبوت پیش کر کے ہمارے علم میں ایک باب کا اضافہ کریں۔ نیز خود حافظ صاحب نے بھی ص ۴۴ میں اس کو قیام تسلیم کیا ہے۔

قولہ ص ٦ س ٤: اس فعل جدید الخ **اقول:** تب جب ہو سکتا ہے جب اس کا پہلے کوئی ثبوت نہ ہو۔ حالانکہ ص ۱۴/ص ۱۵ میں ایسا ثبوت حافظ صاحب مان چکے ہیں۔

قولہ ص ٦ س ۱۰: چونکہ قومہ بھی نماز کا قیام ثانی ہے اس لیے ضروری ہے الخ **اقول:** یہاں قومہ یا قیام کی بحث نہیں بلکہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں کہ "جب کھڑے ہوتے تھے نماز میں" اور یہ الفاظ ہر کھڑے ہونے والی حالت کو شامل ہیں لہٰذا آپ جو چاہیں نام رکھیں بات وہی رہتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص ۷ س ۵: اور یہ بھی کہا کہ اگر کوئی اس کو غلط ثابت کرے الخ **اقول:** یہ نسبت غلط ہے میں نے دراصل یہ کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ سے نماز کے اندر کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنا وارد ہے اور رکوع کے بعد بھی کھڑا ہونا ہے اور جو لوگ ارسال کے مدعی ہیں وہ کسی حدیث سے آپ (ﷺ) سے بعد الرکوع ارسال کا ثبوت دیں تو ان کو مبلغ ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ سو واقعی حافظ صاحبؒ ایسا ثبوت اپنے رسالہ میں نہیں دے سکے۔

افسوس یہ ہے کہ نام ''ارسال الیدین'' رکھا ہے اور کوشش وضع کے عدم ثبوت کے لیے کی ہے حالانکہ ان دونوں میں تباین کلی نہیں جو ایک کا رفع دوسرے کے وقوع کو مستلزم ہو۔ حافظ صاحب پر لازم تھا کہ ارسال کا ثبوت دیتے مگر سارا رسالہ دیکھ کر بے ساختہ یہی منہ سے نکلتا ہے کہ

کوئی بھی کام مسیحا تیرا پورا نہ ہوا
نامرادی میں ہوا ہے تیرا آنا جانا!

قولہ ص ۸ س ۹: ان میں طبعی امور بھی داخل ہیں الخ **اقول:** اس کی کیا دلیل ہے؟

قولہ ص ۸ س ۱۱: خدائی حکم سمجھ کر کرتے الخ **اقول:** اگر ارسال بقول شما طبعی ہے تو کیا اس کو خدائی حکم سمجھ کر کرتے ہو یا نہیں؟ علی الاول ثبوت چاہیے وعلی الثانی پھر عبادت کیسے ہوئی اور یہ بات طبعی امور کو تعبدی امور میں شمار کرنے سے منافی ہے۔

قولہ ص ۸ س ۱۲: بیوی کے منہ میں لقمہ الخ **اقـول:** ارسال کا شریعت کے تحت ہونا ثابت کرو۔ پھر ایسی مثالیں پیش کرو۔ ''ولنعم ما قیل ثبت العرش ثم انقش''

قولہ ص ۸ س ۱۸: خواہ حرکات وسکنات طبعی ہوں یا غیر طبعی الخ **اقول:** پھر نماز توقیفی نہیں رہی۔

قولہ ص ۸ س ۱۹: رکوع کے لیے یا سجدہ کے لیے سر جھکانا الخ **اقـول:** لیکن اس کے لیے نصوص وارد ہیں لہٰذا یہ کام شریعت کے تحت ہے۔ ارسال اس پر قیاس نہیں ہوسکتا۔

قولہ ص ۹ س ۱: سجدہ میں ٹھہرائے رکھنا یہ اس کا غیر طبعی سکون ہوگا **اقول:** لیکن شریعت کے تحت ہے۔

قولہ ص ۹ س ۴: اور چھوڑے رہنا یہ طبعی حرکت الخ **اقول:** ارسال کے وقت ہاتھ ہلتے رہتے ہیں۔

جیسا کہ کھڑے رہنے مثلاً خطبہ وغیرہ کے وقت سیدھے ہاتھ لٹکے ہوئے نہیں رہ سکتے بلکہ ان میں حرکت آجاتی ہے۔ اس کے معنی کہ اگر ارسال کو طبعی امر تسلیم کیا جائے تو بھی بمع حرکت ہوگا اور ایسا فعل (ارسال مع الحرکت) نماز کے منافی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ارسال بلاحرکت نماز میں طبعی سمجھ کر داخل کرنا غلطی ہے۔ اس لیے امام نووی شرح مسلم ص ۱۷۳/ ج ۱ میں وضع کی یہ حکمت بتاتے ہیں کہ وہ عبث سے مانع ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قوله ص ۹ س ۵: تو اب ایک اصول مسلم یاد رکھیے الخ **اقول:** عموم میں شمول ہے جو کہ قیام ثانی کے لیے بھی ہدایت کو متضمن ہے اور یہ اصول بقول شما اس وقت مسلم ہے جب کہ کوئی ہدایت موجود نہ ہو لا کما نحن فیه کیونکہ جو حکم عموم سے وارد ہو وہ بھی ایک قسم کا حکم و ہدایت ہے۔

قوله ص ۹ س ۷: اور جہاں کوئی ہدایت نہیں الخ **اقول:** کیا آپ عموم وشمول کو ہدایت نہیں جانتے ؟ کئی امور عمومی ہدایات سے ماخوذ ہیں۔

قوله ص ۹ س ۹: اگر کوئی شرعی دلیل ہوگی تو اس کو وہاں سے ہٹا دیا جائے گا **اقول:** بعد السجدتین جلسہ میں ہاتھوں کی طبعی حالت کیا ہے اور ان کو وہاں سے ہٹانے کی کیا دلیل ہے؟

قوله ص ۹ س ۱۴: اپنے فتووں میں لکھ دیا الخ **اقول:** کیا وضع اور ارسال ایک دوسرے کی ضد ہیں؟ کیا آپ کو لٹکانے کا ثبوت مل گیا؟ آپ کا فرض تھا کہ لکھتے کہ ہمیں بعد الرکوع کے قیام کی ہیئت معلوم نہیں ہو سکی اور سلف کی اتباع کرتے ہوئے اس فتوے کے بجائے لا ادری لکھتے تو بہتر تھا لیکن یہ تشریح جائز نہیں چونکہ وضع ثابت نہیں اب ارسال کیا جائے "فیا للعجب و ضیعة الادب۔

قوله ص ۹ س ۱۵: اس کو دلیل کی ضرورت نہیں ہے **اقول:** اگر ارسال کی دلیل ہوتی تو ضرور لاتے۔

قوله ص ۹ س ۱۶: کیونکہ طبعی امر ہے **اقول:** ارسال عمل ہے "یا لاعمل علی الاول دلیل ضروری ہے۔ وعلی الثانی لاعمل نماز میں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔

قوله ص ۹ س ۱۷: شارع کا اس سے سکوت فرمانا **اقول:** جب سکوت مانتے ہیں تو پھر عموم کی تخصیص آپ کے بس میں نہیں رہی۔ نیز عموم خود بیان ہے۔

قوله ص ۹ س ۱۸: اور ہٹانے کی ہدایت نہ فرمائی **اقول:** یہی ہماری دلیل ہے کہ جب عام حکم وارد ہوا اور اس کی تخصیص ضروری تھی لیکن نہیں کی گئی تو یہ خود بیان ہے کہ بعد الرکوع بھی ہاتھ باندھے جائیں۔

قوله ص ۱۰ س ۱: حدیث کی تین قسمیں ہیں الخ **اقول:** قولی روایت سہل بن سعد الساعدی کی (بخاری ص ۱۹۲ ج ۱) اور ابن عباس کی "انا معشر الانبياء امرنا ...... ان نضع ايماننا على شما ئلنا (مجمع الزوائد) " اور فعلی روایت نسائی کی "اذا كان قائما" الحدیث اور حلب الطائی کی (ترمذی ص ۵۵ ج ۱) اسی طرح تقریری ابن مسعود کی (نسائی ص ۱۴۱ ج ۱) یہ سب روایتیں عام اور ہر کھڑے ہونے والی حالت کو شامل ہیں۔

بعد الرکوع کے قیام کو ان سے مستثنیٰ کرنے کی کوئی دلیل ہو تو پیش کریں۔

قوله ص ۱۰ س ۵: اس بارے میں صریح احادیث بھی ہیں **اقول:** ایسی صورت حضرت حافظ صاحب سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متوقع نہیں تھی۔ "وسوف تری اذا انکشف الغبار"

قولہ ص ۱۰ س ۹: مگر کوئی تسلی بخش دلیل پیش نہیں کی **اقول:** جن دلائل کو ہم صریح مانتے ہیں ان سے قطع نظر عمومی دلائل کافی ہیں۔ کئی مسائل عموم سے ماخوذ ہیں۔ یہ مسئلہ ان سے کم نہیں ہے۔

قولہ ص ۱۱ س ۵: اس سے فریق ثانی استدلال کرتا ہے کہ رکوع کے بعد الخ **اقول:** اس لیے کہ دونوں حالتوں (قبل الرکوع و بعدہ) کے ذکر کرنے کے بعد آپ کا وضع ذکر کرتا ہے۔ اگر یہ وضع صرف پہلے قیام کے لیے ہوتا تو راوی سکوت نہ کرتا بلکہ بیان کرتا اور "بقول شاص ۹ السکوت فی معرض البیان بیان"

قولہ ص ۱۱ س ۸: بلکہ پہلی چیز بعد میں بھی ذکر کر دیتے ہیں **اقول:** لیکن وہیں کوئی قرینہ ہوتا ہے "لا کما نحن فیہ" نیز یہاں ترتیب وعدم ترتیب کا مسئلہ نہیں ہے۔ اگر یہ ہوتا تو اس روایت میں وضع کا ذکر صرف قیام بعد الرکوع کے لیے سمجھا جاتا۔ مگر طریقہ استدلال یہ ہے کہ راوی دونوں قیاموں کا ذکر کرتا ہے اور پھر مطلقاً وضع کا ذکر کرتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ دونوں میں وضع تھا اور تفریق دلیل کی محتاج ہے اور جو مثالیں آپ نے دی ہیں ان میں کوئی نہ کوئی خارجی یا داخلی قرینہ موجود ہے۔ "کما سیأتی ان شاء اللہ تعالیٰ"

قولہ ص ۱۱ س ۹: ہاتھوں کا رانوں پر رکھنا سبابہ کے ساتھ اشارہ الخ **اقول:** کیا پہلے حلقہ بنا کر پھر ہاتھ نہیں رکھا جاسکتا؟

قولہ ص ۱۲ س ۲: اس حدیث میں وضو کا پہلے ذکر اور استنجاء الخ **اقول:** یہاں قرینہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ شرمگاہ کو ہاتھ لگانا نواقض وضو سے ہے۔ یہاں ایسی مثال مطلوب ہے۔ جہاں کوئی قرینہ نہ ہو۔

قولہ ص ۱۲ س ۸: اور سجدہ کر اور رکوع کر الخ **اقول:** اس قسم کی آیتوں سے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ثابت کیا جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوسکتا ہے۔ جب مراد رکعت ہو اور اگر صرف رکوع مراد لیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ سجدہ قیام وجلسہ جماعت کے ساتھ ادا کرنے ضروری نہیں الغرض یہ مثال خارج عن النزاع ہے۔

قولہ ص ۱۲ س ۱۳: حالانکہ عمرہ بالاتفاق پہلے جائز ہے الخ **اقول:** نیز آنحضرت ﷺ سے حج سے قبل عمرہ کرنا ثابت ہے اور اجماع خواہ حدیث خود دلیل ہے۔

اس طرح آیت میں امر استحباب پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے "جمعاً بین الادلة" لیکن مسئلہ مانحن فیہ بعد الرکوع کے لیے کوئی دوسرا حکم وارد نہیں اور نہ اس عموم کا کوئی معارض ہے۔ لہٰذا یہ مثال بھی درست نہیں ہے۔

قولہ ص ۱۲ س ۱۶: لیکن گائے ذبح کرنے کا بیان پہلے ہے الخ **اقول:** اور یہاں بھی ایسی حقیقت پیش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں کہ وضع قیام اول کے لیے خاص ہے یا قیام ثانی میں وضع ہی نہیں۔ پھر آپ ایسا فرمائیں۔ نیز یہاں بھی قرینہ ہے۔ وہ یہ کہ حکایت گائے ذبح کرنے کے حکم کی علت کا بیان ہے۔

قولہ ص ۱۲ س ۱۱: دل کی بے قراری پہلے ہے الخ **اقول:** فالتقطہ کا تعلق القاء سے ہے اور بے قراری بقول شما اس کو القاء کے بعد ہی ہوئی۔ نیز اگرچہ پھینکنے کے بعد ہی اس کو بے قراری ہوئی ہو۔ مگر اتنی نہیں اس لیے کہ تسلی پہلے ہی موجود تھی کہ ﴿وَ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ ......الآية﴾ بلکہ مکمل بے قراری اس کو اس وقت ہوئی جب کہ بچہ آل فرعون کے ہاتھ میں آیا۔ جن کے ڈر کی وجہ سے اس نے بچہ کو دریا میں پھینکا۔ جیسا کہ آیت ﴿فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ﴾ سے ظاہر ہے۔ اس طرح یہاں ترتیب ملحوظ ہے۔

قولہ ص ۱۲ س ۱: پہلے لوط علیہ السلام کا قصہ الخ **اقول:** یہاں بھی قرائن موجود ہیں:

مثلاً تاریخ نیز قولہ تعالیٰ: ﴿وَ قَالَ مُوْسٰى إِنْ تَكْفُرُوْا أَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا فَإِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ○ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ﴾ (ابراہیم ع ۲ پ ۱۳) لیکن یہاں کیا قرینہ ہے۔ جس کی وجہ سے ترتیب نہیں مانتے ہو۔

قولہ ص ۱۲ س ۱۹: پہلے صفا پر پہنچے الخ **اقول:** یہ خود دلیل ہے اس پر کہ عبارت میں آگے یا پیچھے کرنا معنی رکھتا ہے اور اس آیت میں بھی صفا اور مروہ کے درمیان واو واقع ہے۔ فافہم

قولہ ص ۱۴ س ۲: اگر واو ترتیب کے لیے ہوتی تو آپ کو اس کے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ **اقول:** بلکہ اس لیے کہ سب کو علم ہو جائے۔ اس طرح عبارت ترتیب کا فائدہ دیتی ہے ہاں اگر کوئی داعیہ یا قرینہ موجود ہو تو اور بات ہے۔ "فاندفع ماقبل دحیل"

قولہ ص ۱۵ س ۷: لیکن امام احمد کے مذہب میں دونوں ہاتھوں کا اختیار ہے الخ **اقول:** یہ ضروری نہیں کہ مسند کی روایات سے جو مسائل نکلتے ہوں ان سب کے امام احمدؒ قائل ہوں مثلاً فجر کی سنت کے بعد دائیں پہلو لیٹنے کے متعلق مسند میں عائشہ، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی حدیثیں موجود ہیں۔ لیکن باوجود اس کے امام احمد اس سنت کے قائل نہیں۔ جیسا کہ المغنی لابن قدامہ ص ۷۶۷/ ج ۱ میں مذکور ہے۔ اسی طرح مالک بن حویرث سے مسند میں رفع الیدین فی السجود کی روایت مذکور ہے لیکن امام احمدؒ اس کے قائل نہیں۔" کما فی مسائل الامام احمد لابی داؤد ص ۳۳ و مختصر طبقات الحنابلة ص ۱۷۵ وغیرہ نیز یہ بھی ضروری نہیں کہ جو بات امام احمد کو اپنی روایت کی ہوئی حدیثوں سے معلوم نہ ہو۔ وہ دوسروں کو بھی نہ ہو۔ خود حدیث میں ہے کہ "رب حامل فقه الی من هو افقه منه" (مشکوٰۃ ص ۳۵) یہاں تو حافظ صاحب نے یہ اصول ذکر کیا ہے اور کتاب اطفاء الشمعة ص ۹/ ج ۱ میں تو یہاں تک فرمادیا کہ کسی عالم کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک حدیث پر عمل کرنا یا اس کے موافق فتوے دینا یہ اس حدیث کی صحت کا علم نہیں۔

قولہ ص۱۵ س۱٦: ایسی بے پرواہی سے کام الخ **اقول**: کیا ایک عام حکم کو بلا دلیل خاص کرنا اس حکم کے تحت داخل نہیں؟

قولہ ص۱٦ س۱۱: سر کو درمیان میں لانا الخ **اقول**: یہ وجہ لغایتہ مسح الراس وغسل الرجلین میں ترتیب کے لیے ہوسکتی ہے۔ لیکن ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ﴾ میں ترتیب ضروری ہونے کا کیا قرینہ ہوگا؟ اگر پہلے ہاتھ دھو کر پھر منہ کو دھوئے تو جائز ہوگا؟

قولہ ص۱٦ س۱۱: پھر ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کا وضو الخ **اقول**: یہ خود واو کے ترتیب کے لیے ہونے کی دلیل ہے۔

قولہ ص۱٦ س۱٤: خلاصہ یہ کہ واو ترتیب پر دلالت نہیں کرتی **اقول**: واو ترتیب کا فائدہ دے اس کا انکار تو نہیں کیا جاسکتا۔ اصل الاصول فی ابواب النحو والفصول ص ٤٠ میں ہے کہ سیرانی گوید این افادہ ترتیب نہ کندواین صحیح نیست زیر اکہ قطرب وربعی و فراء ثعلب وابو عمر والزاھد و ھشام وشافعی گفتہ اند کہ افادہ ترتیب کند اور ارشاد الفحول للشوکانی ص۲۷ میں ہے کہ "ویمکن ان یجاب عن ھذا الاستدلال بانہ امتنع جعل الواو ھنا للترتیب لوجود مانع ولا یستلزم ذالک امتناعہ عند عدمہ اھ۔ پس فیما نحن فیہ میں بھی کوئی مانع ہونا چاہیے۔

قولہ ص۱٦ س۱٦: اب کسی اور دلیل سے اس کا فیصلہ الخ **اقول**: یہاں ہم نے واو پر مسئلہ نہیں رکھا۔ کما مضیٰ

قولہ ص۱٦ س۱۷: محدثین کا اصول ہے کہ الخ **اقول**: یہ اصول صحیح ہے لیکن جہاں کوئی ابہام بھی ہو اور جب عموم حکم پر عمل ممکن بھی ہے پھر کیا باقی رہتا ہے۔

قولہ ص۱۷ س۱: ایک یہ تین جگہ اور الخ **اقول**: ایک روایت عاصم کی حافظ صاحب نے ص٤٦ میں ذکر کی ہے اس میں صرف بعد الرکوع ہاتھ باندھنا مذکور ہے اور اس پر جو حافظ صاحب نے کلام کیا ہے۔ اس پر وہاں ہی بحث ہوگی۔ "ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

قولہ ص۱۷ س۲: رکوع کے بعد نہیں الخ **اقول**: لیکن بعد الرکوع کا انکار نہیں اور نہ کسی دوسرے عمل کا ذکر ہے پس عموم سے استدلال منافی نہیں ہے۔

قولہ ص۱۷ س٦: استدلال قواعد محدثین کے مطابق نہیں **اقول**: محدثین کا تو یہ قاعدہ ہے کہ ایک روایت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری پر اس وقت محمول کی جاسکتی ہے۔ جب ہر ایک پر مستقل طور پر عمل کرنا متعذر ہو اور اگر دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے تو پھر حمل درست نہیں ہے۔ امام شوکانی ارشاد الفحول ص ۶۶ میں لکھتے ہیں الشرط الخامس ان لا یمکن الجمع بینہما الا بالحمل یعنی مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے یہ شرط ہے کہ ایک کو دوسرے پر محمول کیے بغیر دونوں پر عمل کرنا ناممکن ہو اب یہاں دونوں روایتوں (عام اور جس میں صرف قبل الرکوع وضع مذکور ہے) پر عمل ناممکن ثابت کریں پھر ایک کو دوسری پر محمول یا عام کو ایک حالت کے لیے خاص کریں۔

قولہ ص ۱۷ س ۹: کئی دفعہ غلطی کی ہے **اقول:** غلطی سے کوئی راوی معصوم نہیں ہے اور صدوق راوی کی حدیث حسن شمار ہوتی ہے۔ "کما تقرر فی الاصول" ہاں وہ روایت جس میں اس نے کوئی خطا کی ہو تو اس پر یہ جرم وارد ہوسکتا ہے۔ اس لیے پہلے یہ ثابت کریں کہ اس روایت میں اس نے کون سی غلطی کی ہے اور اس کے غلط ہونے کی کیا دلیل ہے "واذ لیس فلیس ایضاً تہذیب ص ۷۰/ج ۶ میں امام احمد سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ "کان ربما اخطاء فی الاسماء" اس کا مطلب کہ اس سے کبھی کبھی خطاء صرف راویوں کے ناموں میں واقع ہوتی تھی اور یہاں سند میں اس نے حدثنی سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیہ عن وائل بن حجر کہا ہے لہٰذا خطا کا کوئی احتمال نہیں رہا۔

قولہ ص ۱۷ س ۱۱: مرجی ہونے کے ساتھ متہم ہے۔ **اقول:** اصولاً اہل بدع کی روایت معتبر ہے۔ جب تک وہ داعی الی البدعۃ نہ ہو اور عاصم کے لیے ایسا ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا یہ مضر نہیں۔ نیز آپ نے خود اس کی روایت سے تفسیر کے لیے استدلال کیا ہے۔

قولہ ص ۱۷ س ۱۲: اگرچہ جرح ہلکی ہے الخ **اقول:** جب کہ فیما نحن فیہ جرح ہی متعین نہیں ہے تو پھر یہ سوال ہی نہ رہا۔

قولہ ص ۱۷ س ۱۶: وہ صرف قیاسات یا محض اپنی رائے ہے **اقول:** جو مسئلہ معلوم سے منصوص ہو اس کو قیاس یا محض رائے کہنا عموم بلوی کو مستلزم ہے۔ ہاں برعکس اس کو بلانص خاص کرنا ہی قیاس یا رائے ہوسکتی ہے۔

قولہ ص ۱۸ س ۱: "لہ الاحادیث یفسر بعضہا بعضاً الخ **اقول:** محدثین کا طریق کار یہ رہا ہے کہ جہاں کسی روایت میں کوئی مسئلہ مبہم نظر آیا۔ اس کی تفسیر کسی دوسری حدیث سے تلاش کی لیکن جہاں کوئی ابہام نہیں وہاں وہ روایت مستقل کا حکم رکھتی ہے۔ یہاں تفسیر کا مسئلہ نہیں عام وخاص کا باب ہے۔ اس کو مبہم ومفسر بنانا غلط بحث ہے۔

قولہ ص ۱۸ س ۲: جب دوسری رواجوں میں موقعہ محل بتادیا الخ **اقول:** محل صرف ایک کا ہمایا دوسرے کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں اور عموم پر عمل کرنا ناممکن نہیں۔ ایسی کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً قبلہ رخ تھوکنے کے متعلق منع کی مطلق حدیثیں وارد ہیں جیسا کہ ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ "من تفل تجاه القبلة جاء يوم القيامة و تفله بين عينيه وفي حديث ابن خزيمة يبعث صاحب النخامة في القبلة يوم القيامة وهي في وجهه كذا في فتح الباري ص ٣٤٤/ ج ١ اور بعض روایات میں نماز کی حالت میں قبلہ رخ تھوکنے کی نہی وارد ہے۔ (مشکوۃ ص ٦٩، ٧١) حالانکہ دونوں کو معمول سمجھا جاتا ہے ایضاً رفع الیدین کی روایتیں فرضی ونفل نمازوں سے عام ہیں۔ مگر بعض روایات مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کا محل فرضی نماز بیان کی گئی ہے۔ جیسا کہ الفاظ ہیں کہ "قام في الصلوة المكتوبة رفع يديه حذ و منكبيه الحديث" (ابو داؤد ص ١٠٩ ترمذی ص ١٧٨/ ج ٢) حالانکہ یہاں الاحاديث يفسر بعضها بعضا کے اصول پر عمل نہیں بلکہ دونوں پر الگ عمل کیا جارہا ہے۔ نیز اسبال ازار کی روایتیں مطلق ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ "من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة الحديث" (بخاری ص ٨٦٠/ ج ٢) اور یہاں بھی اطلاق کو اس روایت سے مقید نہیں کیا جاتا ہے ایسی مثالیں بہت ہیں۔ اسی طرح آیت ﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ (بنی اسرائیل ع ٤ پ ١٥) پر مطلق قتل کے حکم کو کوئی بھی معمول نہیں کرتا ہے۔ الغرض جہاں ایسا تعارض واقع ہو کہ ایک روایت کو دوسری پر محمول کیے بغیر دونوں پر عمل ممکن نہ ہو تو پھر حمل کر سکتے ہیں۔ والا فلافان اعمال الدليلين اولى من اهمال احدهما.

قولہ ص ١٨ س ٧: کسی کا اس پر باب نہ باندھنا الخ **اقول:** کیا ارسال کے لیے بھی کوئی باب رکھا ہے؟ بلکہ مطلق رکھنا خود بتلاتا ہے کہ ان کو تخصیص کی دلیل نہیں ملی۔ فتدبر

قولہ ص ١٨ س ٧: محدثین کے نزدیک متفقہ طور پر وہی معنی ہیں الخ **اقول:** یہ زعم وظن ہے "ولا يغني من الحق شيئا" بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ متفق طور پر سکوت کرنا اور تقیید یا تخصیص کے لیے کوئی باب نہ رکھنا خود بتایا ہے کہ ان کو کوئی مخصص یا مقید نہیں ملا تو پھر آپ کا فرمان کہ دو حدیثوں کے معنی اس طرح اپنے طور پر اپنی رائے سے کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسے قرآن مجید کا معنی اپنی رائے سے کرنا اور سلف کی پرواہ نہ کرنا" کس پر صادق آئے گا؟

ع مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

نیز اگر بفرض محال یہ سب روایتیں قبل الرکوع کے لیے تسلیم کی جائیں تو پھر فتویٰ دیں کہ بعد الرکوع کیا کرے۔ ارسال یا کچھ اور کوئی ایسی حدیث یا اثر صریح ہے؟ ہم ذرا اپنے فرمان کہ "اللہ سے ڈرنا چاہیے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیامت کا دن مفتی کے لیے بڑا خطرناک ہے'' کا خیال رکھیں۔

قولہ ص۱۸ س۱۱: سجدوں کے درمیان جلسے میں الخ **اقول:** ابن حبان اور ابو داؤد ص۱۰۵ میں وائل کی حدیث موجود ہے جس میں جلسہ بین السجدتین کی ہیئت مذکور ہے۔ اس کو حافظ صاحب نے بھی ص۲۴ میں بحوالہ مسند احمد ذکر کیا ہے اور خود ہی فرماتے ہیں کہ وہ اس حدیث میں جلسہ بین السجدتین کی کیفیت کا بیان ہے'' (ص۲۵) اسی طرح جو روایت حافظ صاحب نے ص۱۰ میں ذکر کی ہے۔ اس میں بھی عموم ہے اور یہ لفظ ہیں کہ "فلما جلس حلق بالوسطی والابھام واشار بالسبابة" یہ عموم جلسہ بین السجدتین خواہ بعد السجدتین سب کو شامل ہے۔ پس یہ حالتیں مستثنیٰ ہوں گی۔ اگر آپ قیام بعد الرکوع کے مستثنیٰ ہونے کے بھی مدعی ہیں تو اس کے لیے دلیل ذکر فرمائیں۔

ثانیاً لفظ اذا قا وارد ہے۔ جس کے معنی عموم قیام ہے۔ (نہ عموم ارکان) فتدبر

قولہ ص۱۸ س۱۲: حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے الخ **اقول:** لیکن اذا قام سے عموم قیام مراد لینا کس اجماع کے خلاف ہے۔ فتنبہ

قولہ ص۱۸ س۱۸: ہر ہڈی یا ہر جوڑ اپنے ٹھکانے پر آ جاتا **اقول:** حدیثوں میں الفاظ دو طرح کے ہیں۔ بعض میں ہڈیوں کا ذکر ہے اور بعض مین اعضاء کا اور ظاہر ہے کہ اعضاء کا اطلاق ہڈیوں پر نہیں ہوتا۔ اعضاء کے لیے جیسا کہ بزار کی حدیث میں ہے۔ "والی ان اعتدل فی قیامه ورجع کل عضو فی موضعه، الحدیث" یہاں ہر عضو کو اپنی جگہ پر لوٹ کر آنے کا ذکر ہے اور ہاتھوں کی جگہ رکوع سے پہلے قیام میں سینہ پر تھی۔

اور رکوع کی وجہ سے تبدیل ہوگئی اور چونکہ اب قیام لوٹ آیا ہے تو وہی حالت لوٹ کر آئے گی۔ نیز محلی ص۲۵۶، ۲۵۷/ج۳ میں مسیٔ الصلوٰۃ کی ایک روایت ہے۔ جس میں یہ الفاظ ہیں کہ "انه لا تتم صلوٰة احدکم حتی یسبغ الوضوء (فذکرہ وفیه) ثم یقول سمع الله لمن حمده ویستوی قائما حتی یاخذ کل عضو مأخذہ و یقیم صلبه ثم یکبر فیسجد" الحدیث یہاں صاف بیان ہے کہ رکوع کے بعد قیام میں ہر عضو اپنی جگہ پر واقع ہو اور ظاہر ہے کہ اس وقت ہاتھوں کا موضع سینہ ہے باقی وہ روایات جن پر عظام یا فقار کا ذکر ہے۔ ان سے ہمارا استدلال نہیں ہے اور ہر ایک روایت اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے اور ہڈیوں یا مہروں کو عضو نہیں کہا جاتا۔

قولہ ص۱۹ س۵: فقار فقر کی جمع ہے پیٹھ کے مہردں کو کہتے ہیں الخ **اقول:** لیکن پیٹھ کے مہروں کو لفظ کل عضو میں کیسے داخل کرو گے؟ ہاں اگر پوری پیٹھ کو عضو شمار کریں تو درست ہے۔ لیکن لفظ کل تعدد کو چاہتا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ جو کہ شمول الابدی پر دلالت کرتا ہے اور ہاتھوں کے استثناء کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ گویا کہ جس عضو کی کیفیت رکوع کی وجہ سے بدلی قیام کے لوٹ آنے سے اس کی وہی کیفیت لوٹ آئے گی۔ فتدبر

قولہ ص۱۹ س۱۶: پس جیسے وہ دلیل نہیں یہ بھی دلیل نہ بنی **اقول:** لیکن ہڈیوں پر اعضاء کا لفظ نہیں آیا ہے۔

قولہ ص۲۰ س۲: جیسا کہ پیٹھ کی ہڈیاں اپنی طبعی حالت الخ **اقول:** کمر تو تختی ہوئی اور جھک گئی لیکن ہاتھ گھٹنوں پر رہنے سے جوڑوں سے کیسے الگ ہوئے ہیں؟

قولہ ص۲۰ س۲: اسی طرح ہاتھ بھی طبعی حالت پر الخ **اقول:** ہاتھوں کی شرعی حالت تو وضع علی الصدر ہے اور طبعی کا مسئلہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لہٰذا یہ محض رائے ہے۔

قولہ ص۲۰ س۵: حتیٰ استوی الخ **اقول:** اس روایت میں تو رکوع کے لیے بھی یہی الفاظ ہیں کہ "فلما رکع وضع راحتیه علی رکبتیه وجعل اصابعه اسفل من ذالك وجافی بمرفقیه حتی استوی کل شیء منه"......الحدیث.

قولہ ص۲۰ س۸: یہاں تک کہ ہر چیز آپ کی ٹھیک ہوگئی **اقول:** ہر چیز ٹھیک جب ہوگی کہ وہ اپنی اس جگہ پر لوٹ کر آئے جو کہ نماز میں اس کے لیے متعین ہے۔

قولہ ص۲۰ س۹: اس عبارت میں لفظ کل شیء ہے الخ **اقول:** نیز مسند کی ایک حدیث میں ہر ایک رکن کے لیے یہ الفاظ مذکور ہیں تو کیا قبل از رکوع بھی ارسال کریں گے؟ عام کو تو آپ بھی دلیل مانتے ہیں؟ کیا کل عضو ہاتھوں کو شامل نہیں ہوگا؟

قولہ ص۲۰ س۱۵: پس تھوڑی دیر گرے رہے **اقول:** خود گرے یا ہاتھوں کو گرایا؟

قولہ ص۲۰ س۱۶: انصباب کے معنی نیچے کو گرنا ہے الخ **اقول:** گرنا یا گرانا نیز حافظ صاحب نے فتح الباری ص۱۹۷/ ج۲ میں اس سے مراد رجوع الاعضاء لیا ہے۔ جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے اور ہاتھوں کا رجوع جب ہوگا کہ اپنی جگہ پر لوٹ آئیں۔ نیز ایک روایت میں انتصب قائما ہے تو کیا وہاں آپ کا قانون الاحادیث یفسر بعضها بعضا یا سب احادیث کو ملا کر مطلب لینا چاہیے نہیں چل سکتا؟ فتح الباری میں ہے "وقع عندالاسماعیلی فانت صبب قائما وهی اوضح من الجمیع اھـ" نیز بعض روایات میں فانصت ہے۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ "والا وجه ان یقال هو کنایة عن سکون اعضائه عبر عن عدم حرکتها بالانصات وذالك دال علی الطمانیة اھـ" اور یہ الفاظ خود وضع کو چاہتے ہیں کیونکہ ارسال میں تو ہاتھ غالباً متحرک رہتے ہیں اور وضع میں یہی حکمت ہے کہ ہاتھوں کو عبث حرکت سے روکا جائے۔ جیسا کہ امام نووی کا قول گذرا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص ۲۰ س ۱۷: یعنی ہر ایک عضو کا جدھر طبعی جھکاؤ تھا الخ **اقول**: یہ کس جملہ کا ترجمہ ہے؟

قولہ ص ۲۰ س ۲۱: اور انصاب کا معنی جب نیچے گرنا ہوا تو الخ **اقول**: یہ معنی آپ کے معنی کے خلاف ہے۔ آپ عضووں کا جھکا دینا بتاتے ہیں اور حافظ ابن حجر ان کا لوٹانا بتلاتے ہیں اور لوٹ کر وہیں آئیں گے۔ جہاں بحالت قیام ان کے لیے موضع متعین ہے۔

اور برعکس یہ ہماری دلیل ہوئی۔

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

قولہ ص ۲۱ س ۱: کیونکہ باندھنا نیچے گرنا نہیں **اقول**: اور ارسال بھی تو نہیں ہے۔ کیونکہ گرانا نہیں ہے۔

قولہ ص ۲۱ س ۲۰: اس کا جواب یہ ہے کہ قیام اول میں ہاتھ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ الخ **اقول**: گویا کہ آپ یہ تسلیم کرتے ہیں۔ باقی رہا استثناء کا مسئلہ سو عموم وضع بعد الرکوع کو بھی شامل ہے۔ اس طرح وائل کی وہ حدیث جس کو حافظ صاحب نے ص ۴۶ میں ذکر کیا ہے۔ وہ بھی نص ہے تو بعد الرکوع بھی ہاتھ اس سے مستثنیٰ ہوں گے اور آپ ہی کے اصول سے مسئلہ صاف ہو گیا۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاکدامن ماہ کنعان کا

قولہ ص ۲۲ س ۶: اگر پہلے شرع معلوم ہوتی تو پھر یہ بیان ہی فضول ہے۔ **اقول**: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہر ایک کام شرع سمجھتے تھے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ راوی نے آپ کو صرف یہی ایک نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ بلکہ کئی نمازوں کو دیکھ کر ہر ایک عضو کی مشروع جگہ معلوم کر لی تھی۔ جیسا کسی آدمی کو بار بار ایک گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ یہ اس کا اپنا گھر ہے۔ اگرچہ اس کو پہلے معلوم نہیں کہ اس کا کون سا گھر ہے۔ لیکن بار بار وہاں جاتے اور وہاں سے نکلتے دیکھ کر وہ یہ بیان کر سکتا ہے کہ وہ اس وقت اپنے گھر میں ہے یا وہ اپنے گھر لوٹ کر آیا ہے۔ اسی طرح راوی کا بیان سمجھنا چاہیے۔ نیز قیام کی سنت وضع ہی مشروع تھی۔ اس لیے کہہ دیا۔ کیونکہ نماز بذات خود شرع ہے۔ لہٰذا اس میں اعضاء کے مواضع بھی وہی ہونے چاہئیں۔ جو مشروع ہوں۔ اس کو تحریف کہنا ستم ظریفی ہے۔

قولہ ص ۲۲ س ۷: کیونکہ اعتدال کی حالت کو راوی ہڈیوں کے رجوع کے الخ **اقول**: لیکن کہاں؟ ؏ نقطہ شناس نہ ای دلبر خطاء ایجا است اور لوٹنا بھی یہی بتاتا ہے کہ اعضاء یا عظام جس کیفیت پر رکوع سے قبل تھے۔ اسی پر لوٹ آئیں گے۔ ایسی کھلی حقیقت کا انکار بھی عجیب ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص ۲۲ س ۹: خود جس طرح لوٹیں **اقول:** کیا اس میں ارادہ کا دخل نہیں ہے؟

اگر ہے تو پھر اس عمل کا ثبوت چاہیے۔ اگر نہیں تو پھر حدیث "انما الاعمال بالنیات" کہاں جائے گی اور اگر عمل ہی نہیں تو پھر نماز میں کیسے داخل ہوا؟ الغرض طبعی مقام والا عذر بھی ختم ہو گیا۔

قولہ ص ۲۲ س ۱۶: پھر سجدہ کو اس طرح گئے۔ یعنی تکبیر کہہ کر الخ **اقول:** یہ تو بعد السجدہ کا ذکر ہے اور بحث بعد الرکوع کی حالت میں ہے۔ فتنبہ

قولہ ص ۲۲ س ۲: کیونکہ باندھنا بھی اٹھا کر ہوتا ہے الخ **اقــــول:** علی التقدیر جب رفع الیدین ہو گئی تو پھر ہاتھوں کو کہاں لے جائیں گے۔ کوئی ہے دلیل؟ ہاں اگر رفع الیدین نہ کریں تو اور بات ہے۔ لیکن اگر ہاتھ اٹھائے گئے۔ اب جہاں بھی لے جائیں گے اٹھائے رکھیں گے یا لٹکا دیں گے۔ جو کچھ بھی کریں گے تو وہ ارادے سے ہوگا اور اب طبعی مقام کا سوال ہی نہیں رہا۔ اب مسئلہ ارادہ و تعمد کا ہے اور کوئی کام بلا دلیل نہیں ہوسکتا ہے۔ اس لیے حدیث "اذا کان قائما" اس مشکل کو حل کر دیتی ہے۔ فافهم

قولہ ص ۲۳ س ۴: دو سجدوں کے درمیان جلسہ کی کیفیت الخ **اقــــول:** یہی تو آپ کا بھی خیال ہے۔ جیسا کہ ص ۲۵ پر آپ کی تقریر سے ظاہر ہے۔

قولہ ص ۲۳ س ۶: جلسہ استراحت الخ **اقول:** اس کا تو آپ نے کوئی تعرض نہیں لیا۔

قولہ ص ۲۳ س ۶: قعدہ (التحیات) پر قیاس کر کے الخ **اقول:** قیاس نہیں بلکہ عموم جیسے "اذا جلس واذا قعد" وغیرہ۔

قولہ ص ۲۳ س ۹: رانوں پر ہاتھ رکھنا تعامل امت ہے الخ **اقــــول:** لیکن اس تعامل کی دلیل تو عموم ہی ہے۔ ثابت ہوا کہ عموم سے استدلال امت کا معمول رہا ہے۔ پس جس طرح اذا جلس عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح اذا قام بھی۔

قولہ ص ۲۳ س ۲۱: اور قیام بعد الرکوع الخ **اقول:** اگر اس سے مراد اجماع ہے تو غلط ہے کیونکہ کئی لوگوں سے وضع ثابت ہے ائمہ ثلاثہ ابو حنیفہ ابو یوسف محمد رحمہم اللہ سے ایک روایت میں ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ نے بھی ص ۲۳ حاشیہ میں کبیری سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح سعایہ شرح وقایہ ص ۱۵۹/ ج ۲ میں علامہ لکھنوی صاحب نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور علامہ موصوف نے اس روایت کو اصول حنفیہ کے موافق قرار دے کر اس کے اختیار کی اجازت دی ہے اور ائمہ کی ایک روایت کو لینا دیگر مذاہب میں بھی مروج ہے۔ چنانچہ حافظ ابن قیم نے اغاثۃ اللھفان ص ۲۰۹/ ج ۱ میں مسئلہ طلاق ثلاثہ پر ائمہ اربعہ سے اس طرح ثبوت دینے کی کوشش کی ہے کہ مثلاً کسی سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک روایت تو کسی سے قول فی المذہب اور ایسا ہی حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۱۷۴/ج ۱ میں بھی کیا ہے۔

اور اسی طرح کئی فقہاء بھی وضع کے عامل رہے جیسا کہ ہمارے رسائل عربی اُردو سندھی تینوں میں مذکور ہے۔ بلکہ امام احمد کا دونوں (وضع وارسال) کو جائز رکھنا جیسا کہ آپ نے ص ۱۴ میں ذکر کیا ہے۔ یہ خود دلیل ہے۔ اس پر کہ امت کا دونوں پر عمل تھا اور اگر بقول شما بعد الرکوع ہاتھوں کا باندھنا امت میں معمول نہ ہوتا تو امام اس کی ہرگز اجازت نہ دیتے۔ کیونکہ آپ کو کم از کم ہماری یہ نسبت تعامل امت اور تحقیق کے متعلق زیادہ علم و دسترس تھا۔

قولہ ص ۲۳ س ۱۲: پس قیاس صحیح نہ رہا **اقول:** کیا قیاس کا صحیح ہونا تعامل امت پر موقوف ہے؟ چہ خوش نیز ثابت ہوا کہ آپ صحیح قیاس کے قائل ہیں۔ پس یہ قیاس بھی صحیح ہے۔ کیونکہ قیام ہے اور اگر کہو گے کہ پہلے قرأت ہے اور بعد دعاء تو ہم کہیں گے کہ بین السجدتین اور قعدہ کی دعاؤں میں بھی فرق ہے۔ "فما هو جوابكم فهو جوابنا"

قولہ ص ۲۳ س ۱۳: جلسوں میں ہاتھوں کے متعلق تین صورتیں ہیں **اقول:** ان کے علاوہ اور بھی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ حصر کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ مثلاً اوپر اٹھائے رکھنا یا تطبیق یعنی دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں ملانا وغیرہ۔

قولہ ص ۲۳ س ۱۴: باندھنا طبعی حالت نہیں **اقول:** بتائیں کہ جلسہ کے وقت ہاتھوں کی طبعی حالت کیا ہے؟ وہ اس وقت مستعمل کیوں نہیں ہوتی۔ آپ کا اصول ص ۹ میں یہ مذکور ہے کہ جس عضو کے متعلق کسی موقعہ پر کوئی ہدایت ہو تو اس کا اس ہدایت کے تحت رہنا عبادت ہے اور جہاں کوئی ہدایت نہیں وہاں طبعی ہی عبادت ہے' اور آپ بین السجدتین اور بعد السجدتین جلسوں میں ہاتھوں کے لیے کوئی ہدایت نہیں مانتے۔ اب بتائیں کہ یہاں رانوں پر ہاتھ رکھنا طبعی حالت ہے۔ یا ہدایت کے تحت وعلی التقدیرین ثبوت مطلوب ہے۔ اگر نہیں تو پھر یہ عمل بموجب آپ کے اصول کے عبادت نہیں رہا اور نماز کے اندر غیر عبادت عمل نہیں آسکتا۔ اگر کہو گے کہ تعامل امت ہے تو وضع بعد الرکوع کے لیے بھی امت میں ثبوت موجود ہے اور اکثریت تو کوئی حجت نہیں ہے۔

قولہ ص ۲۴ س ۱: اس کا ہاتھ (زمین) پر پڑا تھا **اقول:** یہ لفظ کس عربی لفظ کا ترجمہ ہے؟ حدیث میں تو یہ لفظ ہیں کہ ساقطا يده في الصلوة یعنی نماز میں ہاتھ گراتے ہوئے اور اس حدیث سے تو نماز میں ہاتھوں کا گرانا ممنوع ہوا اس زمین پر ہاتھ رکھنے کی منع پر استدلال کرنا روایت کو اپنی رائے کے موافق بنانا ہے۔ "اعاذنا الله منه" اس امر کے مذموم ہونے کے لیے کوئی اور دلیل تلاش کریں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص ۲٤ س ۳: پس رانوں پر ہاتھ رکھنا متعین ہوگیا **اقول:** یہ جب ہوسکتا ہے کہ جلسہ کی کیفیتیں تین صورتوں میں منحصر ہوں "واذ لیس فلیس" گویا کہ اعتراض اب بھی باقی ہے۔

قولہ ص ۲٤ س ٤: جلسہ بین السجدتین کے لیے ایک علیحدہ حدیث بھی آئی ہے الخ **اقول:** جس روایت کو آپ خود اس مسئلہ کے لیے دلیل نہیں مانتے اس کے پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

قولہ ص ۲۵ س ۲: پھر سبابہ انگلی کے ساتھ اشارہ کیا الخ **اقول:** اسی کیفیت کو امام ابن قیم نے زادالمعاد ص ۲٦/ج ۱ میں بیان کیا ہے۔

قولہ ص ۲۵ س ٦: یہ غلط ہوگیا الخ **اقول:** کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ کیسے غلط ہوا؟ جب کہ آپ عبارت میں تقدیم وتاخیر کے مدعی ہیں نیز پھر وائل کی وہ روایت جس کو آپ نے ص ٤٦ میں ذکر کیا ہے۔ اس کو وضع بعدالرکوع کے لیے دلیل کیوں نہیں مانتے ؟

قولہ ص ۲۵ س ٦: یہ ہماری طرف سے الزامی جواب ہے الخ **اقول:** جب آپ کی یہ تحقیق ہی نہیں پھر یہ جواب کیسے ہوا؟ اور مسئلہ کا ثبوت کیا ہوگا۔

قولہ ص ۲۵ س ۷: ہاتھ باندھنے والی حدیثوں کو ملا کر مطلب الخ **اقول:** ملانے کی ضرورت اُس وقت ہوتی ہے جب کہ ہر ایک پر جدا عمل کرنا ممکن نہ ہو اور جہاں ایسا نہیں وہاں خواہ مخواہ یہ تکلف کیوں؟ کیا ہر ایک حدیث مستقل حکم نہیں بتاتی؟

قولہ ص ۲۵ س ۸: ہمارا اصول یہ ہے کہ حدیث بعض بعض کی تفسیر ہوتی ہے **اقول:** یہ اصول مشروط ہے۔ اس سے کہ جب ابہام موجود ہو۔

قولہ ص ۲۵ س ۱۱: معلوم ہوا کہ اس حدیث کے الفاظ میں الخ **اقول:** یہ ضروری نہیں کہ جو چیز آپ کو معلوم ہو وہی حق ہو کیا وائل کی سب روایتوں پر الگ الگ عمل کرنا ممکن نہیں؟ ایسا عدم امکان ثابت کرو۔ نیز کیا ایک پر عمل سے دوسرے کا ترک لازم آتا ہے؟

اگر نہیں تو پھر نہیں۔ ایک روایت کو دوسری پر محمول کرنے کے لیے کوئی داعی ہونا ضروری ہے۔

قولہ ص ۲۵ س ۱٦: "ثم جلس" **اقول:** یہ الفاظ حدیث میں کیسے بڑھا دیئے؟ اللہ اکبر

قولہ ص ۲۵ س ۲۱: ہاں اگر تشہد کا ذکر علیحدہ ہوتا الخ **اقول:** کیا ہر حدیث میں سب احکام مذکور ہوتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ ایک جگہ راوی قعدہ کا حال بتاتا ہے تو دوسری جگہ جلسہ بین السجدتین کا ﴿كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾

قولہ ص ۲٦ س ۲: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راوی سے تقدم وتاخر ہوگیا ہے **اقول:** یہ آپ کا خیال ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی حقیقت نہیں نیز جس طرح آپ کو تقدم وتاخر کا گمان ہے تو کیا یہاں یہ احتمال نہیں ہوسکتا ہے کہ راوی سے تشہد کا ذکر چھوٹ گیا ہو۔ یہ احتمال آپ کے احتمال سے کم نہیں ہے۔

قوله ص۲۶ س۲۰: معراج کی روایتیں اس پر متفق ہیں **اقول**: یہ اتفاق خود قرینہ ہے کہ یہاں تقدم وتاخر ہے اور دونوں روایتوں کو مستقل ماننا ناممکن ہے اور فیما نحن فیہ ایسا نہیں ہے۔

قوله ص۲۷ س۱۵: کسی نے بھی آج تک الخ **اقول**: استقراء کا دعویٰ ثبوت پر مبنی ہوتا ہے اور جو چیز آپ کی نظر میں نہ آئے اس کے وجود کا انکار بڑی جرأت ہے۔ وعلى التقدير خلو العصر کو اجماع کہنا بھی کارے وارد کتاب الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم اور ارشاد الفحول الى تحقيق الحق من علم الاصول للشوكانی میں اجماع کی بحث کا مطالعہ کریں۔

قوله ص۲۷ س۱۵: محدثین سے کسی نے بھی آج تک یہ معنی نہیں کئے جو عضو کو بھی شامل ہوں **اقول**: فيض القدير شرح الجامع الصغير للمناوه ص۳۱۵/ ج۶ میں اس حدیث کے تحت ہے "والمراد سدل اليد وهو ارسالها اھ" اور اسی طرح الفتوحات المكية لشيخ ابن عربی ص۵۵۴ میں ہے کہ "وان اقتضى السدل وهو ارسال اليدين ارسطهما الخ

قوله ص۲۷ س۱۶: کسی سلف نے رکوع کے بعد چھوڑنے پر اس حدیث سے استدلال الخ **اقول**: کیا یہ بھی کوئی اصل ہے کہ کسی حدیث سے جو استدلال متقدمین نے نہ کیا ہو تو ہم بھی نہ کریں۔ ہاں اگر قائدہ کی رو سے غلط ہو تو بتایئے۔ نیز سلف میں کسی نے اس حدیث سے سدل الشعر کی منع پر استدلال نہیں کیا۔ حالانکہ حافظ ابوالفضل عراقی نے کیا ہے اور امام شوکانی نے تائید کی ہے اور کہا کہ "ولا مانع من حمل الحديث على جميع هذه المعانی ان كان السدل بينها مشتركا وحمل المشترك على جميع معانيه هو المذهب القوى نيل الاوطار ص۶۵/ ج۲ یعنی اس حدیث کو جمیع معانی پر محمول کرنے سے کوئی مانع نہیں بشرطیہ کہ لفظ سدل مشترک ہو اور مشترک لفظ کو جمیع معانی پر محمول کرنا ہی قوی مذہب ہے۔

قوله ص۲۷ س۱۷: امام ترمذی نے کئی علماء سے سدل کی مخالفت الخ **اقول**: کسی سے بھی وہاں لفظ بعض سے بلکہ عبارت اس طرح ہے "وقد اختلف اهل العلم فى السدل فى الصلوة فكره بعضهم سدل فى الصلوة وقالوا هكذا تصنع اليهود وقال بعضهم انماكره السدل فى الصلوة اذا لم يكن عليه الثوب واحد الخ ثابت ہوا کہ یہ قول متفق علیہ نہیں ہے۔

قوله ص۲۷ س۱۸: ہاتھوں کے لٹکانے میں یہود سے مشابہت نہیں **اقول**: لیکن شیعوں کے ساتھ مشابہت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے ولیس ھؤلاء بدون اولآء

قولہ ص۲۷ س۱۹: جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے **اقول:** اس روایت میں حصر کا تو کوئی ذکر نہیں ہے یہ دعویٰ جب ثابت ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صرف سدل الثوب کو یہود کی مشابہت قرار دیا ہو۔

قولہ ص۲۷ س۲۰: حالانکہ ارسال اور سدل میں فرق ہے الخ **اقول:** ہم بھی اس ارسال کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ جس پر سدل کا اطلاق آ سکتا ہو اور ارسال الایدی پر سدل کا اطلاق آیا ہے۔ لہٰذا وہ ممنوع ہے۔

نمبر: ا دیکھو بر ص ۲۴۔

قولہ ص۲۷ س۲۱: مثلاً شکار کے پیچھے کتا چھوڑ دیں الخ **اقول:** لیکن اِس معنی میں اعضاء پر ارسال کا اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ بالخصوص جب نماز کے اندر ہو بلکہ وہاں اعضاء پر ارسال اسی معنی میں مستعمل ہے۔ جس میں سدل ہوتا ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ "فلا تکن من المفترین"

قولہ ص۲۸ س۳: اصل میں سدل کے معنی لٹکانے کے ہیں الخ **اقول:** لیکن کیا چیز لٹکانا منع ہے؟ اس کے لیے دلیل چاہیے۔ پس حدیثوں میں جن تین چیزوں (اعضاء بالوں کپڑوں) کے لٹکانے پر سدل کا اطلاق آیا ہے۔ ان سب کا لٹکانا ممنوع ہوا۔

قولہ ص۲۸ س۴: بلکہ اس میں بھی خاص خاص محاورات کو دخل ہے **اقول:** کیا محاورات شرع معتبر نہیں؟ کیا اعضاء کے لٹکانے میں سدل کا لفظ نہیں بولا گیا ہے؟

قولہ ص۲۸ س۱۸: اس حدیث میں سدل کو مانگ کے مقابلے میں ذکر کیا ہے الخ **اقول:** جو قسم بھی سدل کا بتائیں اِس میں بحث نہیں مقصود یہ ہے کہ سدل بالوں کا بھی ہوتا ہے۔ جو بھی سدل الشعر کا طریقہ آپ تسلیم کریں اسی کو نماز میں ممنوع سمجھیں۔

قولہ ص۲۹ س۷: اس حدیث میں پاؤں کے متعلق سدل کا لفظ آیا ہے الخ **اقول:** سدل خواہ کسی امر کے مقابلہ میں ہو۔ مگر یہ تو آپ مانتے ہیں کہ پاؤں کے لٹکانے پر سدل بولا گیا ہے۔ پس یہی ہمارا دعویٰ ہے۔

قولہ ص۲۹ س۹: ہاتھوں پر سدل کا لفظ کسی محاورہ میں نہیں آیا الخ **اقول:** دعویٰ یہ تھا کہ اعضاء کے لٹکانے پر سدل کا اطلاق آیا ہے۔ وہ ثابت ہو گیا۔ نیز ہم نے ہاتھوں کے لٹکانے پر بھی لفظ سدل کا اطلاق محاورہ سے ثابت کر دیا۔ "فارجع البصر ھل تری من فطور۔

قولہ ص۲۹ س۱۱: تو سدل کی حدیث میں یہ مراد نہیں الخ **اقول:** اس سے کیا مانع ہے؟ جو آپ نے اوپر بیان کیا وہ تخصیص پر دلیل نہیں۔ کما مضی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص ۲۹ س ۱۲: تو امام احمد اس حدیث کی مخالفت کیوں کرتے الخ **اقول:** پہلے ایسا اصول مقرر کریں کہ جو بات ایک امام کے ذہن میں نہ آئے وہ کسی دوسرے بندہ خدا کو بھی نہ آئے گی۔ کم ترک الاول الآخر تو مسلم امر ہے۔

قولہ ص ۲۹ س ۱۶: اس رسالہ میں افراط تفریط بہت ہے الخ **اقول:** غلطی سے کوئی بھی مامون نہیں۔ لیکن اصل مسئلہ کو آپ رد نہ کر سکے۔

قولہ ص ۲۹ س ۱۷: ہاتھ چھوڑنے کو سدل قرار دیکر الخ **اقول:** شمول کا مانع آپ پیش نہیں کر سکتے پس اس حدیث کے حکم میں داخل ہونا اسی پر مبنی ہے۔

قولہ ص ۳۰ س ۱۴: اور پھر حنابلہ پر بھی افتراء کیا ہے **اقول:** مصنف اتمام الخشوع نے بعض حنابلہ کا حوالہ دیا ہے۔ سب کا نہیں۔

قولہ ص ۳۱ س ۱۱: تفصیل آئے گی الخ **اقول:** جواب بھی وہاں ملاحظ فرمالیجئے گا۔

قولہ ص ۳۱ س ۱۲: بشری الکریم کے حوالہ سے ص ۳۷ میں شافعیہ کا الخ **اقول:** فقہ شافعی کی مشہور کتاب "الانوار لاعمال الابرار" مصنفہ یوسف اردبیلی ص ۶۴/ ج ۱ میں ہے کہ "الرکن السادس الاعتدال وھو ان یعود الی الحالة التی کان علیھا قبل الرکوع" اھ۔

یعنی نماز کا چھٹا رکن اعتدال ہے۔ وہ یہ کہ اس کیفیت پر لوٹ کر آجائے۔ جس پر رکوع سے پہلے تھا۔ یہاں اعتدال کے معنی خود وضع کو چاہتے ہیں۔

قولہ ص ۳۱ س ۱۳: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا مذہب الخ **اقول:** یہ باعتبار اس کے ہے کہ ان سے ایک روایت پائی جاتی ہے۔

قولہ ص ۳۱ س ۱۴: ان کے مذہب پر اصل مسئلہ یہ ہے کہ جس قیام میں ذکر مسنون ہوا **اقول:** یہی اصول ہاتھ باندھنے کو مقتضی ہے۔ جیسا کہ لکھنوی صاحب نے سعایہ میں بھی تسلیم کیا ہے۔

قولہ ص ۳۱ س ۱۶: رکوع کے بعد قیام میں ان کے نزدیک ذکر مسنون نہیں الخ **اقول:** بہت سے فقہاء نے ذکر مسنون مانا ہے۔ مثلاً ابن الہمام فتح القدیر ص ۲۵۰/ ج ۱ میں اور ابن عابدین شامی رد المختار ص ۵۰۸/ ج ۱ میں اور لکھنوی سعایہ میں وغیرہم۔

قولہ ص ۳۱ س ۱۷: اس لیے اس میں ان کے نزدیک ارسال ہے **اقول:** کئی فقہاء نے اسی اصول کی بنا پر وضع کو مان لیا ہے۔ مثلاً ابوعلی نسفی حاکم عبدالرحمٰن اسماعیل زاہد وغیرہم۔ دیکھو بنایہ شرح ہدایہ للعینی ص ۶۱۱/ ج ۱۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص ۳۱ س ۱۷: امام محمد کے نزدیک ہاتھ باندھنا قراءت کی سنت ہے الخ **اقول**: لیکن اہل حدیث کا یہ مذہب نہیں۔ بلکہ ان کا مذہب حدیث ہی ہے اور حدیث میں ہے۔ "اذا کان قائما" الحدیث اس کے علاوہ خود امام محمد سے ایک روایت میں وضع بعد الرکوع بھی ثابت ہے۔

قولہ ص ۳۱ س ۱۸: قراءت میں جتنی دیر قرآن مجید پڑھا جائے۔ اتنی دیر ہاتھ الخ **اقول**: تو پھر مقتدی یا گونگے کو باندھنے نہیں چاہئیں۔ اسی طرح حنفیہ کے نزدیک اخیری دو رکعتوں میں قراءت ضروری نہیں۔ لہٰذا قراءت نہ کرنے کی صورت میں ہاتھ نہ باندھنے چاہئیں۔ اسی طرح صلوٰۃ الجنازہ میں نہ باندھے جائیں۔ یہ سب باتیں اس اصل پر وارد ہوتی ہیں۔

قولہ ص ۳۲ س ۵: وہ صرف "ربنا لك الحمد" قدرے ہے جو ہاتھ باندھے ختم الخ **اقول**: یہ ذکر بھی حالت قیام کا ہے اور کھڑے ہونے کی سنت وضع ہے۔ پس وضع کر کے یہ چھوٹی ہی دعاء پڑھ لے۔ بہرحال کتنی دیر بھی کھڑا ہو تھوڑی یا زیادہ اس کو ہاتھ باندھنے ہیں۔ اس لیے کہ لفظ اذا قام وارد ہے۔

قولہ ص ۳۲ س ۹: یہ زیادہ مدلل ہے الخ **اقول**: بلکہ مدلل قول وضع ہی ہے۔ اس لیے دلیل اس چیز کی مقتضی ہے کہ اس قیام میں بھی ذکر مسنون ہو اور ذکر مسنون عندالحنفیہ وضع کا مقتضی ہے۔

قولہ ص ۳۲ س ۱۲: ان کا مذہب ارسال ہے الخ **اقول**: لیکن کئی فقہاء تو مان چکے ہیں کما مضٰی نیز سید ابو الشجاع نے بھی مانا ہے کمافی الکبیری ص ۳۹۲ اسی طرح ملک العلماء کاسانی نے بدائع الصنائع ص ۲۵۱/ ج ۱ میں اور فقیہ ابو سلمہ صاحب جامع اصغر نے بھی کمافی البنایہ ص ۶۱۱/ ج ۱۔ اسی طرح لکھنوی صاحب نے بھی طویل بحث کے بعد بھی بالآخر مان ہی لیا۔

قولہ ص ۳۲ س ۱۲: ذکر مسنون کی حدیث نہ پہنچنے کی وجہ سے معذور قرار دیئے جاسکتے ہیں الخ **اقول**: یہ معقول ہے۔ اگر ان سے وضع بعد الرکوع کی روایت موجود نہ ہوتی بلکہ روایت کا پایا جانا بتاتا ہے کہ جب انکو حدیث ملی کہ بعد الرکوع کے قیام میں بھی ذکر مسنون ہے تو وہ اپنے اصول (کل قیام فیه ذکر مسنون ففیه الوضع) کے موجب اس میں بھی ہاتھ باندھنے کے قائل ہو گئے اور ارسال ان کا پہلا قول ہے اور اکثر کتابوں میں مشہور ہو گیا۔ اس لیے ظاہر الروایہ شمار ہوا۔ مگر یہ اخیری قول ہے۔

اس لیے بعض کتابوں میں مذکور ہے اور سب میں نہیں جیسا کہ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے متعلق لکھنوی صاحب نے غیث الغمام حاشیہ امام الکلام ص ۱۵۶ میں بحوالہ میزان کبری للشعرانی لکھا ہے۔

قولہ ص ۳۲ س ۵: یہ غلط فہمی الخ **اقول**: اس رسالہ کے اتباع میں نہیں۔ بلکہ کتابوں کے حوالہ سے تینوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ائمہ ابو حنیفہ ابو یوسف محمد سے روایت مل گئی اور حنفیہ کے اصول کے مطابق اس کو قوی پایا۔ اس لیے کہ اس روایت کے ناقل کا سانی اور ابو الشجاع خود اس کے قائل نہیں۔

ثانیاً جو ان کا اصول ہے کہ جس قیام میں ذکر مسنون ہے۔ اس میں ہاتھ باندھے جائیں گے۔ یہ روایت اس کے موافق ہے اور ایسی روایت حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے۔ چنانچہ اسی اصول کی بنا پر لکھنوی صاحب نے امام الکلام ص ۱۵۶ میں قراءۃ خلف الامام کے اثبات کی روایت کو مانا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "ومن المعلوم المصرح فی غنیة المستحلی انه لایعدل عن الروایة الضعیفة اذا وافقها درایة اھ" اور آپ النافع الکبیر ص ۷ میں بحوالہ عقد الجید لکھتے ہیں کہ "اعلم ان القاعدة عند محققی الفقهاء ان المسائل علی اربعة اقسام۔ قسم تقرر فی ظاهر المذهب وحکمه انهم یقبلونه فی کل حال وافقت الاصول اوخالفت وقسم هو روایة شاذة عن ابی حنیفة وصاحبیه وحکمه انه لا یقبلونه الا اذا وافق الاصول اھ ...... خلاصہ یہ کہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک ائمہ سے جو روایت شاذ یا غیر ظاہر ہو وہ اگر ان کے اصول کے موافق ہے تو مقبول ہے۔ وهو المطلوب

قوله ص ۳۲ س ۱۰: (الحاشیہ) بناء علی وجود الذکر المسنون وان قل الخ **اقول:** یہ پہلی عبارت یعنی هو شیء قلیل لایزید زمانه الخ کا پورا جواب ہے۔ اس لیے کہ اگرچہ قلیل ہے۔ پھر اس کو ذکر مسنون کہا جائے گا اور اس کا وجود وضع کو مقتضی ہے۔

قوله ص ۳۲ س ۱۰: (الحاشیہ) وقول صاحب الواقعات اوجه **اقول:** وای وجه اوجه من وجود الموافقة الاصول فافهم۔

قوله ص ۳۳ س ۳: جن احادیث میں مطلق قیام میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے الخ **اقول:** مطلق کا شمول آپ کے ہاں بھی مسلم ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب اطفاء الشمعه فی ظهر الجمعة ص ۲۸/ ج ۳ لکھتے ہیں کہ عام کی طرح مطلق میں بھی شمول ہے۔

ایضاً اذاً عموم الزمان وکلیته کے لیے آتا ہے۔ کما فی نور الانوار ص ۱۴۶ نیز خود نبی اکرم ﷺ نے بھی کلمہ اذا کو عموم پر رکھا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ "عن ابی سعید ابن المعلی قال کنت اصلی فی المسجد فدعانی النبی ﷺ فلم اجبه ثم اتیته فقلت یا رسول الله انی کنت اصلی قال الم یقل الله استجیبوا لله وللرسول اذا دعاکم الحدیث رواه البخاری (مشکوۃ ص ۱۸۴/ ج ۱) اب یہاں اذا کا معنی عموم یعنی صلوۃ غیر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صلوٰۃ لیا گیا ہے۔

قولہ ص ۳۲ س ۱۵: یہاں بھی وہی قائدہ جاری ہے کہ ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہوتی ہے الخ **اقول:** اول تو ابہام ثابت ہیں صرف مطلق حکم ہے۔ جو دونوں قیاموں کو شامل ہے۔ اس طویل تقریر کے تحت کوئی طائل نہیں صرف تخصیص کی صریح دلیل چاہیے۔

گرز عشقت خبر ست بگوائے واعظ
ورنہ خاموشی کہ ایں شوروفغاں چیزے نیست

عام کو خاص کرنا بھی نسخ کا ایک قسم ہے۔ جیسا کہ آپ اپنی کتاب تعریف اہل حدیث ص ۲۶ حصہ دوم میں لکھتے ہیں کہ مطلق کو مقید کرنا نسخ ہے۔ پھر نور الانوار کی عبارت لکھ کر پھر لکھتے ہیں کہ ''نور الانوار کی عبارت سے معلوم ہوا کہ مطلق کو مقید کرنا نسخ ہے۔

اور قاعدہ ہے کہ ناسخ کا منسوخ سے قوت و دلالت میں اقوی ہونا لازمی ہے کتاب الاعتبار للحازی ص ۸۰ میں ہے۔ ''من شرط الناسخ ان یکون له مزید علی المنسوخ من حیث الثبوت والصحت اھ'' اور نصب الرایہ ص ۳۹۲/ج ۱ میں ابن جوزی سے منقول ہے کہ ''ومن شرط الناسخ ان یکون اقوی من المنسوخ اھ'' اگر آپ تخصیص کے قائل ہیں تو ایسے عموم سے زیادہ قوی اور صریح مخصص پیش کریں۔

قولہ ص ۳۴ س ۲۱: اس حدیث نے تصریح کردی کہ ہاتھ باندھنے کا موقع الخ **اقول:** یہ روایت مخصص نہیں بن سکتی۔ اس لیے کہ اس میں قیام بعد الرکوع میں ہاتھ باندھنے کا انکار نہیں اور عموم میں زائد حکم ہے۔ جو اس پر ترجیح رکھتا ہے۔

قولہ ص ۳۴ س ۲۱: رکوع کے بعد ذکر نہیں الخ **اقول:** ارسال کا بھی تو ذکر نہیں ہے آپ کا طبعی مسئلہ کا عذر بھی غیر معتبر رہا۔ اب وہ کیا کرے؟ اپنی طرف سے آپ تو کچھ مقرر نہیں کرسکتے۔ ایسے مشکل کو عموم ہی حل کرسکتا ہے۔

قولہ ص ۳۵ س ۲: تعلیم کے وقت ایک رکعت کا نقشہ الخ **اقول:** لیکن یہ بھی تو عموم ہے۔ دوسری تیسری کے لیے تو صریح الفاظ دکھائیں۔ ورنہ بصورت دیگر قیام بعد الرکوع کو بھی اس عموم میں داخل کریں۔

قولہ ص ۳۵ س ۳: اگر کسی بات میں پہلی اور بعد کی رکعتوں میں فرق ہوتا الخ **اقول:** اس اصول کی بناء پر ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر دونوں قیاموں میں فرق ہوتا تو ضرور وہ دوسرے قیام میں ہاتھوں کے لیے کوئی اور ہیئت بیان کرتے چونکہ پڑھنے میں فرق تھا تو راویوں نے بتا دیا کہ پہلے قیام میں قراءت اور دوسرے میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دعاء ہے اور اسی طرح اگر ہاتھوں کے حکم میں کوئی فرق ہوتا تو وہ بھی بتاتے۔ بلکہ ایک میں کیفیت بتانا اور بقول آپ کے دوسرے میں سکوت کرنا بتاتا ہے کہ بموجب اصول ثنا اس کو پہلے قیام کے بیان کے حوالے کیا جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھیئے کہ ہر رکعت میں دو سجدے ہیں۔ پہلے کا حال راوی نے بتا دیا دوسرے کا نہیں۔ اس لیے دونوں کی کیفیت ایک ہے۔

قولہ ص ۳۵ س ۶: پس اب یہ اعتراض نہیں ہوسکتا ہے۔ **اقول:** اس اعتراض کی بناء یہ ہے کہ آپ وضع کو قیام اول میں منحصر سمجھتے ہیں اور دلیل وہی روایت دیتے ہیں۔ جس میں قبل الرکوع وضع کا ذکر ہے۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ رکعت بھی پہلی کا ذکر ہے نہ دوسری کا ہم بھی کہتے ہیں کہ وضع کے اعادہ کرنے کی کیا دلیل ہے؟

قولہ ص ۳۵ س ۱۱: لیکن رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا ذکر کہیں نہیں آیا **اقول:** وہی حدیث وائل جو کہ آپ نے ص ۴۶ میں ہمارے سندھی رسالہ کے حوالہ سے ذکر کی ہے۔ صریح دلیل ہے اور اس پر جو آپ نے کلام کیا ہے اس کا جواب ان شاء اللہ اپنے موقع پر آئے گا۔ نیز عموم بھی ایک ثبوت ہے۔ جب تک اس کا کوئی مخصص موجود نہیں ہے۔

قولہ ص ۳۵ س ۱۴: کسی حدیث میں کوئی مسئلہ ذکر ہوتا ہے الخ **اقول:** نہیں بلکہ یہ معلوم ہوا کہ بعض مسائل ایک روایت میں مذکور ہیں اور بعض دوسری میں۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ وائل کی کسی روایت میں ایک مقام کا ذکر ہے۔ کسی میں دوسری کا کسی میں اشارۃً دونوں کا اور کسی میں علی العموم یہ تفسیر نہیں تفتیش ہے۔

قولہ ص ۳۵ س ۱۴: پس سب کے ملانے سے بات مکمل ہو جاتی ہے **اقول:** لیکن مسئلہ پر ایک کا ذکر اپنے مقام پر ہوتا ہے۔

قولہ ص ۳۵ س ۱۵: اس کے علاوہ حضرت ابوبکر سے روایت ہے الخ **اقول:** لیکن یہ روایت حافظ ابن حجر المطالب العالیہ میں بحوالہ مسند مسدد ذکر کی ہے۔ اس میں بجائے اس کے لفظ "فی الصلوٰۃ" ہے۔ یعنی نماز میں اور یہ الفاظ بھی عموم کو چاہتے ہیں۔ نیز یہ روایت صحیح بھی نہیں ہے۔ اس کی سند حافظ صاحب نے اس طرح نقل کی ہے۔ حدثنا یحییٰ ثنا ثور بن یزید عن خالدبن معدان عن ابی الزیاد مولی ابی دراج فذکرہ عن ابی بکر، میزان الاعتدال ص ۳۵۹/ ج ۳ میں ابوزیاد مولی ابی دراج عن ابی بکر لا یعرف وقال الدارقطنی یترك اھ

قولہ ص ۳۵ س ۲۱: اس روایت میں تصریح ہے کہ جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو الخ **اقول:** یعنی گھر سے نکلتے ہی یا کم از کم قبل از دخول فی الصلوٰۃ جیسا کہ ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وُجُوْهَكُمْ ......الآية﴾ اور حدیث اذا قمت الى الصلواة فاسبغ الوضوء الحدیث ہاں کر "الی" بمعنی "فی" لیا جائے تو اور بات ہے پھر وہی عموم ہوگا لیکن یہاں فی بمعنی الی کرنا فساد المعنی کو مستلزم ہے فتامل۔

قوله ص۳۶ س۱: رکوع کے بعد نہیں الخ اور نہ قبل الرکوع اور دوسری تیسری اور چوتھی کا تو سوال ہی نہیں رہا۔

قوله ص۳۶ س۲: جہاں حدیثوں میں ہاتھ باندھنے کے متعلق فی الصلوٰۃ کا لفظ الخ **اقول:** فی بمعنی الی کرنے سے یہ معنی ہوگا کہ نماز کی طرف آتے یا اٹھتے وقت نہ یہ کہ تکبیر تحریمہ کے بعد۔

قوله ص۳۶ س۵: اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے الخ **اقول:** اولا یہ روایت صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس کا راوی جریر الضبی مجہول ہے۔ (دیکھو: میزان الاعتدال ص۱۱۴/ ج۱)

ثانیا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جس میں عام حکم ہو وہ موقوف اثر سے خاص کرنا صحیح نہیں۔ ارشاد الفحول ص۱۵۱ میں ہے۔

"ذهب الجمهور انه لايخص ...... والدليل على ذالك ان الحجة انما هى العموم ومذهب الصحابى ليس بحجة فلا يجوز التخصيص به واستدل القائلون بجواز التخصيص بان الصحابى العدل لايترك ماسمعه من النبى صلی اللہ علیہ وسلم ويعمل بخلافه الابدليل قد ثبت عنده يصلح للتخصيص واجيب عند بانه قد يخالف ذالك الدليل فى ظنه وظنه لايكون حجة على غيره فقد يظن ماليس بدليل دليلاً والتقليد للجهة من مجتهد مثله لايجوز لاسيمافى مسائل الاصول فالحق عدم التخصيص بمذهب الصحابى و انكانوا جماعة ما لم يجمعوا على ذلك فيكون من التخصيص بالاجماع وقد تقدم الكلام عليه اهـ" اور اسی طرح امام غزالی نے بھی المستصفى ص۱۱۳/ ج۱ میں لکھا ہے۔ مثلاً حدیث "لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" کی حضرت جابر کے اثر "الاوراء الامام" سے اہل حدیث تخصیص نہیں مانتے۔ اسی طرح جمعہ کے عام حکم کا حضرت علی کے اثر "لا تشريق ولا جمعة الافى مصر جامع" سے خاص ہونا نہیں مانتے ایسی اور بھی بہت مثالیں ہیں۔

ثالثا: اس روایت سے استدلال جب صحیح ہو سکتا ہے کہ "حتی" کے ماقبل کا حکم اس کے بعد قطعاً بند ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مثلاً "ان الله لايمل حتى تملوا" الحدیث امام راغب اصفہانی المفردات فی غریب القرآن ص۱۰۶/اصح المطابع میں لکھتے ہیں۔ "وقيل ان مابعد حتى يقتضى ان يكون بخلاف ماقبله نحو قوله تعالىٰ ﴿وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾ وقد يجيئ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ولایکون کذالك نحو ماروی ان اللہ تعالیٰ لا یمل حتی تملوا لم یقصد ان یثبت ملا اللہ تعالی بعد ملا لھم اھ۔

الغرض کبھی حتیٰ کے ماقبل اور مابعد کا حکم ایک ہوتا ہے۔ پس جب تک یہاں ایک ہونا ثابت نہ کریں تب تک یہ روایت مخصص ہونے کی حیثیت نہیں رکھ سکتی بلکہ عموم خود ایک ہونے کو مقتضی ہے۔

رابعاً: حتیٰ کے ماقبل کا حکم اگر کسی حالت کی وجہ سے ہوتا ہے تو ایسی حالت کے لوٹ کر آنے سے وہ حکم بھی لوٹ کر آتا ہے۔ مثلاً حدیث (لاتقبل صلوٰۃ من احدث حتی یتوضا) (مشکوٰۃ ص ۴۰ بحوالہ شیخین) یعنی بے وضوء شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک وضو نہ کرے۔ اب یہاں حتیٰ کے ماقبل کا حکم عدم قبولیت نماز ہے جو کہ حدث کی وجہ سے ہے اور وضوء پر اس حکم کی انتہاء ہوئی۔ مگر وہی حالت یعنی حدث اگر لوٹ آئے گا تو وہی حکم واپس آئے گا۔ اسی طرح حضرت علی کی روایت کو سمجھنا چاہیے۔ یعنی حتیٰ کے ماقبل کا حکم ہاتھ باندھنا ہے۔

جو کہ قیام کی حالت کے لیے تھا۔ جب وہ حالت ختم ہوئی اور رکوع آ گیا تو وہ حکم بھی ختم ہوا۔ لیکن جب وہی حالت لوٹ آئے گی تو وہی حکم بھی لوٹ کر آئے گا۔

اگر آپ کہیں گے کہ یہ جب ہوسکتا ہے کہ دوسرے قیام کی انتہاء بھی وہی رکوع ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہوسکتا ہے کہ حتی کا مابعد ماقبل کا جزء ہو۔ اگر جزء نہیں ہے تو دوسری غایت بھی ہوسکتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ: ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۲۹) یعنی اہل کتاب میں سے جو لوگ خدا اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ خدا اور رسول (ﷺ) کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں اور نہ دین حق رکھتے ہیں ان سے قتال کرو۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں۔

اب یہاں قتال کی وجہ جزیہ نہ دینا ہے اور اس کی انتہاء اداء جزیہ بتائی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جب وہی وجہ یعنی عدم اداء جزیہ عود کر آئے گی تو وہی قتال کا حکم بھی عود کر آئے گا اور یہاں حتی کا مابعد ماقبل کا جزء نہیں اور یہاں غایت صرف اداء جزیہ میں منحصر نہیں بلکہ غایت دوسری بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً اگر وہ اسلام لے آئیں تو بھی قتال کا حکم ختم ہو جائے گا۔ اسی طرح رکوع قیام کا جزء نہیں لہٰذا اس کے علاوہ اور چیز بھی غایت بن سکتی ہے۔

خامساً اگر بالغرض تسلیم بھی کر لیں کہ اس روایت میں وضع کی انتہاء ہے تو پھر بتائیں کہ بعد الرکوع کیا کریں اور رفع الیدین کے بعد ہاتھ کہاں لے جائیں گے۔ بلا دلیل کوئی بات نہیں مانی جائے گی۔ اس کے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاوہ اور بھی جوابات ہیں۔ جن میں سے بعض اگلے قول میں ملاحظہ فرمائیں۔

قولہ ص۳۶ س۱۳: جب نماز کی طرف کھڑے ہوتے تو اس وقت الخ **اقول:** پھر دوسری تیسری اور چوتھی میں وضع کیوں کرتے ہو؟ نیز نماز کے اندر وضع کا کیا ثبوت ہوگا؟

قولہ ص۳۷ س۲: اس روایت میں کلمہ حتی کے ساتھ الخ **اقول:** حتی مضارع پر داخل ہوتا ہے تو تین معنوں میں سے ایک کے لیے آتا ہے۔ الی یا کی یا الاّ استثنائیہ۔ مغنی اللبیب لابن ھشام ص۸٤ میں ہے کہ ولحتی الداخلة علی المضارع المنصوب ثلثة معان مرادفة الی .... ومرادفة ...... ومرادفة الا فی الاستثناء وھذا المعنی ظاھر من قول سیبویه وفی تفسیر قولھم واللّٰه لاافعل الا ان تفعل المعنی حتی ان تفعل وصرح به ابن ھشام الخضراوی وابن مالك الخ۔

اب اگر بمعنی الی کرو گے تو انتہاء کا معنی ہوگا اور یہ انتہا آپ وضع کی کرتے ہیں۔ نہ کسی اور چیز کی اب نماز کے اندر جس چیز کی ایک دفعہ انتہاء ہوگی۔ اب دوبارہ دوسری رکعت یا تیسری یا چوتھی میں کیوں کرتے ہو؟ اب فیصلہ کی دو صورتیں ہیں۔ لاثالثة معهما یا تو باقی رکعتوں کے لیے وضع کا صریح ثبوت دیں یا بصورت دیگر نہایت کے دعوی سے دست بردار ہوجائیں اور بمعنی "کی" بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ وضع رکوع کی علت نہیں۔ مثال کے طور پر نماز جنازہ میں وضع ہے۔ مگر رکوع نہیں ہے اور اگر معنی الا کریں گے تو آپ کا استدلال غلط ہوگا۔ کیونکہ اس طرح یہ روایت وضع بعد الرکوع کو منافی نہیں ہوگی۔ بلکہ فلایزال کذالك وضع کے بقاء کو مستلزم ہے۔ الا وہ حالتیں جن کی استثناء وارد ہے۔ مثلاً رکوع سجدہ و جلسہ کی کیفیتیں جدا وارد ہیں۔ لہٰذا وہ مستثنٰی رہیں گی اور دونوں قیاموں قبل الرکوع و بعدہ کے لیے حکم باقی رہے گا۔ اس طرح یہ روایت برعکس ہماری دلیل ہوئی۔

قولہ ص۳۷ س۸: اسی طرح رکوع کی حالت کی بھی استثناء کرتے الخ **اقول:** "حتی" بمعنی 'الی' یا 'کی' تو یہاں درست نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بمعنی "الا" ہوسکتا ہے اور اسی طرح رکوع کی استثناء ہوگئی۔

قولہ ص۳۷ س۹: رکوع کو حد بتانا اور مابعد کو اس میں شامل نہ کرنا۔ الخ

اقول: جب کھڑے ہونے کی حالت میں ہیں تو پھر حدیث اذا کان قائما شمول کی اتم دلیل ہے۔ کیونکہ رکوع کو حد قرار دینا آپ کو مضر بلکہ فساد معنی کو مقتضی ہے۔ کیونکہ پہلی رکعت کے علاوہ دوسری رکعتوں میں وضع نہیں رہتا۔

قولہ ص۳۷ س۲۱: ہاتھوں کا باندھنا پہلے قیام کے ساتھ مقید ہوگیا الخ **اقول:** لیکن یہ دونوں روایتیں صحیح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کما مضی وعلی التقدیر اگر پہلے قیام کے لیے وضع مقید ہے تو قیام بھی پہلی رکعت کا مراد ہوگا۔ اس لیے کہ لفظ یہ ہیں "اذا قام الی الصلوة" بلکہ آپ کا یہ فرمان چاہتا ہے کہ وضع قبل الدخول فی الصلوٰۃ سے مقید ہو۔ جیسا کہ "اذا قمتم الی الصلوٰۃ" وغیرہ۔

قولہ ص۳۸ س۱: پس رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کی نفی ہوگئی الخ **اقول:** اسی طرح دوسری رکعتوں کی بھی نفی ہوگئی "فما ھو جوابکم وھو جوابنا"

قولہ ص۳۸ س۴: من القدمین ووضع الید علی الید من السنۃ الخ **اقول:** کیا پاؤں کے ملانے کا حکم صرف پہلے قیام کے لیے ہے یا بعد الرکوع کے قیام کے لیے بھی ہے؟ اگر دونوں کے لیے ہے تو پھر وضع بھی دونوں کے لیے ہوگا۔ تفریق کی کیا دلیل ہے؟ دراصل یہ دونوں حکم (پاؤں کا ملانا اور ہاتھ باندھنا) پوری نماز کے لیے ہیں الا جس حالت کے لیے استثناء موجود ہو۔ مثلاً جلسہ کی حالت جو حدیثوں میں آئی ہے۔ اس میں ایک دوسرے سے پاؤں ملانا ناممکن ہے۔ اس طرح سجدہ میں انہیں ایڑیوں کو آپس میں ملانا سنت ہے جیسا کہ بیہقی ص۱۱۶/ ج۲ مستدرک حاکم ص۲۲۸/ ج۱ تلخیص حبیر ص۹۸/ ج۱ میں حدیث مروی ہے۔ باقی دو قیام اور رکوع کی حالتیں رہتی ہیں۔ پس صف القدمین کا حکم انہی تینوں حالتوں کے لیے رہا۔ اسی طرح دوسرے جملے وضع الید علی الید سے بھی رکوع سجدہ اور جلسہ کی حالتیں مستثنیٰ ہیں۔ ان کے لیے الگ الگ کیفیتیں وارد ہیں۔ اور صرف قبل الرکوع و بعدہ دونوں قیاموں کی حالتیں رہتی ہیں۔ لہٰذا وہی مراد ہوں گی۔ اگر آپ قیام بعد الرکوع کے استثنیٰ کے مدعی ہیں تو رکوع سجدہ جلسہ کی طرح اس کی بھی کوئی دوسری ہیئت حدیث سے ثابت کریں والا فلا۔

قولہ ص۳۹ س۱۲: صاحب رسالہ نے فی الصلوٰۃ کے لفظ کو قیام کے ساتھ مقید کیا ہے الخ **اقول:** اس لیے کہ دوسری حالتوں کی کیفیت جدا تفصیل بیان ہے اور قیام بعد الرکوع کے لیے نہیں۔

قولہ ص۳۹ س۱۶: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایتوں میں الخ **اقول:** لیکن ان میں دوسرے قیام کی نفی نہیں۔ لہٰذا یہ قیاس درست نہ ہوا۔

قولہ ص۳۹ س۱۸: پھر جن روایات میں فی الصلوٰۃ ہے الخ **اقول:** یہ اپنی طرف سے تقسیم ہے۔

قولہ ص۳۹ س۲۰: جب مطلق قیام استعمال ہو تو قیام قبل از رکوع الخ **اقول:** یہ دعویٰ بھی عجیب ہے۔ حالانکہ آپ خود اپنی کتاب اطفاء الشمعہ میں مان چکے ہیں کہ مطلق میں بھی شمول ہے۔

ثانیاً: یہاں قیام میں بحث نہیں۔ بلکہ حدیث میں تو یہ لفظ ہیں۔ اذا کان قائما یعنی جب بھی آپ کھڑے ہوتے تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیام اول یا دوم کا سوال ہی نہیں۔

قولہ ص۴۰ س۲: اطال فیھما القیام الخ **اقول:** یہاں قیام ثانی کے دخول سے کوئی مانع نہیں ہے۔

قولہ ص۴۰ س۷: جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مختصر تھا الخ اقول علی التقدیر یہ تو قرینہ ہے اور آپ کا ص ۳۸ میں یہ دعویٰ ہے کہ جب مطلق قیام کا استعمال ہو تو قیام قبل از رکوع مراد ہوتا ہے نہ بعد الرکوع" کجا دعوے کجا دلیل۔

آزاد بے خودی کا نشیب و فراز دیکھ
پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

قولہ ص۴۰ س۱۴: آپ کے قیام کا اندازہ سورہ سجدہ قدر کیا **اقول:** یہاں قراءۃ قرینہ ہے۔ اس لیے کہ قراءۃ صرف اول قیام میں ہوتی ہے۔ آپ ایسی دلیل پیش کریں۔ جہاں کوئی قرینہ نہ ہو اور مطلق ہو۔ اس سے صرف قیام اول مراد ہو نہ ثانی "ولیس لکم الی ذلك سبیل من وجد یلزم" سنیے!

جہاں کوئی قرینہ ہو اس کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ اگر ایسا قرینہ ہے جس سے ظاہر ہو کہ قیام اول ہے۔ جیسا کہ یہ روایت تو وہاں وہی مراد ہوگا اور جہاں قرنیہ سے ظاہر ہو کہ یہ قیام ثانی ہے۔ مثلاً "قاموا قیاماً حتی یرونہ قد سجد" (بخاری ص۱۰۳ / ج۱) ثم قال سمع اللہ لمن حمدہ ثم قام قیاماً طویلاً (مسند احمد) وہاں وہی مراد ہوگا اور جہاں قرینہ نہ ہو وہاں مطلق قیام مراد ہوگا۔ مثلاً قولہ تعالیٰ ﴿وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ (البقرۃ ع۳۱ پ۲) اس میں نماز کے سب قیام داخل ہیں پہلی رکعت ہو خواہ دوسری قبل الرکوع ہو یا بعد الرکوع ایسے امثلہ احادیث میں بھی موجود ہیں۔ مثلاً "یایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف الحدیث" (مشکواۃ ص۱۰۱/ ج بحوالہ مسلم) یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو میں آپ کا امام ہوں پس رکوع سجدہ قیام اور پھرنے میں مجھ سے جلدی نہ کیا کرو۔ یہاں کوئی اور قرینہ موجود نہیں اور دونوں قیام مراد ہیں۔ اس لیے اگر قیام اول داخل نہیں کریں گے تو اس میں سبقت کی نہی اس منع میں داخل نہیں ہوگی اور اگر ثانی داخل نہ کریں گے تو رکوع سے قبل الامام سر اٹھانے کی منع اس میں نہیں ہوگی۔

مثال دوم: "فاذا صلی قائما فصلوا قیامًا" (مشکوٰۃ ص۱۰۱) یہاں بھی قرینہ مذکور نہیں اور دونوں قیام مراد ہیں۔

مثال سوم: "فادارنی حتی اقامنی عن یمینہ" (مشکوٰۃ ص۹۹) یہاں بھی دونوں قیاموں کا حکم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر مقتدی قیام ثانی میں امام منفرد سے آکر ملتا ہے اور بائیں طرف کھڑا ہوتا ہے تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر بھی امام اسے دائیں طرف کھڑا کرے گا۔

مثال چہارم: "صلی قائما فان لم تستطع فقاعدا" (مشکوٰۃ ص ۱۱۰ بحوالہ بخاری)

مثال پنجم: "من صلی قاعدا فلہ نصف اجر القائم" (مشکوٰۃ ص ۱۱۰ بحوالہ بخاری)

ایسی کئی مثالیں ہیں۔ جہاں کوئی قرینہ نہیں اور دونوں قیام مراد ہیں۔ آپ ایسی دلیل پیش کریں جہاں کوئی قرینہ نہ ہو اور اسی سے صرف قیام اوّل مراد ہو اور قیام بعد الرکوع اس سے مراد نہ ہو سکے۔ آپ نے جو بھی مثالیں یہاں ذکر کی ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی قرینہ موجود ہے۔

قولہ ص ۴۱ س ۲: پھر سیدھا ہونا بعد رکوع اپنے کے الخ **اقول:** یہ ترتیب خود قرینہ ہے۔ نیز قیام ثانی کو الگ دوسرے نام سے ذکر کرنا بھی قرینہ ہے کہ یہاں قیام سے مراد قیام اول ہے۔

قولہ ص ۴۱ س ۱۴: سوا قیام (قبل از رکوع) الخ **اقول:** یہ بھی قرینہ ہے کہ اس کو الگ ذکر کرنا اس پر دلیل ہے کہ قیام اول مراد ہے۔

قولہ ص ۴۲ س ۱۸: دونوں حدیثیں اپنے اپنے مقام پر درست ہیں۔ **اقول:** یہاں اس اصول کا سہارا کیسے لے لیا؟

قولہ ص ۴۲ س ۱: اس بناء پر جس حدیث میں مطلق قیام کی حالت الخ **اقول:** یہ کلیہ ٹوٹ چکا۔

قولہ ص ۴۲ س ۳: اس سے بعد از رکوع ہاتھ باندھنے پر استدلال غلط ہو گیا الخ **اقول:** اس ساری تقریر کی بناء جس کلیہ پر تھی وہ نہیں رہا۔ پس تقریر بھی غیر معتبر رہی۔

قولہ ص ۴۲ س ۶: یہ قاعدہ چاہتا ہے کہ مطلق قیام سے قیام قبل از رکوع الخ **اقول:** لیکن قرینہ کا خیال رکھیں۔

قولہ ص ۴۲ س ۹: جیسے ابن عباس بولیں تو عبداللہ بن عباس مراد ہوتے ہیں الخ **اقول:** اسی طرح ان صحابہ کے نام مشہور ہیں۔ یہ خود قرینہ ہے بلاوجہ تخصیص شمول کے منافی ہے۔ جو کہ مطلق کا حق ہے۔

قولہ ص ۴۲ س ۱۱: اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن عباس کا استعمال الخ **اقول:** ایسا استعمال حدیثوں میں بھی دکھائیں۔

قولہ ص ۴۳ س ۱۲: تو قاعدہ مذکورہ کی بناء پر یہ حقیقت ہو گیا الخ **اقول:** زیادہ تو کیا! ایک مثال پیش کریں جہاں قرینہ نہ ہو اور قیام اول مراد ہو۔

قولہ ص ۴۳ س ۱۴: اس بناء پر بھی حدیث نسائی طبرانی دارقطنی الخ **اقول:** جب بناء نہ رہی تو مبنی علیہ بھی نہ رہا والحمدللہ۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص ۴۳ س ۱۷: اعتدال کو قومہ کیوں کہتے ہیں۔ **اقول:** یہ عنوان لایعنی ہے اس لیے کہ یہاں قیام یا قومہ سے بحث نہیں۔ بلکہ جب بھی کھڑا قیام میں ہو یا قومہ میں تھوڑی دیر کھڑا ہو یا زیادہ دیر۔ اس شمول سے گریز کرنے کا کوئی چارہ نہیں نیز حافظ صاحب نے قومہ کی دلیل حدیث سے کوئی نہیں دی۔ بلکہ فقہاء کی اصطلاح سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

قولہ ص ۴۴ س ۱۸: باقی زائد مستحب میں شامل ہے الخ **اقول:** کتنا ہی ہو اور فرض ہو یا مستحب بہر حال کھڑا ہونا تو آپ مانتے ہیں اور کھڑے ہونے کی کیفیت وضع ہے۔

قولہ ص ۴۴ س ۱۲: پہلے قیام کو قومہ نہیں کہہ سکتے الخ **اقول:** قیام وقومہ ایک ہی باب کی مصادر ہیں۔ دیکھو المنجد ص ۷۵۳ طبع جدید اور تاج العروس ص ۳۵/ ج ۹ اور لسان العرب ص ۳۹۹/ ج ۱۵ اور قاموس ص ۹۵/ ج ۴ وغیرہ۔

قولہ ص ۴۴ س ۱۲: قومہ کے معنی عربی زبان میں ایک دفعہ کھڑا ہونے کے ہیں الخ **اقول:** بہر حال کھڑا ہونا تو ہے اور اس کو بھی قیام کہا گیا ہے اور کھڑا ہونے والے کو قائم کہا گیا ہے۔ فافهم

قولہ ص ۴۴ س ۱۷: اسی فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقہاء نے قیام بعد رکوع کا نام قومہ الخ **اقول:** اس کی بناء اس تفریق پر ہے۔ جو کہ آپ نے قیام اور قومہ میں بتائی حالانکہ لغۃً یہ تفریق صحیح نہیں ہے۔ کما مضیٰ۔

قولہ ص ۴۴ س ۱۴: قیام بعد رکوع کو قومہ کہہ سکتے ہیں الخ **اقول:** لیکن کہا نہیں گیا ہے نہ احادیث میں نہ آثار صحابہ میں نہ تراجم محدثین میں بلکہ سلف میں بھی یہی نام متعارف تھا۔ محلی ص ۱۲۲/ ج ۴ میں ہے کہ

"عن ابراهيم قال كان ابو عبيدة يطيل القيام بعد الركوع" الخ

قولہ ص ۴۴ س ۱۷: اور اسی وجہ سے اسی پر جلسہ کا لفظ بولتے ہیں الخ **اقول:** پس جیسا اذا جلس جس میں داخل ہے۔ اسی طرح اگر قومہ تسلیم کریں تو وہ بھی اذا قام میں داخل ہے۔ اخراج کی کوئی دلیل نہیں۔

قولہ ص ۴۴ س ۱۸: تا کہ اس کی حقیقت واضح ہو جائے الخ **اقول:** جب حدیث میں یہ تفریق نہیں آئی۔ صرف قرأۃ ودعا کی ہے تو اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ ص ۴۴ س ۱۹: صاحب رسالہ نے کئی جگہ اس پر اعتراض کیا ہے الخ **اقول:** اس بناء پر کہ حدیث میں یہ اصطلاح نہیں آئی ہے۔ بلکہ وہاں بھی اس کو قیام کہا گیا ہے اور قیام کی سنت وضع ہے۔ پس جب دونوں قیام ہیں تو دونوں کا وہی حکم ہوگا جب تک تفریق کی دلیل نہ ملے۔

قولہ ص ۴۴ س ۲۰: صاحب رسالہ نے فقہاء پر نظر نہیں کی **اقول:** ضرورت ہی کیا ہے۔ جب کہ اس کا کوئی داعی نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص۴۵ س۴: لفظ سے بیان کر دیا جاتا ہے کہ فاتحہ فرض ہے الخ **اقول:** لیکن فرض کی اصطلاح تو آیات وروایات میں وارد ہے۔ قومہ کی بالکل ہی نہیں ہے۔ نیز جو دلائل فرضیت فاتحہ کے ہیں۔ وہ بالکل مبین ہیں۔ لیکن یہاں دونوں قیاموں میں اس طرح تفریق کہ ایک میں وضع دوسرے میں ارسال کسی حدیث میں مذکور نہیں۔ پس یہ اصطلاح ہی بے بنیاد اور لایعنی ہوئی۔

قولہ ص۴۵ س۶: یعنی تھوڑا سا کھڑا ہونا الخ **اقول:** حدیث میں تو طول قیام کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ ص۷۵ میں ہے "ثم یرفع رأسه فیقیم صلبه و یقوم قیاما هواطول من قیامکم قلیلا الحدیث" اسی طرح ابھی محلی کا حوالہ گذرا۔

قولہ ص۴۵ س۷: لغوی معنی سے قیام کہہ دیا جاتا ہے **اقول:** اور احادیث میں بھی قیام ہی کہا گیا ہے۔ پس جب کہ لغت وشرع میں اس کا نام قیام ہی آیا ہے تو پھر اس کو اس حکم سے الگ کرنا آسان نہیں ہے۔

قولہ ص۴۵ س۸: لیکن اصل قیام رکوع سے پہلے ہے۔ **اقول:** کیا بعد الرکوع کے قیام کو فرع کہیں گے؟ کیا اصل اور فرع کا حکم الگ ہوتا ہے؟

قولہ ص۴۵ س۹: اس سے پہلا قیام مراد ہوگا **اقول:** جس چیز پر اس کی بناء ہوئی۔ وہ قائم نہ رہ سکی۔ نیز مطلق میں شمول ہے۔ اس کو کیسے توڑتے ہیں۔

قولہ ص۴۵ س۱۰: وہی اس پر محمول ہوں گی الخ **اقول:** بلا داعی بلا وجہ تخصص اور بلا ضرورت خواہ مخواہ تکلف ہے۔

قولہ ص۴۵ س۱۱: جب تک اس کے خلاف کوئی صریح دلیل نہ ہو الخ **اقول:** عموم خود صریح ہے۔ دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ اب آپ زیادہ تکلف چھوڑ کر صرف دو صورتوں میں سے ایک اختیار کریں یا تو ثابت کریں کہ بعد الرکوع کھڑا ہونا ہی نہیں۔ یا تو اس کھڑے ہونے والی حالت میں نبی اکرم ﷺ سے وضع کے علاوہ ہاتھوں کے لیے کوئی اور حکم یا عمل ثابت کریں۔

قولہ ص۴۵ س۱۲: آج کل لوگ اپنی طرف سے قرآن وحدیث میں تصرف کرتے ہیں **اقول:** جیسا کہ انصباب سے ارسال الیدین نکالنا یا طبعی حالت کا ایک قانون بنا کر عام کو خاص کرنا وغیرہ۔

قولہ ص۴۵ س۱۳: قرآن وحدیث ہم نے سلف سے لیا اس تفسیر الخ **اقول:** سلف میں کسی نے تخصیص کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ نیز ان کا اصول صحیح ہے لیکن جہاں کوئی روایت مستقل طور پر اپنا مطلب نہیں بتاتی اور اس اصول کو آپ بھی ص۴۲ میں مان چکے ہیں۔

قولہ ص۴۵ س۱۷: اس کے بعد تفسیر صحابہ سے کرتے الخ **اقول:** صحابہ سے کوئی ایسی تفسیر دکھاؤ تو سہی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص۴۵ س۱۹: (حاشیہ) اس بنا پر تشہد کو قعدہ کہنا ٹھیک نہیں ہے الخ **اقول:** اس پر قیام وقومہ کا مسئلہ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ حدیثوں میں قومہ کا ذکر تک نہیں ہے۔

قولہ ص۴۶ س۱: بعض لوگ کسوف کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں الخ **اقول:** اس سے ہم کلیہ کے اس دعوی کو توڑتے ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ ایک بار ہاتھ کھل گئے پھر باندھے نہیں جائیں گے۔ دوم یہ کہ اس کے لیے مستقل دلیل یا کوئی نص نہیں ہے۔ صرف عموم سے استدلال کیا گیا ہے۔

قولہ ص۴۶ س۵: وہ اصلی قیام کے قائم مقام ہوتا ہے الخ **اقول:** حافظ ابن حجر نے اس کو فتح الباری ص۲۳۴/ ج۲ میں قیام اعتدال تسلیم کیا ہے اور یہ دلیل دی ہے کہ آپ ﷺ نے اس قیام میں دعاء اعتدال پڑھی ہے جیسا کہ بخاری ص۱۴۵ میں حدیث ہے۔ ایضاء قائم مقام جب ہوگا کہ وہ قیام موجود نہ ہو حالانکہ یہاں موجود ہے۔

قولہ ص۴۶ س۵: گویا پہلے رکوع کو کالعدم قرار دے کر الخ **اقول:** پھر اس کا ثواب کیسے ملے گا۔ نیز فعل نبوی کو کالعدم کہنا بے ادبی بلکہ جسارت ہے۔ ایضا یہ کیسے آپ کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اس قیام کو کالعدم قرار دیا تھا یہ نسبت کس قسم کی ہے؟

قولہ ص۴۶ س۶: اس لیے اس میں قراءۃ بھی ہوتی ہے الخ **اقول:** کیا وضع قرأۃ کی سنت ہے؟ حدیث میں تو اذا کان قائما ہے قارئا نہیں ہے تو پھر دعاء افتتاح کے وقت کیوں باندھتے ہو؟ اسی طرح مقتدی کو بعد الفاتحہ باندھنے سے روک دو۔ جنازہ نماز میں قرأۃ کے بعد دعا کے وقت نہ باندھیں۔

قولہ ص۴۶ س۶: بلکہ بہت علماء فاتحہ کے بھی قائل ہیں الخ **اقول:** لیکن آپ کیا کہتے ہیں۔ کوئی ہے اس کا ثبوت؟ "لا صلوٰۃ لمن یقرء بفاتحۃ الکتاب" میں صلوٰۃ الکسوف داخل ہے یا نہیں؟ علی الاول قیام اوّل یا دوم یا دونوں اور تفصیل کی کیا دلیل ہوگی؟

قولہ ص۴۶ س۷: ملاحظہ ہو نیل الاوطار الخ **اقول:** لیکن امام شوکانی کا اپنا خیال یہ نہیں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ نیل الاوطار کی عبارت سے ظاہر ہے۔

نیز مقتدی کے لیے کیا حکم ہے؟ پڑھے یا نہ؟ علی الاول ثبوت چاہیے وعلی الثانی ہاتھ باندھے یا نہ؟

قولہ ص۴۶ س۹: اور زیر بحث وہ قیام ہے جس کے بعد سجدہ الخ **اقول:** نہیں بحث اس میں ہے کہ "اذا کان قائما فی الصلوٰۃ" یعنی جب بھی نماز کے اندر کھڑا ہو۔ نیز قبل الرکوع جس قیام میں سجدہ تلاوت ہو۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟ ہاں بقول آپ کے سجدہ تلاوت دیگر رکوع تک قیام میں وضع ثابت ہے۔ لیکن ایسی کوئی روایت دکھائیں جس میں صاف ذکر ہو کہ نبی اکرم ﷺ نے نماز شروع کرتے وقت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہاتھ باندھ لیے اور جا کر سجدہ تلاوت کیا ہرگز ایسا ثبوت نہیں دے سکتے۔

قولہ ص ٤٦ س ٩: اسی لیے اس میں قراءت نہیں ہوتی **اقول:** کیا قبل السجدۃ قراءۃ والا قیام نہیں ہوسکتا ہے؟ عجیب اس کے معنی ہوئے کہ سجدہ تلاوت دینا ہی نہ چاہیے۔ حالانکہ سجدہ تلاوت فی الصلوٰۃ کا احادیث میں ثبوت موجود ہے۔

قولہ ص ٤٦ س ١٠: جس کو فقہاء کی اصطلاح میں الخ **اقول:** لیکن اصطلاح نبوی میں خواہ محدثین میں نہیں۔ جیسا کہ ابھی ذکر ہوا۔

قولہ ص ٤٦ س ١٥: سندھی زبان میں رکوع کے بعد الخ **اقول:** جس روایت کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں بعد الرکوع صریحاً مذکور ہے کما مر نیز بعض ایسی روایتیں ہیں۔ جن میں اگرچہ بعد الرکوع کا لفظ نہیں ہے۔ لیکن قبل الرکوع کا بھی نہیں ہے۔ پس جس طرح ان سے قیام اول میں وضع کے لیے آپ کو استدلال کا حق ہے اس طرح دوسرے فریق کو ان سے قیام ثانی کے لیے استدلال کرنے کا حق ہے۔

قولہ ص ٤٧ س ٦: اس حدیث میں اخیر کا لفظ الخ **اقول:** واو عطف ہے اور معطوف ومعطوف علیہ کا مظروف ایک ہے۔ یعنی وحین رفع رأسه من الرکوع۔

قولہ ص ٤٧ س ٧: زمین پر رکھنا مراد ہے۔ **اقول:** یہ الفاظ تو حدیث میں نہیں۔ اس میں زمین کا ذکر نہیں۔ آپ اپنی طرف سے کیسے بڑھا رہے ہیں۔ دوسری روایت کا سہارا اس وقت لیں۔ جب کہ اس میں ابہام ہو یا قیام ثانی میں ہاتھ باندھنا ناممکن ہو۔ واذ لیس فلیس

قولہ ص ٤٧ س ٨: جن الفاظ کو حذف کر دیا ہے۔ الخ **اقول:** اس لیے کہ اصل مسئلہ کے بیان میں اس کی ضرورت نہ تھی اور عوام سندھی اس طویل بحث سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہم نے اردو رسالہ میں پوری روایت ذکر کر کے واؤ کی حقیقت ظاہر کر دی ہے۔

قولہ ص ٤٧ س ١٠: وجافی وفرش الخ **اقول:** یہ دونوں کام (مجافاۃ وافتراش) قیام کی حالت میں متعذر ہیں۔ لہٰذا یہاں وجافی میں واؤ استیناف ماننا پڑے گا۔ لیکن ووضع کفیہ میں بلاوجہ واؤ استیناف کیوں کرتے ہو اور کلام کو کیوں توڑتے ہو۔ اول وضع کا قیام میں متعذر ہونا ثابت کرو۔ والا فلا۔

قولہ ص ٤٧ س ٤: اس حدیث میں بہت اختصار ہے **اقول:** اختصار وغیرہ کا وہم وہاں ہوسکتا ہے۔ جہاں تفصیل کی ضرورت ہو اور جب واؤ عطف نہیں بن سکتا اور استیناف ہے تو ضرورت ہے کہ مجافاۃ وافتراش کا محل معلوم کرنے کے لیے دوسری حدیثیں دیکھی جائیں۔ لیکن ووضع میں ایسا نہیں۔ اس لیے کہ قیام میں وضع ہوسکتا ہے۔ پس اس میں نہ اختصار ہے نہ ابہام۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ ص۴۷ س۸: اخیر کا ٹکڑا حذف کرتے ہوئے الخ **اقول:** اب اس الزام کو اہل تحقیق نے دیکھ لیا۔

قد ظهرت فلا تخفى على احد
الا على احد لا يعرف القمرا

قولہ ص۴۷ س۲۱: تو امام احمد اس کی مخالفت کیوں کرتے **اقول:** کیا امام احمد رحمہ اللہ نے جتنی حدیثیں ذکر کی ہیں۔ ان کا مذہب ان سب کے موافق ہے؟

نیز انہوں نے کچھ تو موافقت کی ہے بہرحال وضع کے وہ بھی قائل ہیں آپ تو بالکل مخالف ہیں۔

قولہ ص۴۸ س۱: چنانچہ صفحہ ۱۵ پر تفصیل گذر چکی ہے **اقول:** وہاں جواب بھی گذر چکا ہے۔

قولہ ص۴۸ س۱: اس قسم کی ہے احتیاطی الخ **اقول:** کیا احتیاط یہی ہے کہ انصاب کے معنی ارسال کرنا یا خواہ مخواہ حدیثوں کو بہم قرار دینا یا بلا وجہ کلام کو منقطع کرنا یا بلا دلیل عام کو خاص کرنا یا خدا کے ملائے ہوئے حکم میں جدائی کرنا۔

فليبك على الاستنباط من كان باكيا

قولہ ص۴۸ س۷: یہ مطلب آج تک کسی نے بھی بیان نہیں کیا الخ **اقول:** یہ قاعدہ آپ کا اختراعی ہے کہ کسی نے یہ مطلب نہیں لیا۔ لہٰذا ہم بھی نہ لیں۔ ہاں اگر قواعد یا عقائد کے خلاف ہو تو اور بات ہے۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ قدماء محدثین میں سے کسی نے "اذا كان قائما" والی حدیث کو قیام اول کے لیے خاص کیا ہے؟

قولہ ص۴۸ س۱۲: یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنے ٹھکانے آ گئی الخ **اقول:** نماز میں کھڑے ہونے کی حالت میں تو ہاتھوں کی جگہ سینہ ہے۔ دوسری کوئی منقول نہیں۔

قولہ ص۴۸ س۱۸: سلف سے اس کا کوئی ثبوت نہیں الخ **اقول:** وضع میں تو سلف کا ثبوت ہے ارسال کا کسی سے ثبوت نہیں پھر مان لینے میں کیا حرج ہے ٹھنڈے سینہ سے غور کریں۔

مسئلہ...... ثابت ہو چکا ہے۔ "فقد ظهر الحق الحقيق وزهق الباطل فى مكان سحيق۔

والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم اللهم اصلح ذات بيننا اللهم وفقنا لما تحب و ترضىٰ بما افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة السادسة

مذکورہ کتاب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فضیلۃ الشیخ حضرت العلام عبداللہ محدث روپڑی صاحب کے "رفع الابہام فی جواب دلیل تام" کتابچہ کا دیا ہے جس میں شاہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ نے روپڑی صاحب کے تمام دلائل کا رد کیا ہے۔ (الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصل مسئلہ

اصل مسئلہ کے متعلق سب سے پہلے حافظ صاحب نے لکھا ہے کہ

''ہمارا دعویٰ ہے کہ شارع کی طرف سے ہاتھوں کے متعلق ایسی قولی و فعلی کوئی چیز موجود نہیں جس سے ثابت ہو کہ ہاتھ اٹھائے جائیں''

لیکن جو امر عموم سے ثابت ہو وہ بھی تو ہدایت ہے اور جب تک تخصیص کی دلیل نہیں دعویٰ غیر مسلم ہے۔

اس کے بعد پہلے علقمہ بن وائل کی روایت کو زیر بحث لائے ہیں اور جو کچھ لکھا ہے۔

اس کے تحت رفع الیدین کی حدیث آتی ہے کیونکہ وہاں بھی "اذا افتتح الصلوة اذا رکع، اذا رفع راسه من الرکوع" صحابی کے الفاظ ہیں اور اس میں بھی یہی بات رہتی ہے، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جس افتتاح رکوع اور اعتدال میں بار بار رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ کونسی نماز تھی فرضی یا نفلی؟ پس ترمذی اور ابوداؤد میں اس کا بیان موجود ہے یعنی صلوة مكتوبة کی صراحت موجود ہے اگر کوئی شخص حافظ صاحب کی اس تقریر کا سہارا لیکر یہ کہے کہ رفع الیدین کے لیے عموم صلوٰۃ کا دعویٰ غلط ہے اور وہ فرضی نماز سے خاص ہے تو کیا قارئین کرام اس پر خفا تو نہیں ہوں گے؟

ناظرین کرام! قرآن وحدیث میں جہاں کہیں کلمۂ اذا کا ذکر آیا ہے عموم کے لیے آیا ہے مگر جہاں کوئی تخصیص وارد ہو فریق ثانی کوئی ایک آیت یا حدیث پیش کرے جہاں کوئی تخصیص کی دلیل وارد نہ ہو اور وہاں — "اذا" عموم پر دلالت نہ کرتا ہو، ہمارا مطالبہ اسی طرح باقی ہے کہ تخصیص کی دلیل لائیں۔

گزر نہ عشق خبرے ہست بگوائے واعظ
ورنہ خاموش کہ ایں شور وفغاں چیزے نیست

حدیثوں کو آپس میں ملانے سے مطلب واضح ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت وائل کی روایت جو کہ حافظ صاحب مرحوم نے ذکر کی ہے وہ صرف افتتاح کے وقت جو قیام ہے اس میں ہاتھوں کی ہیئت بتاتی ہے باقی قیاموں سے ساکت ہے لیکن علقمہ والی روایت "اذا كان قائمافى الصلوة" اس کمی کو پورا کر دیتی ہے کہ جتنی بار بھی نماز کے اندر کھڑے ہونے کی حالت آئے گی اس وقت ہاتھوں کی یہی ہیئت ہوگی، اب فریق ثانی پر حق ہے کہ جس قیام کے لیے یہ ہیئت نہیں مانتے اس کے لیے تخصیص کی دلیل لائیں اور شارع علیہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

السلام سے وہاں ہاتھوں کی کوئی دوسری ہیئت ثابت کریں؟ "و اذا لیس فلیس"

کیا رفع الیدین کے متعلق ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیثوں کو ملا کر یہ مطلب نکالا جا سکتا ہے کہ رفع الیدین صرف فرضی نماز میں ہونی چاہیے؟

محدثین پر اتہام کا الزام اس وقت صحیح ہو جب کہ حوالہ غلط ہو یا تو آپ محدثین سے ایسی نص کا ذکر کریں کہ ہر وقت بلا داعی مطلق مقید پر محمول ہو سکتا ہے بلکہ جن امثلہ کو ہم نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے ان سے محدثین کا مذہب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

یہاں فطرہ کی مثال لانا غلط ہے اس لیے کہ واقعی کافر غلام پر فطرہ نہیں لیکن یہ صرف اس قید (من المسلمین) سے نہیں لیا جاتا ہے بلکہ یہ تو قائدہ کلیہ کے تحت ہے کہ غیر مسلم فرائض شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں بلکہ وہ مسلمان ہی پر عائد ہوتے ہیں پس اعتراض درست نہیں اگر اس کو مغالطہ نہ سمجھیں تو کیا سمجھیں؟

امام شوکانی رحمہ اللہ کی عبارت کا ترجمہ حافظ صاحب یوں کرتے ہیں کہ:

"مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے پانچویں شرط یہ ہے کہ محمول کیے بغیر دونوں پر عمل نہ ہو سکے۔ اگر بغیر حمل کے دونوں پر عمل ہو سکے تو یہ صورت ایک کو بے کار کر دینے سے راجح ہے۔"

یہی ہم نے کہا تھا۔ اب ایمان سے کہیے کہ "فیما نحن فیه" دونوں حدیثوں کو ایک دوسری پر محمول کیے بغیر عمل نہیں ہو سکتا ہے؟

ذرا انصاف سے کہو خدا لگتی

مانا کہ "اعمال الخاص لا یوجب اعمال العام" لیکن تخصیص یا تقیید کا کوئی داعی ہونا ضروری ہے کیا عام عمل خاص عمل کو متضمن نہیں ہے؟

نیز عمل کے لیے کونسا محل ہے اور کون سا نہیں؟ اس پر حافظ صاحب نے جو طویل مضمون لکھا ہے اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں ہم نے تو یہ دعویٰ ہی نہیں کیا کہ حمل کرنے کا محل ہے یا نہیں ہمارا دعویٰ صرف یہ تھا کہ حمل کے شروط ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب دونوں پر عمل ناممکن ہو جس کو آپ بھی مانتے ہیں اب کونسی خیانت یا بہتان کا ارتکاب ہے؟ ﴿وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾

اہل اصول کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل با محل ہو اور ساتھ ہی شروط بھی پائی جائیں یہاں اگر آپ با محل ثابت کریں گے تو بھی شروط میں سے اہم شرط مفقود ہے اور "اذا فات الشرط فات المشروط" پھر فرماتے ہیں کہ:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اذا کان قائما" کو مطلق اور مقید یا عام اور خاص سے کوئی تعلق نہیں"

جب تعلق ہی نہیں تو پھر لمبی تقریر کا کیا مطلب ہے ہم نے تو مطلق و مقید کا ذکر ہی نہیں چھیڑا تھا بلکہ آپ لوگوں نے ہی دعویٰ کیا تھا کہ علقمہ رضی اللہ عنہ کی روایت دوسری پر محمول ہے جس کے جواب میں ہم نے کچھ لکھا ہے رسائل سابقہ اس پر شاہد ہیں۔

عجب تو یہ ہے کہ کبھی تو حمل کا دعویٰ ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کا اس سے تعلق ہی نہیں۔ حالانکہ "اذا" عموم کے لیے ہے۔ جیسا حافظ ابن عبدالبر نے "جامع بیان العلم وفضلہ" میں قرآن و حدیث سے ثابت کیا ہے خود حافظ صاحب نے اپنے رسالہ " تکبیرات العیدین" ص ۳۵ میں "اذا" کو عموم پر رکھا ہے اور "اذا قَامَ الی الصلوۃ" سے تکبیرات عیدین میں رفع الیدین پر استدلال کیا ہے

؎ این گنا ہے است کہ در شہر شانیز کنند

پہلی رکعت کے علاوہ باقی رکعتوں میں وضع پر اجماع سے استدلال بھی عجیب ہے جو کہ حافظ صاحب سے ہرگز متوقع نہیں تھا۔ جبکہ دنیا جانتی ہے کہ نفسِ وضع پر ہی اجماع نہیں ہے اور جس اجماع کو ہم اور آپ حجت مانتے ہیں وہ اجماع جمیع مجتہدین مراد ہے۔ صرف واضعین کا اجماع (جیسا کہ آپ نے دعویٰ کیا ہے) کوئی شرعی دلیل نہیں یہ نئی ایجاد ہے۔ ہم پر تو خیانت و بہتان کا الزام ہے لیکن اس دعویٰ اجماع کو اہل علم کیا سمجھیں گے؟

جذبۂ عشق بحدیست میانِ من وتو
کہ رقیب آمد نشناخت نشانِ من وتو

جس حدیث کو آپ نے ذکر فرمایا ہے اس میں بھی "امتی" کا لفظ ہے نہ کہ امت کا خاص فرقہ

؎ بہ بین فرق از کجا است تا بکجا

مجمع الزوائد سے جو حدیث پیش کی گئی ہے اس سے بھی استدلال ختم ہو گیا کیونکہ آپ اس کو بھی اس شرط سے مانتے ہیں کہ مؤید بالاجماع ہو چنانچہ فرماتے ہیں۔

"ہاں اگر سجدہ کے وقت رفع یدین کرنے پر اجماع ہوتا تو ہم بھی اس کے قائل ہو جاتے۔"

اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ مسئلہ فیما نحن فیہ کے متعلق بھی اگر اجماع ہوتا تو ہم استدلال کو مانتے اور جب اجماع سرے سے ہے ہی نہیں تو پھر آپ کے اصول کے مطابق یہ استدلال غلط ہوا۔

الحاصل: یہ کہ اعتراض (باقی رکعتوں میں وضع کا ثبوت کیا ہے؟) بھی رفع ہو سکا بلکہ ابھی تک باقی ہے۔

غلطیوں کے متعلق حافظ صاحب نے جو فہرست لکھی ہے وہ عجیب ہے میرے دل نے حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لاتجتمع امتی کا سہارا لیا ہے حالانکہ یہ اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب کہ ہم کو علم غیب حاصل ہو اور ہم جانتے ہوں کہ سلف میں ان دو اقوال کے علاوہ کوئی تیسرا قول تھا ہی نہیں۔ لیکن جب ہمارا علم محدود ہے اور ان دو کے علاوہ دوسرے اقوال کا امکان باقی ہے تو پھر کیسے یہ دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے۔

تعجب کا محل ہے کہ حافظ صاحب نے علم غیب کا دعویٰ کیسے کردیا ﴿قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾

باقی جس تقریری روایت کا حافظ صاحب نے حوالہ دیا ہے اس پر کلام الدلیل التام صفحہ ۹ پر ہوچکی ہے۔ اور جس ثبوت کا مطالبہ ہم نے کیا تھا۔ یعنی کہ رسول اللہ ﷺ سے بعد الرکوع ارسال کا ثبوت دیں وہ اب تک ظاہر نہیں ہوا۔

ہمیں بڑا افسوس ہے کہ حافظ صاحب کی خواہش انعام پوری نہیں ہوئی

ع جو آرزو ہے اس کا نتیجہ ہے انفعال

نمبر دوم میں حافظ صاحب نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔ ورنہ ہماری مراد یہ تھی کہ وضع وارسال الیدین میں تنافی نہیں ہے جو کہ ان کے اجتماع کی طرح انکار ارتفاع بھی ممتنع ہو۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان وسائط موجود ہیں اور حافظ صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ متنافی یرمن وجہ متضاد کا بھی اطلاق ہوسکتا ہے جیسا کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے "التقریب لحدالمنطق ص ۷۲ میں لکھا ہے۔ اسی طرح امام ابومنصور الثعابی فقه اللغه ص۳۴۸ میں لکھتے ہیں۔

"فصل فی تسمیة المتضادین باسم واحد" اور اسی فصل میں ایسے الفاظ بھی لائے ہیں۔ جو کہ ایک دوسرے کے متنافی ہیں اور ان میں انفصال حقیقی ہے۔

مثلاً: "القرء للاطهار والحيض والخيلولته للشك واليقين" وغیرہ

کیا وضع وارسال میں ایسی منافاۃ ہے کہ بفرض محال اگر وضع ثابت نہیں تو ارسال ثابت ہو جائے گا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ہمارا اعتراض صحیح ہے بلاشك مانعة الخلو میں ارتفاع ممتنع ہوتا ہے لیکن جہاں اجتماع وارتفاع دونوں ممتنع ہوں وہی تباین مقصود ہے۔

نمبر سوم: اس میں بجائے غلطی نکالنے کے یہ تسلیم کیا ہے کہ چونکہ ارسال میں اور کا دخل ہے لہٰذا وہ بھی عمل ہے اور ہمارا اعتراض بھی یہی ہے کہ نماز توقیفی ہے اس میں کسی عمل کو داخل کرنے کے لیے دلیل چاہیے۔ حافظ صاحب ہماری علمی لیاقت خواہ کچھ ہی بتائیں لیکن ان کی اپنی لیاقت سے ہمارا اعتراض اور مضبوط ہوگیا ہے "والحمد لله على ذالك۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طبرانی سے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت لا کر فرماتے ہیں کہ:

"یہاں تو لا عمل بھی نیکی بن گیا۔"

صرف اس حدیث کی وجہ سے لیکن ارسال کے نیکی بن جانے کی کیا دلیل ہے؟

نمبر چہارم: میں حافظ صاحب یہ بتاتے ہیں کہ ہم نے نیا مسئلہ نکالا ہے۔

اولا:...... ہم نے مسئلہ نہیں نکالا بلکہ یہ بتلایا تھا کہ دونوں طرح ممکن ہے لہٰذا آپ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

ثانیاً:...... کسی روایت میں یہ تصریح نہیں کہ حلقہ رانوں پر ہاتھ رکھنے کے بعد ہو بلکہ بعض روایات میں حلقہ واشارہ پہلے مذکور ہے جیسے یہ روایت اور بعض میں وضع کا ذکر پہلے ہے۔ کما فی النسائی ص ۱۴۸/ ج ۱۔ سلفیہ جو بھی مقدم ہوگا روایت کے مطابق ہوگا۔

ثالثاً:...... کسی میں مقدم ہونا اور کسی میں مؤخر ہونا یہ خود قرینہ ہو سکتا ہے کہ یہاں واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے لیکن "فیما نحن فیه" واؤ کو ترتیب کے لیے نہ ماننے کی کیا دلیل ہے؟

رابعاً:...... اجماع کا دعویٰ تو کر دیا اب برائے مہربانی چند مجتہدین کے نام بھی تو گنوا دیں جنھوں نے یہ تصریح کر دی ہو کہ پہلے وضع ہو پھر حلقہ۔

خامساً:...... جو روایت بحوالہ بیہقی نقل کی ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے اشارہ "کلمة اشهد ان لا الٰه الا اللّٰه"

اس قسم کے الفاظ امام بیہقی کی کتاب السنن الکبریٰ اور معرفة السنن والآثار دونوں میں نظر نہیں آتے، پھر مسئلہ خواہ مخواہ کیسے حدیث کے خلاف ہوا؟

سادساً:...... پھر حافظ صاحب بڑی جسارت سے فرماتے ہیں کہ: یہ مسئلہ انہوں نے نکالا ہے نہ کسی کی آنکھوں نے دیکھا نہ کسی کے کانوں نے سنا، سب مذاہب کی کتابیں کھول کر دیکھ لیں اس مسئلہ کا کہیں نام و نشان ہی نہیں ملتا"

ناظرین کرام! فقہ شافعی کی معتبر کتاب "المهذب لابی اسحاق الشیرازی" میں ہے۔ وفی الید الیمنیٰ ثلاثة اقوال۔ احدها ان یضعها علیٰ فخذه مقبوضة الاصابع الا المسبحة اھ (شرح المهذب ص ۴۵۲/ ج ۲) اب قارئین کرام وسعتِ نظر وقوتِ فکر کا اندازہ کر لیں۔

پھر حافظ صاحب ہماری ایک عبارت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ:

"اس کا نہ سر ہے نہ پیر"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سچ ہے کہ:

وکم من عائب قولا صحیحا
وآفتہٗ من الفہم السقیم

اہل نظر پھر غور فرمائیں کہ کیا کلمہ ''پھر'' واو کا ترجمہ ہے؟ اگر نہیں تو یہ اعتراض بے سروپا ہے، ہمارا صرف یہ کہنا تھا کہ راوی دو چیزوں کا دیکھنا بتارہا ہے رفع الیدین اور ''إمساک الیمین علی الشمال'' پہلے رفع الیدین تین مقام پر بتائی جس میں قیام قبل الرکوع خواہ بعد الرکوع دونوں ضمناً آ گئے اور حافظ صاحب کا یہ اعتراض بھی بوجہ ان کی جلد بازی کے مردود ہوگیا کہ اس روایت میں قیاموں کا ذکر نہیں ہے اور راوی نے دوسرے نمبر میں وضع کو ذکر کیا اور اگر یہ ایک قیام کے لیے ہوتا تو ضرور تصریح کر دیتا۔ نیز اگر یہ واو ترتیب کے لیے ہوتی تو مطلب یہ ہوتا کہ وضع و امساک سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد جو قیام ہے اس میں تھا مگر ایسا نہیں ہے بلکہ دونوں کا بتانا مقصود تھا۔ یہی ہم نے کہا تھا جس پر حافظ صاحب برس پڑے ''ان ھذا لمن خواص الشیخوخۃ'' اور یہ بھی ہے کہ ''اذا یئس الانسان طال لسانہ'' اور پھر فرماتے ہیں۔

''اور پھر واو کے ساتھ عطف رأیتہ کا رأیت پہلے پر ہے تو اگر واو ترتیب کے لیے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ راوی نے تین جگہ رسول اللہ ﷺ کو ہاتھ اٹھاتے دیکھا تو اس کے بعد ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا''

یہی دلیل ہے اس کی کہ یہاں واو ترتیب کے معنی میں ہے بلکہ عبارت کی ترتیب ہی کچھ ایسی ہے جس سے وضع دونوں قیاموں میں معلوم ہوتا ہے، کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اگر ہم واو کو ترتیب کے لیے مانیں تو بھی یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ تیسری جگہ یعنی رکوع کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی حالت رسول اللہ ﷺ سے صریحاً دوسری منقول ہے کہ آپ گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے تھے۔ (مشکوۃ ص ۷۶ بحوالہ ابو داؤد و ترمذی و داری) بلکہ خود آنحضرت نے حکم دیا کہ ''واذا رکعت فضع راحتیك علیٰ رکبتیك'' (ابو داؤد ص ۱۲۵) باقی دو حالتوں کے لیے یہ حکم رہے گا، اگر فریق ثانی قیام بعد الرکوع کی استثنیٰ کا بھی مدعی ہے تو اس کے لیے بھی کوئی دوسری ہیئت رسول اللہ ﷺ سے ثابت کریں۔ والا فلا

اور ہلب طائی کی حدیث پیش کرنا تعجب سے خالی نہیں ہے کیونکہ جب سلام پھیرا گیا اور انصراف ہوگیا تو انسان نماز سے خارج ہوگیا یہ خود قرینہ ہے کہ یہاں واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہے لیکن روایت مبحوث فیہا کو اس پر قیاس کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔؛ مزید یہ بحث الدلیل التام ص ۹ سے ۱۲ پر مذکور ہے۔

نمبر پنجم: میں حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ:

''قرینہ وہ دلیل ہے جو اس مقام میں ہوتی ہے جہاں مسئلہ کا بیان ہو رہا ہے۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولاً:...... کیا آپ قرینۂ خارجیہ کے قائل نہیں؟ ایضاً اگر قرینہ نہیں اور یہاں واؤ مطلق جمع کے لیے ہے تو کیا آپ یہ اختیار دیں گے کہ پہلے وضو کر لے بعد میں شرم گاہ دھوئے؟ یا پہلے شرم گاہ دھو کر بعد میں وضو کرے؟ اگر نہیں تو اس کی کیا دلیل ہوگی؟ اسی روایت میں ہے یا خارج سے لائیں گے۔

ثانیاً:...... شرم گاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو کا ٹوٹنا صرف حدیث بسرہؓ سے ماخوذ نہیں بلکہ اس کے متعلق اور کئی حدیثیں ہیں سیوطی الاظھار المتناثرۃ صفحہ ۱۱ پر اس کو متواتر شمار کرتے ہیں اور اٹھارہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے احادیث بتاتے ہیں علامہ عبدالعزیز الغماری اتحاف ذوی الفضائل المشتھرہ ص ۲۸ پر انتیس ۲۹ کے نام گنواتے ہیں، اور طلق کی روایت ان کے معارضہ کی حیثیت نہیں رکھتی، خود اسی سبل السلام ص ۶۸/ ج ۱ میں صاف طور پر بسرہؓ کی روایت کو طلق کی روایت پر راجح ثابت کیا گیا ہے۔

پھر امثلہ پر بحث کی ہے۔ مثال اول میں عجیب نکتہ سمجھایا ہے کیا قیام میں اقتدا نمایاں نہیں؟ کیا صف جماعت کا پتہ نہیں دیتی؟ بلاشک ایک رکعت میں شمولیت نماز میں شمولیت ہے لیکن پوری رکعت میں نہ کہ صرف رکوع میں، کیا آپ مدرک رکوع کو مدرک رکعت کہتے ہیں؟

؎ نکتہ شناس نہ دلبر خطا ایں جا ہست

مثال دوم میں دراصل ہم نے اصل حدیث کو بنایا اور اجماع کو تائیداً ذکر کیا تھا اس لیے کہ اس پر اجماع بھی جب ہوا کہ حدیث سے عمرہ قبل الحج ثابت ہے اس پر اعتراض سینہ زوری ہے کیونکہ تأخرِ اجماع کا سوال ہی نہیں رہا۔ باقی یہ کہنا کہ ''قرینہ ساتھ ہوتا ہے'' صحیح نہیں کیونکہ قرینہ خارج سے بھی لیا جا سکتا ہے بلکہ حدیث آیت کی تفسیر ہے۔

مثال سوم میں لکھتے ہیں کہ:

''اور جب بعد الرکوع وضع ثابت نہ ہوا تو قبل الرکوع کے ساتھ خاص ہوگیا۔''

یہ تب صحیح ہو کہ آپ جب تخصیص کی کوئی دلیل پیش کریں: اور حکم وضع کا عام ہے تخصیص کی دلیل سے آپ کے ہاتھ خالی نظر آتے ہیں۔ اب طول کی کیا ضرورت ہے صرف ایک روایت پیش کر دیں ''ولیس لکم الیٰ ذالک سبیل''

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''اور علت کے بیان کو قرینہ کہنا یہ اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جب پہلے یہ ثابت ہو کہ واو ترتیب کے لیے ہے۔''

یہ تو ہم الدلیل التام ص ۱۳ پر بحوالہ المغنی وغیرہ ائمہ فن سے ثابت کر چکے ہیں اب یہ بقول شما قرینہ صحیح ہے،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثال چہارم میں ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں کہ:

"بے قراری ام موسیٰ کو التقاط سے پہلے ہوئی۔"

حالانکہ وہاں ایسا کوئی لفظ نہیں جس میں یہ تصریح ہو بلکہ مجمل کلام ہے چنانچہ ابن کثیر کی عبارت اس طرح ہے: "یقول اللہ مخبرا عن فواد ام موسیٰ حین ذھب ولدھا فی البحر" الخ ص۳۸۱/ ج۳ اور دوسری تفاسیر میں تصریح موجود ہے قرطبی ص۲۲۵/ ج۱۳ میں ہے "والمعنی انھا حین سمعت بوقوعه فی ید فرعون طار عقلھا من فرط الجزع والدھش اھـ" اور نسفی ص۲۲۸/ ج۳ میں ہے کہ:

"واصبح وصار فؤاد ام موسیٰ فارغا صفراً من العقل لما دھشت من فرط الجزع لما سمعت بوقوعه فی ید فرعون" اور جلالین ص۳۲۴ میں ہے: واصبح فؤاد موسیٰ لما علمت بالتقاطه فارغاما سواہ اھ اور جمل ص۳۳۸/ ج۳ میں ہے کہ ای انحصرت فکرتھا فیه لتراکم الھم علیھا لماوقع فی ید العدو اھ اور سواطع الالھام للفیضی ص۴۷۵ میں ہے واصبح وصارفؤاد روح ام موسیٰ لما وصلھا اولاع الولد فارغا اھ وھٰکذا فی الشوکانی ص۱۵۵/ ج۴ والقاسمی ص۴۶۹۷/ ج۱۳ ۔

اب ناظرین کرام غور فرمائیں کہ ہماری بات ہی صحیح ہوئی کہ مکمل بے قراری اس وقت ام موسیٰ کو ہوئی جب کہ بچہ آل فرعون کے ہاتھ آیا جن کے ڈر کی وجہ سے اس نے بچے کو دریا میں پھینکا تھا۔ جیسا کہ آیت ﴿فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ﴾ سے ظاہر ہے (الدلیل التام ص۱۰/ ۱۱) اب قلم برداشتہ لکھنا کس کی عادت ہوئی۔ ؏ مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

تنبیہ: ......جن اکابر صحابہ وتابعین کا حافظ صاحب نے نام لیا ہے انہوں نے ہرگز ایسا نہیں کہا کہ بے قراری التقاط سے پہلے تھی اور نہ ابن کثیر نے اس بات کو ان کی طرف منسوب کیا ہے بلکہ ان کی طرف صرف کلمہ "فارغاً" کے معنی منسوب کیے ہیں اور یہ آثار دراصل تفسیر ابن جریر سے لیے گئے ہیں۔

ناظرین کرام! بخدا تفسیر ابن جریر کی طرف رجوع کر کے دیکھیں کہ وہاں ان اکابرین سے صرف کلمہ "فارغاً" کے معنی مذکور ہیں اور تقدم وتاخر کا ان سے کوئی ذکر ہی نہیں، اور پھر حافظ صاحب کی تفسیر میں جرأت اور سلف کی طرف نسبت کرنے میں بے باکی کا اندازہ کرلیں۔

مثال پنجم میں حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"دوسری آیت کو موسیٰ علیہ السلام کا کلام ہونا مشکوک ہے"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ان کو اس کا کلام نہ کہنا ابن کثیر کی اپنی راء ہے اور امام المفسرین ابن جریر اسی کا کلام بتاتے ہیں دیکھو ابن جریر ص ۱۸۷/ ج ۱۳ اور قرطبی، خازن، نسفی، بیضاوی، جمل شوکانی اور فیضی دونوں قول بتاتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ حافظ صاحب کا اس کو مشکوک کہنا درست نہیں بلکہ دونوں احتمال ہو سکتے ہیں، ہم پر تو تفسیر سے ناواقفی کا الزام دیتے ہیں لیکن ناظرین کرام بتائیں کہ اتنی تفاسیر سے اغماض کو کس پر محمول کیا جائے ناواقفی پر یا تجاہل عارفانہ پر؟

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کر

علاوہ ازیں ابن کثیر کی رائے کا مدار اس پر ہے کہ تورات میں عاد وثمود کا ذکر نہیں ہے۔

اولاً:...... اس قول کو ''قیل'' سے نقل کرتے ہیں۔

ثانیاً:...... ابن کثیر سے پہلے تورات محرف ہو چکی تھی تفصیل کے لیے کتاب الفصل لابن حزم کا مطالعہ کریں۔ پس اس پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے۔

اور ''اتقان'' سے جو روایت نقل کی ہے کہ سورہ ابراہیم سورہ والذاریات کے بعد اتری ہے وہ روایت ضعیف ہے، اس کی سند اس طرح ہے ''قال ابن الضريس فى فضائل القران حدثنا محمد بن عبدالله بن ابى جعفر الرازى انبأنا عمرو بن هارون حدثنا عثمان بن عطاء الخراسانى عن ابيه عن ابن عباس فذكره'' (الاتقان ص ۱۰-۱۱/ ج ۱۱ مصرى)

اولاً:...... عثمان بن عطاء کو ضعیف، متروک اور منکر الحدیث کہا گیا ہے بلکہ امام حاکم نے تو کہا ہے کہ وہ اپنے باپ سے بناوٹی حدیثیں روایت کرتا ہے۔ (تهذيب ص ۱۳۹ ...... ج ۱)

ثانیاً:...... اس کا باپ عطاء بن ابی مسلم الخراسانی مدلس ہے کما فی التقریب ص ۳۶۲/ طبع ہند اور معنعنا روایت کی ہے۔

ثالثاً:...... اسی عطاء کا عباس رضی اللہ عنہ سے کوئی سماع نہیں اور نہ ہی ملاقات ہے کما فی التہذیب ص ۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴/ ج ۷۔ پس ایسی روایت سے استدلال کرنا علماء کی شان نہیں۔

اگرچہ اس آیت میں صراحتاً قوم لوط کا ذکر نہیں مگر جملہ ''والذين من بعدهم'' میں قوم لوط بھی داخل ہے کیونکہ ترتیب وار قصہ اعراف وشعراء میں مذکور ہے بالخصوص سورہ ہود میں تو صاف مذکور ہے کہ: ﴿وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ (ہود ع ۸ پ ۱۲)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثال ششم میں ہم نے یہ بتایا تھا کہ جب واؤ ترتیب کے لیے ہے تو رسول اللہ ﷺ نے بھی ترتیب وار عمل کرنا بتایا ہے اور صفا جو مقدم تھا اس کی طرف پہلے گئے اور مروہ جو مؤخر تھا اس کی طرف بعد میں گئے۔ ایسی صاف بات کو کون نہیں سمجھ سکتا ہے۔ بلا شک صحابہ اہل لغت تھے لیکن آنے والے سب اہل لغت نہیں بلکہ ہم اور آپ جیسوں کے درمیان بھی بموجب قولہ تعالیٰ: ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (النساء ع۷ پ۵) فیصلہ واتفاق رائے ہو جائے، آیئے کہ اس فرمان نبوی پر فیصلہ کر کے یہ شعر پڑھیں کہ:

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

اور امام شوکانی کی عبارت جہاں ذکر ہوگی وہیں کلام کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن ہاں اتنا ضرور عرض کر دیتے ہیں کہ امام موصوف خود اسی کے قائل ہیں کہ جب تک کوئی مانع نہ ہو واؤ ترتیب کے لیے ہی ہوتی ہے جیسا کہ الدلیل التام کے ص۱۲ پر عبارت گذری ہے۔

نمبر ششم میں ہم پر بہتان اور خیانت کا الزام لگایا ہے اب حافظ صاحب کے پاس صرف یہی ایک ہتھیار رہ گیا ہے فرماتے ہیں کہ:

"قارئین کو بڑے مغالطہ میں ڈالا ہے اور ظاہر کیا ہے کہ امام شوکانی واؤ میں ترتیب کے قائل ہیں اور جو لوگ ترتیب کے قائل نہیں ان کا رد کرتے ہیں۔"

ناظرین: دوبارہ الدلیل التام اٹھا کر دیکھیں، نہ ہم نے یہ کہا ہے اور نہ کہتے ہیں۔ ہمارا صرف یہ کہنا تھا اور ہے کہ امام شوکانی نے جس اصول کی بنا پر اس جواب کو ممکن کہا ہے وہ یہ ہے کہ جہاں ترتیب ممتنع نہ ہو وہاں ترتیب ہی ملحوظ ہے اور یہ اصولاً خواہ کتنی اور دلیلیں ذکر کی جائیں سب کے لیے معیاری حیثیت رکھتا ہے اور حافظ صاحب کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ:

"جمہور علماء کی طرف سے بہت سے دلائل ذکر ہوئے ہیں ایک دلیل ان سے کمزور ہے جس کی عبارت اور اس کے ترجمہ پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک دلیل کے کمزور پڑنے سے مسئلہ کمزور نہیں ہوتا۔ الخ"

کیونکہ جس اصول کی بنا پر اس کو کمزور کہا گیا ہے وہ سب دلائل کی بنا پر ہو سکتا ہے۔

اگر یہ اصول امام شوکانی کے ہاں معتبر نہ تھا تو جو جواب اس پر متفرع ہے اس کو ممکن کیسے کر دیا۔ لطف یہ کہ خود حافظ صاحب اس کے کمزور ہونے کے قائل ہیں جس کے یہ معنی ہوئے کہ یہ اصل آپ کے ہاں بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معتبر ہے، نیز حافظ صاحب کا یہ کہنا کہ امام شافعی کی صرف یہ نسبت بصیغۂ تمریض ہے، جواباً عرض ہے کہ مغنی اللبیب ص۳۰/ ج ۲۔مصر میں لکھتے ہیں کہ: "لا یکفی فی هذه النسبة مجرد قوله بالترتیب فی الوضوء لان له دلیل آخر" یہ سب کچھ ہم نے اسی بنا پر لکھا تھا کہ حافظ نے انکار کیا تھا کہ واؤ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی ورنہ جو ہمارا طریق استدلال ہے اس کو ہم بارہا واضح کر چکے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ

''جب پاؤں کا دھونا مسح کے بعد ہوا تو منہ ہاتھ دھونے سے بھی بعد ہوا۔''

ہم نے یہ کب کہا تھا کہ پاؤں ہاتھ اور منہ سے پہلے دھوئے یا بعد، نہ معلوم حافظ صاحب لکھتے وقت کس خیال میں تھے، ہمارا اعتراض یہ تھا کہ مسح کے درمیان میں آ جانے سے لغایتہٗ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ مسح غسل الوجہ والیدین سے مؤخر ہوا اور غسل الرجلین مسح سے مؤخر ہو، لیکن ﴿فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ﴾ میں ترتیب کے قائل ہو یا نہیں؟ ''اگر پہلے ہاتھ دھو کر پھر منہ کو دھوئے تو جائز ہوگا''؟ (الدلیل التام ص ۱۳) اس کے جواب میں عبارت بالا جس علیت کا پتہ دیتی ہے اس کا ناظرین کرام اندازہ فرمائیں؟ پوچھی زمیں کی تو کہی آسمان کی۔

پھر فرماتے ہیں کہ:

''تیسرا قول پیدا کرنا اجماع کے خلاف ہے۔''

حالانکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ آپ عالم الغیب نہیں لہٰذا دو قول تک انحصار کا دعویٰ نہ کریں۔

پھر ارشاد ہے کہ:

''یہ نہیں سوچتے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو وحی بھی ہوسکتی ہے''

سچ ہے کہ:

وکم من عائب قولا صحیحا
وآفته من الفهم السقیم

ہمارا کہنا یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ وحی کے الفاظ کو اچھی طرح سمجھتے تھے آپ کا ترتیب وار عمل کرنا بتاتا ہے کہ آیت میں ترتیب وار ہی عمل کرنے کا حکم ہے۔

عجوبہ:...... ہم نے لکھا تھا کہ یہاں ترتیب وعدم ترتیب کا مسئلہ نہیں ہے اگر یہ ہوتا تو اس روایت میں وضع کا ذکر صرف قیام بعد الرکوع کے لیے سمجھا جاتا مگر طریقہ استدلال یہ ہے کہ راوی دونوں قیاموں کا ذکر کرتا ہے اور پھر مطلقاً وضع کا ذکر کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں میں وضع کرنا ہے (الدلیل التام ص ۹)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر حافظ صاحب نے زیر عنوان بطور غلطی جو جوہر دکھایا تھا کہ ''اس عبارت کا سر ہے نہ پیر'' پہلے کہتے ہیں ترتیب وعدم ترتیب کا مسئلہ نہیں ہے اور اخیر میں کہتے ہیں کہ پھر مطلقاً وضع کا ذکر کرتا ہے، غور کیجئے یہ ''پھر'' کا کلمہ ترتیب کے لیے ہے یا نہیں جس کو اپنی عبارت کی خبر نہ ہو وہ حدیث کے مسائل کیا سمجھ سکتا ہے، اور پھر خود ہی حافظ صاحب یہاں فرماتے ہیں کہ:

''لیکن قرآن مجید میں منہ ہاتھ دھونے کا ذکر کر کے سر کے مسح کا ذکر کیا ہے پھر پاؤں کے دھونے کا ذکر کیا گیا ہے پاؤں کو دھونے کے اعضاء سے الگ کر کے اخیر میں ذکر کرنا اس سے ترتیب سمجھی گئی نہ کہ واؤ ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔''

اب ناظرین! غور فرمائیں کہ ہماری جو بات بری لگی تھی وہی حافظ صاحب نے فرمائی ہے ہم نے کہا تھا کہ صرف واو سے یہ مسئلہ ماخوذ نہیں بلکہ الفاظ کے تقدم و تأخر سے یہ بات سمجھی جاتی ہے اسی پر حافظ صاحب برس پڑے اور بوقت ضرورت اسی کا سہارا لیا۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

ہم پر غصہ نکالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جب پیروں کا یہ حال ہے تو مریدوں کا خدا ہی حافظ ہے۔''

بھائی ہم نہ پیر ہیں اور نہ پیری مریدی کے قائل ہیں، پیری مریدی کا سب سے بڑا شعار تو تعویذ لکھ کر دینا ہے ہم تو اس کے سرے سے قائل ہی نہیں اور نہ ہم تعویذ دیتے ہیں اور نہ ہمارے آگے تعویذ لکھوانے کے لیے مردوں اور عورتوں کا جمگھٹا رہتا ہے

یہ رونق تو ماشاء اللہ حافظ صاحب مرحوم کے ساتھ ہی تھی۔

پاکبازاں راست وچپ ایستا وہ اندر عشق تو
رونمائی، ہمچولالہ گاہ راس وگاہ چپ

نمبر ہشتم میں گذشتہ باتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''جلسہ بین السجدتین اور جلسۂ استراحت میں رانوں پر ہاتھ رکھنے کے متعلق اجماع ہے۔'' الخ

حالانکہ اجماع کا دعویٰ آسان نہیں، امام فرماتے ہیں کہ:

''من ادعى الاجماع فهو كذاب لعل الناس قد اختلفوا ما يدريه ولم يتنبه اليه'' (ابن حرم ص ٥٤٢)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ سب فقہاء سے نقل ثابت کریں یا کم از کم کسی معتبر ناقل کا حوالہ دیں اور اتنی جلد بازی نہ کریں، رسالہ ارسال الیدین میں جلسوں میں ہاتھوں کے متعلق تین صورتوں میں انحصار کا دعوی کیا تھا اور ہمارے اعتراض کا جو جواب دیا تھا وہ اسی حصر کے دعویٰ پر موقوف تھا اور جب ہم نے حصر کے دعویٰ کو غلط ثابت کیا تو کہتے ہیں کہ:

''عام حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ صورتیں لکھی تھیں''

ثابت ہوا کہ یہ قطعی بات نہیں ہے، پس اس پر آپ کا جواب قائم نہیں رہ سکتا، بلکہ ہمارا اعتراض باقی ہے۔ والحمدللہ

اسی طرح عام طور پر لوگ ہاتھ ملا کر بھی بیٹھتے ہیں پھر خود ہی اعتراض کرتے ہیں کہ:

''ہاتھ باندھنا بھی عام حالات میں شامل نہیں تو پھر تین کیوں لکھیں۔''

پھر جواب دیتے ہیں کہ:

''ہاتھ باندھنے کی چونکہ بحث ہو رہی تھی اور انسان جب بیٹھ کر نفل پڑھتا ہے تو ہاتھ باندھ لیتا ہے تو اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ ان جلسوں میں بھی ہاتھ باندھنے چاہئیں۔''

یہ بھی عجیب استدلال ہے کہ ہاتھ باندھنے کا ذکر حالت قیام میں ہو رہا ہے اور بیٹھ کر نفل پڑھنے والا بھی اسی حالت میں وضع کرتا ہے جو کہ قیام کے قائم مقام ہے نہ کہ بین السجدتین او بعدھما اس طرح کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا ہے، آپ یا تو حصر کے دعویٰ سے دست بردار ہو جائیں یا پھر اپنی غلطی کا اقرار کر لیں کہ تیسری چیز کیوں ذکر کی؟

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین وکارِ آسان کن

آپ ہی کے پیدا کردہ اعتراض سے آپ کا کام تمام ہوا۔ والحمد للہ

پہلے ہم نے اعتراض کیا تھا کہ ''اس کا ہاتھ زمین پر پڑا تھا'' یہ حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے'' الخ

اس پر حافظ صاحب یوں گوہر افشاں ہیں کہ:

''حدیث میں جلسے کا لفظ موجود ہے پس بیٹھنے کی حالت میں ہاتھ زمین پر ہوں گے یا رانوں پر۔'' الخ

اس دعویٰ کے حصر کو ناظرین دیکھ چکے ہیں لہٰذا یہ جواب قابل التفات نہیں ہے عجب ہے کہ اپنی طرف سے جو چاہیں حدیثوں میں الفاظ بڑھاتے جائیں اور اگر اعتراض کریں تو فتویٰ دینے لگ جائیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مہربان! ہم آپ کی اس باریک بینی اور نکتہ دانی کی داد دیتے ہیں لیکن اس کا نام حدیث دانی نہیں ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ:

"اور پھر ساقط کے معنی گرانے کے کرنا بھی غلط ہے ساقط لازم ہے جس کے معنی گرنے والے کے ہیں۔"

یہ اعتراض تو ہم پر اس وقت وارد ہوسکتا ہے جبکہ ہم نے حدیث کا ترجمہ کیا ہو ہم نے تو یوں استدلال کیا تھا کہ وہ اس حدیث سے تو نماز میں ہاتھوں کا گرانا ممنوع ہوا" الدلیل التام ص ۲۱۔ اس میں کب ہے کہ ہم نے اس کو متعدی سمجھا ہے۔

بلکہ ظاہر ہے کہ جب آپ (ﷺ) نے اس شخص کا ہاتھ گرا ہوا دیکھا (خواہ کیسے ہی گرا ہوا تھا) تو اس کو تنبیہ فرمائی، جس سے واضح ہوا کہ ہاتھوں کا گرانا ممنوع ہوا۔ اس پر لازم اور متعدی کی بحث کرنا خواہ مخواہ کی طبع آزمائی ہے۔

کنزل العمال کے حوالہ سے جو ابن عمرؓ کی روایت نقل کی ہے یا جن دوسری روایات کا حوالہ دیا ہے وہ سب کنز العمال میں بحوالہ جامع عبدالرزاق منقول ہیں اور نہ معلوم ان کی سند کیسی ہے۔ ان پر بلا تحقیق اعتماد نہیں کیا جاسکتا، حافظ صاحب کے مشورہ کا شکریہ لیکن ہم تو پیری مریدی کے قائل نہیں ہیں آپ کے دن تعویذوں میں گزرتے تھے اور فرصت کم ملتی تھی پس بجائے حدیث کے ان نکات پر قناعت کی ہمیں تو الفاظ حدیث ہی کافی ہیں، ؂ رضينا قسمة الجبار فينا

نمبر ۸ کے تحت جو لکھا گیا ہے جواباً عرض ہے کہ بلا شک جلسۂ استراحت وبین السجدتین میں رانوں پر ہاتھ رکھنے پر دونوں فریق متفق ہیں لیکن اس کا نام اجماع شرعی نہیں جس کو فقہاء اصل ثالث کہتے ہیں، ایضا ہم دلیل سے قائل ہوئے ہیں اور آپ بلا دلیل، کیونکہ جو دلیل ہے آپ اس کو مانتے نہیں اور جس کو دلیل بناتے ہیں وہ مبنی نہیں "کما مرّ ویاتی"۔

؂ ببیں فرق از کجا است تا بکجا

جناب من! اگر آپ کا قیاس صحیح ہے تو اس قیاس کی صحت میں کیا شبہ ہے کیونکہ دونوں قیام ہیں اور علت میں جو فرق کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ "اذا کان قائما" اور "اذا قام" نہ کہ "اذا کان قارئاً" یا "اذا قرأ" اور قراءت کو علت قرار دینے والوں کا قول مستند نہیں ہے، یہاں اس سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بحث نہیں کہ قیام لمبا ہے یا نہیں بلکہ جو قیام ہو قلیل ہو یا کثیر اسی میں وضع ہوگا یہی الفاظ حدیث کے مقتضی ہیں آپ کا قیام بعد الرکوع میں عبث سے انکار صحیح نہیں کیونکہ ایسا عبث روز مرّہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں، لوگ ہاتھوں کو ہلاتے ہیں اور کبھی ہاتھ باندھ کر کے حلقہ بناتے ہیں اگر وضع ہوگا تو ایسی کوئی حرکت نہیں ہوسکے گی

ثانیاً:...... آپ کے اجماع کا دعویٰ بھی ثبوت کا محتاج ہے "ولیس لکم الیٰ ذالك سبیل"

ہماری دلیل واضح ہے کہ اذا قام پھر اذا جلس یہ ایسے ہی الفاظ ہیں جیسے کہ "اذا کبر واذا افتتح الصلوة ، اذا رکع ، اذا سجد، اذا قام من اللیل اذا اخذ مضجعة من اللیل ، اذا اراد الحاجة، اذا اراد سفرا، اذا ارادان یحرم، اذا ارادان یعتکف، اذا ارادان یرقد، اذا استجد ثوبا، اذا استلم الرکن، اذا اصبح، اذا امسیٰ، اذا افطر ، اذا اکتحل اذا اکل طعاما۔ اذا اکل اوشرب ، اذا آویٰ الیٰ فراشه اذا تعار من اللیل، اذا توضأ، اذاتلیٰ غیر المغضوب علیهم ولا الضالین اذا دخل الغائط ، اذا خرج من الغائط وغیره" ان سب کو عموم مانتے ہو لیکن یہاں کیا مانع ہے؟ ہم نے عموم سے استدلال کیا ہے جس کی تخصیص سے آپ قاصر ہیں آپ محض قیاس اور ادھر اُدھر کی باتیں کرتے ہیں۔

ناظرین! خود ہی انصاف کریں کہ "ای الفریقین احق بالامن" ذرا انصاف سے کہو خدا لگتی، بلا شک اذا قام و اذا جلس صحابی کا کلام ہے تو کیا رفع الیدین والی حدیث یا یہ دیگر امثلہ جو ہم نے ذکر کی ہیں یہ سب صحابہ کا کلام نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے افعال کی حکایت نہیں ہے؟ ان سب کو ماننا صرف ایک یا دو جگہ پر بلا وجہ رہنے رہتے کا نام تحقیق نہیں یہ ہٹ دھری ہے، اسی طرح اتمام الخشوع میں بھی عموم سے استدلال کیا گیا ہے اگر آپ کے پاس تخصیص کی دلیل ہے تو پیش کریں ورنہ عام عام ہی رہے گا۔

پھر فرماتے ہیں کہ:

''اذا جلس اور اذا قعد سے مراد التحیات ہے کیونکہ یہ جلوس اور قعود مبهم ہے۔''

اس میں کیا ابہام ہے؟ بلکہ راوی یہ بتانا چاہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نماز میں بیٹھنے کی یہ ہیئت تھی یعنی جب بھی بیٹھے تھے، آپ نے تو خواہ مخواہ لفظِ ابہام کو تکیہ کلام بنا لیا ہے اور احادیث کو ردّ کرنے کے لیے ایک بہانہ۔

حضرت بریدہ کی روایت جو کہ بحوالہ کنز العمال نقل کی ہے وہ سنن دارقطنی ص ۳۶ پر موجود ہے اور کنز العمال میں بھی اس کا حوالہ مذکور ہے، اس کی سند میں دو مشہور جھوٹے اور کذاب راوی ہیں، ایک عمرو بن شمر قال الجوزجانی زائغ کذاب ، وقال ابن حبان رافضی یشتم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصحابة، يروى الموضوعات عن الثقات، قال البخاری منكر الحديث، قال يحيٰ لايكتب حديثه، وقال النسائی والدار قطنی وغير هما متروك، وقال الحاكم كثير الموضوعات (لسان الميزان ص٣٦٦-٣٦٧)/ ج ٤ دوسرا جابر الجعفی ہے جس کو امام ابن معین، شعبی، جوزجانی، ابن عیینہ اور احمد بن خداش نے کذاب کہا ہے (تہذیب ص٤٧-٤٨-٤٩ / ج٢) پس اس روایت کے جھوٹے ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔ ایسی روایت کو احتجاجا تو کیا تائیداً پیش کرنے سے بھی اہلحدیث پناہ مانگتے ہیں۔ ایسی حدیث دانی حافظ صاحب کو مبارک ہو۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

نمبر:۹ میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے جملہ "وجافیٰ" میں واؤ کو استیناف بنانے پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ

"واؤ استینافیہ زائد ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ بغیر مجبوری کے کسی لفظ کو زائد نہیں کہہ سکتے"

یہاں مجبوری یہ ہے کہ عطف نہیں بن سکتا، کیونکہ ہاتھوں کو دور رکھنا قیام میں کیسے ہوگا؟ اس پر حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ

"جیسے سجدہ اور رکوع میں ہاتھ پہلوؤں سے دور رکھے جاتے ہیں ایسے ہی قیام میں کوئی مشکل نہیں"

سچ ہے کہ .... را حافظہ نہ باشد۔ پہلے فرما چکے ہیں کہ سلف سے قیام میں صرف دو قول ہیں وضع یا ارسال، اور پھر حدیث لا تجتمع امتی علی ضلالة کا ذکر کیا ہے ملاحظہ ہو عنوان غلطی نمبرا: اب یہ تیسرا قول کیسے پیش کر دیا؟

ناظرین: خود غور فرمائیں کہ حافظ صاحب کی پہلی بات صحیح ہے یا دوسری ہم نے وضع وارسال کے علاوہ تیسری صورت کا امکان لکھا تھا اور پھر حالتِ جلسہ میں ہاتھوں کے لیے دو حالتوں پر حصر کے دعویٰ کو غلط کہا تھا اور تیسری صورت کا امکان بتایا تھا تو حافظ صاحب ناراض ہو گئے تھے اور طویل مضمون لکھ کر اس کو تیسرے قول کے احداث سے تعبیر کیا تھا اب ضرورت پڑنے پر آپ ہی اپنے اصل کا صفایا کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

"اور وضع کفیه کا عطف جملہ حين رفع رأسه من الركوع رفع يديه کے پورے جملہ پر عطف ہے نہ کہ صرف رفع یدیہ پر ہے۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن پھر بھی تقدیر یہ ہوگی کہ "رفع یدیہ حین رفع رأسہ من الرکوع ووضع کفیہ" اور بات وہی ہوتی ہے، آپ نے کون سی نئی چیز بتائی ہے، معنی تو وہی ہوتے ہیں بلکہ ظرف کو مقدم کرنا یہ قرینہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا مظروف ایک ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ:

"تا کہ لازم آئے کہ ہتھیلیوں کا رکھنا بھی سر اٹھانے کے وقت ہے"

یہی صراحت ہے وضع بعد الرکوع پر، کیونکہ رفع الیدین کے بعد رسول اللہ ﷺ کچھ دیر قیام کر کے پھر سجدہ کو جاتے تھے جیسا کہ روایات بکثرت وارد ہیں، نیز اگر جملہ "ووضع کفیہ" کا تعلق سجدہ سے ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہیں سے جملہ علیحدہ ہو جاتا ہے حالانکہ جب تک کلام مسلسل ہے اسے علیحدہ نہیں کیا سکتا، ہم نے وجانی کو اس لیے علیحدہ کیا تھا کہ کلام مسلسل نہیں رہ سکتی۔ کما تقدم.

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"رکوع سے سر اٹھانے کا بیان پہلے ہو چکا ہے اب یہ سجدہ کا بیان ہوگا۔"

کیا درمیان میں قیام کی ہیئت کو نہیں بیان کیا جا سکتا، دوسرا قرینہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

"اگر ہتھیلیاں سینہ پر رکھنا مراد ہوتیں تو وضعھا کہنا کافی تھا۔"

دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ اظہار سے وضع الکف علی الکف کی صورت بھی معلوم ہوئی۔ جیسا کہ بعض آثار میں مذکور ہے کما فی المحلی وغیرہ، اگر مستقل جملہ پر عطف ہے تو بھی وہی معنی ہیں۔ کما مر

پھر یوں رقمطراز ہیں کہ:

"اکٹھے دونوں ہتھیلیاں رکھنے کا ذکر وائل بن حجر کی کسی روایت میں نہیں ہے۔"

یہ جب ہو کہ ایک صحابی سے صرف ایک ہی مسئلہ ایک لفظ سے ہی مروی ہو حالانکہ ایسا نہیں بلکہ فیما نحن فیہ مسئلہ میں آپ نے متعدد الفاظ نقل کیے ہیں، اور پھر بہتان لگاتے ہیں کہ ہم اس کے قائل ہیں کہ ہاتھ رانوں پر رکھنے سے قبل انگلی سے اشارہ کر سکتا ہے حالانکہ ہم نے ہرگز ایسا نہیں کہا بلکہ ہم نے اس کا امکان ذکر کر کے آپ کے دعویٰ حصر کو توڑا تھا، ذرا پھر الدلیل التام کا مطالعہ کریں، بیجا بہتان باندھنا مسلمان کو زیبا نہیں ہے، آپ نے ابھی قیام کے لیے یعنی کہ قیام کی حالت میں ہاتھوں کے لیے تیسری ہیئت کے امکان کا ذکر کیا ہے کیا آپ پر بھی یہ الزام عائد ہو سکتا ہے کہ آپ نے احداث فی الدین کیا ہے؟ اسی طرح جلسہ بعد السجدتین میں اشارہ کے متعلق ہم نے عموم حدیث یعنی اذا جلس سے استدلال کیا ہے، آپ کے پاس تخصیص کی کوئی دلیل نہیں، آپ کا خالی اجماع کا نام لینا دلیل نہیں کہلا سکتا بلکہ اس کے لیے ثبوت کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت ہے، آپ نے اس حدیث کو علمائے عرب کی طرف لکھ کر بھیجنے اور ان کے فیصلہ پر اتفاق کرنے کا بھی ذکر کیا ہے،

مہربان! اگر ان کے فیصلہ پر آپ راضی ہیں تو وہاں کی مملکت کے مفتی اعظم شیخ محمد بن ابراہیم سے اصل مسئلہ کے متعلق فتویٰ منگوا کر تسلی کر لیں، نیز وہاں کے مانے ہوئے عالم شیخ عبدالعزیز ابن باز ہیں مزید تسلی کے لیے آپ ان سے استفتاء کر سکتے ہیں۔

محترم حافظ صاحب نے تنبیہ کے عنوان کے تحت پھر قومہ کی بحث چھیڑی ہے حالانکہ ہمارا یہ کہنا ہے کہ حدیث کے الفاظ خواہ محدثین کے ابواب میں اس کو قومہ نہیں بلکہ قیام کہا گیا ہے اس کا نام اعتدال ہونا اسکے منافی نہیں کہ اس کا نام قیام بھی ہو، دونوں لفظ حدیث میں آئے ہیں، اس پر مسئلہ فاتحہ کو لانا بھی صحیح نہیں کیونکہ ہم نے صرف یہ لکھا تھا کہ فرض کی اصطلاح جدید نہیں اس کا وجود قرآن وحدیث میں پایا جاتا ہے لیکن قومہ کا اطلاق وہاں نہیں ملتا، جلسۂ استراحت کو بھی آپ ہی ذکر کرتے ہیں ہم تو اس کو جلسہ بعد السجدتین کہتے ہیں، تراویح کی اصطلاح اگرچہ حدیثوں میں صریح نہیں لیکن اصطلاح محدثین میں اس کا ثبوت ملتا ہے، صحیح بخاری وغیرہ میں کتاب صلوٰۃ التراویح موجود ہے اسی طرح اہلحدیث کی اصطلاح بھی سلف میں پائی جاتی ہے تذکرۃ الحفاظ ص ۸۳/ ج۔ طبع ۳۔ میں شعبی سے مروی ہے کہ "لو استقبلت من امری ما استدبرت ما حدثت الا بما اجمع علیه اهل الحدیث" اھ۔

ثانیاً:...... اگر تسلیم کیا جائے کہ قومہ کی اصطلاح الفاظ شرع میں موجود ہے تو بھی اصل مسئلہ میں مخل نہیں کیونکہ حدیث میں یہ لفظ ہیں اذا کان قائما، اذا قام، پس کھڑا ہونا قیام میں ہو یا قومہ میں زیادہ دیر ہو یا تھوڑی دیر۔

بعد ازیں حافظ صاحب نے یہ اعتراض بھی کیا ہے کہ:

"خود اس کا یہ معنی کیا ہے کہ سینے پر ہتھیلیاں رکھیں۔"

معاذ اللہ ہم نے یہ ترجمہ نہیں کیا اور نہ لکھا ہے ہمارے رسائل موجود ہیں گم نہیں ہوئے، ان کو دیکھ کر تسلی کی جاسکتی ہے، اس طرح کی بہتان طرازی اچھا کام نہیں، ہم نے تو اس روایت سے صرف وضع ثابت کیا ہے، باقی علی الصدر تو دوسری روایات سے ثابت ہوتا ہے جس طرح کہ قبل الرکوع وضع علی الصدر ثابت کیا جاتا ہے، آپ نے ہی تو حدیث کے ترجمہ میں لفظ "زمین پر" بڑھا دیا ہے، یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا بالحق وھو الفتاح العلیم،

نمبر: ۱۰ میں سدل والی روایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

''جب یہ تیسرا معنی محدثین سے ثابت نہیں تو پھر یہ تیسرا معنی کرنا اجماع کی مخالفت نہیں تو اور کیا ہے۔''

اولاً:...... ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ آپ عالم الغیب نہیں ہیں لہٰذا صرف دو قول تک حصر کا دعویٰ نہ کریں۔

ثانیاً:...... حافظ عراقی سے پہلے کسی محدث نے اس حدیث میں سدل الشعر کو داخل کیا ہے؟ اگر نہیں تو اس نے اس قول کا احداث کس بنا پر کیا ہے؟ کیا اس کو بھی جدت پسند اور غیر سلفی کہیں گے؟ پہلے یہ فیصلہ کریں کہ آپ کی لغتِ حدیث کہاں سے شروع ہوتی ہے حافظ عراقی سے قبل یا بعد؟

ثالثاً:...... حافظ عراقی نے سدل الشعر کو اس میں اس بنا پر داخل کیا ہے کہ لفظِ سدل ان معنوں میں مشترک ہے اس بنا پر ہاتھوں کا سدل بھی اس میں داخل ہے؟

رابعاً:...... بلکہ یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ کسی محدث نے یہ معنی نہیں کیے، حالانکہ محدث مناوی نے اسی حدیث میں ہاتھوں کے سدل کو بھی داخل کیا ہے اس کی عبارت الدلیل التام ص ۲۳ پر مذکور ہے اور مزید سنیئے، علامہ عزیزی السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ص ۳۸۵/ ج ۳۔ اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "قال فی النہایة ھو ان یلتحف بثوبہ ویدخل یدیہ من داخل فیرکع ویسجد وھو کذالك"

اور لنگوٹے کا ذکر یہاں بے محل ہے کیونکہ ایک کپڑے میں نماز پڑھنا حدیثوں میں مذکور ہے، نیز بخاری شریف "باب الصلوۃ القمیص والسراویل واتبان والقباء" کا مطالعہ کریں اور جس طرح بوجہ دلیل کے سدل الثوب سے سدل العمامہ اور سدل الشعر سے لحیہ خاص ہے اسی طرح یہ بھی سمجھیں،

ابن عربی اور مناوی نے جو سدل کا ذکر کیا ہے اس پر حافظ صاحب اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی معتبر کا قول ہو، حالانکہ ہمارا مقصد آپ کے دعویٰ کو غلط کرنا ہے کہ یہ اطلاق کسی محاورہ میں نہیں ہے، علاوہ ازیں لغت میں بھی ان کے خلاف نہیں ہے، پھر لکھتے ہیں کہ:

''ابن العربی مطلق ارسال الیدین کے قائل ہیں۔''

اس سے ہمارا کیا مطلب، وہ خواہ کسی کے قائل ہوں لیکن ان کی عبارت میں سدل کا اطلاق ارسال الیدین پر مذکور ہے۔

فیض القدیر کی عبارت کے ٹکڑے کی تشریح یوں کرتے ہیں کہ:

''بلکہ یہ بتلایا ہے کہ ارسال الیدین کی خاص صورت منع ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز شروع کرتے وقت کپڑا اوڑھ کر ہاتھ اندر کر لیے جائیں اور لٹکتے چھوڑ دیئے جائیں اور اسی حالت میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(کپڑے میں بند) رکوع سجدہ کیا جائے جیسے یہود کی عبادت ہے۔"

اس عبارت سے چند امور ظاہر ہوئے۔

اول:...... یہ کہ حافظ صاحب خود ارسال الیدین پر سدل کے اطلاق کے قائل ہیں۔

دوئم یہ کہ ارسال یہود کی علامت ہے۔

سوم اگر خاص سدل الثوب ہی مراد ہے تو بھی اس کی صورتیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے یعنی جس میں ہاتھوں کا بھی ارسال ہوتا ہے، باقی کپڑے میں بند، سو یہ قید بے معنی ہے کیا حافظ صاحب اور ان کے معتقدین چادر اوڑھتے وقت بعد الرکوع ہاتھ باندھ لیں گے؟

منادی کی عبارت کے متعلق حافظ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"والمراد" کی بجائے "او المراد" اور "اوان یلتحف" کی بجائے "وھو ان یلتحف" صحیح ہے۔

اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ لغت کی کسی کتاب میں سدل کے معنی صرف ارسال الیدین نہیں تو کیا سدل الثوب یا سدل الشعر بھی ہے؟ جس کا معنی یہ ہوا کہ لفظ مشترک ہے لہٰذا سدل کے سب اقسام ممنوع ہوں گے۔ اِلا یہ کہ جو بوجہ کسی دلیل کے مستثنیٰ ہو، حافظ صاحب کی تقریر طویل ضرور ہے لیکن مدعیانِ تخصیص واستثناء کے لیے مفید نہیں، اور یہاں ارادہ کا لفظ نہ لکھنا قرینہ نہیں بن سکتا، کیونکہ اوان یلتحف کا عطف وھو ارسالھا پر بھی ہوسکتا ہے اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ مطلق ارسال الیدین مراد ہے یا چادر کے اندر، واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال،

اس کے بعد حافظ صاحب نے ایک اصول قائم کیا ہے کہ:

"ایک لفظ جو بظاہر عام ہوتا ہے بوجہ بعض اسباب اس کا ایک حقیقی معنی بن جاتا ہے، لیکن لفظ قیام کے حقیقی معنی صرف قیام قبل الرکوع کہنا صحیح نہیں کیونکہ احادیث میں بعد الرکوع کھڑے ہونے کو بھی قیام کہا گیا ہے اسی طرح ابواب وتراجم محدثین میں بھی یہی اصطلاح ہے اس پر رسائلِ سابقہ گواہ ہیں، نیز سلف میں بھی اس کا نام قیام ہی متعارف تھا جیسا کہ الدلیل التام ص ۳۹ پر مذکور ہے اور اس کا نام اعتدال ہونا اس کو منافی نہیں، نیز اس قیام میں بھی لمبائی ہے اور حدیث میں دعا بھی لمبی آئی ہے، ایضاً بوجہ طول قیام کیا آپ وضع کی اجازت دینگے؟ اسی طرح قرأت بھی اس کا قرینہ نہیں بن سکتی کیونکہ قیام کا حقیقی معنی قیام قبل الرکوع ہے اس لیے کہ یہ اصول خود دلیل وقرینہ کا محتاج ہے پس وہ کیسے دوسرے اصول کا قرینہ بن سکتا ہے؟

پھر حدیث "اذا کان قائماً" کو حکایت فعل فرماتے ہیں، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اس قسم کی اور کئی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایات ہیں مثلاً "اذا رکع رفع یدیہ" وغیرہ کیا آپ ان سب کے عموم کا انکار کریں گے؟

حافظ صاحب نے جن محاورات کو ذکر کیا ہے ان سے ہمارے استدلال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اولاً:...... ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سلف میں بھی بعد الرکوع کھڑے ہونے کو قیام کہا جاتا تھا اور اس سے یہ نام کبھی نہیں ہٹا۔

ثانیاً:...... حدیث میں اگر یہ الفاظ ہوتے کہ آپ (ﷺ) قیام میں ہاتھ باندھتے تھے تو بحث کی گنجائش رہتی تھی کہ یہ قیام حقیقی ہے یا مجازی "واذا لیس ذالك فلیس كذالك" بلکہ وہاں تو ہے کہ "اذا كان قائما" پھر آپ خواہ کچھ بھی اس کا نام رکھیں، اسی طرح لفظ سدل کا مشہور معنی صرف سدل الثوب کہنا لغت میں اس کی کوئی شہادت نہیں ملتی، وہاں تو یہ ہے سدل ثوبه وشعرهٗ ارخاه وارسلهٗ كما فی اقرب الموارد و المنجد وتاج العروس وغیرہ اور سدل الاعضاء کا استعمال احادیث خواہ کتب علماء میں ملتا ہے اور یہ معنی نہ لغت کے منافی ہے اور نہ سدل الثوب اور سدل الشعر کے معارض ہے ایسی صورت میں لفظِ مشترک جمیع معانی پر محمول ہوگا اس کو پرویزی تاویل وجدت کہنا حافظ صاحب کا حسنِ اخلاق ہے جس کا اصل سبب آپ کا دعویٰ تفسیر وحدیث دانی ہے، ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ (۱) حدیث میں سدل منع ہے (۲) اور سدل کا لفظ ارسال الیدین پر بھی بولا گیا ہے (۳) یہاں سدل کو اس کے تمام معانی پر محمول کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں، اس سے آگے جانے کی ضرورت نہیں،

حافظ صاحب بزرگ تھے اور طویل عبارت لکھنے میں اپنی مثل آپ تھے مگر اس کا مصداق یہ شعر ہے ۔

اک خلا محسوس کرتا ہوں میں اپنے دل کے پاس
باوجود اتنی بلندی کے بھی رہتا ہوں اداس گھوڑے پر

سدل کا ذکر کر کے خود ہی اس اعتراض کو رد فرماتے ہیں، باوجود اس کے کہ حدیث میں سواری پر نماز کا ذکر آیا ہے پس یہ صورت مستثنیٰ ہوگی اسی طرح آپ کتنی ہی مثالیں ذکر کریں ہمارا صرف ایک سوال ہے کہ کیا ارسال الیدین فی الصلوٰۃ کو حدیث نہی عن السدل سے مستثنیٰ کرنے کی کوئی دلیل ہے؟ اگر ہے تو پیش کریں ورنہ خواہ مخواہ طول لسانی اور نازیبا الفاظ مایوسی کی علامت ہیں۔

ہو کے مایوس میرے عشق کو بد نام نہ کر
ایک مجبور کو یوں موردِ الزام نہ کر

عنوان جدّت پسند اور سادہ لوحی کے تحت جو لکھتے ہیں اس کے متعلق عرض ہے کہ اگرچہ زمان نبوی میں شیعہ نہ تھے مگر جس طرح یہود کی مشابہت بری ہے اسی طرح شیعہ کی بھی اچھی نہیں، اور ارسال اشتراکی بھی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں کیونکہ آپ خود مانتے ہیں کہ اس پر اجماع نہیں ہے اور صرف اکثریت کا تعامل دلیل شرعی نہیں ہے، نیز صیام محرم کے مسئلہ پر قیاس درست نہیں کیونکہ قیام وغیرہ سب الگ الگ ارکان ہیں، ہر ایک میں ان سے مخالفت ضروری ہے، باقی بار بار لفاظی کرنا کوئی علم نہیں وغیرہ وغیرہ یہ خود دلیل ہے کہ فریق ثانی کے ہاتھ دلیل سے خالی ہیں اب بموجب "ملاں آن باشد کہ چپ نباشد" بولتے ہی رہنا ان کا شیوہ ہے۔

عنوان تعارض کے تحت جو کچھ لکھا ہے علماء کی شان سے کوسوں دور ہے۔

اولاً:...... ہم نے نہ کبھی یہ فتویٰ دیا ہے اور نہ ہمارا یہ مسلک ہے کہ ارسال کرنے والے کے پیچھے نماز ناجائز ہے بلکہ ہم تو خود بعد الرکوع ارسال کرنے والے کے پیچھے پڑھ لیتے ہیں بشرطیکہ مسلکاً اہلحدیث ہو۔ یہ بھی ہم پر جھوٹ اور افترا ہے کہ ہم حافظ صاحب کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ نہ معلوم بلا تحقیق حافظ صاحب نے کس طرح ایسا لکھ دیا۔ حالانکہ ہم نے تو حافظ صاحب کے پیچھے ملتان اور دوسری کئی جگہوں میں نماز پڑھی ہے اور محض اس لیے کہ آپ کا ہمارے ساتھ اس مسئلہ اور دوسرے مسائل میں جو اختلاف ہے وہ تحقیقاً ہے نہ تقلیداً۔ "اعاذہ اللہ من ذلك"

ثانیاً:...... سنة المصلی سے ہماری مراد مسنون طریق ہے یعنی جو کچھ حدیث نبوی سے ثابت ہو، وہ ہماری قطعی تحقیق ہے کہ نماز میں بحالت قیام آنحضرت ﷺ سے بدون ہاتھ باندھنے کے اور کچھ ثابت نہیں اور حافظ صاحب اپنی تحقیق کے مطابق بعد الرکوع وضع کے قائل نہیں اور ہر ایک اپنی تحقیق پر عمل کرنے کا مکلف ہے اور اختلاف تحقیق ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے ہرگز مانع نہیں ہے۔ بلا تحقیق ایک غلط الزام ہمارے ذمہ لگا کر پھر تعارض نکالنا نہ قواعد مناظرہ میں ہے اور نہ آداب سوال وجواب میں، فجر کی سنت کے بعد لیٹنے کے مسئلہ میں بھی عجیب جرأت دکھاتے ہیں، جب ثابت ہوا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا فعل وعمل ہے تو پھر اس کے سنت ہونے میں کیا شبہ رہا اور مغنی کی اصل عبارت جس کی طرف الدلیل التام ص ۱۱ پر ہم نے اشارہ کیا ہے وہ ذکر کر دیتے ہیں۔

ویستحب ان یضطجع بعد رکعتی الفجر علی جنبه الایمن وکان ابو موسیٰ ورافع بن خدیج وانس بن مالك یفعلون، وانکره ابن مسعود وکان القاسم وسالم ونافع لایفعلونهٗ، واختلف فیه عن ابن عمرو روی عن احمد انه لیس بسنة لان ابن مسعود انکرهٗ، ولنا ماروی ابو هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا صلی احدکم رکعتی الفجر فلیضطجع قال الترمذی هذاحدیث، ورواه البزار فی مسنده وقال علی شقه الایمن ،

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عن عائشة قالت كان النبي ﷺ اذا صلىٰ ركعتي الفجر اضطجع على شقه الايمن متفق عليه وهذا رواية البخاري، واتباع النبي ﷺ في قوله وفعله اولىٰ من اتباع من خالفهٗ كائنا من كان اھـ (المغنى لابن قدامه ص٧٦٨,٧٦٧)ج

اب ناظرین انصاف کریں کہ یہاں صاحب المغنی امام احمد رحمہ اللہ کے قول کو حدیث کے خلاف شمار نہیں کرتا ہے؟ بلکہ امام موصوف فرماتے ہیں کہ "ما افعله انا (طرح التثريب شرح التقريب للعراقي (ص٥٤ ج٣)"

مسئلہ رفع الیدین عند الرکوع کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ حدیث صحیح میں انکار ہے اسی لیے امام موصوف قائل نہیں ہوئے۔ لیکن اس سے آپ کا کلیہ نہیں رہا اور یہ امر مسلم ہے کہ ایک حدیث سے ایک مسئلہ نکالا ہو اور بعد میں آنے والوں نے اسی سے دوسرے مسائل نکالے ہوں تو کسی ایک کے لیے اس کو مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔

پھر وہی مضمون مکرر آیا ہے اخیر میں فرماتے ہیں کہ:

''کہ حدیث رب حامل فقه کا یہ محل نہیں الخ''

کیا صحابہ جو سب سے زیادہ فقیہ ہیں وہ اس حدیث میں داخل نہیں۔ ہم نے کب کہا ہے کہ ہم معاذ اللہ امام احمد رحمہ اللہ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ امام نے جو ایک مسئلہ کسی حدیث سے لیا ہے وہ حدیث صرف اس تک محدود نہیں ہے کم ترك الاول للآخر بعد میں آنے والے کو اگر کوئی مسئلہ معلوم ہوا تو اس میں سلف کی توہین ہرگز نہیں۔

اس کے بعد سلسلہ وار جواب دینا شروع کیا ہے۔ ہم بھی اسی طرح سلسلہ وار جواب الجواب لکھتے ہیں۔

قولہ: تقریری حدیث اور اصول الاحادیث یفسر بعضه بعضاً سے ہم نے ارسال ثابت کردیا ہے۔

اقول: اس پر مفصل کلام گزر چکی ہے کہ نہ یہ تقریری ہے اور نہ یہ اصل یہاں چل سکتا ہے۔ یہ اصل وہاں ضروری ہے جہاں روایت میں کوئی ابہام ہو لاکما نحن فيه۔ کیونکہ یہاں تو صاف ہے کہ اذا کان قائماً۔ یعنی جب کھڑا ہو۔

قولہ: یہ شعر بے موقع ہے الخ

اقول: کئی ایسے بھی ہیں جو ارسال کے قائل نہیں ہیں۔

قولہ: آپ کو کیا فائدہ کہ وہ ارسال کے قائل ہیں؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقول: آپ کا دعویٰ ختم ہوا کہ وضع کا کوئی قائل نہیں۔ ایضاً آپ کو اس کے ارسال کے قائل ہونے سے کیا فائدہ؟ وہ تو وضع کا بھی قائل ہے۔

قولہ: دہلی سے ہزارہ تک میدان خالی نظر آیا۔

اقول: یہ اسی سے ملاقات کی بنا پر ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اور کوئی قائل نہیں تھا۔

قولہ: اور وہ بھی شاگرد پر جو پہلے ہی استاد سے متاثر ہے۔

اقول: کیا استاد سے شاگرد اختلاف نہیں رکھتے ہیں؟ نیز علامہ موصوف نے تو بوقت گفتگو دلائل پیش کیے تھے۔

قولہ: پھر وہ عالم نہیں ہے۔

اقول: یہ بھی عجیب ہے اب تک وہ بقید حیات ہیں معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ آیا عالم ہیں یا نہیں؟

قولہ: کیونکہ ارسال کو ناجائز نہیں سمجھتے؟

اقول: جواز و عدم جواز کا مسئلہ نہیں یہ بات صرف اتنی ہے کہ احادیث نبویہ سے وضع ثابت ہے یا ارسال سو علامہ موصوف نے گفتگو کرتے وقت اپنی تحقیق بتائی کہ ارسال احادیث سے ثابت نہیں۔ فنعم الوفاق

قولہ: ایسا قلیل فرق کالعدم ہے۔

اقول: جب ہم کہتے ہیں کہ کئی باتوں میں فرق ہے تو وہ قلیل کیسے ہوا۔ ایضاً آپ کا دعویٰ تو من وعن موافقت کا تھا اب یہ قلیل فرق (بقول شما) اس کے منافی نہیں؟ سچ ہے کہ۔

ولے تاویل شاں درحیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

قولہ: عرب لوگوں کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔

اقول: جواب الجواب بھی گزر چکا ہے۔

قولہ: شذوذ کمزوری مسئلہ کی دلیل ہے

اقول: ہماری دلیل حدیث ہے خواہ اس پر عامل اکثر ہوں یا اقل۔ ایضاً طلاق ثلاثہ کے متعلق جو اہلحدیث کا مشہور مذہب ہے اس میں آپ پر شذوذ کا فتویٰ نہیں لگا ہوا ہے؟ کیا اس سے یہ مسئلہ کمزور ہو جاتا ہے؟ حاشا وکلا آپ کمزور جب کہیں کہ عام کو خاص کر سکیں لیکن اتنی طویل تقریر کے بعد بھی یہی نظر آیا کہ ۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرہ خوں نہ نکلا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ: صرف قیام نہیں بلکہ احادیث میں اعتدال بھی آیا ہے۔

اقول: خواہ دوسرا نام بھی آیا ہے لیکن یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ حدیث میں قیام کا لفظ آیا ہے قومہ کا نہیں۔

قولہ: اور قومہ اور اعتدال کا ایک ہی مطلب ہے۔

اقول: اس سے ہمارا کوئی مطلب نہیں ہے بات دراصل یہ ہے کہ یہ اصطلاح احادیث میں نہیں ہے جس کے ثابت کرنے سے آپ قاصر ہیں

قولہ: رسالہ ارسال الیدین کے ص ۴۳ سے ص ۴۵ تک میں کافی تفصیل ہو چکی ہے۔

اقول: اس کی ضرورت نہیں، آپ ایک ہی حدیث دکھا دیں جس میں قومہ کا نام ہو ان صفحات کا عدد سن کر لوگ مرعوب تو ہو سکتے ہیں لیکن وہ دیکھنے کے بعد یہی کہیں گے کہ ؎

ہم شیخ کی سنتے تھے مریدوں سے بزرگی
جا کر کے جو دیکھا تو عمامہ کے سوا ہیچ

قولہ: رائے جدید کہنا۔ الخ

اقول: جدت سے آپ کی مراد کیا ہے۔ اگر یہ ہے کہ جو چیز حدیث سے ثابت نہ ہو تو ہم پر یہ الزام صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ مسئلہ ہم حدیث سے لیتے ہیں۔ اگر آپ کی جدت امام احمد رحمہ اللہ کے بعد شروع ہوتی ہے تو پھر آپ کے بعد کئی علماء نے قرآن و احادیث سے نت نئے مسائل استنباط کیے ہیں مثلاً بیہقی، ابن حزم وغیرہما کیا آپ ان سب کو جدت پسند کہیں گے؟ حاشا وکلا

قولہ: اب انعام کا انتظار ہے۔

اقول: حافظ صاحب سے ارسال کا ثبوت تو نہ ہو سکا اخیر عمر تک انعام ہی کے انتظار میں رہے۔

پوچھے اگر وہ قاصدا کہہ دیجیو یہ صاف
سینے میں دم ہے اور آنکھ ہے در پر لگی ہوئی

جناب من! اگر ارسال کا ثبوت ہے تو پیش کریں، ورنہ طول طویل تقریریں کر کیا فائدہ؟

قولہ: اس کے جواب کے لیے غلطی نمبر ۱۰ ملاحظہ ہو، پھر اسی صفحہ پر طبعی امر کے عبادت ہونے سے انکار کیا ہے حالانکہ طبعی امر کا عبادت ہونا احادیث سے ثابت کیا ہے۔

اقول: اس کے جوابات گزر چکے ہیں۔ "فارجع البصر هل ترىٰ من فطور"

قولہ: کہاں خطبہ یا وعظ الخ

اقول: ہم نے صرف ایک مثال دی تھی۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ بحالتِ قیام اگر ارسال کیا جائے تو ہاتھوں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں صرف سکون نہیں بلکہ کبھی کبھی حرکت بھی ہوتی ہے اسی لیے وضع سے ہر عبث فعل کا اندیشہ نہیں رہ سکتا۔ امام نووی نے جو علت بیان کی تھی وہ دونوں قیاموں کے وضع کو مقتضی ہے۔

قولہ: جب انسان قیام لمبا کرتا ہے تو اس میں ہاتھوں کی حرکت کا خطرہ رہتا ہے۔

اقول: یہی ہمارا کہنا ہے کیونکہ قیام بعد الرکوع میں بھی طول ہے کما مضیٰ نیز دیکھو الدلیل التام ص ۳۹ ص ۴۰۔ پس وہاں بھی یہی خطرہ رہتا ہے۔ اس لیے شریعت نے عبث سے بچنے کے لیے ہاتھ باندھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

قولہ: تفصیل کے لیے غلطی نمبر: ۱۱ ملاحظہ ہو۔

اقول: وہاں جواب بھی موجود ہے

قولہ: کیونکہ یہ حکایت فعل ہے۔

اقول: اس پر بحث گزر چکی ہے۔

قولہ: واو میں ترتیب کی بحث ہے

اقول: اور جواب بھی دیا جا چکا ہے۔

قولہ: کم فہمی سے ان پر مخالفت کا الزام لگا رہے ہیں

اقول: معاذ اللہ ہمارا یہ کہنا ہرگز نہیں ہے کہ امام موصوف عمداً حدیث کے خلاف کر رہے ہیں۔ لیکن ہم نے تو یہ ثابت کر دیا ہے کہ جتنی حدیثیں مسند میں مروی ہیں ان سب کے موافق امام صاحب کا مذہب نہیں ہے۔ اس کی اور مثالیں سنیں مسند ص ۲۲۶/ ج ۵ میں ہلب طائی کی حدیث سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق صریح موجود ہے حالانکہ امام ابوداؤد مسائل ص ۳۱۔ پر صاف لکھتے ہیں کہ امام موصوف وضع الیدین علی الصدر کو مکروہ کہتے تھے کیا اب آپ امام ابوداؤد پر بھی یہی فتویٰ لگائینگے کہ وہ امام احمد رحمہ اللہ پر حدیث کی مخالفت کا الزام دیتا ہے؟

قولہ: اس قاعدہ کی حقیقت اور تفصیل شروع میں گذر چکی ہے۔

اقول: اور وہیں اس پر بحث بھی گذر چکی ہے

قولہ: ہڈیوں یا مہروں کو عضو کہا جائے یا نہ کہا جائے بحث اس میں نہیں الخ

اقول: کیوں نہیں آپ کے استدلال کی بنا اس پر ہے جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں۔

قولہ: ہم طبعی بیان کر چکے ہیں۔

اقول: ہم بھی اس کی خبر گیری کر چکے ہیں۔

قولہ: عبدالرحمن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں الخ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقول : اس میں تو یہ لفظ ہیں کہ "ثم رفع حتی اخذ کل عضو ماخذہ ثم سجد" (الفتح الربانی ص ٤٧/ ج ٣ مسند احمد ص ٤٠٧/ ج ٣) یہ صریح ہے کہ وضع ہو۔

قولہ : اس کی شرح میں شارح لکھتے ہیں۔ الخ

اقول : شارح صاحب الفتح الربانی کی عبارت آپ کو مفید نہیں کیونکہ وہاں عضو کو عظم کہا گیا ہے نہ کہ بالعکس یعنی عظم کو عضو کما ھو مدعاکم

قولہ : اور گرانا اسی لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ روک بھی سکتا ہے اسی بنا پر ارادہ کو دخل ہے۔

اقول : ارادہ گرنے اور گرانے دونوں میں ہوتا ہے اور حدیث میں گرنا ہے گرانا نہیں ہے۔

قولہ : حافظ ابن حجر الخ

اقول : رجوع الاعضاء گرانے کو نہیں باندھنے کو چاہتا ہے۔ کیونکہ رجوع وہیں ہوگا جہاں سے ذھاب ہوا ہو۔

قولہ : یہ غلط ہے چنانچہ زیر عنوان شبہ اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

اقول : اس پر تنقید بھی ہو چکی ہے۔

قولہ : انصباب لازم ہے اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے۔

اقول : اعضاء کا رجوع جب ہو کہ اس حالت پر لوٹ آئیں جس پر قبل الرکوع تھے اور بوجہ رکوع وہاں سے ہٹے تھے۔

قولہ : اذا کان قائما میں عموم نہیں الخ۔

اقول : ان سب باتوں کا جواب گزر چکا ہے۔

قولہ : صحابی نے خواہ ایک دفعہ دیکھا یا زیادہ مرتبہ وہ اپنے شاگرد کو نماز کا طریقہ بتلا رہا ہے۔

اقول : لیکن کس طرح؟ وہ یوں کہہ رہا ہے کہ "اذا کان قائما فی الصلوۃ" یعنی جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے۔ اب شاگرد کو خواہ شرع معلوم ہو یا نہ لیکن یہ سنتے ہی وہ بھی سمجھے گا کہ نماز کے اندر کھڑے ہونے کی حالت میں مسنون وضع ہے اور بس۔ اب آپ اس کو حقیقت کہیں یا مجاز۔ اول قیام ہے اور دوم نہیں۔ یہ آپ کی حاشیہ آرائی ہے۔

قولہ : بلکہ نکتہ شناس ہیں۔

اقول : جبھی تو آپ ہمارے سوال کا کوئی مبرہن یا مدلل جواب نہیں دے سکتے۔

قولہ : سخن شناس کی جگہ نقطہ شناس لکھ دیا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقول: پورے سخن میں یہی نقطہ ہے جس سے آپ گریز کر رہے ہیں۔ باقی جو آپ نے رسم الخط کے باب میں لکھا ہے یہ کوئی غلطی نہیں۔ طباعت وکتابت کی غلطیاں سب کتابوں میں ملتی ہیں۔

قولہ: یہ بھی خیال نہیں کیا کہ دلبر کس کو لکھ رہا ہوں۔

اقول: جس طرح شعر تھا ہم نے لکھ دیا۔ لیکن یہی لفظ تھا جو آپ کی نظر میں نکتہ دکھائی دیا۔ جب ہی تو فرمایا کہ ہم نکتہ شناس ہیں۔ دراصل بار بار بدگوئی کرنا اور جواب سے عاجز ہوئے تو بے ہمتی کا فتویٰ دینا یہ دلبروں ہی کا کام ہے نہ کسی اور کا جناب من! یہ ہے وہ نقطہ جس کو آپ نکتہ سمجھ رہے ہیں۔

قولہ: اس بنا پر رکوع کے بعد کے قیام میں بھی ہاتھوں کا اٹھانا داخل نہیں ہوگا

اقول: اگر ہاتھ نہیں اٹھائے تو بھی قیام ہی ہوگا جس میں ہاتھوں کی ہیئت وضع ہے۔ مزید تفصیل الدلیل التام ص ۱۹ میں دیکھیں۔

قولہ: اس کی کیفیت پر اجماع ہے کہ ہاتھ رانوں پر رکھے الخ

اقول: اس کا جواب گزر چکا ہے کہ اجماع کا دعویٰ باطل ہے یہ مبنی بر دعویٔ علمِ غیب ہے۔

قولہ: حکایت فعل ہے الخ

اقول: آپ ہر جگہ اذا کو عموم کے لیے مانتے ہیں نہ جانے دو جگہ پر یعنی اذا قام اذا جلس سے کیا چڑ ہے۔

قولہ: عموم کی حقیقت تو واضح ہو چکی۔

اقول: بلکہ اس پر جو پردہ ڈالا جا رہا تھا اسے اٹھا دیا گیا۔

قولہ: اور تعامل سے مراد اجماع ہے۔

اقول: یہی جناب کا وردِ رہ گیا ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کی کتاب۔ الاحکام" کا مطالعہ کریں تا کہ آپ کو پتہ لگے کہ بار بار اجماع کا نام لینا کتنی بڑی بات ہے۔

قولہ: اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اقول: کیا آپ کو علمِ غیب ہے؟ امام احمد رحمہ اللہ کا قول یاد کریں۔

قولہ: اجماع خود حجت ہے۔

اقول: لیکن وہ نہیں جس کو آپ بار بار اجماع کا نام دے رہے ہیں۔

قولہ: اور اجماع کی سند قیاس بھی ہو سکتا ہے

اقول: بتائیں تو سہی کہ کون سا مقیس اور کون سا مقیس علیہ ہے؟ اور جو کچھ پہلے آپ نے فرمایا ہے اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر کلام ہو چکا ہے۔

قولہ : اگر کئی لوگوں سے ہاتھ باندھنا ثابت ہو جائیں تو ہمارا کلام کس طرح غلط ہوا۔

اقول : اس طرح کہ علی تقدیر التسلیم جمہور ہوا نہ کہ اجماع اور جمہور حجت ہیں۔

قولہ : ہاں موقوف ہے کیونکہ تعامل سے مراد اجماع ہے اور قیام کمزور ہے اجماع سے اس کی تقویت ہوگی۔

اقول : اولاً:۔ اجماع تو قطعاً ثابت نہیں۔

ثانیاً:...... یہ بھی عجیب تعارض ہے کہ حافظ صاحب ابھی لکھ چکے ہیں کہ ''اجماع کی سند قیاس بھی ہو سکتا ہے'' اور اب کہتے ہیں کہ ''قیاس کمزور ہے اجماع سے اس کی تقویت ہوگی'' جو چیز خود کمزور ہے وہ اور کسی چیز کی کیسے سند بن سکتی ہے؟

قولہ : ان کی تفصیل غلطی نمبر:۷ میں ملاحظہ ہو۔

اقول : جواب بھی گزر چکا ہے۔

قولہ : آپکو اتنا پتہ نہیں کہ بریکٹ کیوں ہے۔

اقول : حدیث میں ساقطاً کا لفظ ہے یعنی گرنے کا ذکر ہے پڑنے کا نہیں اسی پر اعتراض ہے۔

قولہ : یہ بھی نہیں سمجھتے کہ جب ہم نے الزامی کہہ دیا تو ''پھر کیسے ہوا'' کا کیا مطلب الخ

اقول : آپ نے پوری بات ذکر نہیں کی ورنہ ہم نے لکھا تھا کہ جب آپ کی یہ تحقیق نہیں تو پھر یہ جواب کیسے ہوا اور اس مسئلے کا کیا ثبوت ہوگا؟ (الدلیل التام) ص ۲۱

اب ہمارا مطلب ظاہر ہے کہ جب یہ آپ کی تحقیق نہیں تو پھر مسئلہ تاہنوز تشنہ رہا مگر جب ہماری گرفت پر سمجھ گئے آخر نکتہ شناس ہیں تو فوراً چونکے اور آخری جملہ کو حذف کر دیا جو اصل مطالبہ تھا اور پھر تحقیقی جواب کا حوالہ دیا کہ ''تفصیل غلطی نمبر:۸-۹ میں پڑھیے'' لیکن ان باتوں کی حقیقت بھی کھول دی گئی (والحمدللہ)

قولہ : عبارت کو صحیح بنانے کے لیے اس میں ایک لفظ (ثم جلس) محذوف ماننا پڑیگا۔

اقول : بلا حذف جب الگ الگ ہر ایک حدیث پر عمل ممکن ہو تو ایسے تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

قولہ : پس ابن قیم کا اس کو جلسہ بین السجدتین میں داخل کرنا تسلی بخش نہیں۔

اقول : جب الفاظِ حدیث جو کہ اپنے مطلب میں بالکل صاف ونص ہیں کہ اذا کان قائما اور واذا جلس جس کی تخصیص بھی نہیں ایسے الفاظ بھی آپ کے لیے تسلی بخش نہ ہوئے تو بے چارہ ابن قیم کیا چیز ہے، ہم نے ان کی عبارت صرف اس لیے لکھی تھی کیونکہ ہم پر الزام تھا کہ یہ مسئلہ ہم نے نکالا ہے اور صرف ہم نے ہی حدیث کے یہ معنی کئے ہیں اور ہم سے پہلے کسی نے یہ معنی نہیں کئے ہیں اس لیے ثابت کر دیا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن قیم جس کی تحقیق علمائے اہلحدیث اکثر مسائل میں معتبر مانتے ہیں وہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ان کا استدلال بھی اس مسئلہ میں اسی حدیث سے ہے۔ والحمدللہ

قولہ: لیکن حدیث مذکورہ میں کچھ ضعف ہے الخ

اقول: پھر اس روایت پر بنا نہ رکھیں بلکہ صحیح روایت کو مانیں جو کہ اپنے مطلب میں صاف ہے۔

قولہ: چنانچہ بیہقی کے حوالہ سے غلطی نمبر:۴ کے تحت گزر چکا ہے الخ

اقول: ہم وہاں بیان کر چکے ہیں کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت بیہقی میں نظر نہیں آتی۔

قولہ: اب مسئلہ بین بین رہا۔ الخ

اقول: تعامل امت خود ثبوت کا محتاج ہے اور حدیث سے مسئلہ ثابت ہے۔ اب ماننے سے کیا انکار ہے۔

قولہ: یہی تقدیر اسی میں جاری کر دیں اور آئندہ اجماع کا جھگڑا ختم کر دیں۔

اقول: قیام بعد الرکوع کو قومہ کہنا فقہاء کی کتابوں میں ملتا ہے۔ نہ محدثین کے ابواب میں نہ صحابہ و تابعین کے کسی اثر میں یہ ہمارا کہنا تھا، اور آپ کا کہنا تھا، کہ محدثین سے کسی نے بھی آج تک حدیث سدل کے یہ معنی نہیں کئے جو عضو کو بھی شامل ہوں (ارسال الیدین ص ۲۷) ہم نے بعض محدثین سے اس کا ثبوت دے دیا لیکن آپ نے کسی صحابی یا تابعی یا محدث سے ثبوت نہیں دیا کہ وہ قیام بعد الرکوع کو قومہ کہتا ہو۔ پس دونوں میں ایک تقدیر کیسے جاری ہوگی؟

قولہ: میری کتاب "تعریف اہل السنہ" کا مطالعہ کریں۔

اقول: ہم اس سے قبل لکھ کر متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ کر چکے ہیں جن سے یہ بھی ایک ماخوذ ہے پس اس طفیلی کتاب کی کیا ضرورت؟

قولہ: دور تک سدل کی بحث لکھی ہے اور ہم نے بھی اس کا پورا تعاقب کیا ہے۔ الخ

اقول: وہ تعاقب جواب الجواب سے ھباءً منثورا بھی ہو چکا ہے۔

قولہ: بعض ہوں یا کل ہوں۔ افترا ہر صورت ہیں افتراء ہے۔

اقول: افتراء جب ہو کہ یہ کسی سے ثابت نہ ہو حالانکہ ہم نے خود عرب میں بعض حنابلہ کو دیکھا تھا "واللہ علی مانقول وکیل"

قولہ: حالانکہ یہ شافعیہ کی مشہور کتاب نہیں۔

اقول: اس لیے کہ آپ نے یہ کتاب نہیں دیکھی۔ بحمد اللہ یہ کتاب ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے۔ آپ کا کوئی بھی شخص دیکھ سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ : حالانکہ ہاتھ باندھنا یا ہاتھ چھوڑنا بالاتفاق رکن نہیں۔

اقول : اس عبارت سے موضع استدلال لفظ رکن نہیں بلکہ جو رکن کی تعریف کی گئی ہے۔ یعنی "وھو ان یعود الی الحالة التی کان علیھا" آپ نے موضع استدلال سے ہٹ کر دوسری چیز کو پیش کیا ہے اور عوام کو دھوکے میں رکھا ہے بموجب مثال آپ کے بھوکے کو روٹی کی تلاش رہتی ہے۔ جب ہی تو رکن الاعتدل کا لفظ دیکھ کر طبعی حالت یاد آ گئی کیونکہ وہی آپ کا اصلی حربہ ہے۔

قولہ : حنفی مذہب کی بھی غلط ترجمانی کی ہے۔الخ

اقول : حنفی مذہب کا مایۂ ناز اور فخر متاخرین جو آپ اور ہم سے بدر جہا اپنے مذہب سے زیادہ واقف ہے اسی نے یہی لکھا ہے جس سے ہم نے اخذ کیا ہے یعنی "سعایہ" مصنفہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی۔

قولہ : پہلے تو کہتے ہیں جس قیام میں ذکر مسنون ہو۔الخ

اقول : اس اختلاف سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ کیونکہ مختلف فیہ مسئلہ میں فقہاء کے ہاں ایک مفتیٰ بہ قول ہوتا ہے اور فیما نحن فیه میں حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ یہی قول ہے کہ "کل قیام فیه ذکر مسنون ففیه الوضع وکل قیام لیس فیه کذا ففیه الارسال"

ہمارے رسائل زیادۃ الخشوع اور الدلیل التام بھی اٹھا کر دیکھیں۔

قولہ : ذکر مسنون ان کے نزدیک صرف "ربنا لك الحمد" ہے۔

اقول : اولاً:...... پھر بھی ذکر مسنون تو ہے۔

ثانیاً:...... خود ابن عابدین رحمہ اللہ نے "ردالمحتار" میں طویل دعا (ملٔ السموات والارض) کو بھی ذکر مسنون مانا ہے۔

قولہ : جنہوں نے غور وفکر سے کام لیا انہوں نے کہا کہ نہیں بن سکتا۔

اقول : آپ کے اس فیصلے پر حنفیہ راضی ہوں گے۔ اپنے گھر کو چھوڑ کر دوسرے کے گھر میں نہ گھسیں۔

ایضاً جنہوں نے کہا ہے کہ یہ وجہ باندھنے کی بن سکتی ہے کیا وہ صاحب غور وفکر نہیں۔ کہیں حنفی یہ سن کر خفا نہ ہوں۔ آپ صرف اپنوں پر طبع آزمائی کو کافی سمجھیں۔

دراصل یہ اصول تو ان کے ہاں مفتی بہ ہے۔ رہا ذکرِ مسنون کا ثبوت تو جن کو ملا ہے وہ قائل ہو گئے اور جن کو نہیں ملا وہ قائل نہیں ہوئے۔ ہمیں اس سے صرف دو فائدے حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ ہم ان کے اصول اور دعا کو جو حدیث میں وارد ہے ان کے سامنے پیش کر کے ان کو الزام دے سکتے ہیں کہ تمہارا مذہب بھی وضع کا مقتضی ہے دوم جو لوگ اسی اصول اور اسی بناء پر وضع کے قائل ہوئے ان سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب حنفیہ کے اندر بھی وضع کا ثبوت ہے چنانچہ لکھنوی صاحب نے بھی اسی اصول اور ثبوت ذکر مسنون کی بنا پر وضع بعد الرکوع کو تسلیم کیا ہے۔

لیکن نہ جانے آپ کو حنفیہ کی ترجمانی سے کیا فائدہ ملا۔

قولہ: اور جب قیام خالی رہا الخ

اقول: اس پر سب متفق ہیں۔ پھر ان کی کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

قولہ: اس لیے امام کا "ربنا لك الحمد" بھی "سمع الله لمن حمده" کے حکم میں ہوگا۔

اقول: یہ نص حدیث کے خلاف ہے کیونکہ بخاری ص ۱۰۹/ ج ا پر ہے "باب التكبير اذا قام من السجدة" میں ہے کہ "ثم يقول سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه" ثم يقول وهو قائم ربنا لك الحمد" الحدیث۔

قولہ: صاحب ہدایہ اور ابن الہمام وغیرہ کی تحقیق تو یہ ہے۔ الخ

اقول: لکھنوی صاحب نے سب کے اقوال اور ان کی تحقیق نقل کر کے فیصلہ اس کے خلاف دیا ہے۔ ایضاً ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ان کے مبلغ علم کی بنا پر ہے جنھوں نے ذکر مسنون ازروئے دلائل پایا۔ وہ تو وضع کے قائل ہو گئے اور دوسرے بوجہ اپنے اصول کے معذور ہو گئے۔

قولہ: یہ ذکر ایسا نہیں کہ باندھ کر پڑھ سکے۔

اقول: جب بحالت قیام ہے تو وضع کا موجب ہوا اور بخاری کی حدیث جو ابھی گذری ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ دعا بحالت قیام ہو۔

قولہ: ہاں جنھوں نے حدیث کو دیکھا ہے کہ صرف "ربنا لك الحمد" نہیں بلکہ حَمْدًا كثيرا طيباً مُباركاً فيه بھی ہے انہوں نے اس کو ذکر قیام سمجھ کر ہاتھ باندھنے کو اختیار کیا ہے۔

اقول: یہی ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ان کا قائل ہونا یا نہ ہونا ذکر مسنون کے ثبوت وعدم ثبوت پر مبنی ہے۔ جس پر آپ طویل چکر کاٹنے کے بعد بھی لوٹ کر آ گئے۔ حافظ صاحب کی عبارت سے چند امور معلوم ہوئے۔

الف:...... خود بعض حنفیہ کے نزدیک قیام دوم میں ذکرِ مسنون ثابت ہے اور ثبوت بھی ایسا جس کے آپ بھی قائل ہیں۔ بخدا کہیے کہ یہ الفاظ اس قیام کے لیے حدیث میں مروی نہیں؟

ب:...... اور اسی بناء پر کئی حنفیہ وضع کے قائل بھی ہو گئے۔

ج:...... اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ اصول ان کے ہاں مسلم ہے۔

قولہ: مگر یہ آدھا تیتر اور آدھا بیٹر والی مثال ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقول: یہ وہ جانے اور ان کی بات، ہمارا صرف یہ کہنا تھا کہ کئی حنفیہ وضع کے قائل ہیں اور ان کا قائل ہونا ان کے اصول ہی پر ہے۔ جس کو آپ رد کرنے کے بجائے الحمد للہ بڑی صراحت سے تسلیم بلکہ ثابت کر گئے۔

قولہ: اصول تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا لیا اور ذکر حدیث سے لیا الخ۔

اقول: اس لیے کہ انہوں نے اپنے اصول میں صرف ذکر نہیں کہا بلکہ ذکر مسنون کہا ہے اور ذکر مسنون وہی ہے جو حدیث سے لیا جائے۔

قولہ: مگر در حقیقت یہ حنفی مذہب نہیں۔ الخ

اقول: ہو یا نہ ہو، یہ آپ جانیں یا وہ، ہمارے لیے تو ان کے کئی علماء کا قائل ہونا اور اپنے اس مسلک کو اپنے ہی اماموں کے اصول کو مسند بنانا کافی ہے۔

قولہ: اور وہ تینوں اماموں کا متفقہ مسئلہ ارسال ہے۔

اقول: جیسے ان سے یہ روایت وارد ہے ایسے ہی ان سے وضع کی روایت بھی ہے جیسا کہ ہم اپنے رسائل میں ذکر کر چکے ہیں۔

قولہ: یہ بھی معلوم ہوا کہ ائمہ حنفیہ سے ہاتھ باندھنے کی کوئی روایت نہیں، نہ صحیح نہ ضعیف۔

اقول: خود علمائے حنفیہ نے ان سے وضع کی روایت ذکر کی ہے جیسا کہ ہم نے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے اور آپ نے بھی ارسال الیدین ص ۳۳/ الحاشیہ میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ایک روایت کا ذکر کیا ہے۔ رہا یہ کہ یہ روایت غیر ظاہر ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ خود لکھنوی صاحب رحمہ اللہ سعایہ میں جواب دے چکے ہیں، اس کی مثال ہم نے قراءت خلف الامام کے متعلق بھی ذکر کی ہے۔ اس پر جو حافظ صاحب نے کلام کیا ہے اس کی تردید آنے والی ہے ان شاء اللہ۔

قولہ: بلکہ ان کے اصول ذکر مسنون کے ساتھ حدیث کو ملا کر روایت بنا لیا گیا ہے۔

اقول: یہ سینہ زوری ہے، علمائے حنفیہ اس کو روایت کہتے ہیں اور لکھنوی صاحب بھی اسے روایت کہتے ہیں۔ وعلی التقدیر ۔ یہ ایک تخریج ہوگی جو کہ فقہاء اپنے ائمہ سے اصول کے موافق کئی مسائل کے متعلق کیا کرتے ہیں، جس کو قول فی المذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے۔

قولہ: حالانکہ روایت اس وقت ہوتی جب کہ وہ قیام بعد الرکوع میں ذکر مسنون کے قائل ہوتے۔

اقول: لیکن ان سے روایت کا پایا جانا بتاتا ہے کہ وہ حدیث ملنے کے بعد قائل ہو گئے۔

قولہ: ہاں اس کو ان کے اصول کا نتیجہ یا ان کا مذہب کہہ سکتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقول: بس اتنا ہی کافی ہے اور سونے پر سہاگہ یہ کہ کئی فقہاء قائل و عامل ہوئے۔

قولہ: روایت نقل کو کہتے ہیں الخ

اقول: ناقلین نے تو صراحتاً نقل کیا ہے کما مرّ۔ آپ کے انکار سے تو وہ مسخ نہیں ہوسکتا۔

قولہ: ہماری طرف غلط نسبت الخ

اقول: اس عنوان کے تحت حافظ صاحب ہم پر بہت برسے ہیں اصل ہماری عبارت اس طرح ہے کہ ''کئی لوگوں سے ثابت ہے۔ ائمہ ثلاثہ، ابو حنیفہ ﷫، ابو یوسف ﷫، اور محمد ﷫ سے ایک روایت میں ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ نے بھی ص۳۲ حاشیہ میں کبیری سے ذکر کیا ہے اسی طرح سعایہ شرح وقایہ ص۱۵۹/ ج۲ ۔میں علامہ لکھنوی نے بھی ذکر کیا ہے اور علامہ موصوف نے اس روایت کو اصولِ حنفیہ کے موافق قرار دیکر اس کے اختیار کی اجازت دی ہے'' (الدلیل التام ص ۲۰) عبارت سے ظاہر ہے کہ ہم نے اجمالی طور پر دو کتابوں سعایہ اور آپ کے رسالہ کا حوالہ دیا ہے نہ یہ کہ ایک ہی کتاب میں سب کا ذکر ہے، اب اس کو غلط نسبت کہنا اتہام نہیں تو کیا ہے؟ ہم نے یہ کب صراحت کی تھی کہ آپ کی کتاب میں امام محمد ﷫ کی بھی روایت ہے اس طرح کے نتائج اخذ کرنے کو جدّت فی الاجتہاد نہ کہیں تو اور کیا کہیں؟

قولہ: اصلی حقیقت یہ ہے کہ ان کے موافق کوئی مذہب ہی ہے الخ

اقول: حالانکہ خود فرما چکے ہیں کہ ''اس کو ان کے اصول کا نتیجہ یا ان کا مذہب کہہ سکتے ہیں'' جیسے ابھی عبارت گذری اور دوسری عبارت بھی حافظ صاحب کی گذری، کہ ''جنھوں نے حدیث کو دیکھا کہ حدیث میں صرف "ربنا لك الحمد" نہیں بلکہ "حمدا كثيرا طيبًا مباركًا فيه" بھی ہے انہوں نے اس کو ذکرِ قیام سمجھ کر ہاتھ باندھنے کو اختیار کیا ہے'' اور رسالہ ارسال الیدین ص۱۴ میں لکھتے ہیں کہ ''امام احمد بن حنبل ﷫ کا مذہب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا یا چھوڑنا دونوں طرح جائز ہے''

اب ناظرین! انصاف کریں کہ حافظ صاحب ﷫ کی کون سی بات سچی ہے اور ان کی کس نقل پر اعتماد کریں؟

ناظرین! ہم نے اپنے رسائل میں امام ابن حزم سے بھی یہی مسلک نقل کیا ہے اس کے علاوہ فقہ حنفی اور حنبلی سے بھی صراحتاً ثبوت دیا ہے خود حافظ صاحب نے ارسال الیدین میں ص۱۴ پر فقہ حنبلی کی تین کتابوں "شرح الزاد المستقنع" "كشاف القناع" "شرح منتهى الارادات" سے ثبوت نقل کر چکے ہیں اس کے باوجود یہ کہنا کہ ''ان کے موافق کوئی مذہب نہیں'' اس سے زیادہ مذاہب کے نقل میں کیا بے احتیاطی ہوسکتی ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ : کیونکہ اول تو روایت ہی صحیح نہیں الخ

اقول : اولاً : مذہب حنفیہ کے جو اصل رکن رکین ہیں وہ تو روایت مانتے ہیں جیسے عینی رحمہ اللہ بنایہ میں اور لکھنوی سعایہ میں وغیرھما۔

ثانیاً: ان کا مذہب تو آپ بھی مان چکے ہیں کما تقدم۔

قولہ : اور اصول بھی متفقہ نہیں الخ

اقول : اولاً: امام محمد رحمہ اللہ سے روایت کا پایا جانا جیسا کہ ہم نے ''زیادۃ الخشوع'' میں لکھا ہے۔ اس امر کا محتمل ہے کہ اس نے اسی اصول کو تسلیم کیا ہے

ثانیاً: اگر چہ وہ قائل نہ ہوں لیکن حنفیہ کے ہاں یہی مفتیٰ بہ قول ہے۔

قولہ : اور جن حنفیہ کا آپ نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب ہاتھ باندھنا بتایا ہے ان کو اس ذکر مسنون سے دھوکہ لگا ہے۔

اقول : بحمد اللہ اتنا تو تسلیم کر گئے کہ خود علمائے حنفیہ اپنے ائمہ کا یہ مذہب بتاتے ہیں پھر ہم پر بے احتیاطی کا الزام کیونکر صحیح ہے۔ رہا یہ کہ ان کو دھوکہ لگا ہے۔ یہ آپ کا الزام کوئی سمجھدار قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ ان ائمہ کے مذہب سے وہ لوگ بنسبت آپ کے زیادہ واقف ہیں "صاحب البيت ادرىٰ بمافيه"

قولہ : درحقیقت یہ ذکر انتقال ہے۔ الخ

اقول : اس کی حقیقت ظاہر کر دی گئی۔

قولہ : اس کے بعد ص ۳۰ تک عموم اور مطلق کی بحث کی ہے جس کی بحث زیر عنوان، جواب اعتراض اول گذر چکی ہے لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

اقول : ہمیں بھی لوٹانے کی ضرورت نہیں کیونکہ جواب ہو چکا ہے۔

قولہ : کیونکہ سجدے دونوں حقیقی معنی میں سجدے ہیں بخلاف قیام بعد الرکوع کے الخ

اقول : حقیقت اور مجاز کی بحث گذر چکی ہے۔ نیز علی التقدیر حقیقی و مجازی دونوں قیام "اذا كان قائما" میں داخل ہیں کما مرّ۔ ایضاً سجدہ کی آیت کے وقت جو سجدہ کیا جاتا ہے اس کو سجدہ تلاوت کہا گیا ہے جیسا کہ قیام بعد الرکوع کو قیام اعتدال کہتے ہو۔

ثانیاً: آپ کے ہاں سجدہ تلاوت نماز نہیں جیسا کہ اخیر قسط میں مذکور ہے۔

ثالثاً: جس طرح ابن عباس وغیرہ کی آپ نے مثال دیکر فرمایا کہ بس قیام کا استعمال جب قیام قبل الرکوع میں دیا۔ وہ ہوا تو قاعدہ مذکور کی بنا پر یہ حقیقت ہوگیا اور بعد از رکوع مجاز ہوگیا (ارسال الیدین

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ص ۴۳) اسی طرح بلا قید لفظِ سجدہ کا عام استعمال ان ہی سجدوں پر ہوتا ہے جو کہ دو بار نماز کی ہر ایک رکعت میں ادا کیا جاتا ہے اور اگر تلاوت کا سجدہ مراد ہوتا ہے تو بمع قید استعمال ہوتا ہے۔ اب آپ کے اصول کے مطابق یہ مجازی ہوا۔ اب بتائیں کہ جب حدیثوں میں سجدہ کرنے کی کیفیت مذکور ہے۔ ان میں سجدہ تلاوت کو بھی داخل کریں گے یا نہیں؟

علی الاول: ...... حقیقی سمجھ کر یا مجازی؟ اگر حقیقی کہیں گے تو آپ کے قاعدہ کے خلاف ہوگا اور اگر مجازی کہیں گے تو پھر قیام بعد الرکوع کو "اذا کان قائما" میں داخل کرنے سے کیا مانع ہے۔

وعلی الثانی: ...... پھر اس سجدہ کی کیا کیفیت وہیئت ہوگی۔ اسی طرح سجدۃ الشکر سمجھیں۔

قولہ: ص ۳۰ سطر ۸-۹ میں سوال کرتے ہیں "دوسری رکعت میں ارسال کی کیا دلیل ہے" اس کا جواب زیرِ عنوان جواب اعتراض ثانی ملاحظہ ہوا۔

اقول: ہم نے ارسال کے بابت نہیں بلکہ وضع کی بابت سوال کیا ہے ہمیں یقین ہے کہ حافظ صاحب یہاں لفظ ارسال کی جگہ لفظ وضع لکھنا چاہتے تھے مگر غلطی سے ایسا لکھ گئے اور ہوسکتا ہے کہ حافظ صاحب نے صحیح لکھا ہو لیکن کاتب نے غلطی کی ہو۔ مگر جب حافظ صاحب کسی دوسرے کو ایسے لفظی تسامح میں معاف نہیں کرتے تو خود کیونکر معاف کیے جاسکتے ہیں۔ کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حافظ صاحب نے ہماری طرف غلط نسبت کی ہے یا ہماری عبارت کی تحریف کی ہے یا عبارات کے نقل میں بے احتیاط ہیں؟ نہیں۔ ہرگز نہیں یہ مواخذہ حقانیت ودیانت پر مبنی نہیں۔ کیونکہ "الانسان مرکب من الخطأ و النسیان" ہے، بلکہ مواخذہ طریقہ، استدلال پر ہونا چاہیے، باقی حافظ صاحب نے جو جواب دیا ہے اس کا جواب ہم دے چکے ہیں۔

قولہ: اس کو یہاں ص ۳۰ پر پھر دہرایا ہے اس کے جواب کے لیے غلطی نمبر: ۹ ملاحظہ ہو۔

اقول: ہمارے اس جواب میں اس کی تردید بھی ملاحظہ ہو۔

قولہ: ایک نئی اصطلاح الخ۔

اقول: اس عنوان کے تحت حافظ صاحب نے ہمارے دولفظوں پر اعتراض کیا ہے۔

اول:...... تفسیر، یہ خود آپ کی عبارت میں ہے چنانچہ بار بار "اذا کان قائما" کو مبہم اور دوسری حدیث کو اس کا بیان بتاتے ہیں اور ارسال الیدین ص ۱۸ پر لکھتے ہیں کہ "محدثین کا اصول ہے کہ "الاحادیث یفسر بعضها بعضًا" یعنی حدیثیں آپس میں ایک دوسری کی تفسیر ہوتی ہیں۔ جب دوسری روایتوں میں موقعہ محل بتادیا اور وہ رکوع سے پہلے ہے۔ الخ

اور دوسرا۔ تفتیش۔ اس کے متعلق ہماری عبارت اس طرح ہے کہ وائل کی کسی روایت میں ایک مقام کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذکر ہے کسی میں دوسری کا کسی میں دونوں کا اشارہ اور کسی میں علی العموم ، یہ تفسیر نہیں تفتیش ہے۔ یہ عبارت الدلیل التام ص ۳۰ پر ملاحظہ ہو۔

اب ناظرین! انصاف کریں کہ ہم نے کونسی نئی اصطلاح وضع کی ہے بلکہ ہم نے تو اسی کو تفتیش کہا ہے کہ جب تمام مطلوبہ مسائل ایک راویت میں نہیں ملتے تو دوسری روایات میں ان کو تلاش کیا جائے ،

اقول : اصطلاح پر نہیں بلکہ اس کو خواہ مخواہ ایک حکم شرعی میں تبدیلی پیدا کرنے کے لیے آلہ کار بنانے پر۔

قولہ : اس حدیث کو ابن عبدالبر نے روایت کیا ہے،

اقول : اس پر جرح ہو چکی ہے۔

قولہ : کیونکہ آیت وضو میں قیام کے بعد وضوء کا ذکر ہے اور وضوء نماز سے باہر ہے الخ

اقول : لیکن یہ کہاں ہے کہ ہاتھ باندھنا وضوء سے بھی پہلے ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے وضوء کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے نماز کے لیے اُٹھتے ہی ہو۔ پس اعتراض اسی طرح باقی ہے۔

قولہ : اس روایت میں فی الصلوۃ کی صراحت بھی ہے الخ

اقول : آپ فی بمعنی الی کریں گے یا الی بمعنی فی۔

علی الاول:...... وہی اعتراض رہے گا۔

وعلی الثانی: ...... وضع ثابت ہوا۔ کیونکہ الفاظ یہ ہیں "اذا قام فی الصلوۃ قال ھٰکذا" الحدیث۔ یعنی جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے تھے یعنی ہاتھ باندھ کر۔

قولہ : اس کی دو حیثیتیں ہیں تکبیر سے پہلا حصہ نماز سے خارج ہے۔ اس حیثیت سے راوی کا الی الصلوۃ کہنا ٹھیک ہے اور تکبیر کہنے سے یہ قیام بن گیا۔ اس لحاظ سے راوی کا فی الصلوۃ کہنا ٹھیک ہے۔

اقول : یہ دونوں بیک وقت کیسے صحیح ہوں گے۔ پہلی صورت میں نماز میں داخل ہونے سے پہلے ہی وضع لازم آتا ہے اور دوسری صورت میں وضع بحالت قیام ہے جب بھی قیام ہو۔

قولہ : تکبیر کہنے سے جو قیام نماز بنتا ہے وہ قبل الرکوع ہے نہ بعد الرکوع۔

اقول : اولاً: تکبیر کا حدیث میں ذکر نہیں۔ ہاں اگر فی کو بمعنی الی کر دیں۔ لیکن پھر وہی فساد لازم آئے گا۔

ثانیاً: صلوٰۃ الکسوف میں پہلے رکوع سے سر اُٹھانے کے وقت "سمع اللہ لمن حمدہ" کہا جاتا ہے اب اس قیام کو قیام قبل الرکوع کہیں گے یا بعد الرکوع ،

علی الاول:...... آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کہ "تکبیر کہنے سے جو قیام بنتا ہے وہ قبل الرکوع ہی ہے نہ بعد الرکوع"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعلى الثانى:...... قیام بعد الرکوع میں وضع ثابت ہوا اور آپ کا کالعدم والا سوال بھی ختم ہوگیا۔

قولہ: اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں حدیثوں میں ہاتھ باندھنے کے متعلق "فی الصلوۃ" کا لفظ آیا ہے وہاں رکوع سے پہلا قیام مراد ہوتا ہے۔

اقول: یہ جس بناء پر آپ نے لکھا ہے وہ نہیں رہا۔

قولہ: اگر اس میں کچھ ضعف ہو تو تائید کو کوئی نقصان نہیں الخ

اقول: تائید جب ہو کہ اوّل ارسال کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو۔ واذ لیس فلیس اور پھر (حاشیہ میں) یہ عذر بھی غلط ہے کہ ''شاید ابن عبدالبر کی اسناد المطالب العالیہ والی نہ ہو'' کیونکہ جب سند مجروح ہے تو دوسرے واسطہ سے سند کا ثبوت دینا آپ کے ذمہ ہے۔ صرف شاید سے ضعف منجبر نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں ہم یقین سے کہتے ہیں کہ سند وہی ہے کیونکہ ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ روایت بحوالہ ابن ابی شیبہ نقل کی ہے اور پھر کہتے ہیں ذکر هذه الآثار ابو عمر باسانیدها (اعلام الموقعین ص٦/ ج٢ طبع هند) اور ابن ابی شیبہ کی سند اُسی راوی ابی زیاد مولیٰ آل دراج کے واسطہ سے ہے اور جب ابو عمر بن عبدالبر کی سند ابن ابی شیبہ کے طریق سے ہوئی تو پھر وہی مجروح راوی سند کا مدار ہوا۔ فَافهم

اور علی رضی اللہ عنہ کی جس روایت کو شاہد بنایا ہے اس پر کلام ہو چکی ہے مزید بحث ابھی آئے گی۔ ان شاء اللہ

قولہ: تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے جریر ضبی کو مقبول لکھا ہے۔ الخ

اقول: تقریب کے مقدمہ میں ''مقبول'' کی تعریب میں پڑھیے۔ "والیه الاشارة بلفظ مقبول حیث یتابع و الا فلین الحدیث" (تقریب ص٣/ طبع نون کشمور) اب اولاً جریر کی متابعت ثابت کریں۔ والاّ فلا

قولہ: اذا کان قائما جب عام ہی نہیں ہے جیسے شروع میں گذر چکا۔ الخ

اقول: اس کا جواب بھی گذر چکا ہے خود حافظ صاحب نے اپنے بعض رسائل میں اذا سے عموم پر استدلال کیا ہے۔ فارجع البصر هل ترىٰ من فطور

قولہ: لیکن یہ امام شوکانی کے خیال کے موافق ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے الخ

اقول: امام شوکانی حق بات اسی کو بتاتے ہیں جس کا ذکر کیا ہے یہی مسلک اہلحدیث کا ہے۔ جیسا کہ ہم نے رسالہ میں مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔ (الدلیل التام ص٣٢) جن دو مثالوں کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

اولاً:......(١) جابر کا قول "الا وراء الامام" (٢) علی کا قول "لاتشریق ولا جمعة الا فی مصر جامع" کیا ان میں کوئی حکمت نہیں ہے؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثانیا:......علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی تخصیص نہیں کیونکہ اس میں بعد الرکوع کی دوسری حالت مذکور نہیں ہے۔ آپ نے داڑھی کی مثال بھی دی ہے مگر نہ معلوم کہ علمائے اہلحدیث آپ کے اس فرمان سے راضی بھی ہوں گے یا نہیں؟ ایضاً علی التقدیر خود ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس حدیث کے راوی ہیں جس کے الفاظ ہیں "خالفوا المشركين احفوا الشوارب واوفروا اللحٰی (الجامع الصغير ص٢/ ج٢ بحواله صحيحين) پھر اس کا فعل سامنے رکھ کر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ "الراوی ادریٰ بمرویہ لیکن فيما نحن فيه ایسا نہیں ہے کیونکہ حدیث "اذا كان قائما" کا علی رضی اللہ عنہ راوی نہیں ہے۔

قولہ: جب حتیٰ غایت کے لیے ہے۔ الخ

اقول: جنابِ من! اس کے جواب میں ہم نے امام راغب سے مثال نقل کردی تھی، پھر الدلیل التام کا مطالعہ کریں، اور جب ثابت ہوا "اذا كان قائماً" کو خاص کرنا آپ کے بس سے باہر ہے تو یہ خود قرینہ ہے کہ مابعد کا حکم بند نہیں ہے۔ فتدبر

قولہ: (حاشیہ میں) حتی عدمِ قبولیت کی غایت نہیں بلکہ صلوۃ من احدث کی غایت ہے۔

اقول: ہماری عبارت یہ ہے کہ "اب یہاں حتیٰ کے ماقبل کا حکم عدمِ قبولیتِ نماز ہے جو کہ حدیث کی وجہ سے ہے" (الدلیل التام) یہی آپ کی عبارت "صلوۃ من احدث" کا مطلب ہے۔ آپ نے کونسی غلطی نکالی ہے؟ اس کو کہتے ہیں "مان نہ مان، میں تیرا مہمان" لیکن جو ہمارا اعتراض تھا۔ یا جس کے لیے ہم نے یہ بات لکھی تھی اس کو ہضم کر گئے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ جہاں حتیٰ کا ماقبل کسی وجہ سے ہے جیسا کہ وضع قیام کی وجہ سے ہے۔ اب آپ اگر کہیں گے کہ حدث کے لوٹ آنے سے وہی حکم لوٹے گا تو قیام کے لوٹ آنے سے وضع کا حکم بھی لوٹ آئے گا آپ ہمیں خواہ کتنا ہی بے علم کہیں مگر ایسی واضح بات کو دبایا نہیں جاسکتا۔

ناصحا!

اتنا تو دل میں سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہیں کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے

بقول آپ کے (حاشیہ میں) اگر صلوۃ من احدث کا حتیٰ غایت ہے تو اس پر وہی اعتراض باقی رہتا ہے کیونکہ معنی وہی ہے۔ جو آپ کا جواب ہوگا وہی ہمارا جواب سمجھ لیں۔

قولہ: بلکہ حکم کفار سے قتال ہے اور کفار بھی اہل کتاب الخ

اقول: لیکن اگر وہ اسلام لے آئیں تو حکم ختم نہیں ہو جائے گا؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ: جواب اس کا یہ ہے کہ قیام علت ہونے کی دلیل "اذا کان قائما" وغیرہ تھا سو اُس کا بیان ہو چکا اور کئی دفعہ ہو چکا ہے۔ الخ

اقول: اور ہر دفعہ اس کا کافی و شافی جواب دیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اعتراض اب بھی قائم ہے۔

قولہ: : وہاں جائیں گے جہاں ان کی پیدائشی حالت ہے الخ

اقول: اس پر بحث گذر چکی ہے۔ نیز عبدالرحمن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث ابھی گذری ہے کہ "ثم رفع حتی اخذ کل عضو مأخذہ" بس یہی جگہ ہے۔

تنبیہ:...... جو ہم نے حتیٰ کے متعلق بحوالہ مغنی اللبیب لکھا تھا کہ جب مضارع پر حتیٰ داخل ہوتا ہے تو تین معانی میں سے ایک کے لیے آتا ہے۔ دیکھو الدلیل التام ص ۳۴۔ اس پر حافظ صاحب نے کوئی کلام نہیں کیا۔ شاید یہ بات پسند آ گئی ہوگی۔

قولہ: (زیر عنوان تنبیہ) یعنی دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت کے متعلق) اس کا جواب ہماری طرف سے زیر عنوان جواب اعتراض ثانی گذر چکا ہے۔

اقول: جواب الجواب بھی ہم دے چکے ہیں۔ کوئی نئی بات ارشاد فرمائیں؟

قولہ: اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل اجماع ہے کہ یہ قیام کی حالت سے خاص نہیں

اقول: بار بار اجماع کا دعویٰ تو کیا جا رہا ہے مگر کسی کا نام نہیں لیا جاتا۔ اجماع کے لیے تو ثبوت درکار ہے۔ اسی طرح آپ اعتراض سے نہیں بچ سکتے، بلکہ تخصیص کی دلیل کا نہ ہونا خود ہمارے اعتراض کو مضبوط کر رہا ہے۔

قولہ: اور "کان اذا جلس" میں داخل کرتے ہیں الی قولہ "اذا کان قائما" اور "کان اذا جلس" کے متعلق بحث گذر چکی ہے۔

اقول: بار بار یہ تسبیح نہ پڑھیں۔ جواب ہم بھی دے چکے ہیں اگر کوئی نئی چیز ہے تو سامنے لائیں۔ ایضاً ایمان سے بتائیں کہ یہ جلسۂ استراحت اذا جلس میں داخل نہیں؟ اس کی تخصیص یا استثناء کی کیا دلیل ہے؟

قولہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں حتیٰ غایت کے لیے ہے۔ الخ

اقول: غایت پر کلام ہو چکی ہے یہ دلیل آپ کی ناتمام ہے اور اذا کان قائماً میں کوئی ابہام نہیں، جب بھی مصلی پر قائم کا اطلاق ہوگا تو اس کی سنت وضع الیمین علی الشمال ہوگی۔

قولہ: تقسیم کا نام و نشان نہیں بلکہ مبہم کا بیان ہے الخ

اقول: جب حالت کھڑے ہونے کی آئے گی تو وضع لازم آئے گی، اس کو ابہام کہنا صحیح نہیں۔ بلکہ اذا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کان قائماً تعدد قیام کو مقتضی ہے اور ایک رکعت صلوۃ تامہ ہے جس میں دو قیام ہیں، پس ایک کو داخل کرنا اور دوسرے کو خارج کرنا تقسیم نہیں تو اور کیا ہے۔

قولہ: تو پھر مطلق سے وہی خاص مراد ہوتا ہے جیسے غلطی نمبر ۸ میں بحث ہو چکی الخ

اقول: اس کی تردید بھی ہو چکی ہے۔

قولہ: کیونکہ قیام بعد الرکوع کے لیے لفظِ اعتدال بھی استعمال ہوتا ہے۔

اقول: لیکن اس سے نام قیام نہیں اترا۔ جب تک اس پر یہ نام باقی ہے "اذا کان قائما" میں داخل ہے۔

قولہ: دوسرے قیام اول کی حقیقت لمبی ہے اور دوم کی حقیقت اعتدال ہے الخ

اقول: حدیث میں اذا کان قائماً ہے بس، خواہ وہ اعتدال کے لیے کھڑا ہو یا کسی اور کے لیے۔ بہر حال کھڑا ہونا ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اس کی سنت وضع ہے لاغیرہ، ولا مفر منہ"

قولہ: مانع یہ ہے کہ قیام اول معنی حقیقی ہے الخ

اقول: اولاً: آپ کی یہ تقسیم حقیقی غیر حقیقی رد ہو چکی ہے۔

ثانیاً: آپ نے خود اسی روایت کو اپنے اس دعویٰ کی دلیل قرار دیا ہے کہ جہاں مطلق قیام کا ذکر ہو وہاں قیام اول مراد ہوتا ہے دیکھیے ارسال الیدین'۔ ص ۳۹ اور اب اسی روایت کو جب محتاجِ قرینہ پایا، تو اس دعویٰ کو اسی کا قرینہ بنا دیا۔ نہ معلوم لکھتے وقت کس خیال میں تھے۔

قولہ: جب قیام اول حقیقی معنی ہوا الخ

اقول: اس پر کلام ہو چکی ہے۔

قولہ: بلکہ قیام کے طول کا اندازہ بتایا ہے الخ

اقول: لیکن سورۂ سجدہ کا خیال کس طرح ہوا؟ صرف طول سے، یا اور احتمال بھی ہے۔ سنیے! اور احتمال بھی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ "ویسمعنا الآیة احیانا" (بخاری باب اذا سمع الامام آیة کتاب الصلوة) اور تلخیص المستدرک ص ۲۲۱/ ج ۱ میں ہے "صلی الظھر فسجد فظننا انہ قرأ تنزیل السجدة " پس یہ روایت بلا قرینہ نہیں ہے۔

قولہ: قرآن کی مثال میں قانتین کا لفظ ہے اس کے معنی سکوت یا خشوع ہیں الخ

اقول: بالاصل اس میں قیام ہے اور باقی ارکان بالتبع داخل کر سکتے ہیں۔ ایضاً بلا شک آپ بالطریق الاولیٰ اس میں دونوں قیام داخل کریں اور ساری نماز بھی اس میں داخل ہو، مگر یہ بتلائیں کہ اس میں کوئی ایسا قرینہ بھی ہے کہ ایک خاص قیام اول یا دوم مراد لیا جائے؟ اگر نہیں تو ہماری بات ثابت ہوگی۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ: احادیث سے پہلی مثال میں قیام، رکوع، سجود وغیرہ کے مقابلہ میں ہے یہ قرینہ ہے کہ قیام دونوں مراد ہیں۔

اقول: یہاں کون سا مقابلہ ہے؟ صرف یہ بتایا ہے کہ مجھ سے سبقت نہ کرو۔ لیکن آپ قیام دونوں کے لیے مراد لیتے ہیں۔

قولہ: دوسری مثال بھی جلوس کے بارہ میں ہے الخ

اقول: قیاماً کے حکم کو ساری نماز میں لگائیںگے یا صرف حالتِ قیام پر؟ اول الذکر مراد نہیں ہوسکتا، کیونکہ کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کیسے ممکن ہے؟ اور اگر ثانی الذکر مراد لیں گے تو کون سا قیام مراد ہوگا؟ اس کے لیے کون سا قرینہ ہوگا۔ اگر عام مراد لیں گے تو کیوں؟ اور جلوس کے بارے میں آپ کا کہنا درست نہیں۔ کیونکہ "اذا صلی جالسا فصلوا جلوسا" یہ حکم وجوبی نہیں رہا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کی مرض وفات کی نماز اس پر شاہد ہے، پس اگر کوئی شخص امام جالس کے پیچھے نماز پڑھتا ہے لیکن قیام قبل الرکوع میں تو بیٹھ جاتا ہے اور بعد الرکوع قیام ثانی میں کھڑا ہو جاتا ہے تو کیا آپ اس کی نماز کو درست کہیں گے۔

سوچ سمجھ کر حواریوں سے مشورے کے بعد جواب دیجیے گا؟

قولہ: تیسری مثال ایک واقعہ ہے جو مبہم ہے الخ

اقول: اس سے ہمارا مطلب نہیں۔ ہم تو پوچھتے ہیں کہ اس کا حکم دونوں قیاموں کے لیے عام سمجھیں گے یا کسی ایک کے لیے خاص کریں گے؟ باقی یہ دعویٰ کرنا کہ یہ مسئلہ اجماعیہ ہے، حافظ صاحب کا یہ سب سے بڑا حربہ ہے کہ جب کوئی دوسری دلیل نظر نہ آئی تو طحاوی کی طرح اس کو استعمال کر کے اپنے پیروکاروں کو دبا دیا لیکن بوقت مناظرہ یہ آلہ کام آنے والا نہیں۔ سنیے! اجماع کا دعویٰ باطل ہے، ابراہیم نخعی سے اس کے خلاف مروی ہے دیکھیے فتح الباری ص۲۳۲ باب یقوم عن یمین الامام / ج۲ طبع حلبی مصر۔ الخ بحوالہ سنن سعید بن منصور۔

قولہ: چوتھی مثال میں بھی قیام قعود یعنی (بیٹھنے) کے مقابلہ میں ہے الخ

اقول: تو کیا ہوا جب کھڑا نہیں ہوسکتا تو بیٹھ جائے۔

مثلاً: ایک آدمی قیام اول میں تو کھڑا رہا اور رکوع کے فوراً بعد اس کو ایسا چکر آیا کہ بیٹھ گیا، اور بیٹھنے کی حالت میں اعتدال کیا، پھر دوسری رکعت میں بھی بیٹھا رہا اور رکوع میں اس کو کچھ تخفیف محسوس ہوئی اور وہ "سمع اللہ لمن حمدہ" کہہ کر تھوڑی دیر کے لیے کھڑا ہوگیا تو کیا نماز نہیں ہوگی؟ ایسی حالتیں ہمیشہ پیش آتی رہتی ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قولہ : پانچویں مثال الخ

اقول : وہاں بھی یہی جواب ہوگا۔

قولہ : صرف اس لیے کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ حقیقتاً قیام نہیں۔ الخ

اقول : یہ کس آیت یا حدیث میں مذکور ہے؟ مانا کہ یہ آپ کے اسرارِ مکنونہ میں سے ہے مگر اس پر احکامِ شرع متفرع نہیں کیے جاسکتے۔

قولہ : اور جہاں اس کو قیام کہا گیا ہے۔ الخ

اقول : ہم اسی لغت کے ساتھ مخاطب ہوئے ہیں اور حدیث میں "اذا کان قائما" ہے۔ پس قیام لغوی کہیں یا اصطلاحی جو چاہیں کہیں مگر اس کی سنت وضع ہی ہوگی۔ حافظ صاحب نے صلوٰۃ حقیقی اور لغوی کی مثالیں دی ہیں۔ حالانکہ دونوں میں فرق ہے اور یہاں دونوں قیاموں کی ہیئت ایک ہے۔ یعنی صرف کھڑا ہونا اور بعد الرکوع کھڑا ہونے کا نام لغۃً خواہ شرعاً قیام ہونا ثابت ہے۔ اگر اس کا دوسرا نام ثابت ہوا تو وہ کیسے مجازی ہوگیا؟ مثلاً آپ صلوٰۃ کے لغوی معنی دعا مانتے ہیں اور اس کا دوسرا نام دعا بھی ہے تو کیا اب صلوٰۃ اس کا مجازی نام ہوگا؟ ایضاً یا بالفرض قیام سے حقیقی قیام اول مراد ہوا اور قیام ثانی مجازاً تو بھی "اذا کان قائما" میں دونوں داخل ہوں گے کیونکہ دونوں میں وضع سے کوئی تعارض لازم نہیں آتا ہے۔ امام راغب مقدمہ التفسیر ملحق بمفردات ص ۴۰۶/ اصح اصح المطالع میں فرماتے ہیں "العبارة الموضوعة لمعنيين على الاشتراك حقيقة فيهما مجازا في احد هما متى تنافى معنا هما في المراد لم يصح ان يرادا معابعبارة واحدة نحوان يقال صلوٰة واحدة على سبيل الوجوب والندب ، واذالم تتنا فيا صح ذالك نحواللمس المراد به المسيس ولمس والىٰ ذالك ذهب الشافعي رحمه الله وهو مقتضى كلام سيبويه الخ

اب اگر بقولِ شما قیام کی حقیقی مراد قیام اول اور قیام ثانی مجازی ہے تو بھی حدیث "اذا کان قائما" دونوں کو شامل ہوگی۔ کیونکہ یہاں تنافی نہیں۔

قولہ : تعارض سے بچنے کے لیے دو حدیثوں کو الگ الگ کر دیا۔

اقول : ایسا ہی ہم نے کیا تھا پھر آپ کیوں خفا ہوئے تھے؟

قولہ : مطلق مقید پر حمل ہوسکتا ہے چنانچہ زیرِ عنوان جواب اعتراض اول تفصیل ہوچکی ہے۔

اقول : اس کی تردید بھی گذر چکی ہے اور اگر حمل ہوسکتا ہے تو کیوں نہیں کیا آپ کو تو یہی طریقہ پسند ہے۔

قولہ : حقیقی معنی کے لیے قرینہ کی محتاجی نہیں الخ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقول: اس کی حقیقت ظاہر کر دی گئی ہے، نیز اگر یہ بات ہے تو قیام کے لغوی معنی کھڑا ہونا ہے پس "اذا کان قائماً" میں بعد الرکوع کھڑا ہونا بھی داخل ہے اور اگر آپ کی اصطلاح کے مطابق مجازی قیام ہے تو بھی حکم میں داخل ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ کمامر۔

قولہ: شہرت حقیقی معنی کا سبب ہے الخ

اقول: قیام ثانی کا نام بھی حدیث میں سلف اور محدثین کے ہاں قیام ہی مشہور تھا جیسا کہ سابقہ مضامین اس پر شاہد ہیں۔ پس اس کو کیوں الگ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ فقہاء کے نزدیک قیامِ ثانی کو قومہ کے نام سے زیادہ شہرت ہے لیکن محدثین کے ہاں ایسا نہیں۔

قولہ: اس جب قیام دوم اعتدال کے لفظ سے بھی ذکر ہوتا ہے الخ

اقول: اس کے ہم منکر نہیں لیکن اس بنا پر وہ قیام نہ رہا۔ یہ کہاں ہے؟ اور "اذا کان قائما" میں کیوں داخل نہیں۔ آپ کے خود ساختہ قانون کو رد کیا جا چکا ہے۔

قولہ: ابھی گذرا کہ جب قیام کا حقیقی معنی الخ

اقول: ان سب کا جواب گذر چکا ہے۔ نیز حدیث ابوسعید پر بھی کلام ہو چکی ہے۔

قولہ: بلکہ اعتدال کی حقیقت بتاتی ہے الخ

اقول: اس سے کیا فائدہ؟ جب کہ آپ اس سے نام قیام نہ اتار سکے اور حدیث میں ہے کہ "جب کھڑا ہو" پھر خواہ قیام ہو یا بقول آپ اعتدال، قومہ یا اور کچھ ہو۔

قولہ: ایک باب کی مصدریں مختلف ہوتی ہیں۔ الخ

اقول: لیکن یہاں کیا فرق ہے؟ باعتبار معنی کے دونوں میں کھڑا ہونا ہے۔

بقول آنجناب کسی میں کم اور کسی میں زیادہ اور اگر قیام کو قومہ نہیں کہا جاتا تو اس میں بحث نہیں۔ آپ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ قومہ پر قیام کا اطلاق ملتا ہے پس "اذا کان قائماً" میں داخل ہو گیا۔ حافظ صاحب نے پھر مشورہ دیا ہے کہ کتب خانے ادھر بھیج دو، مشورہ کا شکریہ! مگر کیا کریں کتب تعویذات جن سے آپ کا کام ہے وہ ہمارے پاس نہیں ہیں۔

قولہ: لغۃ قیام کہا گیا ہے نہ کہ شرعاً الخ

اقول: کیا الفاظ حدیث الفاظ شرع نہیں؟ کیا ان میں اس کو قیام نہیں کہا گیا ہے؟

ع ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

قولہ: ہم نے لغۃ بھی فرق بتا دیا ہے۔ الخ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقول: ان سب باتوں کا جواب آپ کو مل چکا ہے۔ آپ کتنا بھی فرق بتائیں لیکن نفس کھڑے ہونے میں دونوں متفق ہیں اور حدیث میں ہے "اذا کان قائماً"

قولہ: جیسے فاتحہ کو فرض نہیں کہا گیا الخ

اقول: ان سب باتوں پر بھی بحث ہو چکی ہے۔ ایضاً اگر فرض نہیں کہا گیا تو کم از کم یہ تو ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ بس یہی ہم کہتے ہیں کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ آپ اس کا نام فرض رکھیں یا کچھ اور یہ آپ کی مرضی ہے اسی طرح حدیث میں ہے کہ "اذا کان قائما" یعنی جب کھڑا ہو۔ چونکہ کھڑا ہونا قبل الرکوع یا بعد الرکوع دونوں وقت ہے سو اتنا آپ بھی مانیں کہ جب کھڑا ہو تو وضع کرے، پھر آپ جو چاہیں اس کو نام دیں۔ قومہ کہیں یا کچھ اور۔

قولہ: مجاز حقیقت کا فرع ہوتا ہے۔ الخ

اقول: اولاً: ہم نے حقیقت و مجاز پر بحث کر دی ہے۔

ثانیاً: ہم نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ علی التقدیر یہاں دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

ثالثاً: بقول آنجناب جب یہ قیام قیامِ اصل کی فرع ہے تو اس کو حکم میں اصل پر کیوں نہیں متفرع کرتے؟

قولہ: ہمارا استدلال حدیث کے لفظ انصباب اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تشریح سے ہے۔ الخ

اقول: حافظ ابن حجر تو رجوع الاعضاء کے معنی کرتے ہیں جو خود وضع کو مقتضی ہے۔ کما مضی

قولہ: من کل الوجوہ اعتدال نہیں۔ الخ

اقول: ولو من وجه واحد ہے پھر بھی قیام اعتدال تو ہے۔ پھر آپ اس کو مجازی یا فرع کہہ کر اس میں ارسال کیوں نہیں کرتے؟ اگرچہ اس میں قرأت ہے۔ مگر قرأت وضع کی علت نہیں۔ کیونکہ حدیث میں "اذا کان قارئاً" نہیں وہاں تو "اذا کان قائما" ہے۔

قولہ: جو عدم و کالعدم میں فرق نہ کر سکے۔ الخ

اقول: اگر آپ اس سے خفا ہیں تو ہم بھی کاف تشبیہ کے ساتھ تفریق کر دیتے ہیں اور پھر ارسال کرتے ہیں کہ کیا آپ اس کو کالاعمل کہیں گے؟ اب تو راضی ہو گئے نا۔

قولہ: بلکہ جس قیام میں قراءت۔ الخ

اقول: تو پھر الفاظ حدیث یوں ہوتے "اذا کان قارئا فی حالة القیام" یا "اذا کان قائما وھو یقرأ" لیکن صرف "اذا کان قائما" آپ کی اس تمنا کو للکارتا ہے کہ لیس بامانیکم۔

قولہ: ہمارے خیال میں اعتراض کسی پر نہ ہونا چاہیے الخ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقول: پہلا قیام کالعدم کیسے ہوا؟ اور حافظ صاحب نے پھر وہی اجماع کا گیت گایا ہے حالانکہ نفسِ وضع پر اجماع نہیں۔ جس کو آپ اجماع کا نام دیتے ہیں وہ اجماع شرعی نہیں اور نہ فقہاء ہی اس کو اجماع یا اصل ثالث قرار دیتے ہیں، یہ آپ کی نئی تعریف ہے۔

قولہ: یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ سجدہ تلاوت کے بعد ہاتھ باندھے جاتے ہیں الخ

اقول: میرے مہربان! اجماع کو اتنا بدنام نہ کریں۔ کسی ایک ہی مجتہد کا نام لیں، جس نے ایسی تصریح کی ہو۔

قولہ: کیونکہ سجدہ تلاوت نماز نہیں الخ

اقول: جو فعل نماز نہیں وہ داخلِ نماز کیسے ہوا۔

قولہ: (فی الآخر) تنبیہ الخ

اقول: یہ سب باتیں پرانی ہو چکی ہیں ان کو دہراتے رہیے بار بار جواب آتا رہے گا۔

دم میں جب تک دم ہے دامانِ وفاء چھوٹے نہیں
رشتۂ الفت جہاں تک ہوسکے ٹوٹے نہیں

ناظرین کرام! یہ تھا حافظ صاحب کا مضمون جس کا نام رفع الابہام رکھا گیا تھا لیکن اپنے مسلک کو تاہنوز مبہم وتشنہ چھوڑ گئے، ہماری دلیل صاف ہے کہ " اذا کان قائما فی الصلوۃ قبض بیمینہ علی شمالہ" (نسائی) یعنی جب بھی نماز کے اندر کھڑا ہو، آپ اسے قیام کہیں یا قومہ، اعتدال کہیں یا کوئی اور نام رکھیں؟ پھر قیام حقیقی کہیں یا مجازی، اس کی سنت یہ ہے کہ "وضع الیمین علی الشمال" کیا جائے۔

ایسے صریح ومنصوص عموم کو حافظ صاحب کی طویل اور طوفانی تقریر ذرہ برابر بھی نہ ہلا سکی،

رستے پار اترنے کے ابھی بند نہیں
نا خدا تو میری قسمت کا خداوند نہیں

والسلام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة السابعة

بہاول پور ریاست کے عظیم انسان جماعت کے فخر سرمایہ پروفیسر حافظ عبد اللہ بہاولپوری رحمہ اللہ نے ایک کتاب ''رکوع کے ہاتھ چھوڑنا'' تحریر فرمائی اور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ارسال فرمادی تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے چند نشستوں میں اس کا جواب املاء کروادیا اور بعد میں مذکورہ نام سے طبع ہوئی۔

(الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی اهل طاعته اجمعین۔

اما بعد: رکوع کے بعد سر اٹھا کر کھڑا رہنے کی حالت میں ہاتھ باندھنا ایسا واضح ہوگیا ہے کہ کسی اعتراض کی گنجائش نہیں اور جو اعتراضات مختلف بزرگوں کی طرف سے کیے گئے ہیں۔ ان سب کا جواب دیدیا گیا ہے۔ جو کہ اہل انصاف کے لیے کافی ہے۔ لیکن "لانسلم" کا کوئی جواب نہیں۔ ایک تازہ رسالہ چھپ کر پہنچا ہے جس پر کسی مصنف کا نام تو نہیں صرف نیچے "جماعت اہل حدیث بہاولپور" لکھا ہوا ہے البتہ آخر ص۸۱ میں ہے کہ "میں نے شروع میں لکھا تھا" اسی طرح ص۸۲ میں بھی اس طرح کی عبارت ہے جسکا مطلب ہے کہ کسی فردِ واحد کا لکھا ہوا ہے اور محترم مصنف بہاولپوری نے کوئی نئی بات نہیں لکھی صرف وہی پرانے اعتراضات کیے ہیں جن کا جواب ہمارے پہلے رسائل میں موجود ہے صرف ایک بات نئی لکھی ہے کہ "امام احمد سے جو حوالے نقل کیے گئے ہیں وہ یقینی نہیں مشکوک ہیں کوئی سند نہیں" وغیرہ حالانکہ فقہ حنبلی کی مشہور کتب میں یہ مسئلہ موجود ہے جبکہ الانصاف للمرداوی ص۶۳/ج۲ میں ہے کہ "قال الامام احمد اذا رفع رأسه من الركوع ان شاء ارسل يديه وان شاء وضع يمينه على شماله" یہاں امام موصوف کا قول نقل ہے اور اسی طرح (كشاف القناع عن متن الاقناع للعلامه البهوتى) ص۸۰/ج۱ میں ہے کہ نص احمد على تخييره بينهما اب رہا سند کا مسئلہ تو ہم مصنف بہاولپوری کے اس ارمان کو بھی پورا کردیتے ہیں ایسا حوالہ ہم ذکر کرتے ہیں کہ سند کی ضرورت نہیں رہے گی خود امام موصوف صاحب کے فرزند ارجمند امام صالح ابن احمد بن حنبل کی اپنی کتاب ہمارے پاس موجود ہے جس میں انہوں نے وہ مسائل جمع کیے ہیں جو اپنے والد امام احمد سے پوچھے اور سنے ہیں چنانچہ اس کتاب کے ص۹۰ (المصور) میں ہے۔

قلت كيف يضع الرجل يده بعد ما يرفع رأسه من الركوع ايضع اليمنى على الشمال ام يسدلهما قال ارجوان لا يضيق ذلك ان شاء الله الخ اب تو مصنف بہاولپوری صاحب کو کوئی اعتراض نہیں رہے گا۔ عصر حاضر کے محدث علامہ عبداللہ روپڑی مرحوم اپنے رسالہ ارسال الیدین ص۱۵ میں مان چکے ہیں کہ امام احمد کے مذہب میں دو قول ہیں۔ یہ تھی ان کی نئی بات اور اس عبارت سے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔

الف: یہ حوالہ ثابت ہے اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں۔

ب: اس شبہ کی بنا پر مصنف بہاولپوری صاحب نے جو اعتراضات وارد کیے وہ سارے ختم ہوگئے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ج: یہ بھی ثابت ہوگیا کہ یہ مسئلہ سلف میں موجود تھا جیسا کہ ہمارے رسائل میں تفصیل موجود ہے۔

د: امام صالح کا اپنے والد سے اس قسم کا سوال کرنا خود بتلاتا ہے کہ یہ مسئلہ اس وقت سلف میں معمول تھا۔ ورنہ پوچھنے کی کیا ضرورت تھی۔

ناظرین: مصنف بہاولپوری نے اس رسالہ میں خاص یہ باتیں کی ہیں۔

(۱)......ص ۵ پر لکھتے ہیں ''اور پھر ساری امت کا عمل بھی استدلال کے خلاف ہے''

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ ارسال پر اجماع کا دعویٰ کر رہے ہیں اور خود ص ۱۶ پر لکھتے ہیں کہ ''اہل حق اور کثیر تعداد رکوع کے بعد والے قیام میں ہاتھ نہ چھوڑتی'' اور ص ۳۶ پر فرماتے ہیں ''اہل حق اور اہل علم کی اکثریت کا ہر زمانہ میں اسی پر عمل رہا ہے'' اب خود اجماع کے دعویٰ سے ہٹ گئے اور ص ۲۱ پر فرماتے ہیں کہ ''جب قریبا ساری امت رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑتی ہے'' گویا کہ تسلیم کر گئے کہ ہاتھ باندھنے والے بھی اہل حق میں سے ہیں اگرچہ تھوڑے ہیں پھر اعتراض کی کیا ضرورت۔ اہل حق پر بھی اعتراض ہوسکتا ہے کیا؟ گویا کہ درپردہ امام احمد کی تخییر کو مان گئے کہ دونوں حق ہیں۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

ثانیاً: یہاں آپ اکثریت کے مدعی ہیں حالانکہ اکثریت اور جمہوریت کو خود بھی نہیں مانتے چنانچہ رسالہ ''اصلی اہل سنت'' ص ۳۲ پر اکثریت کی کافی مٹی پلید کی ہے بلکہ بہاولپور سے ایک رسالہ بعنوان ''اسلام اور جمہوریت میں فرق'' شائع ہوا ہے اس رسالہ میں لائق مصنف نے جو کچھ لکھا ہے آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اللہ تعالیٰ نے مصنف کو توفیق بخشی ہے ان شاء اللہ یہ رسالہ اس کے نامہ اعمال میں سرفہرست لکھا جائے گا بلکہ امید ہے کہ اس کی نجات کے لیے یہی کافی ہے اس کفر یہ ہتھیار جمہوریت جس نے اس وقت پہاڑ کی صورت اختیار کرلی ہے اس کے خلاف جہاد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے آمین۔

اس رسالہ میں لائق مصنف نے اکثریت کی کافی مذمت کی ہے جس کی وہ لائق ہے۔ اسلام اور جمہوریت کا فرق بیان کرتے ہوئے ص ۵ پر فرماتے ہیں:

''عرف میں اسلام اللہ کا حکم ماننے کو کہتے ہیں اور جمہوریت اکثریت کے آگے سر تسلیم خم کرنے کو''

ثابت ہوا کہ جس اکثریت کا مصنف بہاولپوری نے سہارا لیا ہے اسی کو جمہوریت کہتے ہیں اور اسی کو اسلام کے خلاف بتلاتے ہیں اور ص ۱۱ میں کہتے ہیں کہ ''اسلام میں اقلیت اور اکثریت کوئی چیز نہیں اور بالا دستی صرف حق کو ہے جمہوریت اکثریت کا دامن تھامنے کے لیے کہتی ہے۔ اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمہوریت اسلام کے متصادم ہے۔

ناظرین: اس مسئلہ میں ایک طرف حدیثوں سے استدلال کیا جاتا ہے اور بار بار مطالبہ کیا جارہا ہے کہ تخصیص کی کوئی دلیل ہو تو پیش کرو لیکن مصنف اور بہاولپوری محترم اس کے مقابلے میں اکثریت یا تعامل امت کا نام لیتے ہیں یعنی پھر سے جمہوریت اور اکثریت کو مستند بنا رہے ہیں۔ ص ۱۲ میں ہے کہ ''اسلام میں حق وہ ہے جو اللہ کہے باقی سب باطل خواہ وہ اکثریت کا ہی فیصلہ ہو'' یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث اللہ کا حکم ہے۔ جب حدیث میں عموم ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہو تو ہاتھ باندھ لے اس کے جواب میں کہنا کہ اس سے مراد قیام قبل الرکوع ہے یا قیام بعد الرکوع اس سے مستثنیٰ یا مخصوص ہے اس کے لیے بھی دلیل رسول اللہ ﷺ سے منقول ہونا چاہیے نہ کہ اکثریت کا عمل دلیل ہوسکتا ہے اور پھر اپنے نظریہ کے خلاف حق (حدیث) کے مقابلہ میں اکثریت کو پیش کرتے ہیں جس کو خود باطل فرمارہے ہیں۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

ص ۱۸ میں فرماتے ہیں ''جمہوریت کا نظام ہمیشہ اکثریت کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اکثریت ہمیشہ برے لوگوں کی ہوتی ہے'' یہ بات بالکل سو فیصد حق ہے۔ لیکن پھر اسی اکثریت کو سہارا بنانا کہاں صحیح ہے اور ص ۲۵ میں فرماتے ہیں۔ '' اسلام کہتا ہے اگر تو اکثریت کی پیروی کرے گا یعنی جمہوری راہ پر چلے گا تو جمہوریت تجھے گمراہ کردے گی۔ "ان تطع اكثر من فى الارض يضلوك عن سبيل الله" کتنا پیارا جملہ ہے کاش مصنف بہاولپوری صاحب اس پر کاربند رہتے۔ آیت کریمہ میں صرف سیاسی اور ملکی امور مراد نہیں بلکہ دینی و دنیاوی امور سب اس میں داخل ہیں۔ ہر چیز میں دلائل کی رو سے دیکھنا چاہیے کہ حق کیا ہے نہ کہ اکثریت اور عام عمل کس طرف ہے اور اقلیت کس طرف حاشا وکلا بلکہ خواہ حق کی طرف ایک ہو تو بھی وہ قبول کیا جائے گا اور اکثریت کو رد کیا جائے گا۔ آپ نے یہاں اکثریت کو حق کا معیار سمجھا ہے تو ہم اس کو مغالطہ تو نہیں کہتے لیکن غلطی ضرور کہتے ہیں۔ ہاں ایک بات دلائل سے ثابت نہ ہوا اس کے لیے پھر تعامل یا اکثریت نقل کریں تو اور بات ہے۔ لیکن پورے مسئلہ کی بناء اور حق کا معیار یا عام حکم کو خاص کرنے کے لیے اسی کو دلیل بنایا جائے یہ اہل علم سے متوقع نہیں چنانچہ ص ۳۰ میں فرماتے ہیں کہ '' ایک حق والا لاکھوں کی اکثریت پر بھاری ہے'' جب ایک طرف سے حدیث پیش کی جاتی ہے تو اس کو قواعد محدثین سے خاص کرو اور دلائل حدیثیہ سے اس سے قیام بعد الرکوع کو مستثنیٰ کرو اور اگر استدلال آپ کے زعم میں غلط ہے تو اس کو خود احادیث سے غلط ثابت کرو نہ کہ اکثریت کا نام لو اکثریت معصوم نہیں نہ یہ کسی کا مذہب ہے البتہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر اجماع یقینی ہے تو پھر اس کو معصوم کہا گیا ہے اکثریت اور تعامل فقہاء کی چار دلیلوں (کتاب، سنت، اجماع، قیاس) سے زائد پانچویں دلیل ایجاد کی گئی ہے اور جس تواتر عملی یا تعامل امت کو مصنف بہاولپوری صاحب خاص اور اہم دلیل جانتے ہیں۔ اس کی تردید میں مستقل رسالہ بنام ''تواتر عملی یا حیلہ جدلی'' لکھ چکا ہوں جو شائع بھی ہو چکا ہے۔ اس کو دیکھئے۔ میری مخلصانہ دعا ہے کہ جماعت اہل حدیث بہاولپور نے جو اس خطرناک طاغوت (جمہوریت اور اکثریت) کے خلاف جہاد اور جدوجہد کی ہے اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس پر کاربند رہنے کی بھی توفیق بخشے جب ایک طرف تو لوگوں کو اس طاغوت سے ڈراتے ہیں تو خود بھی اس کو اپنا متمسک نہ بنائیں ویرحم اللہ عبداقال آمینا

(۲)...... ''مطلق سے فرد کامل مراد ہوتی ہے لیکن یہاں اس بحث کی گنجائش نہیں کیونکہ اگر یہ الفاظ حدیث میں ہوتے کہ آپ ﷺ قیام میں ہاتھ باندھتے تھے تو پھر بحث ہو سکتی تھی کہ کون سا قیام مراد ہے اور کامل فرد مراد ہے تو وہ کون سا قیام ہے اور اگر عرف مراد ہے تو کون سا قیام متعارف ہے مگر یہاں یہ لفظ نہیں بلکہ یہ الفاظ ہیں کہ اذاکان قائمافی الصلوٰۃ۔ واذاقام فی الصلوٰۃ (الجامع الصغیر ص۱۰۸/ج۳ بحوالہ طبرانی) یعنی نبی ﷺ جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ہاتھ باندھتے تھے اور بقول مصنف بہاولپوری قیام کامل ہو یا ناقص جب بھی کھڑا ہو تو ہاتھ باندھ لیتے ہیں لہٰذا یہ عذر یہاں پیش کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ ذکر نہیں کہ آپ کس قیام میں ہاتھ باندھتے تھے۔

(۳)...... قیام بعد الرکوع مستقل رکن نہیں تو کیا اس کے بغیر نماز ہو جائے گی؟ ثانیاً بقول شما مستقل رکن نہ سہی لیکن جب بھی کھڑا ہوگا تو حکم وہی ہوگا۔

(۴)...... ص ۲۷ پر فرماتے ہیں کہ ''یہ غلط ہے کہ واو ترتیب کے لیے ہوتی ہے'' اور خود ص ۳۳ پر امام شوکانی کی عبارت کا خلاصہ یوں ذکر کرتے ہیں کہ ''جہاں یہ مانع نہ ہو وہاں ترتیب ممتنع نہ ہوگی'' پس جب مانع نہ ہونے کی صورت میں ترتیب ممتنع نہیں جسکا مطلب کہ مراد ہو سکتی ہے اور جب ہو سکتی ہے اور امتناع نہیں تو پھر یہ بحث بھی فضول ہے بلکہ یہاں ثابت کرنا چاہیے تھا کہ یہاں بھی کوئی مانع ہے ورنہ ترتیب کا معنیٰ ہو سکتا ہے اور اعتراض یکسر ختم ہو گیا۔

(۵)...... ''رکوع سے ہاتھ کھل گئے''۔ لیکن یہ نہیں سوچتے کہ رکوع سے پہلے کیا تھا؟ کھڑا ہونا ہی تھا جب وہی حالت لوٹ آئے گی تو وہی ہیئت بھی واپس آئے گی یعنی ہاتھ باندھے ہی جائیں گے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس کا انکار کوئی منصف اور معتدل مزاج محقق نہیں کر سکتا واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

(۶)...... کسی نے ارسال پر اعتراض نہیں کیا۔ ''حالانکہ ارسال کا انکار کتابوں میں مذکور ہے۔ فتح

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الباری ص ۲۲۴/ ج ۲ (السلفیہ) میں حافظ ابن عبدالبر کا قول پڑھیے اور آپ کس دلیل کی بناء پر یہ تفریع کرتے ہیں کہ اس سے مراد قبل الرکوع ہے بعد الرکوع نہیں ایک بات ذہن میں ٹھان کر اس کو محور بناتے ہیں۔ یہ طریقہ بحث نہیں۔ خالی الذہن ہو کر دیکھیں گے تو آپ کو صرف ارسال کا انکار نظر آئے گا۔

(۷)...... عجیب قانون بیان کرتے ہیں کہ ''نماز کا عمل حدیث سے پہلے ہے'' حالانکہ حدیث کے تین قسم ہیں۔ قولی، فعلی اور تقریری۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو یہ خود فعلی حدیث ہوئی لہٰذا اگر کوئی آپ سے سوال کرے کہ کسی شخص کا صحابی ہونا یا رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنا یا آپ کو دیکھ کر نماز سیکھنا اس کا کیا ثبوت ہے؟ تو اس کو حدیث سے ہی ثابت کریں گے۔ ایسی گھٹیا بات مصنف بہاولپوری صاحب کو تو نہیں کہنی چاہیے۔ یہی تو منکرین حدیث کی مشہور دلیل ہے۔ غلام جیلانی برق اپنی کتاب دو اسلام ص ۱۲۵ میں لکھتا ہے۔ ''رسول اللہ ﷺ کو لاکھوں مسلمانوں نے نماز پڑھتے دیکھا انہیں کروڑوں نے اور یہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا۔ ارب کھرب انسانوں کی شہادت کافی نہیں کیا دیہاتی مسلمان صحیح بخاری سے نماز کا طریقہ سیکھا کرتے ہیں۔ جس طریقہ سے آباء واجداد نماز ادا کرتے تھے ہم نے وہ سلسلہ جاری رکھا'' الخ پس یہی طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے۔

(۸)...... کہتے ہیں کہ ''جہاں بغیر قرینہ قیام کا ذکر ہو تو اس سے قیام قبل الرکوع مراد ہے'' حالانکہ ایسی کوئی مثال پیش نہ کر سکے بلکہ خود حافظ عبداللہ مرحوم روپڑی اپنی کتاب اطفاء الشمعہ فی ظہر الجمعہ ص ۲۸/ ج ۳ میں فرماتے ہیں ''عام کی طرح مطلق میں بھی شمول ہے'' ایضاً مصنف بہاولپوری نے اپنا سارا زور اس پر لگایا ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا کوئی ثبوت نہیں اس کی حقیقت تو اپنی جگہ پر بیان کی جائے گی۔ لیکن رسالہ کا عنوان یہ رکھا ہے کہ ''رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑنا'' حالانکہ کوئی ایک روایت ارسال کے ثبوت میں ذکر نہیں کی میں کہتا ہوں کہ اس طرح طویل تقریر کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف رسول اللہ ﷺ سے ان دو لفظوں کا ثبوت مطلوب ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے ایسا کوئی ثبوت نہیں دیا بلکہ قیامت آ جائے گی ثبوت نہیں ملے گا۔ چونکہ اس رسالہ میں بار بار اس ناچیز کو روئے سخن بنایا گیا ہے اس لیے دوستوں نے اصرار کیا کہ میں اس کا جواب لکھوں اس لیے تفصیلی جواب عرض ہے اور چونکہ مصنف بہاولپوری صاحب نے مکالمہ کی شکل میں رسالہ لکھا ہے لہٰذا میں نے بھی یہاں وہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ امید ہے کہ مصنف بہاولپوری محترم ٹھنڈے دل سے ہماری معروضات پر غور فرمائیں گے۔

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الف:...... السلام علیکم۔

ب:...... وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

الف:...... ایک سوال ہے کہ رکوع کے بعد کیا کرنا ہے۔

ب:...... کھڑا ہونا ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ ثم یقول سمع اللہ لمن حمدہ حین یرفع صلبه من الرکعة ثم یقول وھو قائم ربنا ولك الحمد (بخاری ص۱۰۹/ ج۲) یعنی رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے قائم (کھڑے) ہوتے تو ربنا ولك الحمد کہتے۔

الف:...... لیکن اس کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھوں کے لیے کیا حکم ہے۔

ب:...... قائم (کھڑے) ہونے کی حالت میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر باندھنے کا حکم ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ اذا کان قائماً فی الصلوٰۃ قبض بیمینه علی شماله (النسائی ص۱۲۲/ ج۱ الدار قطنی ص۲۸٦/ ج۱) یعنی رسول اللہ ﷺ جب نماز میں قائم ہوتے تو دایاں ہاتھ بائیں پر رکھتے۔

الف:...... محترم بہاولپوری مصنف فرماتے ہیں کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں نہ اس کا کوئی ثبوت ہے۔

ب:...... نہیں بھائی اگر مسئلہ ہی نہ ہوتا تو امام احمد سے ان کے فرزند صالح پوچھتے ہی نہیں، اور جب حدیث نے رکوع کے بعد کھڑے ہونے والے کو قائم کہا ہے اور حدیث ہی نے قائم کے لیے سنت ہاتھ باندھنا بتلایا ہے تو پھر ایسے صریح ثبوت کے بعد کیا شبہ باقی رہتا ہے خود مصنف بہاولپوری ص۴ پر حدیث اذا کان قائما کا عموم تسلیم کرتے ہیں۔

الف:...... وہ فرماتے ہیں کہ اس سے کسی محدث نے استدلال نہیں کیا ہے اور نہ کسی نے اس کے لیے باب باندھا ہے۔

ب:...... جناب آپ اسی مصنف سے پوچھئے کہ کیا کسی محدث نے ارسال بعد الرکوع کے لیے بھی باب باندھا ہے یا کسی ایک محدث نے اسی حدیث کو قیام قبل الرکوع کے لیے خاص کیا ہے؟ ایسا ثبوت کبھی نہیں دے سکتے تو پھر اس سوال سے کیا فائدہ اور کسی محدث کا قول اس استدلال کے منافی نہیں ہاں اگر محدثین میں سے کسی نے اس کو قیام قبل الرکوع سے خاص کیا ہوتو شاید بحث کی مجال تھی لیکن جب ایسا کوئی ثبوت نہیں تو یہ بحث عبث ہے۔

الف:...... مصنف بہاولپوری فرماتے ہیں کہ پھر ساری امت کا عمل بھی اس کے خلاف ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب:...... جناب اگر یہ ہوتا تو امام احمد وضع اور ارسال دونوں کا اختیار نہ دیتے بلکہ یہ دعویٰ غلط ہے کئی لوگ ہاتھ باندھنے کے قائل وفاعل ہیں کئی علماء حنابلہ اس کے قائل ہیں۔ فقہ حنبلی کی کتابوں میں ایسی تصریح موجود ہے۔ اب تک کئی حنابلہ اس پر عامل ہیں فضیلۃ الشیخ ابن باز جو کہ مملکت سعودیہ دار الافتاء کے رئیس ہیں وہ اپنے رسالہ " این یضع المصلی یدیه بعد الرفع من الركوع" (المجموع ص۴۹) میں فرماتے ہیں۔ وما الذی یدلنا علی ان احدا من السلف لم یفعله والصواب ان ذلك دلیل انهم كانوا یقبضون فی حال القیام بعد الركوع ولو فعلوا خلاف ذلك لنقل لان الاحادیث السابقة یدل علی شرعیة القبض حال القیام فی الصلاة سواء قبل الركوع اوبعده الخ" یعنی جب احادیث میں کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے اور چھوڑنے کا ذکر نہیں ہے تو اگر سلف میں اس کے خلاف عمل ہوتا تو ضرور نقل کیا جاتا گویا کہ ہاتھ باندھنے والے ایسے ثبوت کے محتاج ہی نہیں ان کے لیے یہ کافی ہے کہ حدیثوں میں صرف وضع کا ذکر ہے اور ایسے مسلسل ثبوت دینے کے مکلّف وہ ہیں جو اس کے خلاف ارسال کے مدعی ہیں ایضاً جب اجماع بھی نہیں تو صرف تعامل وعادت کی بناء پر عام کی تخصیص صحیح نہیں یہ حنفیوں کی دلیل ہے۔ امام شوکانی ارشاد الفحول ص ۱۶۱ میں فرماتے ہیں المسألة السادسة والعشرون فی التخصیص بالعادة ذهب الجمهور الی عدم جواز التخصیص بها وذهب الحنفیة الی جواز التخصیص بها قال الصفی الهندی (تذكر كلامه) قال والحق انها لا تخصیص ...... لان الحجة فی لفظ الشارع وهو عام والعادة لیست صحة حتی تكون معارضة له انتهی (ثم قال الشوكانی) والعجب ممن یخصص كلام الكتاب والسنة بعادة حادثة بعد انقراض زمن النبوة تواطأ علیها قوم وتعارفوا بها ولم یكن كذلك فی العصر الذی تكلم فیه الشارع فان هذا من الخطأ البین والغلط الفاحش الخ مختصرا یعنی جو عمل عادت بن جائے اس پر تواتر عمل بھی ہو جائے اگر اس کا زمن نبوی ﷺ میں صریح ثبوت نہیں ہے تو پھر وہ عادت یا تعامل قرآن یا حدیث کے عام حکم کو خاص نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ تعامل یا عادت حدیث کے معارضہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ چہ جائیکہ اس کے عام کو خاص کر سکے اس قسم کی تخصیص ظاہر ظہور خطأ اور فاحش غلطی ہے اور مصنف بہاولپوری صاحب کو چاہیے کہ یہ بات ثابت کریں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں فلاں لوگ قیام بعد الرکوع میں ہاتھ چھوڑ دیتے تھے۔ لیکن قیامت تک ایسا ثبوت نہیں دے سکتے۔ پس اس عادت وتعامل سے حدیث کے عموم کو خاص نہیں کیا جائے گا حافظ ابن قیم کی کتاب اعلام الموقعین کا مطالعہ کریں کہ کئی مسائل رسول اللہ ﷺ کے بعد تبدیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے گئے اور فضیلۃ الشیخ سید بن سعید الدین الغباشی رسالہ "هدى خير الانام فى وضع اليمنى على اليسرىٰ فى القيام" (لمجموعہ ص۸۹) میں کہتے ہیں کہ قال قائل خصصنا ذلك بما نقل الينا من عادة الناس فى الصلوٰة يقال قال الشوكانى (فذكر العبارة المذكورة) فتدبر هذا جيدا و الاصارت سرقة الصلوٰة واضاعة اوقاتها والارسال فى القيام الاول ايضًا فان اكثر الناس يفعلونه على انه الصواب فصارذلك كله من سنن الصلوٰة وهذا باطل ولعله۔ والله اعلم۔ بانه لماتشاغل الناس عن السنة بالاقوال فصاروا يرسلون ايديهم فى القيام كله ثم انهم اضاعوا طمانينة القيام من الركوع بل بعضهم يهوى من الركوع الى السجود كما بينا فاندترت تلك السنة وهى وضع اليمنى على اليسرىٰ بعدالرفع من الركوع حتى صارقاً سلهاغريبًا وهذا صاحب السنة دائما الاان الله عزوجل له طائفة طاهرة بالحق الى يوم القيامة لايضرهم من خالفهم الخ پس جبکہ خود قیام بعد الرکوع کا بھی اہتمام نہیں رہا ہے تو پھر وضع تو دوسری بات ہے۔

الف:...... بہاولپوری مصنف تو کہتا ہے کہ اگر کوئی ثبوت ہوتا تو کسی کو نظر آتا۔

ب:...... جناب بالکل واضح ہو چکا ہے لیکن بعض کو چاند بھی تو نظر نہیں آتا ہے۔

قد ظهر فلا يخفى على احد
الا على اكمه لا يعرف القمرا

ایضاً کئی مسائل لوگوں کو نظر نہیں آتے مثلاً "رفع الیدین" کی حدیثیں اتنی ظاہر ہیں کہ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ گویا میں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کو رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ (بیہقی ص۶۹/ج۲) یعنی سورج سے بھی واضح ہے مگر کئی لوگ بزعم ان کے نظر نہیں آتا۔

الف:...... لیکن اہل حدیثوں کو تو آنکھیں ہوتی ہیں انہیں نظر آنا چاہیے۔

الف:...... کیا اہل حدیثوں میں مسائل کا اختلاف نہیں ہوتا ہے؟

الف:...... نیز فرماتے ہیں کہ کوئی ثبوت نہیں بلکہ مغالطہ ہے جیسے بعض کو چاند سے دھوکہ ہوجاتا ہے۔

ب:...... کئی لوگ رکوع کی رکعت کے قائل ہیں۔ جماعت غرباء اہل حدیث اس میں مشہور ہے۔ پھر مشہور محدث علامہ ناصر الدین الالبانی صاحب بھی اس کے قائل ہیں۔ مشہور محدثین میں سے امام شافعی کا یہ مذہب ہے امام بیہقی نے سنن کبریٰ ص۹۰/ج۲ میں اس کے لیے مستقل باب رکھا ہے۔ پھر امام نووی وغیرہ ۔ شیخ حسین بن محسن انصاری کا فتویٰ موجود ہے۔ اسی طرح عام طور پر اہل حدیث عیدین کی زوائد تکبیرات میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفع الیدین کرتے ہیں لیکن علامہ عبدالرحمن مبارک پوری مسائل تکبیرات عیدین کے رسالہ میں صاف کہتے ہیں کہ نہیں کرنی چاہیے۔کوئی ثبوت نہیں۔ اسی طرح طلاق کا بیک وقت ایک ہونا عام اہل حدیثوں کا مذہب ہے لیکن بعض اس کے بھی خلاف ہیں۔ علامہ شیخ الحدیث شرف الدین الدھلوی تین ہی کے قائل ہیں (فتاویٰ ثنائیہ ص۴۳/ ج۲ بلکہ آپ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جو کہ مرحوم نے مجھے دکھایا بھی تھا اور فرماتے تھے کہ جمہور کا مذہب صحیح ہے۔

حافظ عبداللہ صاحب محدث روپڑی مرحوم رسالہ ''رفع الیدین اور آمین'' ص۱۴ میں مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ مقتدی اگر امام سے آگے یا پیچھے فاتحہ پڑھے تو اس کو دوبار آمین کہنی ہوگی۔ کیا کسی اہل حدیث عالم نے ایسا لکھا ہے۔ یا بیان کیا ہے؟ پھر متقدمین میں دیکھئے امام ابن جریر نے چارسو ایسے مسائل ذکر کیے ہیں جن میں بقول ان کے امام شافعی نے اجماع کے خلاف کیا ہے۔ اگر اجماع نہیں تو کم از کم عام عمل اور تعامل ضرور ہوگا۔

نیز ائمہ حدیث مثلاً شعبی، ابن الماجشون، مزنی، ابوثور، احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، داؤد ظاہری اور ابن جریر سے ایسے مسائل منقول ہیں۔

جو ان سے قبل کسی سے منقول نہیں (الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم ص۵۴۳ کیا ان سب پر مصنف بہاولپوری صاحب چاند والی مثال چسپاں کریں گے؟ کہ ان کو دھوکہ لگا ہے۔ یعنی چاند نظر آیا مگر چاند نہیں تھا کیا ان سب کو مغالطہ لگا ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ آشیانے میں

الف:...... وہ تو فرماتے ہیں کہ اہل حدیثوں میں سے ان صاحبان (راقم الحروف کی طرف اشارہ ہے) کو ہی نظر آئے باقی عالموں کو نظر نہ آئے۔

ب:...... جناب جن علماء کا پہلے ذکر کیا ان پر بھی یہی سوال ہے کہ صرف ان کو تو نظر آیا دوسروں کو نظر نہیں آیا۔ جواب دینے کا یہ طریقہ نہیں ہے۔

ثانیاً: صرف ہم نہیں کئی لوگ وضع بعد الرکوع کے قائل وعامل ہیں اور کئی لوگوں کو کرتے دیکھا گیا ہے۔

امام ابن حزم کی عبارت اس سوال پر ضرب کاری ہے۔ جو اس کی تاویل کی گئی ہے اپنے موقع پر اس کی خبر لی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ پھر زمانہ حال میں کئی محقق ہوئے جن کو نظر آ گیا ہے۔ خود برصغیر میں علامہ ابومحمد عبدالحق بہاولپوری مرحوم جس نے آخری عمر مکہ مکرمہ میں گذاری وہ اس کے قائل تھے ان کو کیسے نظر آیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو ہم نے خود عمل کرتے ہوئے دیکھا اور اس پر رسالہ بھی تصنیف فرمایا ہے۔ حالانکہ رؤیت ہلال کے لیے دو کی شہادت سب کے ہاں کافی ہے۔ پھر خاندان غزنویہ کے مایہ ناز عالم محمد اسماعیل غزنوی بھی قائل وعامل تھے۔ سفر حج میں میرے ساتھ تھے جہاز میں جب مجھ پر اس مسئلہ پر اعتراض ہوا تو موصوف نے میری تائید کی اور کہا کہ میں بھی ہاتھ باندھتا ہوں۔ علامہ خاں مہدی زماں کھلابٹی بھی ہاتھ باندھتے تھے۔ میں نے خود ان کو دیکھا مولانا قاضی ابو اسماعیل یوسف حسین خانپوری بھی قائل تھے۔ جس نے اس پر دو رسالے بنام اتمام الخشوع عربی اور اردو لکھے ہیں۔ اسی طرح شیخ محمد یوسف حجازی اصل میں پنجاب کے ہیں اور آخری عمر مدینہ منورہ میں گذاری آپ بھی باندھتے تھے۔ بنگال کا مشہور عالم علامہ محی الدین بھی اس کا قائل تھا۔ اس کے چند طلبہ جن میں اس کا فرزند مولوی محمد الیاس بھی تھا۔ لاہور میں مسجد قدس میں پڑھتے تھے اور جب میں نے اپنا اردو رسالہ اس مسئلہ پر علامہ موصوف کو بھیجا تو اُس پر انہوں نے شکریہ کا خط لکھا اور مزید توفیق کی دعا کی۔ مناظر اسلام علامہ احمد دین گکھڑوی بھی آخر عمر میں قائل وفاعل تھے۔ سعودی عرب کے علماء شیخ ابن باز، شیخ ابراہیم بن قعود، شیخ عبدالرزاق عفیفی ،مصری محدث شیخ حماد انصاری ،شیخ اسماعیل انصاری، رئیس الحرم شیخ عبداللہ بن حمید مرحوم رئیس القضاۃ شیخ محمد بن ابراہیم مرحوم شیخ محمد عبدالرؤف ملباری، شیخ صالح عثیمین وغیرھم سب قائل وعامل ہیں اور شیخ علامہ حمود بن عبداللہ التویجری بھی قائل ہیں اپنے "رسالہ التنبیہات علی رسالۃ الالبانی فی الصلوٰۃ" میں اس مسئلہ کے متعلق ص۱۹ پر لکھتے ہیں "والقول بالوضع ھو الصواب لعموم حدیث وائل الذی ذکرنا" گویا کہ اسی حدیث سے اس کو مسئلہ نظر آ گیا۔ اسی طرح وہاں سعودیہ میں میں نے مصر۔ شام۔ عراق۔ اردن۔ فلسطین۔ سوڈان۔ مغرب وغیرہ کے کئی لوگوں کو اس پر عامل پایا۔ گذشتہ سال میں یورپ کے دورہ پر گیا تو جرمنی۔ ہالینڈ۔ بلجیم اور ڈنمارک میں کئی عربوں کو بعد الرکوع ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا۔ وہاں کے عرب ممالک تیونس۔ الجزائر اور مراکش کے کئی لوگوں کو عامل پایا۔ بلکہ وہاں ایک شہر بروکسل (بلجیم) کی کئی مساجد میں عمل دیکھا بلکہ ایک مسجد میں بھاری اکثریت قیام بعد الرکوع میں ہاتھ باندھنے والی تھی۔ بالکل تھوڑے تھے۔ جو نہیں باندھتے تھے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہاں علامہ تقی الدین الہلالی کی تبلیغ کا اثر ہے۔ علامہ موصوف مشہور محدث اور ادیب ہیں اور علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری کے شاگرد ہیں اور معلوم ہوا کہ اپنے اس مسئلہ کے ثبوت پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔ اسی طرح بلجیم میں ایک شہر نمور میں علامہ شیخ ابو سعید محمد ترکی جس کا اچھا کتب خانہ ہے اس کو اپنی جماعت سمیت قیام بعد الرکوع میں ہاتھ باندھتے دیکھا بلکہ وہ تو اس کے مبلغ ہیں۔ امارات عربیہ کے دورہ پر گیا تو وہاں بھی کئی علماء کو اس پر عامل پایا۔ اسی طرح سے کویت میں بھی کئی علماء اس کے قائل ہیں خاص طور پر شیخ عبداللہ السبت اور شیخ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سعید بن سعد الدین المغباشی ثانی الذکر نے تو اس پر رسالہ لکھا ہے جس کی عبارت بھی ذکر ہوئی۔ میرے عربی رسالہ بنام زیادة الخشوع فی وضع الیدین فی القیام بعد الرکوع کو کویت کی جماعت نے ہی شائع کیا ہے۔ شیخ حسن سید الہادی سوڈانی جو چند سال جامعہ ابی بکر کراچی میں استاد رہ چکے ہیں۔ وہ بھی باندھنے کے قائل وعامل تھے۔ اسی طرح سندھ کے مشہور عالم علامہ قاری سعید احمد صدر مدرس مدرسہ عربیہ دار القرآن میہڑ ضلع دادو فاضل مدینہ یونیورسٹی بھی اپنی جماعت سمیت اس کے قائل وعامل ہیں۔ ڈیپلو ضلع تھر پارکر کے مشہور عالم اور محدث علامہ محمد عمر مرحوم بھی اس کے قائل وعامل تھے۔ مولانا محمد حیات لاشاری جس نے اس پر کچھ رسالے بھی لکھے ہیں۔ اسی طرح نورستان کے کئی لوگ قائل وعامل ہیں۔ جن میں سے شیخ ابراہیم مرحوم انکاوزیر خارجہ قابل ذکر ہے۔ بہاولپوری صاحب کو چاند پر یقین آگیا ہوگا۔ کیونکہ خبر تو اتر کو پہنچ گئی ہے البتہ بعض کو تو سورج بھی نظر نہیں آتا۔

گر نہ بیند بروز شپر چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

ثالثاً: اور یہ چاند بھی پہلے بہاولپور ہی کے علاقہ میں نظر آچکا تھا۔ ہم نے سب سے پہلے محدث بہاولپور علامہ عبدالحق کو ہاتھ باندھتے دیکھا اور بحث کرنے اور دلائل دیکھنے کے بعد مان لیا۔

رابعاً: طلاق ثلاثہ کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے حق میں احناف یہی کہتے ہیں کہ سات صدیوں تک تو کسی کو یہ مسئلہ نظر نہیں آیا۔ آٹھویں صدی میں اسی کو نظر آیا۔

الف:...... وہ تو فرماتے ہیں کہ صرف قیاس اور استدلال ہے۔

ب:...... قیاس کی صورت میں ایک اصل ہوتا ہے جس کو مقیس علیہ کہتے ہیں۔ دوسرا اس کا فرع ہوتا ہے جس کو مقیس کہتے ہیں۔ لیکن یہاں کون سا مقیس علیہ ہے جس پر ہم نے قیاس کیا ہے اور دونوں مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان علت مشترکہ ہوتی ہے۔ اسی کی بناء پر قیاس کرنے والے کرتے ہیں۔ مصنف بہاولپوری صاحب کا فرض تھا۔ اگر اس کو قیاس جانتے ہیں تو وہ علت بیان کر کے اس کو غلط ثابت کرتے اور فرماتے کہ قیاس مع الفارق ہے ہم نے تو حدیث سے دلیل لی ہے۔ اگر آپ کے پاس تخصیص کی دلیل ہے تو لائیں اور جب خود استدلال مانتے ہیں تو پھر اس کے خلاف یہاں ارسال کے متعلق کوئی نص صریح پیش کریں۔ یا استدلال کو قوانین کی رو سے غلط ثابت کریں ورنہ بصورت دیگر قبول کریں کہ اس کے علاوہ اور کونسی صورت ہے کئی مسائل جنکے متعلق صریح نص نہیں بلکہ نصوص سے مستنبط اور استدلال کیے گئے ہیں۔

الف:...... وہ تو کہتے ہیں کہ حدیث بھی نہیں نہ صحابی نہ تابعی کا اثر ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب:..... کیا اذا کان قائما اور پھر ثم یقول وھو قائم ربنا لك الحمد یہ دونوں حدیثیں کس کے لیے صریح اور نص ہیں؟ بعد الرکوع کھڑے ہونے والا بھی شرع میں قائم ہے اور قائم کی سنت ہاتھ باندھنا ہے۔ مصنف بہاولپوری نے حدیث سے تخصیص تو ثابت نہیں کی بلکہ اس کے بجائے عرف وغیرہ ادھر ادھر کی لمبی چوڑی باتیں کیں اگر کوئی ارسال کا ثبوت ہوتا یا تخصیص کی کوئی روایت ہوتی تو اس طرح ہاتھ پاؤں مارنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی اسی طرح صحابہ یا تابعین سے بھی صرف نماز میں ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ کسی سے کوئی روایت کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی کہ فلاں صحابی یا تابعی نے قیام بعد الرکوع میں ہاتھ چھوڑ دیئے۔ ابو داود ص ۱۱۰ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے کہ صف القدمين و وضع اليد على اليد من السنة یعنی پاؤں کا ملانا اور ہاتھ کو ہاتھ پر رکھ کر باندھنا سنت ہے۔ اب انصاف سے غور کریں کہ پاؤں کے ملانے کا حکم صرف پہلے قیام میں ہے یا دونوں میں؟ یقیناً دونوں قیاموں کے لیے حکم عام ہے۔ اسی طرح ہاتھ باندھنے کا حکم بھی دونوں قیاموں کے لیے عام ہے۔ بہاولپوری مصنف پر فرض ہے کہ کسی ایک صحابی یا تابعی سے قیام بعد الرکوع میں ہاتھ چھوڑنا ثابت کریں اسی طرح مجمع الزوائد ص ۱۰۵/ ج ۲ میں بحوالہ طبرانی جابر بن عبداللہ البیاضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "يضع احدى يديه على ذراعه في الصلوة" یعنی وہ نماز میں ہاتھ اپنے ذراع پر رکھتے تھے۔ یہ بھی عام ہے۔ پوری نماز کو شامل ہے۔ رکوع۔ سجدہ۔ جلسہ۔ کی ہیئتیں جدا مذکور ہیں اب یہ حکم صرف دونوں قیاموں کے لیے رہے گا۔

الف:...... بہاولپوری مصنف فرماتے ہیں کہ "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہے اذا کان قائما کے عموم سے استدلال کرتے ہیں"

ب:...... جب عموم سے استدلال ہے تو پھر اس کی تخصیص ثابت کرتے۔ اس کے بغیر عموم قوی دلیل ہے۔

ثانیاً: جب عموم مانتے ہیں تو پھر وہ سب کے نزدیک حجت ہے۔ جب تک اس کی تخصیص ثابت نہ ہو عام ہی رہے گا۔

اور یہ حکم سب افراد کو شامل ہوگا یہ مسئلہ مسلمہ ہے اور عموم مان کر پھر اس پر یہ مثال چسپاں کرنا صحیح نہیں کہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کیونکہ عام کے حجت ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ ہاں کسی حکم کے عام ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف تو ہوسکتا ہے۔ لیکن عام ہونا قبول کر کے پھر اعتراض کرنا یہ نئی ایجاد ہے اور بے شمار مسائل عمومات سے ماخوذ ہیں اور عموم مان کر پھر انکار کرنا کئی مسائل کے انکار کو مستلزم ہے جو کہ عموم سے لیے جاتے ہیں۔

الف:...... وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے والے ورأيته ممسكا بيمينه على شماله کا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سہارا لیتے ہیں کہ اس کا ذکر رکوع کے بعد ہوا ہے۔

ب:...... راوی کا دونوں قیاموں کو ذکر کر کے یہ کہنا واضح ہے اور ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ دونوں قیاموں میں ہاتھ باندھنے ہیں۔الا یہ کو دوسرے قیام کے لیے روایت میں ہاتھوں کے لیے کوئی اور حالت ثابت ہو۔ مگر دوسری کوئی حالت منقول نہیں ہے لہٰذا یہ استدلال صحیح ہے اور جو اس پر کلام کیا گیا ہے۔اس پر بحث اپنی جگہ پر آئے گی۔

الف:...... وہ تو فرماتے ہیں کہ آپ فی الصلوٰۃ کو عام بناتے ہیں۔

ب:...... جناب نماز کی ابتدا تکبیر اور انتہا سلام ہے۔ان کے مابین الصلوٰۃ (نماز) ہے۔اس میں سب ارکان داخل ہیں صرف وہ داخل نہیں ہوں گے جن کے لیے ہاتھوں کی ہیئت جدا مسنون ہو مثلاً۔رکوع۔سجدہ اور جلسہ کے لیے الگ ہیئت مروی ہے لہٰذا وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے۔مگر قیام کی حالت اس میں داخل ہے اور امام بخاری اپنی صحیح ص۱۰۲/ج۱ میں سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث پر یہ باب منعقد فرماتے ہیں کہ باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ اور حافظ ابن حجر فتح الباری ص۲۲۴/ج۲ میں فی الصلوٰۃ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

ای فی حال القیام یعنی کھڑے ہونے کی حالت میں۔ثانیاً۔الصلوٰۃ معرف باللام ہے لہٰذا عموم کو مقتضی ہے امام شوکانی ارشاد الفحول ص۲۰-۱۱۹ میں فرماتے ہیں۔الالف واللام الحرفية له الاسمية تفيد العموم اذا دخلت على الجمع سواء كان سالما او مكرا وهو ظاهر فی تعريف الجنس الخ اور شيخ الاسلام ابن تيميه اقتضاء الصراط المستقيم ص۵۲ میں فرماتے ہیں۔"فان العموم على ثلاثة اقسام عموم الكل لاجزائه۔ لانواعه الخ" پھر اس کی مثالیں ذکر کرتے ہیں۔جن میں ایک یہ بھی ہے "اذا قيل صل فصلى ركعة وخرج بغير سلام او قيل صم فصام بعض اليوم لايكن متمثلا لانتفاء معنى الصلوٰة المطلقة والصوم المطلق الخ" اور علامہ سید غباشی ھدی خیر الانام ص۷ میں فرماتے ہیں "لان السلام جزء من الصلوٰة فترك جعل عموم لفظ الصلاة لايصدق على كل الاجزاء التی فيها لزكه هذا الجزء فان قلنا الامر بوضع اليمنى على اليسرىٰ فی الصلوٰة كان ذلك شاملا لكل اجزاء الصلوٰة فهو من قبل عموم الكل لاجزائه الا ما خصه الدليل فيبقى العموم حجة فی الباقی الخ " اور امام موفق الدين ابن قدامه المقدسی روضة الناظر وجنة المناظر ص۱۲۰ میں فرماتے ہیں۔"وهذا لان الالف واللام لتعريف فاذا كان ثم معهود فحمل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیہ حصل التعریف وان لم یکن معھود فصرف الی الاستغراق حصل التعریف ایضا وان صرف الی اقل الجمع اوالی احدلم یحصل التعریف وکان دخول اللام وخروجھا واحد ولانھما اذا کانا للعھد استغرقا جمیع المعھود فاذا کانا للجنس یجب ان یستغرقاہ الخ" اور جب رکوع سجدہ اور جلسہ اس سے مستثنیٰ اور خارج ہوئے تو باقی افراد کے لیے عام رہے گا جیسا کہ کتب اصول میں مبین ہے۔ امام شوکانی ارشاد الفحول ص۱۳۶ میں فرماتے ہیں۔

"وھذا ھوالحق لاشك فیہ ولا شبھة لان اللفظ العام کان متنا ولا للکل فیکون حجة فی کل واحد من اقسام الکل فنحن نعلم بالضرورۃ ان نسبة اللفظ الی کل الاقسام علی السویة فاخراج البعض منھا بمخصص لایقتضی اھمال دلالة اللفظ علی مابقی ولایرفع التعبد بہ ولوتوقف کونہ حجة فی البعض علی کونہ حجة فی الکل للزم الدور وھو محال وایضًا المقتضی العمل بہ فیما بقی موجود وھو دلالة اللفظ علیہ والمعارض مفقود فوجب المقتضی وعدم المانع فوجب ثبوت الحکم وایضًا فقد ثبت عن سلف ھذہ الامة ومن بعد ھم الاستدلال بالعمومات المخصوصة وشاع ذلك وذاع وایضًا قدقیل انہ مامن عموم الاوقد خص وانہ لایوجد عام غیر مخصص فلو قلنا انہ غیر حجة فیمابقی للزم ابطال کل عموم ونحن نعلم ان غالب ھذہ الشریعة المطھرۃ انما تثبت بعمومات الخ" نیز الاحکام فی اصول الاحکام بلا مدی ص۳۳۲/ ج۲ اور تحکیم الناظر ص۱۲۴ میں یہی مسئلہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ان عبارات سے چند اہم باتیں معلوم ہوئیں۔

ا: عموم مستقل دلیل اور حجت ہے۔

ب: سلف سے لے کر خلف تک اس سے استدلال کرتے رہے ہیں۔

ج: عموم سے اگر بعض افراد کسی دلیل کی وجہ سے خاص ہو گئے ہوں تو بھی باقی افراد کے لیے اس کا حکم قائم ہے۔

د: دلیل کے بغیر کسی فرد کو خاص کرنا صحیح نہیں اور خود مصنف بہاولپوری صاحب ص۴ میں فرماتے ہیں کہ "قیام کے دو فرد ہیں ایک رکوع سے پہلے ایک رکوع سے بعد" اور اس "فی الصلوٰۃ" والی حدیث سے دلیل کی وجہ سے رکوع سجدہ اور جلسہ نکل گئے اب دو قیام رہتے ہیں۔ لہٰذا حکم ان کے لیے رہے گا اور کسی ایک قیام کو دلیل کے بغیر خاص یا مستثنیٰ کرنا درست نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہ: لام تعریف بھی عموم کے لیے ہے جس پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔ پس اس کو عام ہم نے نہیں بنایا بلکہ امت اس کو پہلے سے عام سمجھتی رہی ہے۔

الف:...... وہ فرماتے ہیں کہ بھی وضع کفیہ کو ہاتھ ڈالتے ہیں لیکن ہاتھ نہیں پڑتا۔

ب:...... الفاظ اپنے معنی میں واضح ہیں اگر اس استدلال کو آپ صحیح نہیں جانتے ہیں تو اس پر قواعد کی روسے بحث کرو باقی خالی ہاتھ مارنے سے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

الف:...... وہ کہتے ہیں کہ اگر حدیث "اذا کان قائما الخ" دلیل ہوتی تو کوئی نہ کوئی محدث ضرور اس سے استدلال کرتا کہ رکوع کے بعد والے قیام میں بھی ہاتھ باندھے جائیں۔

ب:...... جناب پہلے یہ قاعدہ مقرر کریں کہ جس حدیث سے سابقین نے کسی مسئلہ پر استدلال نہیں کیا ہے۔ اس سے وہ مسئلہ کوئی دوسرا نہیں نکال سکتا۔ کس نے یہ قاعدہ لکھا ہے اور کس دلیل سے ماخوذ ہے؟

ثانیاً: خود جمہوریت کے خلاف وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ ان تطع اکثر من فی الارض یضلوك عن سبیل الله (اسلام اور جمہوریت میں فرق) کیا بتا سکتے ہیں کہ سلف میں سے کسی مفسر یا محدث یا مجتہد نے اس آیت سے یہ مسئلہ سمجھا ہے؟ ہم یہی کہتے ہیں کہ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ اکثریت کو نہ دیکھا جائے بلکہ حق کی تلاش کی جائے اگر اس میں موجودہ جمہوریت بھی داخل ہوتی تو سلف بھی اس کو ذکر کرتے۔ اگر کہو گے کہ یہ بعد کی پیداوار سمجھتے ہیں تو پھر جس طرح وہ اس عموم میں داخل کرتے ہو۔ اس طرح اس کو بھی داخل کرو۔ دراصل ہم اس استدلال کے منکر نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ لفظ اکثریت عام ہے قدیم ہو خواہ جدید مذہبی ہو خواہ سیاسی سب اس میں داخل ہیں اسی طرح یہاں بھی ہم کہتے ہیں کہ "اذا کان قائما" عام ہے جب بھی نماز میں قائم ہوگا خواہ قبل الرکوع ہو یا بعد ہو تو ہاتھ باندھنے ہوں گے۔

ثالثاً: آپ کتب ائمہ وعلماء کا مطالعہ کریں ہر زمانہ میں نئے نئے استدلال ہوتے رہتے ہیں ان کے رد کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ پہلے اس طرح استدلال نہیں کیا گیا۔ بلکہ قواعد کے لحاظ سے اس کو رد کیا جاسکتا ہے۔

الف:...... کسی محدث نے اس مسئلہ کے لیے باب نہیں باندھا۔

ب:...... کیا ہاتھ چھوڑنے کے لیے کسی نے کوئی باب باندھا ہے؟ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ مشترکہ سوال ہے۔ اس سے استدلال کوئی نہیں کرسکتا۔

ثانیاً: بلکہ ہم نے ثابت کردیا کہ امام بخاری کا باب خود عموم پر دلالت کرتا ہے اور حافظ ابن حجر کا قول "فی حال القیام" بھی اس کو واضح کرتا ہے "فضیلۃ الشیخ ابن باز اپنے رسالہ "این یضع المصلی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یـدیه بعدالرفع من الرکوع" (المجموع ص٤٢) میں فرماتے ہیں "فهذا صریح صحیح فی وضع المصلی حال قیامه فی الصلوٰة کفه الیمنی علی کفه الیسری والرسغ والساعد ولیس فیه تعریف بین القیام الذی قبل الرکوع والذی بعده فاتضح بذلك شمول هذا الحدیث للحالین جمیعا وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله فی الفتح علی ترجمة البخاری المذکورة اٰنفامانصه باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰة ای فی حال القیام الخ۔

الف:...... ساری امت کا عمل بھی اس استدلال کے خلاف ہے۔

ب:...... جناب ساری امت کا دعویٰ غلط ہے۔ امت میں کئی لوگ بعد الرکوع والے قیام میں ہاتھ باندھنے والے ہیں خود امام احمد بن حنبل کا قول دونوں اعمال (وضع اور ارسال) کے وجود کا پتہ دیتا ہے۔

ثانیاً: چاروں مذہبوں کے فقہی کتابوں میں اس مسئلہ کا ذکر ہے اور کئی اس کے قائل ہیں۔ فقہ حنبلی میں تو صاف بیان ہے بلکہ کئی حنبلی علماء تو ہاتھ باندھتے ہیں۔ فقہ شافعی میں بعض کے قائل ہونے کا ذکر ہے چنانچہ فقہ شافعی کی کتاب بشریٰ الکریم ص۶۴/ج۱ میں ہے۔ وقیل جعلهماتحت صدره کالقیام یعنی فقه شافعی میں بھی بعض قائل ہیں۔ نیز فقہ شافعی کی مشہور کتاب الانوار لاعمال الابرار مصنفه یوسف الاردبیلی ص٦٤/ج١ میں ہے۔ "الرکن السادس الاعتدال وهوان یعود الی الحالة التی کان علیها قبل الرکوع" اور رکوع کے قبل کی حالت میں ہاتھ باندھے جاتے ہیں اور فقہ حنفی میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ان کے ائمہ ثلاثہ ابو حنیفہ ابو یوسف اور محمد بن حسن سے بھی ایک روایت ہے جیسا کہ کبیر ی شرح منیة المصلی ص ٣٩٢(۔) اور بدائع الصنائع ص۱۵۵/ج۱ میں مذکور ہے نیز کئی علمائے حنفیہ اس کے قائل ہیں مثلاً۔

۱: السید ابو شجاع جو کہ ان تین علماء میں سے ہیں جن کی متفق علیہ فتویٰ حنفیہ کے ہاں معتبر ہے۔

(الفوائد البهیه لکهنوی ص١٥٥)

۲: علامہ ابوبکر کاسانی جو حنفیہ کے ہاں ملک العلماء کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

۳: فقیہ ابوسلمہ جو تین واسطہ سے امام محمد کے تلمیذ ہیں (الجواهر المضیة ص٢٢٥/ج٢) ان کے علاوہ ابوعلی نسفی اور حاکم عبدالرحمٰن اور اسماعیل زاہد یہ تینوں حنفی مذہب کے امام و مفتی تھے (الفوائد البهیه ص٦٦-٩٣-٤٣) یہ سب قائل تھے۔ جیسا کہ ہمارے رسائل میں مذکور ہے۔ نیز متاخرین علماء حنفیہ کے محقق عبدالحیٔ لکھنوی بھی شرح شرح وقایہ ص۱۵۹/ج۲ میں اس مسئلہ کو مانتے ہیں۔ امام مالک نے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤطا ص ۵۵ میں باب رکھا ہے کہ "وضع الیدین احدیھما علی الاخری فی الصلوٰۃ" اور یہ بھی عام بیان ہے۔ قبل الرکوع کی تصریح نہیں اور امام ابن حزم نے کئی ائمہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ پس یہ دعویٰ کہ ساری امت کا عمل بعد الرکوع ارسال ہے۔ غلط ثابت ہوا۔

ثانیاً: طلاق ثلاثہ کا مسئلہ امام ابن تیمیہ نے مشہور کیا اس کو بھی حنفیہ امت کے قول کے خلاف کہتے ہیں۔ حافظ ابن قیم اغاثۃ اللھفان ص ۳۰۸/ ج ۱ میں اس کا ثبوت یوں دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے پھر حنفیہ میں سے محمد بن مقاتل سے نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ امام مالک کے مذہب میں ایک قول ہے اور حنبلیہ کے متعلق کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے اسے اختیار کیا ہے۔ لہٰذا یہ بھی ایک قول فی المذھب ہے اسی بناء پر حنفیہ کہتے ہیں کہ عام علماء امت کے فتویٰ کہ خلاف ہے۔ لہٰذا یہ قول شاذ ہے اور بہاولپوری مصنف صاحب نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ اگر کہو گے کہ یہاں حدیث صریح موجود ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں بھی مخالفین بڑی بڑی تاویلیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دلیل نہیں بنتی اگر اس میں صریح یہ بیان ہو تا کہ ایک وقت میں تین طلاقیں ایک ہے تو عام امت کا فتویٰ اس کے خلاف نہ ہوتا۔ علاوہ ازیں یہاں بھی حدیث موجود ہے۔ جو عام ہے لہٰذا اس کی تخصیص کے لیے تعامل یا عمل کو پیش کرنا صحیح نہیں بلکہ خود حدیث سے ہی خاص کیا جا سکتا ہے اور عموم سے سب اصولی استدلال کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ اذا سجد، اذا رکع، اذا جلس کو سب عام مانتے ہیں تو پھر اذ کان قائما کو عام تسلیم کرنے میں کیا مانع ہے۔

الف:...... یہ حدیث پہلے قیام کے لیے ہے سب نے یہ مراد لی ہے۔

ب:...... پہلے آپ ان سب محدثین کے نام گنوائیں جنہوں نے یہ مراد لی ہے۔

ولیس لکم الی ذلك سبیل۔

نیز جب حدیث میں عموم کا معنیٰ ہے اور کلمہ اذا شرط کے لیے ہے۔ اور کلمات شرط عموم کا معنیٰ دیتے ہیں۔ جیسا کہ عام اصول کی کتابوں میں مصرح ہے امام شوکانی نے ارشاد الفحول ص ۱۲۲ میں بھی ذکر کیا ہے نیز اس کا کلام گذرا کہ کئی مسائل عموم سے لیے جاتے ہیں۔ نیز کئی مثالیں ہیں مثلاً اذا قام من اللیل لیشوص فاه بالسواك (بخاری) اور کان اذا قام من اللیل افتتح الصلوٰۃ برکعتین خفیفتین (مسلم) اس میں بھی سب راتیں مراد ہیں اور تہجد کی سب نمازیں اس میں داخل ہیں اور کان اذا قام الی الصلوٰۃ رفع یدیه (ترمذی) یہ بھی سب نمازوں کو عام ہے۔ فرضی خواہ نفلی سفری خواہ حضری سری خواہ جہری نماز کو تکبیر سے شروع کرنے کا اس حدیث میں ذکر ہے "کان اذا کبر للصلوٰۃ نشر اصابعه (ترمذی وحاکم) اذا کان فی وتر من صلوته لم ینهض حتی یستوی قاعدا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ابو داؤد-ترمذی) اور ہر پہلی اور تیسری رکعت کے بعد جلسہ استراحت کو سنت کہنے کے لیے اہل حدیث کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے۔ اذا صلی رکعتی الفجر اضطجع علی شقه الایمن ۔اس پر بھی روزانہ عمل ہے۔ ایسی کئی مثالیں علامہ سیوطی نے الجامع الصغیر "باب کان" میں ذکر کی ہیں۔

الف:...... قاعدہ ہے کہ جب لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے۔

ب:...... جب خود بہاولپوری مصنف صاحب اس کو عام تسلیم کر چکے ہیں تو پھر یہ بات قابل التفات نہیں۔

ثانیاً: اور مطلق کے لیے بھی یہ قاعدہ ہے کہ المطلق یجری علی اطلاقه اور مطلق اگرچہ بقول آپ کے اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے لیکن دوسرے افراد بھی اسمیں داخل ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی قرینہ یا دلیل ان کی شرکت کو مانع ہو۔ امام ابن حزم التقریب لحد المنطق ص ۱۰۷ میں فرماتے ہیں۔ ان المهملة مالم يبين الناطق بها انه يريد بها بعض مايعطى اسمها اولم يمنع من العموم بها مانع ضرورة فانها كالمحصورة الكلية ولا فرق وسيأتى بيان هذا فيما نستأنف انشاء الله عزوجل فعلى هذا الحكم يلزم ان المهملة ينتج كانتاج المحصور الكلى

ثالثاً: بہاولپوری مصنف صاحب نے تقریر یوں فرمائی ہے"دو قیام کے دو فرد ہیں ایک رکوع سے پہلے ایک رکوع کے بعد دونوں میں فرق ہے۔ پہلا قیام اوّل و اولیٰ ہے دوسرا اس کے مقابلے میں ادنی ہے۔ اس لیے جب مطلق قیام بولا جائے گا تو خاص قیام یعنی پہلا مراد ہوگا" لیکن یہاں حدیث میں لفظ قیام نہیں جو اس سے بقول ان کے قیام خاص مرادلیا جائے بلکہ لفظ یہ ہے "اذا کان قائما فی الصلوٰۃ" یعنی جب بھی نماز میں کھڑا ہو۔ لہٰذا عام ہے۔ قیام اوّل کہو یا ثانی خاص کہو یا عام فرد کامل کہو یا ناقص اولیٰ کہو یا ادنی جب مصلی قائم (کھڑا) ہوگا۔ تو اس کے لیے سنت یہی ہے کہ ہاتھ باندھ لے۔

ایضاً۔ اوّل یا ثانی ہونا موجب اختلاف حکم نہیں کیا سجدہ اولی و ثانیہ کے حکم میں فرق ہے۔؟ اگر نہیں تو پھر یہاں کیوں اس طرح قیام بعد رکوع کو آپ ادنی کس بناء پر کہتے ہیں۔ کیا وہ رکن نہیں؟ اس کے بغیر رکعت ہو جائے گی۔ کیا اس میں اطمینان نہیں؟ محدثین نے تو اس کے لیے خاص ابواب رکھے ہیں۔ کیا اس میں طول نہیں؟ جو طویل دعا صحیح مسلم وغیرہ میں ہے۔ وہ تو سورۃ فاتحہ کے قریب ہے۔ بلکہ قیام بعد الرکوع کے متعلق جو حدیثیں ہیں ان سب کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی فرد کامل ہے۔ لہٰذا یہ تقریر آپ کی بے معنی رہی۔

الف:...... جہاں قیام مطلق بولا جائے گا تو خاص قیام یعنی پہلا ہی مراد ہوگا۔

ب:...... یہاں لفظ قیام نہیں لہٰذا یہ بحث فضول ہے۔ اگر یہ کہو گے کہ پہلے قیام میں قرأۃ ہے اور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے میں نہیں تو یہ اپنی طرف سے ایجاد ہوگی۔ کیونکہ ایسی بات حدیث میں نہیں ہے بلکہ وہاں شرط کھڑے ہونے کی ہے قراءۃ کی شرط کا اضافہ بدون دلیل صحیح نہیں ہے۔ نیز اس صورت میں جہری نماز میں مقتدی کو فاتحہ کے بعد آپ ارسال کا حکم دیں گے۔

ایضاً: یہ قاعدہ بھی صحیح نہیں بلکہ جہاں لفظ قیام مذکور ہوگا وہاں عام مراد ہوگی قیام کے سب افراد اس میں داخل ہوں گے۔ اگر کوئی خاص قیام مراد ہوگا تو اس کے لیے کوئی نہ کوئی قرینہ ضروری ہے اور جن مثالوں کو مصنف بہاولپوری صاحب نے ذکر کیا ہے ان پر بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ثانیاً: یہاں کلمہ "اذا" ہے جو اہل اصول کے نزدیک عموم کے لیے ہے۔ دیکھو نور الانور ص ۱۴۷ البرہان فی علوم القرآن للزرکشی ص ۲۰۳/ ج ۲ جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر ص ۳۲۴ اغاثۃ اللھفان لابن القیم ص ۳۲۰/ ج ا وغیرہم بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے آیت ﴿اذا دعـــاکـــم﴾ (الانفال) میں نماز غیر نماز ہر حالت کو اس میں عموم کی طرح شمول ہے جیسا کہ مرحوم حافظ عبداللہ روپڑی سے نقل کیا گیا ہے۔

الف:...... یہ قاعدہ روزمرہ کی زندگی میں استعمال کرتے ہیں اور عام ہے۔

ب:...... اس استعمال میں بھی کوئی نہ کوئی قرینہ ہوتا ہے۔

الف:...... مثلاً اہل حدیث کا جلسہ ہو کوئی کہے گا کہ روپڑی صاحب آ گئے ہیں تو حافظ عبدالقادر روپڑی ہی مراد ہوں گے۔

الف:...... یہ اس لیے کہ جماعت اہل حدیث کے نزدیک علمی خدمات سے روپڑی خاندان مشہور تھا جس میں دو بھائی خاص طرح قابل ذکر تھے موجود حافظ عبدالقادر روپڑی ؒ اور حافظ محمد اسماعیل مرحوم نیز بڑے حافظ عبداللہ صاحب روپڑی مرحوم بھی مشہور تھے اس وقت چونکہ پہلے کے علاوہ دونوں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس وقت صرف وہی مراد ہونے کا امکان ہے۔ لیکن نماز میں ہر رکعت میں تا قیامت دو قیام میں کسی وقت بھی ایک قیام حذف کرنا ناجائز ہے اور سب کو معلوم ہے کہ اس میں دو قیام ہیں دونوں میں اطمینان اور طول ہے اور فرق صرف اتنا ہے کہ ایک میں قراءۃ۔ دوسرے میں دعا۔ پس یہ قیاس صحیح نہیں۔

الف:...... اگر کہا جائے کہ پیر صاحب آ گئے ہیں پیر چھنڈا ہی مراد ہوگا۔

ب:...... جناب یہ بھی قیاس غلط ہے۔ چونکہ اہل حدیث کے نزدیک اس طرح کوئی دوسرا معروف نہیں (اگر چہ وہ نہ پیر ہے نہ پیری مریدی کرتا ہے اور نہ تعویذ دیتا اور بیعت لیتا ہے اور نہ پیر کہلاتا ہے۔ نہ کہلانا پسند کرتا ہے۔ بلکہ بُرا جانتا ہے) لیکن قیام ثانی غیر معروف نہ تھا بلکہ حنفیوں نے اس کو غیر معروف کر دیا ہے جو اس کو فرض نہیں مانتے۔ فقہ حنفی کی کتابوں میں تصریح ہے کہ وہ نماز کا رکن نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل حدیثوں میں بھی اس کا اہتمام نہیں رہا اور اس طرح وہ طول نہیں رہا جس طرح رسول اللہ ﷺ کا عمل تھا۔ لیکن جو طریقہ حدیثوں میں مروی ہے اس سے اس قیام کی بڑی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا لفظ قیام دونوں فردوں کو شامل ہے۔ جب تک تخصیص کی دلیل نہیں ملتی عام ہی سمجھا جائے گا۔

الف:...... لیکن پہلے جیسا وہ مستقل رکن نہیں مستقل رکن تو پہلا ہی قیام ہے۔

ب:...... جناب دونوں مستقل رکن ہیں دونوں میں طول ہے غور فرمایئے کہ پہلے قیام میں اگر صرف سورہ فاتحہ پڑھی تو بھی نماز ہو جائے گی ثابت ہوا کہ اس حد تک وہ مستقل قیام ہے ایک حدیث میں ہے کہ ان رسول اللّٰہ ﷺ صلی رکعتین لم یقرأ فیهما الا بفاتحة الكتاب (جزء القرأة للبيهقی ص۸) اور قیام ثانی میں جو دعا منقول ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔ ربنا لك الحمد ملء السموات وملء الارض وملء ماشئت من شئ بعد اهل الشفاء والمجداحق ماقال العبد وكلنا لك عبداللهم لامانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذالجد منك الجد) (مسلم مع النووی ص ۱۹۰/ ج ۱) ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں "لرب الحمد" متعدد بار (زاد المعاد ص۵۷/ ج۱)

اب انصاف کریں کہ اس قیام میں کتنا طول ہے اور پہلے قیام میں اگر صرف سورہ فاتحہ پڑھی جائے تو دونوں قیام تقریباً برابر ہو جائیں گے اور مسلم میں ہے کہ قام حتی یقول القائل قداوهم اور بخاری ص۱۱۳/ ج ا میں ہے حتی یقول القائل قدنسی اور ابن قیم زاد المعاد ص۵۷/ ج ا میں فرماتے ہیں وكان من هديه اطالة هذا الركن بعد الوكوع والسجود الخ پس جب رکوع وسجود مستقل رکن ہیں تو یہ قیام کیوں نہیں۔

الف:...... قاعدہ تسمية الجزء باسم الكل کے تحت نماز صرف رکوع سجدہ یا قیام اوّل کو کہا گیا ہے۔

ب:...... جناب اگر کوئی آدمی قیام بعد الرکوع میں کھڑا ہو تو اس کے لیے بھی کہیں گے کہ نماز میں کھڑا ہے۔

ثانیاً: کل کا اطلاق اس کے اسی جزء پر ہوا کرتا ہے۔ جس کے انتفاء سے انتفاء الکل لازم آئے۔ اب انصاف سے کہیں کہ قیام بعد الرکوع کے بغیر نماز ہوگی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس پر بھی صلاۃ کا اطلاق صحیح ہے۔

ثالثاً: بخاری ص۱۰۳/ ج ا میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انهم كانوا اذاصلوا مع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النبی ﷺ قاموا قیاما حتیٰ یرونه قد سجد یہاں براء بن عازب رضی اللہ عنہ نماز کی کیفیت بتارہا ہے اور ذکر صرف قیام ثانی کا کر رہا ہے۔ ثابت ہوا کہ شروع میں قیام ثانی پر بھی صلاۃ کا اطلاق وارد ہے۔ پس یہ آپ کی تصویر منعکس ہوگئی

رابعاً: مشکواۃ ص ۱۰۱ میں بحوالہ مسلم حدیث ہے کہ "یا ایھا الناس انی امامکم فلا تسبقونی بالرکوع ولا بالسجود ولا بالقیام ولا بالانصراف الحدیث اب سوچ سمجھ کر اور علماء سے مشورہ کر کے بتلائیں کہ یہاں لفظ القیام مطلق ہے اور اس سے مراد فرد کامل لیں گے خاص قیام قبل الرکوع سمجھیں گے حالانکہ قیام بعد الرکوع میں بھی امام سے سبقت ممنوع ہے۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

الف:...... لیکن قیام اللیل یا قیام رمضان کے محاورے اسی سے لیے ہیں اور یہ محاورہ قیام اول کی وجہ سے ہے۔

الف:...... جناب من ! اس میں بھی اگر قیام بعد الرکوع کو شامل کیا جائے تو کونسا شرعی یا لغوی مانع ہے؟ بلکہ ان نمازوں میں اگر قراۃ طویل ہوتی ہے تو دوسرے ارکان رکوع۔ سجدہ اور جلسہ میں بھی اس کی مناسبت سے طول ہونا چاہیے جیسا کہ صلوۃ اللیل کی حدیثوں سے ظاہر ہے۔ مشکوٰۃ ص ۱۰۷ میں بحوالہ ابوداؤد حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ "انه رأى النبى ﷺ يصلى من الليل وكان يقول الله اكبر ثلاثا ذا الملكوت والجبروت والكبرياء والعظمة ثم استفتح فقرأ البقرة ثم ركع فكان يقول فى ركوعه سبحان ربى العظيم ثم رفع رأسه من الركوع فكان قيامه نحوا من ركوعه يقول مربى الحمد ثم سجد فكان سجوده نحوا من قيامه وكان يقول فى سجوده سبحان ربى الاعلى ثم رفع رأسه من السجود وكان يقعد فيما بين السجدتين نحوا من سجوده وكان يقول رب اغفر لى رب اغفرلى الحديث مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے فلا ادرى اقيامه ام ركوعه ام سجوده اطول الحديث الفتح الربانی ص ۲۶۹/ ج ٤۔ نیز دیکھو صلاۃ الکسوف میں طول ہے تو اس کے دوسرے ارکان میں بھی طول ہے جیسا کہ بخاری ص ۱۱۳ میں ہے فقام فا طال القيام ثم قام ركع فاطال الركوع ثم قام فاطال القيام ثم ركع فاطال الركوع ثم قام فاطال القيام الحديث اور مسند احمد میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صلوۃ الکسوف کے بارے میں ہے۔ فاتى مصلاه فصلى الناس وراء ه فقام فاطال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القیام ثم رکع فاطال الرکوع ثم رفع رأسہ فاطال القیام ثم رکع فاطال الرکوع ثم رفع رأسہ فاطال القیام ثم سجد فاطال السجود الحدیث (الفتح الربانی ص۲۰۰/۱۹۹/ ج۶) اور ص۲۰۲/ ج۲ میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے بھی اس طرح کی حدیث ہے۔ پس یہ تو برعکس ہماری دلیل ہوئی کیونکہ قرأۃ طویل کرنے کی صورت میں دونوں قیام طویل ہونے چاہئیں اور اس لیے ان نمازوں کو قیام رمضان یا قیام اللیل کہا گیا ہے۔

ثانیاً: اگر بالفرض تسلیم کریں کہ صرف پہلے قیام کی وجہ سے یہ محاورہ ہے تو بھی اس لیے کہ قرأۃ طویل ہے پس یہ اس قرینہ کی وجہ سے ہے۔ فتدبر

الف:...... دیکھو حدیث میں ہے من قام بعشر آیات لم یکتب من الغافلین اس طرح کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں قیام سے مراد نماز ہے۔

ب:...... اولاً: یہاں قام سے مراد صلّی (نماز پڑھی) لینا خود دلیل کی محتاج ہے المرقاۃ شرح المشکوٰۃ ص۱۳۰/ ج۳ میں اس حدیث کے تحت ہے لا یعرف فی الشرع تفسیر قام یصلی بلکہ یہاں نماز کا ایک جز یعنی قیام قبل الرکوع کا ذکر ہے اور لفظ عشر آیات اس پر قرینہ ہے وھو الثانی۔

ثالثاً: پوری حدیث اس پر دلالت کرتی ہے اس کے بعد ہے کہ ومن قام بمأۃ آیۃ کتب من القانتین ومن قام بالف آیۃ کتب من المقنطرین (مشکوۃ ص۱۰۶) پس یہاں نماز کے قیام اول کے طول کا ذکر ہے۔ پس اس روایت کا مدعیٰ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بعض نے تو یہ معنی کیا ہے کہ صرف کھڑا ہو کر پڑھے اگرچہ نماز میں نہ ہو دیکھو مرقاۃ صفحہ مذکورہ باقی جن بہت سی روایات کا دعویٰ ہے وہ جب ذکر کریں گے تو ان پر غور کیا جائے گا۔

؎ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

الف:...... جب قیام سے مراد نماز لی تو عموم مجاز کی صورت بن گئی۔

ب:...... جب ثابت ہوا کہ اس روایت میں قیام ہی مراد ہے اور یہی اس کی حقیقت ہے تو پھر یہاں مجازی گھوڑا لنگڑا اور چلنے سے عاجز ہے۔

ثانیاً: ”اذا کان قائماً“ میں حقیقت متعذر نہیں لہٰذا وہاں یہ تاویل کارگر نہیں ہوگی۔

الف:...... آیت ﴿وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا﴾ میں دوسرا قیام داخل نہیں۔

ب:...... کیوں نہیں؟ آیت عام ہے نماز ہو یا غیر نماز اور خارج از نماز بھی اللہ کے بندے کھڑا ہونے اور سجدہ کی حالت میں دعا مانگتے رہتے ہیں۔ بلکہ سجدہ میں دعا کی فضیلت آئی ہے اور نماز میں بھی پہلے قیام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں قراءۃ اور دوسرے میں دعا طویل ہے۔ لہٰذا دونوں اللہ کے بندوں کی صفتیں ہیں۔

الف:...... قیام لفظ سجدہ کے مقابلہ میں ہے لہٰذا پہلا قیام مراد ہوگا۔

ب:...... جناب قیام اول کی کیا خصوصیت ہے؟

الف:...... وہ مستقل اور بڑا رکن ہے اور سجدہ کے مقابلہ میں ہے۔

ب:...... یہ عذر ختم ہو چکا ہے اور قیام ثانی نماز میں مستقل ہے اس میں بھی دعا مسنون ہے وہ بھی سجدہ کے مقابلے کا ہے اور حدیث گزری کہ یہ رکن بھی دوسرے ارکان رکوع سجدہ اور جلسہ کے برابر تھا۔

الف:...... جس طرح جلسہ بین السجدتین کا ذکر نہیں۔

ب:...... جناب رکوع کا بھی تو ذکر نہیں اس طرح تشہد والے قعدہ کا بھی ذکر نہیں تو کیا وہ دونوں بھی اہم رکن نہیں رہے۔

الف:...... صرف قیام دوم بھی اس میں داخل ہے تو اس کے لیے کیا توجیہ ہے۔ اس لیے قعدہ و جلسہ کا ذکر نہیں۔

ب:...... آپ تسلیم کرتے ہیں کہ قیام اور سجدہ نماز کے اہم رکن ہیں تو پھر جس طرح دونوں سجدے اس میں داخل ہیں اس طرح دونوں قیام بھی اس میں داخل ہیں۔

الف:...... دوسرے قیام سے مراد نماز نہیں ہوسکتی اور دوسرا قیام نماز کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔

ب:...... جب ایسا رکن ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو ایسے جزء پر کل (نماز) کا اطلاق صحیح ہے۔ نیز استعمال کی مثال بھی ہم نے ذکر کردی۔

الف:...... لغت میں دونوں کو قیام کہتے ہیں۔ حالانکہ عام بول چال اور محاورہ میں لغت کو نہیں دیکھا کرتے عرف کو دیکھتے ہیں۔

ب:...... اولاً آپ کو مغالطہ یہ ہے کہ ہماری دلیل اس پر موقوف ہے کہ قیام عام ہے جناب اس طرح نہیں ہے بلکہ ہم نے اپنے رسائل میں صرف ان لوگوں کی تردید کی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ قبل الرکوع قیام ہے اور بعد الرکوع قومہ ہم نے انکار کیا ہے کہ قبل الرکوع اور بعد الرکوع کھڑے ہونے کو شرع و لغت میں قیام کہا گیا ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ قبل الرکوع کھڑے ہونے کو بھی شرع میں قومہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ بخاری ص۶۲۲/ج۲ میں معاذ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ انا انام اول اللیل فاقوم وقد قضیت جزئی من النوم فاقرأ ماکتب اللہ لی فاحتسب نومتی کما احتسب قومتی۔ چونکہ مصنف بہاولپوری صاحب بعد الرکوع کھڑے ہونے کو بھی قیام تسلیم کرتا ہے۔ لہٰذا وہ ہمارے روئے سخن نہیں بلکہ ہماری دلیل اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طرح ہے کہ حدیث کے لفظ ہیں کہ "اذا کان قائما" اور رکوع کے بعد کھڑا ہونے والا بھی قائم ہے اور حدیث میں ہے "ثم یقول وھو قائم ربنا لك الحمد (بخاری ص۱۰۳/ج۱) پس قائم کی سنت ہاتھ باندھنا ہی ہے۔ آپ اس کے قائم ہونے کی حالت کو قیام مستقل رکن مانیں یا غیر مستقل۔ قیام خاص کہیں یا عام۔ فرد کامل اس کو نام دیں یا ناقص ایک لحہ کے لیے جب نمازی پر قائم کا اطلاق آ گیا تو اس کے لیے ہاتھ باندھنے کا حکم ہے۔ خواہ قبل الرکوع ہو یا بعد الرکوع آپ کسی قائم کو کسی صحیح اور صریح حدیث سے مستثنیٰ کریں۔ باقی ادھر ادھر کی باتیں چھوڑ دیں حدیث کا جو معنی ہے اسی پر عمل کریں دوسری باتیں اس میں نہ ملائیں اور امام دارقطنی کے شعر سے سبق حاصل کریں۔

امروا الحدیث علی وجھه ولا تد خلوا فیه مایفسده

(العلو للعلی الغفار للذھبی ص۱۷۱ طبع مصر)

ثانیاً: ہم نے ثابت کر دیا کہ قیام ثانی بھی معروف ہے اور اس کی بھی بڑی اہمیت ہے۔

ثالثاً: جب مانتے ہو کہ دونوں کو لغت کے لحاظ سے قیام کہا گیا ہے تو پھر حدیث کو بغیر حدیث اور نص کے خاص کرنا آپ کے بس میں نہیں۔

رابعاً: امام شوکانی کی عبارت گذری کہ حق مذہب یہ ہے کہ تخصیص بالعادۃ صحیح نہیں تو پھر عرف کا مسئلہ ختم ہو گیا۔

الف:...... جیسے آپ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ ان کے دوسرے بیٹے بھی ہیں۔

ب:...... جناب محدثین نے استقراء سے ثابت کیا ہے کہ جہاں ابن عمر اور ابن عباس کی حدیثیں وارد ہوں تو وہاں دونوں کے بیٹے عبداللہ مراد ہوتے ہیں۔ جہاں دوسروں کی روایتیں ہیں۔ وہاں ان کا بیان ہے۔ لیکن یہاں ایسا کوئی استقراء نہیں بلکہ ہم نے ثابت کر دیا کہ جہاں جو کوئی قرینہ ہوگا وہاں وہی قیام مراد ہوگا۔ دیکھو ہمارا رسالہ الدلیل التام ص ۳۷-۳۸ نیز آگے بھی اس کا بیان آئے گا۔ وھو الثانی۔

الف:...... اور یہ بھی مثال ہے کہ مثلاً شریعت کے عرف میں لفظ عشر ۱/۱۰ اور ۱/۲۰ دونوں کو کہا جاتا ہے حالانکہ لغت کے اعتبار سے ۱/۲۰ کو نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اب جو نصف عشر دیتا ہے اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ عشر نہیں دیتا۔

ب:...... یہ بھی عجیب مثال ہے۔ حدیث میں الفاظ اس طرح ہیں "فیما سقت السماء والعیون وکان عشریا العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر (بخاری) اذا کان بعلا العشر و

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیما سقی بالنواصی النضح نصف العشر (ابو داؤد) دونوں کو جدا ذکر کیا ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔

ثانیاً: یہ حوالہ معتبر نہیں کہ شریعت کے عرف میں عشر دونوں کو کہا جاتا ہے ایسی کوئی شرعی مثال ذکر کریں۔ جس میں ۲۰/۱ کو بھی عشر کہا گیا ہو۔

ثالثاً: بلکہ عوام الناس بے علم جو نصف.................. وغیرہ کو نہیں جانتے ہیں۔ اس کو عشر کہتے ہیں۔ جب کہ پوچھتے ہیں کہ عشر کتنا دینا چاہیے۔

مصنف بہاولپوری صاحب نے اس کو دلیل بنا لیا ہے۔ حالانکہ یہ کوئی شریعت یا عرف میں استعمال نہیں ہے۔

الف:...... دوسری مثال سنیئے لغت کے اعتبار سے ایک روپیہ بھی مال ہے اور لاکھ روپیہ بھی مال ہے لیکن عرف میں ایک روپیہ والے کو مال دار نہیں کہتے بلکہ لاکھ والے کو مالدار کہتے ہیں۔

ب:...... یہ کوئی شرعی محاورہ یا عرف نہیں ہے یہ عوامی استعمال ہے۔ بلکہ شریعت میں قلیل کثیر کو مال کہا گیا ہے۔

مثلاً: ﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (الکهف) ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ﴾ (الشعراء) کیا یہ انکار صرف ایک لاکھ والوں کے لیے ہے؟ ﴿لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرہ) کیا ایک روپیہ کھا جانا ممنوع نہیں؟

﴿وَّآتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ آتَاكُمْ﴾ (النور) کیا یہ حکم اس کے لیے نہیں ہے جو کہ لکھ پتی نہ ہو؟ ﴿لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (المنافقون) کیا لکھ پتی سے کم والا اس میں مخاطب نہیں؟ حالانکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ چار آنہ کی خریداری کے لیے کئی لوگ جماعت سے رہ جاتے ہیں۔ ﴿اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (الانفال) (التغابن) کیا لکھ پتی سے کم فتنہ کا سبب نہیں؟ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ایک روپیہ پر کئی جھگڑے اور معاملے ہوتے ہیں۔ ﴿وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى﴾ (سبا) کیا یہ حکم صرف لاکھ پتی ہی کے لیے ہے۔ ﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء) یہ بھی لاکھ پتی ہی کے لیے حکم ہے؟ حالانکہ جس کے پاس تھوڑا مال ہے اور جس غریب کے پاس صرف ایک روپیہ ہے وہ بھی حسب حال اپنے اہل خانہ کے ساتھ کھاتے ہیں ﴿وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ (الصف) کیا جس کے پاس ایک روپیہ ہوگا۔ اس سے نہیں لیا جائے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ) کیا ایسے ایماندار صرف لاکھ پتی ہو سکتے ہیں؟ ﴿وَ جَاهِدُوْا بِأَمْوَالِكُمْ وَ أَنْفُسِكُمْ﴾ (التوبہ) کیا یہ حکم صرف لکھ پتی لوگوں کے لیے ہے؟ ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ أَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ أَذًى﴾ ﴿كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَآءَ النَّاسِ﴾ ﴿وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ ﴿اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ﴾ ﴿وَ أَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِأَيْدِيْكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة) کیا ان سب آیات میں ایک روپیہ دینے والا داخل نہیں؟ ﴿مَآ أَغْنٰى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾ (اللهب) ﴿اَلَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهُ﴾ (الهمزه) کیا یہ وعید صرف لاکھ پتی کے لیے ہے۔ ﴿اَلَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهُ يَتَزَكّٰى﴾ (الليل) کیا یہ بشارت ایک روپیہ دینے والے کے لیے نہیں ہے؟ ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (الانفال) ایک روپیہ خرچ کرنے والا اس گناہ کا مرتکب نہیں ہے؟ ﴿وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ﴾ (الحديد) کیا ایک روپیہ والے کو زیادہ ہونے کا حرص یا شوق نہیں ہوتا۔؟ اسی طرح جہاں کثرت مال مراد ہوتا ہے۔ وہاں کوئی قرنیہ ہوتا ہے۔

مثلاً ﴿وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ﴾ (البقرہ) یہاں کشادگی قرینہ ہے کہ کثیر مال مراد ہے۔ نیز ﴿وَ قَالُوْا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَّ أَوْلَادًا﴾ (سبا) یہاں اکثریت کی تصریح ہے یعنی ہم کثیر مالدار ہیں۔ جب ہر مال والا مالدار ہوتا ہے۔ تب تو اکثریت کی قید لگائی اور احادیث میں بھی کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً "فاياك وكرائم اموالهم (بخاری ومسلم) کیا یہ رعایت صرف لاکھ پتی لوگوں کے لیے ہے مانقصت صدقة من مال (مسلم) کیا اس سے مراد صرف وہ صدقہ ہے جو لاکھ روپیہ تک ہو۔ "ما من مسلم ينفق من كل مال له زوجتين فی سبيل الله (النسائی) کیا ایک یا دو آنہ تک صدقہ اس ثواب میں داخل نہیں؟ مسافر کی دعا میں ہے۔ "وسوء المنقلب فی المال والاهل (مسلم) کیا ایک روپیہ والا یہ دعا نہیں مانگے کیونکہ وہ مالدار نہیں۔ "لا يكسب عبد مال حرام فيتصدق منه فيقبل منه ولا ينفق منه فيبارك له فيه ولا يتركه خلف ظهره الاكان زاده الى النار" (احمد) کیا ایک روپیہ کھانے والے کے لیے یہ وعید نہیں ہے؟ "وانی لارجوان القى ربى وليس احد منكم يطلبنى بمظلمة بدم ولا بمال" (ترمذی وغیرہ) کیا ایک روپیہ کا ظلم اس میں داخل نہیں ہے؟ "ايما رجل افلس فادرك رجل ماله بعينه فهواحق به من غيره" (بخاری ومسلم) من ترك مالا فلو رثته (بخاری ومسلم) کیا اگر ایک روپیہ چھوڑ جائے تو وہ وارثوں کو نہیں ملے گا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"الالا یحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفس منه (شعب الایمان للبیهقی) اگر ایک روپیہ یا اس سے کم ہو تو حلال ہے۔"رجل حلف علی یمین کا ذبة بعد العصر لیقطع بها مال رجل مسلم" (بخاری و مسلم) کیا اگر ایک روپیہ ہو تو جرم نہیں؟"ان عمهما اخذ مالهما ...... اعط ابنتی سعد الثلثین واعط امهما الثمن وما بقی فهو لك (احمد ترمذی وغیرہ) کیا اگر میت صرف ایک روپیہ چھوڑ جائے تو اس طرح فیصلہ نہیں ہوگا؟"ان لی مالا کثیر الحدیث فی الوصیة بالثلث" (بخاری و مسلم) کیا ایک روپیہ ہو تو وصیۃ بالثلثین یا بالنصف کر سکتا ہے؟"کل من مال یتیمك غیر مسرف" (ابو داؤد النسائی وابن ماجة)

اور اگر لاکھ پتی نہ ہو تو یہ حکم نہیں ہے؟"اعتق کله ان کان له مال (بخاری و مسلم) کیا یہ حکم صرف لاکھ پتی کے لیے ہے۔"ان رجالا یتخوضون فی مال اللّٰه بغیر حق فلهم النار ویوم القیٰمة" (بخاری) کیا ایک روپیہ اگر ہو تو یہ وعید نہیں ہے؟"فیاکل اٰل ابی بکر من دون المال" (بخاری) یعنی جب لاکھ روپیہ ہو تو پھر یہ حکم ہے۔"المال الصالح للرجل الصالح" (احمد) کیا ایک روپیہ اس میں شامل نہیں ہے۔"لو یعطی الناس باموالهم لادعی الناس وماء الرجال واموالهم الیمین علی المدعی علیه" (مسلم) ایک روپیہ کے لیے یہ دعویٰ نہیں چل سکتا؟"من حلف علی یمین صبر وهو فیها فاجر یقتطع بها مال امری مسلم لقی اللّٰه وهو علیه غضبان (مسلم) "اگر ایک روپیہ ہو تو اس کے لیے یہ وعید نہیں ہے۔"یقتطع احد ما لا بیمین الالقی اللّٰه وهو اجزم" کیا یہ بھی ایک روپیہ کے لیے حکم نہیں؟"فای الجهاد افضل قال یجاهد المشرکین بماله ونفسه" (ابو داؤد) اگر کسی کے پاس ایک روپیہ ہو تو کیا وہ یہ مرتبہ نہیں پا سکتا؟ "والذی یأمنه الناس علی اموالهم وانفسهم" (احمد) کیا ایک روپیہ اس حکم میں نہیں ہے؟ حدیث المفلس میں ہے "واکل مال هذا" (مسلم) کیا ایک روپیہ غصب کرنے والا اس حکم میں داخل نہیں؟"مامن احد الا ویقول مالی ومالی ان ماله من ماله مااکل وافنی الحدیث" (مسلم) کیا ایک روپیہ والا اس سے خارج ہے؟ "ما من احد الا وماله احب الیه من مال وارثه" (بخاری) کیا ایک روپیہ کمایا ہو تو اس کے بابت سوال نہیں ہوگا؟ "وغیر هامن الاحادیث" اور جب کوئی قرینہ ہوتا ہے تو قلیل یا کثیر مراد ہوتی ہے۔ مثلاً "رجل لایؤدی زکوٰة ماله" (ترمذی۔ نسائی) چونکہ زکوٰۃ کے لیے نصاب مقرر ہے۔ لہٰذا اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں نہ کہ وہ مالدار ہی ہے۔ بلکہ یہ بھی نہیں کہ جب تک لاکھ پتی نہ ہو تو زکوٰۃ نہیں۔"تنکح المرأة لمالها" (بخاری مسلم) یہاں یہ بھی قرینہ ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ لوگ حریص ہوتے ہیں۔ لہٰذا زیادہ مال پسند کرتے ہیں۔ لیکن لاکھ پتی یہاں بھی مراد نہیں ایسی اور بھی مثالیں ہیں پس مصنف بہاولپوری صاحب کی یہ مثال صحیح نہیں۔

رابعاً: مصنف بہاولپوری صاحب نے صرف ایک روپیہ اور لاکھ روپیہ کا ذکر فرمایا ہے اسکے مابین کے لیے عرف بتایئے تو اس کو مالدار کہا جائے گا۔

الف:...... بلکہ شریعت کا عرف ہے۔

ب:...... یہ بیان ہو چکا ہے کہ شریعت کا بھی عرف نہیں کیونکہ شریعت میں قیام بعد الرکوع کو بھی قیام کہا گیا ہے اور سلف میں بھی وہ معروف تھا کمامر۔

الف:...... حدیث میں ہے "ثم رفع رأسه حتی تعتدل قائمایا یہ حدیث ثم یقول وهو قائم ربنالك الحمد" قرینہ ہے کہ یہ قیام بعد الرکوع ہے۔

ب:...... لیکن جہاں قیام قبل الرکوع مراد ہوتا ہے وہاں بھی کوئی قرینہ ہوگا۔

الف:...... جب بغیر کسی قرینہ کے قیام کا لفظ ہوگا تو اس سے پہلا قیام ہی مراد ہوگا دوسرا قیام مراد نہیں ہوگا۔

ب:...... یہ قرینہ غیر صحیح ہے آیت ﴿قُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ﴾ (البقرة) یہاں کوئی قرینہ نہیں پھر بھی سب قیاموں کے لیے ہی حکم ہے حدیث میں ہے "اذا صلی قیاما فصلوا قیاما (مشکوٰۃ ص ۱۰۱) فادارنی حتی اقامنی عن یمینه (مشکوۃ ص۹۹) یہاں قرینہ تو کوئی نہیں پھر بھی سب قیام اس میں داخل ہیں۔ "صل قائما فان لم تستطع فقاعدا" (مشکوٰۃ ص۱۰۱) وغیرہ کئی مثالیں ہیں۔ جہاں کوئی قرینہ نہیں پھر بھی قیام عام ہے۔

الف:...... لیکن حدیث فصلی رکعتین اطال فیهماالقیام والرکوع والسجود

ب:...... اس میں دوسرا قیام کیوں داخل نہیں؟ کون سا مانع شرعی ہے۔ اگر کہو گے کہ رکوع سجدہ کے مقابلہ میں ہے تو میں بھی کہوں گا کہ قیام ثانی بھی رکوع وسجود کے مقابلہ کا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی رکوع سجود کے برابر اطمینان اور طول ہے جیسے بیان ہوا اور اگر بالفرض اسی مقابلہ کی وجہ سے صرف پہلا قیام مراد ہے تو بھی اس قرینہ کی وجہ سے آپ ایسی مثال پیش کریں جہاں کوئی قرینہ نہ ہو اور مراد صرف قیام اول ہو ولیس لکم الی ذلك سبیل۔

الف:...... صلوٰۃ الکسوف میں ہے فصلی باطول قیام ورکوع و سجود مارأیته قط یفعله۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب:...... جناب پہلی حدیثوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ قیام ثانی بعد الرکوع میں بھی کمال طول ہے لہٰذا لفظ قیام دونوں کو شامل ہے۔ قیام بعد الرکوع کو نکالنے کی جسارت اس وقت کریں جب کوئی ایسی حدیث لائیں جو اس کو خاص کرے والا فلا۔

ثانیاً: آپ یہاں بھی مقابلہ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن قیام ثانی میں بھی طول ہے۔ لہٰذا یہ عذر بے کار اور عبث ہے۔

الف:...... جزء القرأۃ میں ہے قال اتیت ابا سعید الخدری فقال ان صلوٰۃ الاولی کانت تقام مع رسول اللہ ﷺ فیخرج احدنا الی البقیع فیقضی حاجتہ ثم یأتی منزلہ فیتوضأثم یجئی الی المسجد فیجد رسول اللہ ﷺ قائمافی الرکعۃ الاولی۔

ب:...... جناب یہاں بھی قرینہ ہے جب نماز شروع کی تو آپ ﷺ کافی دیر کھڑے رہے۔ اس کا مطلب ظاہر ہے کہ آپ قبل الرکوع کھڑے تھے۔

ثانیاً: ابن ابی اوفی کی حدیث میں ہے۔ "کان یطیل الاولیٰ فی الظہر فلا یزال یقرأقائما مادام سمع خفق نعال القوم ویجعل الرکعۃ الثانیۃ اقصر من الاولیٰ (بیہقی ص٦٦/ ج٢) یہاں صاف بیان ہے کہ یہ قرأۃ والا قیام تھا اور ایک ہی مسئلہ ہے۔ والحدیث یفسر بعضہ بعضا

الف:...... براء بن عازب والی حدیث میں قیام اول کو قیام کہا گیا ہے۔ دوسرے کو قیام نہیں کہا اور "اذا رفع رأسہ من الرکوع" سے ہی تعبیر کیا ہے۔

ب:...... جناب یہ صفت بیان ہوئی ہے اور یہ نام کے منافی نہیں جیسا کہ مصنف بہاولپوری نے مسعود صاحب کے جواب میں رسالے لکھے ہیں کہ "ایک نام دوسرا وصفی بھی ہوسکتا ہے۔" جماعت المسلمین پر ایک نظر ص١٢-١١ پر فرماتے ہیں "کیا مسلم کے بعد کوئی وصفی نام نہیں رکھا جا سکتا۔"؟ پھر لکھتے ہیں کہ "پس بھائی یہ وصف نام کے منافی نہیں ہے ایک ذات کے مختلف اوصاف کے لحاظ سے کئی نام ہو سکتے ہیں" اور ہم بھی کہتے ہیں کہ رکوع کے بعد کی حالت کو کھڑے ہونے کی وجہ سے قیام کہا گیا ہے اور رکوع سے سر اٹھانے کی وجہ سے اس کو رفع الرأس من الرکوع بھی کہا گیا ہے۔

الف:...... مطلق قیام کے لفظ میں دونوں مشترک ہوتے تو وہ "ماخلا القیام والقعود" میں مطلق قیام نہ کہتے۔

ب:...... جناب اس روایت میں قرینے موجود ہیں کہ واذا رفع رأسہ من الرکوع کہا ہے۔ جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ثابت ہوا کہ یہاں قیام اول مراد ہے۔ ورنہ بغیر قرینہ لفظ مشترک اور عام ہے۔ انصاف کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔

الف:...... جب دونوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ موجود ہے تو قرینے کی کیا ضرورت ہے۔

ب:...... جناب یہ الگ ہونا خود قرینہ ہے کہ قیام سے یہاں مراد قیام اول ہے۔

الف:...... دوسرے قیام کو قیام کیوں نہیں کہا گیا؟

ب:...... دوسرا نام لے لیا آپ خود فرماتے ہیں کہ ''وصفی نام متعدد ہوتے ہیں جیسا کہ کتاب ''مسعود احمد بی ایس سی کی جماعت المسلمین پر ایک نظر'' کے ص ۱۸ پر لکھا ہے۔

الف:...... حدیث سے تو یہ ثابت ہوا کہ پہلے قیام کے مقابلہ میں دوسرے قیام کی کوئی حیثیت نہیں۔

ب:...... ایک مسئلہ کی دھن میں ایک رکن کی حیثیت کا انکار کر دیا۔ جناب جب اس کے بغیر نماز ہی نہیں تو پھر اس کی حیثیت کیوں نہیں رہی اس میں طول بھی ہے اور اطمینان کا حکم بھی ہے اور کون سی حیثیت چاہتے ہو؟

الف:...... پہلے قیام پر دوسرے قیام کو قیاس کرنا صحیح نہیں۔ یہ ادنیٰ کا اعلیٰ پر قیاس ہے۔

ب:...... جناب قیاس بالکل نہیں بلکہ عموم سے استدلال ہے بلکہ اذکان قائما اور ثم یقول وهو قائم ربنا لك الحمد دونوں حدیثوں کے ملانے سے مسئلہ نص کے برابر ہو جاتا ہے۔

ثانیاً: اگر بالفرض قیاس بھی ہے تو بھی قیاس کے قائلین بھی ادنیٰ کو اعلیٰ پر قیاس کرتے رہتے ہیں۔ کوئی انکار کی وجہ نہیں۔

الف:...... پہلے قیام اور دوسرے قیام میں بڑا فرق ہے۔

ب:...... جو فرق حدیث میں موجود ہے وہی معتبر ہے۔ قیام اول میں قرأۃ اور دوسرے میں دعا ہے۔ ہاتھوں کے متعلق یہ فرق کرنا کہ پہلے میں باندھے اور دوسرے میں چھوڑ دے یہ کسی بھی حدیث میں مذکور نہیں ہے؟ ہاتوا برهانكم ان كنتم صادقين

الف:...... پہلے قیام میں الحمد شریف کی قرأۃ کی جاتی ہے۔

ب:...... دوسرے میں بھی طویل دعا ہے اور جب کھڑے ہونے کی حالت آئے گی تو وضع ہی ہو گیا۔

الف:...... پہلے قیام کے پالینے سے رکعت ہو جاتی ہے۔ دوسرا قیام ایسا مستقل رکن نہیں۔

ب:...... یہ بھی عجیب منطق ہے جناب دوسرے قیام میں ملنے سے رکعت اس لیے نہیں ہوتی کہ تین ارکان نماز کے رہ جاتے ہیں۔ قیام اوّل قرأۃ فاتحہ پھر رکوع تینوں رکن ہیں اور ایک رکن چھوٹ جانے سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکعت نہیں ہوتی۔ اس سے کب لازم آتا ہے کہ دوسرا قیام مستقل رکن نہیں۔ بلکہ اگر رکوع سے تھوڑا سرا ٹھا کر بغیر قیام کے سجدہ میں چلا جائے تو کیا رکعت ہوگی؟ ہرگز نہیں ثابت ہوا کہ دوسرا قیام بھی نماز کا مستقل رکن ہے اگر کوئی ایسا رکن ہو جس کے رہ جانے اور نہ ملنے سے رکعت ہو جاتی ہے تو اس کو پہلے غیر مستقل کہیں لیکن جس کے رہ جانے سے رکعت درست نہ ہو تو وہ مستقل رکن ہے۔

الف:...... دوسرا قیام سجدہ میں جانے کی تیاری کے لیے ہے۔

ب:...... یہ آپ کی ذوقیہ حکمت ہے۔ کوئی حدیث نہیں وعلی التقدیر جو کچھ بھی سمجھو بہرحال جب نمازی سر اٹھا کر کھڑا ہوگا تو اس کو قیام کہا جائے گا پس تھوڑی دیر کھڑا ہو یا زیادہ بہرحال قائم ہے اور قائم فی الصلوٰۃ کی سنت ہاتھ باندھنا ہے بہاولپوری مصنف صاحب کو ادھر اُدھر کی باتیں چھوڑ کر صرف قائم بعد الرکوع کے لیے حدیث سے ہاتھوں کی کوئی دوسری ہیئت ثابت کرنی چاہیے ورنہ باندھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

الف:...... اس کی مثال جیسے دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا یہ دوسرے سجدہ کی تیاری کے لیے ہے۔

ب:...... جناب بہرحال بیٹھنا تو ہے اور یہ بھی رکن مستقل ہے۔ اگر نہ بیٹھے تو رکعت نہیں ہوگی اسی طرح قیام دوم کو سمجھیں جب قائم ہو گیا تو وضع لازم آئے گا۔

الف:...... یہ قیام دوم یا جلسہ بین السجدتین دونوں کی شرط اطمینان اور اعتدال ہے جس کی حد یہ ہے کہ ہر ہڈی کا جوڑ اپنی جگہ پر آجائے جس کی تعداد ایک تسبیح بھی ہو سکتی ہے۔

ب:...... کچھ بھی ہو مگر بعد الرکوع کھڑے ہونے والے کو قائم ہی کہو گے۔ اور حدیث میں بھی قائم کہا گیا ہے اور قائم کے لیے وضع کا حکم ہے اور بس۔

راستہ پار اترنے کا ابھی بند نہیں
ناخدا تو میری قسمت کا خداوند نہیں

الف:...... پہلے قیام کے مقابلہ میں دوسرے قیام کو کوئی حیثیت نہیں جس کا بعض روایتوں میں ذکر ہی نہیں۔

ب:...... جب اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی تو پھر اس کی حیثیت کیوں نہیں رہی اور خود فرماتے ہیں کہ اطمینان اور اعتدال اس کی شرط ہے۔ پھر کیوں اس کی کوئی حیثیت نہیں یہ متضاد باتیں ہیں۔ صرف یہ ہے کہ قیام اول میں عام طرح زیادہ طول ہوتا ہے۔ بلکہ اگر قیام اول میں صرف فاتحہ پر کوئی اکتفا کرے اور دوسرے میں پوری دعا پڑھے تو دونوں کا طول برابر ہو جائے گا۔ اگر بقول شما اس کا بعض روایتوں میں ذکر نہیں تو بعض میں پہلے قیام کا بھی ذکر نہیں مثلاً بخاری میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ "رأیتہ اذا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبر جعل یدیه حذوٗ منکبیه واذا رکع امکن یدیه من رکبتیه ثم حصر ظهره فاذا رفع رأسه استوی حتی یعود کل فقار مکانه واذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما واستقبل القبلة باطراف اصابع رجلیه القبلة فاذاجلس فی الرکعتین جلس علی رجله الیسریٰ ونصب الیمنی فاذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله الیسری ونصب الاخری وقعد علی مقعده (مشکوٰۃ ص۷۱) اس حدیث میں رکوع، قیام ثانی، سجدہ، قعدہ اولیٰ وثانیہ سب کا ذکر ہے اوران کی ہیئت وکیفیت بھی مذکور ہے

الغرض بعض ارکان کا ذکر نہ ہونا اس کی اہمیت کو ختم نہیں کرتا۔

الف:...... صلوٰۃ خسوف کے سلسلہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ حدیث میں رکوع سے پہلے قیام کا تو تفصیلی ذکر ہے لیکن بعد والے کا بالکل ذکر نہیں اور الفاظ ثم رفع ثم سجد پر ہی اکتفا کیا۔

ب:...... کلمہ ثم تراخی کے لیے آتا ہے اور ثم سجد کہہ کر درمیانی وقفہ کی طرف اشارہ کردیا۔ بہرحال قیام تو ہوا اگر اس طرح صلوٰۃ الکسوف میں سر اٹھاتے ہی کوئی سجدہ میں چلا جائے نہ سیدھا کھڑا ہو نہ اطمینان ہو تو کیا رکعت صحیح ہوجائے گی؟ ہرگز نہیں اور پھر یقیناً مستقل رکن ہوا اور وہ قائم ہے جس کی سنت وضع ہے۔ نیز اس روایت میں قیام اول میں بھی ہاتھ باندھنے کا کوئی ذکر نہیں پھر اگر آپ سے سوال ہو کہ صلوٰۃ الکسوف کے جدا احکام ہیں۔ اوراس کی کیفیت بھی جدا ہے تو اس کے پہلے قیام میں ہاتھ باندھے جائیں یا نہیں؟

تو اس کا کیا جواب ہوگا؟ وہی عموم یا کچھ اور؟ بلکہ اس میں دو رکوع ہیں۔ ہاتھ باندھے جائیں یا نہیں؟ اور دلیل یہاں بھی عام ہے یا کوئی اور چیز اگر مسلم کی وائل رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کریں گے کہ انــــه رأیٰ رسول لله صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدیه حین دخل فی الصلوة وکبر الحدیث (مشکوۃ ص۸۵) تو یہ بھی عموم ہی سے استدلال ہے پھر "اذا کـان قـائـمـا فی الصلوة" کے عموم سے استدلال پر اعتراض کیوں ہے؟ ایضاً لغایۃ اس حدیث میں کسوف کا پہلا قیام داخل کرو گے۔

اس لیے کہ لفظ ہے کہ "اذا دخـل فی الصلوٰة" یعنی جب نماز میں داخل ہوا لیکن دوسرا قیام یا تیسرا یا چوتھا اس میں کیسے داخل کرو گے؟ ان میں ارسال کریں گے یا وضع اور اس کی کیا دلیل ہے؟ عام اہل حدیث تو ہاتھ باندھتے ہیں۔

اور اس کے سوا اس کی کوئی دلیل نہیں کہ قائم فی الصلوٰۃ ہے لہٰذا ہاتھ باندھے جائیں گے۔ لہٰذا بعد الرکوع بھی قائم ہے تو پھر کیوں ہاتھ نہ باندھے۔ اگر کہو گے کہ اس میں پھر قرأۃ ہے تو ہم کہیں گے کہ کچھ بھی کہو لیکن وہ قیام اول تو نہیں رہا اور ہے بھی بعد الرکوع اب تعامل امت یا تو اترا مت کا نام لیتے ہیں۔ یہی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کا مرکزی نقطہ ہے۔ اب سلف میں سے کسی ایک سے ثابت کریں کہ اس نے صلوٰۃ الکسوف کے دوسرے قیام میں ہاتھ نہ باندھے ہوں کسی کتاب میں دکھائیں "ولیس لکم الی ذلک سبیل۔ بلکہ یہی جواب ہوگا کہ "اذا کان قائمافی الصلوٰۃ" میں داخل ہے تو پھر دوسری نمازوں میں قیام بعد الرکوع اس میں کیوں داخل نہیں؟ اور مصنف بہاولپوری خود ص ۱۴ پر صاف لکھتے ہیں کہ ہم یہ کہتے ہی نہیں کہ وضع قرأۃ کو مستلزم ہے ایضاً نماز جنازہ میں نہ رکوع ہے نہ سجدہ لہٰذا پہلے یا دوسرے قیام کا سوال ہی نہیں رہا اب اس میں کیا حکم ہے ہاتھ باندھنے کی کیا دلیل ہے؟ اس کے بارے میں ایک روایت ہے جو سخت ضعیف ہے بلکہ سوائے اس کے کہ اس کو بھی "اذاکان قائما" میں داخل کریں اور کہیں کہ یہ بھی قائم ہے تو پھر قائم بعد الرکوع سے کیا دشمنی ہے۔

الف:...... ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو رفع الیدین کے سلسلہ میں ہے۔ اس میں کان یرفع یدیه حین یرکع وحین یسجد ہی ہے کیونکہ رکوع کے بعد کا قیام سجدہ کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔

ب:...... پھر بھی قائم ہو اور یہ رکن ہے اور کھڑا ہونا ضروری ہے جس کے بغیر نماز نہیں ہوگی تھوڑی دیر کھڑا ہو یا زیادہ مگر پھر بھی قائم ہے اور قیام اول میں اتنی دیر کھڑا ہونا ضروری ہے جس قدر کہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے اور قیام بعد الرکوع میں اگرچہ اتنی طویل دعا پڑھی جائے تو قیام اول کی ادنیٰ طوالت یعنی بقدر سورۃ فاتحہ کے برابر ہو جائے گی بہرحال دونوں قیاموں میں کھڑا ہونے والا قائم ہے اور قائم کی سنت ہاتھ باندھنا ہے اور حدیث میں دوسری کوئی ہیئت منقول ہے ہی نہیں۔

الف:...... قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ ان دونوں ہیئتوں میں ضرور فرق ہو۔

ب:...... قیاس کی کیا ضرورت ہے جبکہ نص ناطق ہے کہ نماز میں جب بھی کھڑا ہو تو ہاتھ باندھ لے۔ ایضاً پہلے تو قیاس پر اعتراض کیا اور پھر اسی کا سہارا لینے لگے۔ ایضاً مقیس علیہ بھی تو بتائیں جس پر قیاس کرتے ہو۔ بلکہ ان دونوں میں صرف یہی فرق منقول ہے کہ پہلے میں قرأۃ ہے اور دوسرے میں دعا لیکن دونوں کی ہیئت میں کوئی فرق حدیث میں مذکور نہیں۔

الف:...... اس فرق کے لیے یہ بڑی وجہ ہے کہ آنے والے مسبوق کو پتہ لگے کہ قیام پہلا ہے یا دوسرا۔

ب:...... جناب اس کی کیا ضرورت ہے۔ اگر دوسرا قیام ہوگا تو تھوڑی دیر میں امام سجدہ کے لیے جھکے گا اور مسبوق سمجھ جائے گا کہ میں نے رکعت نہیں پائی۔ ایضاً خود آپ اس قیام کی اہمیت گرا رہے ہیں اور ویسے بھی عام طور پر لوگ کو اس کو سنت کے مطابق جو طول دینا چاہیے وہ نہیں دیتے ان حالات میں جب مقتدی مسجد میں داخل ہوگا اور چند قدم چل کر صف میں داخل ہوگا تو جلدی سجدہ کے لیے امام کی تکبیر سن لے گا۔ ہم تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیدھی بات جانتے ہیں کہ قبل الرکوع ہو یا بعد الرکوع حدیث میں اس کو قائم کہا گیا ہے اور قائم کی سنت وضع ہے اگر آپ فرق کے مدعی ہیں تو ایسا فرق حدیث سے بتائیں۔ ودونہ خرط القتاد

الف:...... رکوع کا حکم دے کر ہاتھ کھلوا دیئے اور پھر باندھنے کا حکم نہیں دیا تو اب ہاتھ کھلے رہیں گے جب تک دوبارہ باندھنے کا حکم نہ ہو۔

ب:...... ہاتھ باندھنے کا حکم کھڑے ہونے کی حالت کے لیے ہے اور جب بھی وہ حالت لوٹ آئے گی تو وہی حکم بھی لوٹ آئے گا۔ ورنہ بتائیں کہ جب بقول شما رکوع سے حکم کھلنے کا ملا اور اب نیا حکم چاہیے تو جناب دوسری رکعت یا تیسری یا چوتھی رکعت میں ہاتھ باندھنے کا حکم کہاں ہے؟ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ یا عموم کو مان لو یا پھر اپنے قاعدہ کے مطابق پھر دوبارہ ہاتھ باندھنے کا حکم ذکر کرو ورنہ جب حکم کھلنے کا مل گیا تو سلام پھیرنے تک تو وہی حکم رہے گا

"آن کنت لاتدری فتلک مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

ثانیاً: صلوٰۃ الکسوف میں پہلے رکوع کے بعد دوسرے قیام میں ہاتھ باندھے جاتے ہیں۔ ان کے لیے نیا حکم لاؤ کیونکہ جب رکوع سے ہاتھ کھولنے کا حکم ہو گیا تو اب دوبارہ باندھنے کے لیے نیا حکم چاہیے۔

ثالثاً: سجدہ تلاوت میں بھی ہاتھ چھوڑنے کا حکم ہے۔ اب ہاتھ باندھنے کے لیے نیا حکم چاہیے حالانکہ مصنف بہاولپوری خود ص ۱۳ پر فرماتے ہیں کہ جب تک باندھنے کا حکم دوبارہ نہ آئے پہلا ہاتھ چھوڑ دینے کا حکم جاری رہے گا۔" پس اس قاعدہ کے تحت ثبوت پیش کریں اور پھر ص ۱۴ پر فرماتے ہیں کہ" جب تک باندھنے کا حکم پیش کریں ورنہ اس قاعدہ سے دستبردار ہو جائیں۔"

الف:...... سجدہ تلاوت تو پہلے قیام کا حصہ ہے ابھی پہلا قیام ختم نہیں ہوا۔

ب:...... لیکن پھر بھی ہاتھ تو چھوڑ دیئے گئے اب آپ کے قاعدہ کے مطابق دوبارہ ہاتھ باندھنے کے لیے ثبوت ضروری ہے

ایضاً جب سجدہ درمیان میں آ گیا تو بعد میں کھڑا ہونا دوسرا قیام کیوں نہیں ہوا۔ اگر درمیان سجدہ آنے سے وہی پہلا قیام ہے تو درمیان میں رکوع آ جانے سے وہ ایک ہی قیام کیوں نہیں رہتا۔

ایضاً یہ صرف مفروضات ہیں جن پر اپنے مسئلے کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ورنہ حدیث میں الفاظ ہیں۔ "اذا کان قائمافی الصلوٰۃ" سجدہ تلاوت کرنے کے لیے نمازی جھکا تو وہ قیام نہیں رہا اور جب کھڑا ہو گیا تو بھی قائم ہو گیا اور دونوں سجدہ اور رکوع کی حالت میں وہ قائم نہیں رہا اور جب تک کھڑا ہوگا اور قائم رہے گا تو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم کی ہیئت ہاتھ باندھنا ہی ہے۔ نہ کوئی دوسری مصنف بہاولپوری محترم کو چاہیے کہ ان مفروضات کے بجائے کوئی حدیث پیش کریں جس میں تصریح ہو کہ فلاں قائم ارسال کرے ورنہ یہ آپ کا قانون بتلاتا ہے کہ نہ دوسری رکعت میں ہاتھ باندھے جائیں نہ تیسری میں نا چوتھی میں۔ ایضاً صلوۃ الکسوف میں کم از کم دو رکوع وارد ہیں یعنی دوسرا قیام بھی ہوگا پہلی صورت میں آپ کا یہ مفروضہ ختم ہو جائے گا کہ پہلے قیام کے بعد رکوع جب تک نہ آئے پہلا قیام باقی رہے گا اور رکوع کے بعد دوسرا قیام شروع ہوگا۔ پھر وضع کیوں کرتے ہیں؟ اس طرح اگر تین یا چار رکوع کیے جائیں گے تو تین چار قیام ہوں گے سب میں ہاتھ کیوں باندھے جائیں اور دوسری صورت میں آپ کا سوال ختم ہوگا کہ رکوع کے بعد ہاتھ چھوٹ گئے اب باندھنے کے لیے نیا حکم چاہیے۔

الف:...... سجدہ تلاوت یا کسوف میں رکوع عارضی ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا

ب:...... جناب جو کچھ بھی کہیں مگر دنیا جانتی ہے کہ نمازی جب رکوع یا سجدہ میں گیا تو قائم نہیں رہا اور جب پھر کھڑا ہوگا تو قائم کہلائے گا اور قائم کی سنت وضع ہے اور حدیث کے حکم سے کسی چیز کی استثناء صرف حدیث ہی سے کی جاسکتی ہے یہاں فقیہانہ حیلہ بازی کارگر نہیں ہوگی۔

الف:...... سجدہ رکوع اور جلسہ میں ارسال نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ ہاتھوں کے بارے میں ان میں ہدایات جاری کر دیں۔

ب:...... لیکن قیام کی حالت کے لیے عام ہدایت جاری کر دی گئی کہ قائم فی الصلوۃ کو ہاتھ باندھنے ہیں۔ کیا عموم ہدایت نہیں؟ اس سے انکار صرف دلیل پیش کر کے کی جاسکتی ہے۔ نہ کوئی دوسری صورت ایضاً ہمیں بتائیں کہ ارسال عمل ہے یا اس کو عمل نہیں کہیں گے۔ پہلی صورت میں اس کو بھی حدیث سے ثابت کریں کیونکہ نماز کے سب اعمال توقیفی ہیں۔ ثبوت پر موقوف ہیں۔ دلیل کے بغیر نماز میں کوئی عمل داخل نہیں کیا جاسکتا اور دوسری صورت میں جو چیز عمل ہی نہیں کہی جاسکتی وہ نماز میں کیسے داخل ہوسکتی ہے اور اس سے نماز کیسے درست ہوگی۔

الف:...... پہلے قیام سے مراد وہ قیام ہے جو محل قرأۃ ہو۔

ب:...... پہلا کہیں یا دوسرا جس قیام میں بھی نمازی ہوگا اس کو قائم کہا جائے گا قائم کے لیے وضع ہی ہے پھر وضع سنت قائم کی ہے نہ قاری کی۔

الف:...... ہم یہ نہیں کہتے کہ وضع قرأۃ کو مستلزم ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ وضع اس قیام کو مستلزم ہے جو قیام قرأۃ کا محل ہے جس قیام میں قرأۃ نہیں اس میں وضع نہیں اور یہی دونوں قیاموں میں اصل فرق ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب:...... یہ وہی بات ہے کہ اقرار بھی ہے اور انکار بھی اور دعویٰ بھی ہے پھر فرار بھی ہے جناب! حدیث میں تو صرف یہ الفاظ ہیں کہ "اذا کان قائما فی الصلوٰۃ قبض بیمینہٖ علی شمالہ" جس سے واضح ہے کہ وضع کو حالت قیام مستلزم ہے اور جب بھی نمازی قائم ہوگا تو ہاتھ باندھنے ہوں گے۔ لیکن یہ کس حدیث میں ہے کہ جب قائم قاری ہوگا تو ہاتھ باندھ لے گا۔؟ خواہ مخواہ حدیث میں اپنا دخل نہ دو۔ دونوں قیاموں میں فرق صرف یہ ہے کہ ایک قیام میں قرأۃ ہے اور دوسرے میں دعا لیکن یہ کہیں نہیں کہ قرأۃ والے قیام میں وضع ہوا اور دعا والے میں ارسال۔

کوئی بھی کام تیرا مسیحا پورا نہ ہوا
نامرادی میں ہوا تیرا آنا جانا

پس جب یہ آپ کا مفروضہ ہے اور کوئی حدیث نہیں تو یہ کہنا بھی غلط ہوا کہ سجدہ تلاوت والا قیام بھی قرأت کا محل ہے۔ اس لیے اس میں وضع ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ چونکہ نمازی سجدہ تلاوت کے بعد بھی قائم ہوتا ہے لہٰذا باندھنے کا مامور ہے۔ یہی نص صریح کا حکم ہے۔

الف:...... دوسرے قیام میں کوئی نیا حکم نہیں آیا۔

ب:...... جناب وہ پہلا حکم کہاں مذکور ہے جس کے تحت قیام ثانی رہے گا۔ کسی حدیث میں ہاتھ کھولنے کا نشان تک نہیں۔

الف:...... عموم پھر بھی ہے جب تک پہلا قیام باقی رہے گا۔

ب:...... پہلے یا دوسرے کا حدیث میں ذکر نہیں تو پھر دوسرے قیام سے انکار اور پہلے سے خاص کیوں؟

الف:...... اذا کا عموم باقی رہے گا۔ معنی یہ ہوں گے کہ آپ جب بھی پہلا قیام کرتے خواہ کوئی نماز ہو کوئی رکعت ہو آپ ﷺ ہاتھ باندھتے۔

ب:...... آنکھوں والے دیکھیں اور اللہ کے واسطے انصاف سے بتائیں کہ حدیث میں پہلا یا دوسرا قیام مذکور ہے؟ ہرگز نہیں واللہ نہیں محض اپنی رائے کی خاطر یہ لفظ حدیث میں کیوں بڑھا دیا اور اس چیز کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف کیوں کی گئی جس کا ذکر حدیث میں تو صرف قائم کا عموم ہے کہ جب بھی کھڑا ہو بشرطیکہ نماز میں ہو اور آپ کہتے ہیں کہ اس میں نمازوں اور رکعتوں کا عموم ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

ایضاً قائم کا عموم سب نمازوں اور رکعتوں سب کے عموم کو شامل ہے یعنی ہر نماز میں ہر رکعت میں جب بھی قائم ہوتے تو آپ ﷺ ہاتھ باندھ لیتے تھے خواہ نمازی رکوع سے قبل قائم ہو یا بعد سجدہ تلاوت سے قبل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قائم ہو یا بعد۔

آپ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں جب پہلا قیام ہوتا تو باندھتے یہ حدیث کے لفظ نہیں بلکہ یہ ایک قسم کا اس میں اضافہ ہے یا حدیث کے حق یعنی عموم کو مارا جارہا ہے۔

الغرض عام کو عام ہی رہنے دیجیے بغیر دلیل کے تخصیص کا آپ کو حق نہیں قیام کے سب افراد اس میں داخل ہیں۔

الف:...... ما اور من اور اسم جنس کی صورت میں عام کی تخصیص ایک فرد تک بھی ہوسکتی ہے۔ اگر ایک فرد بھی باقی رہ جائے تو بھی عام عام رہتا ہے قرآن میں ہے ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ اس آیت میں ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ عام تھا جس کے دو فرد تھے۔ ایک غلام ایک لونڈی۔ غلام یہاں مراد نہیں ہوسکتا کیونکہ نکاح کا ذکر ہے اس لیے یہاں صرف لونڈی ہی مراد ہوسکتی ہے۔ اب ﴿مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ عام بھی ہے اور مراد بھی ایک فرد یعنی لونڈی ہے اس طرح "اذا کان قائما فی الصلوٰۃ" میں پہلا قیام ہی مراد ہے اور وہ عام ہے۔

ب:...... جناب جب خود ذکر کرتے ہیں کہ نکاح کا ذکر ہے تو پھر ایک جانتا ہے کہ غلام سے نکاح حرام ہے تو پھر ایک فرد رہے گا۔ یہاں بھی دوسرے قیام بعد الرکوع میں وضع کے لیے کوئی ایسا مانع پیش کریں کہ غلام سے نکاح کی طرح بعد الرکوع قیام میں وضع کرنا بھی حرام ثابت ہو۔ جب ایسا نہیں تو یہ آپ کی ساری تقریر عبث اور قیاس بے محل ہے خواہ مخواہ حدیث کے عموم کا حق ضائع نہ کریں اور متکلم کی مراد سے تجاوز نہ کریں بلکہ جس عام میں خصوص کا احتمال رہتا ہو وہاں بھی اصولی اجازت نہیں دیتے کہ بلا دلیل شرعی اس کو خاص کرتے رہیں اور خود مصنف بہاولپوری ص ۱۷ پر عام کے مخصوص ہونے کا پتہ بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کبھی خارجی قرائن سے کبھی داخلی قرائن سے کبھی متکلم کی وضاحت سے ہوتا ہے۔ حالانکہ یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے۔ نہ خارجی نہ داخلی نہ متکلم نے اس کی وضاحت کی ہے صرف آپ کے مفروضات ہیں۔

الف:...... امت کا تعامل خود قرینہ ہے کہ رکوع کے بعد والا قیام اذا کان قائما کے عموم میں شامل نہیں اگر شامل ہوتا تو امت کا عمل کبھی ارسال نہ ہوتا۔

ب:...... ساری امت کا عمل ارسال پر نہیں ہے اور نہ اس کو اجماع کا نام دیا جاسکتا ہے۔ لغایتہ اکثریت کہیں گے جیسا کہ ص ۱۷ میں دعویٰ کرتے ہیں۔

اور بحمد اللہ سلف میں ہر زمانہ میں لوگ وضع کے قائل رہے ہیں۔ امام احمد کے اختیار سے خود ظاہر ہے کہ سلف میں دونوں عمل موجود تھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: اکثریت خود حجت نہیں جس کو مصنف بہاولپوری محترم بڑی شدومد سے رد کر چکے ہیں۔

ثالثاً: امت کا عمل کوئی حجت نہیں۔ آپ کے سارے استدلال کا زور اس پر ہے یہ صحیح نہیں ہے پہلے دلیل سے ارسال ثابت کریں پھر تائید میں لوگوں کا عمل ذکر کریں تو اور بات ہے نہ یہ کہ صرف عمل ہی کو دلیل بنائیں۔

رابعاً رسول اللہ ﷺ کے بعد نماز میں کئی تبدیلیاں واقع ہوتی رہیں۔ جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے بلکہ حافظ ابن قیم نے اس کی کئی مثالیں بھی ذکر کی ہیں۔ بالخصوص جبکہ قیام بعد الرکوع میں وہ طول نہیں رہا جو کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں معمول تھا تو پھر ہاتھ باندھنے یا کھولنے کا مسئلہ تو دوسرے نمبر میں آتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ہمارا رسالہ بنام "**تو اتر عملی یا حیلہ جدلی**" کا مطالعہ کریں۔

الف:...... امت کی اتنی اکثریت کا عمل جس میں یقیناً اہل حق بھی شامل ہیں۔

ب:...... یعنی تسلیم کیا کہ ان میں اہل باطل بھی ہیں پس اس اکثریت کی بھی قلعی کھل گئی

ثانیاً: کیا وضع کرنے والے اہل حق نہیں؟ امام احمد جو وضع کے قائل ہیں وہ اہل حق نہیں؟ جب دونوں طرف اہل حق ہوئے تو پھر یہ بحث کارگر نہ ہوئی۔

ثالثاً: خود مصنف بہاولپوری محترم اپنے رسالہ "اصلی اہل سنت" ص ۱۴ میں فرماتے ہیں "آجکل اکثر مسلمانوں کا اپنے آپ کو مسلمان کہنا وہ اسلام کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں۔ اس کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔" جناب یہی حال یہاں ہے جس سے پوچھا جائے کہ بھائی تم بعد الرکوع ارسال کرتے ہو۔ اس کے لیے کیا دلیل ہے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سب ایسے ہی کرتے ہیں بڑوں کو دیکھا علماء سے صحبت کی وہ ارسال کرتے رہے لیکن کوئی یہ نہیں کہتا کہ فلاں حدیث میں ارسال کا حکم ہے؟ حاشا وکلا

ہاں علماء ومحدثین کی اکثریت نقل کریں جنہوں نے کسی کتاب میں تصریح کی ہو کہ بعد الرکوع والے قیام میں ارسال کرتے تھے تو پھر بحث کی کچھ مجال رہے گی۔ لیکن صرف یہ کہنا کہ امت کی اکثریت کا عمل ہے یہ کوئی دلیل نہیں یہ تو وہی کافروں والا قول ہے کہ انا وجدنا آباءنا علی امة

الف:...... آپ بھی تو حنبلیوں کے نام گنواتے ہیں اور کبھی خانپوری یا نورستانی یا گکھڑوی کا نام لیتے ہیں۔

ب:......

الٹی سمجھ کسی کو ہرگز خدا نہ دے
دے آدمی کو موت پر یہ بدادا نہ دے

ارے بھائی ہم نے ان کے عمل یا قول پر اپنے مسئلہ کی بنیاد نہیں رکھی جیسے کہ آپ نے اپنے عمل کی بنیاد

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitabuSunnat.com

لوگوں کے عمل پر رکھی ہے۔ بلکہ ہم تو حدیث کے الفاظ پیش کرتے ہیں اور جب آپ کی طرف سے یہ سوال ہوا کہ یہ اجماع امت کے خلاف ہے تو ہم نے اس کے جواب میں اقوال و اعمال پیش کیے نہ کہ ان کو ہی دلیل بنایا ہے آپ بھی پہلے حدیث سے ارسال بعد الرکوع ثابت کریں پھر امت کے افراد کا عمل پیش کریں۔

الف:...... ہم نے امت کے عمل کا ذکر کیا ہے جن میں اہل حق بھی شامل ہیں اور آپ مقلدوں کے نام گنواتے ہیں یہ کیسے صحیح ہوا۔

ب:...... جناب ہم نے صرف مقلدین نہیں بلکہ مجتہدین کا بھی ذکر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کسی کا مقلد نہیں بلکہ تقلید سے منع فرماگئے ہیں اور اسی طرح ایک روایت میں امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین ابو یوسف اور محمد سے بھی وضع کا حکم ثابت ہے۔ اگرچہ وہ ظاہر روایت نہیں مگر غیر ظاہر روایت فقہاء کے نزدیک اگر قواعد کے تحت ہے تو قبول کی جاتی ہے جیسا کہ علامہ عبدالحئ لکھنوی نے امام الکلام ص ۵۶ میں نقل کیا ہے۔ بلکہ لکھنوی صاحب نے قرأۃ خلف الامام کے اثبات میں ایک روایت ان کے ائمہ ثلاثہ (ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد) سے نقل کر کے قابل قبول قرار دیا ہے اس لیے کہ وہ قواعد کے موافق ہے اور پھر لکھنوی صاحب النافع الکبیر مقدمۃ الجامع الصغیر ص ۸ میں بحوالہ عقد الجید مصنفہ شاہ ولی اللہ نقل کرتے ہیں کہ "اعلم ان القاعدۃ عند محققی الفقہاء ان المسائل علی اربعۃ اقسام قسم تقرر فی ظاہر المذہب وحکمہ انہم یقبلونہ فی کل حال وافقتہ الاصول اوخالفت وقسم ہو روایۃ شاذۃ عن ابی حنیفۃ وصاحبیہ وحکمہ انہ لا یقبلونہ الا اذا وافق الاصول" پس ایک روایت میں ان ائمہ ثلاثہ سے بھی وضع بعد الرکوع ثابت ہے جس کو کئی فقہاء حنفیہ نے لے لیا ہے اس طرح امام مالک نے مؤطا ص ۵۵ میں یوں باب منعقد فرمایا ہے کہ وضع الیدین احدھما علی الاخری فی الصلوٰۃ یہ الفاظ بھی عام ہیں قیام اول یا ثانی کی تصریح نہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح ص ۱۰۲/ ج ۱ میں یوں باب رکھا ہے باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ اور یہ بھی عام ہے کسی خاص قیام کا نام نہیں لیا بلکہ سب محدثین کے ابواب عام قیام کے لیے ہیں کسی نے بھی ایسا باب نہیں رکھا جس میں قیام بعد الرکوع میں ارسال یا ہاتھ نہ باندھنے کا کوئی اشارہ ہو اس سے ظاہر ہے کہ محدثین کے نزدیک بھی دونوں قیاموں کے لیے حکم عام ہے۔ اس طرح امام ابن حزم المحلی ص ۱۱۲ تا ۱۱۴/ ج ۲ میں صاف فرماتے ہیں کہ نماز میں ہر کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے چاہئیں پھر فرماتے ہیں وروینا فعل ذالك عن ابی مجلز و ابراھیم النخعی وسعید بن جبیر وعمرو ابن میمون ومحمد بن سیرین وایوب السختیانی وحماد بن سلمۃ انہم کانوا یفعلون ذلك وھو قول ابی حنیفۃ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والشافعی واحمد و داؤد " اور کسی سے یہ ثابت نہیں کہ وہ رکوع کے بعد والے قیام میں صرف ارسال کا قائل ہو اور وضع مطلقاً کئی محدثین سے منقول ہے بعد والے فقہاء مذہب نے یہ تفریق کی ہے اور یقیناً یہ سب اہل حق ہیں۔

الف:...... کافروں کا طریقہ تو جاہل اور گمراہ آباء کو حق کے مقابلہ میں پیش کرنا تھا۔

ب:...... اولاً بے علم اس لیے کہا کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی ان سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا کہ "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین"

ثانیاً: اہل حق کے آباء کا ذکر بھی تو صرف تخمینہ کے طور پر ہے۔ جب دیکھا کہ اکثر رکوع کے بعد ہاتھ نہیں باندھتے ہیں تو بس اسی کو دلیل بنا لیا کہ شروع سے ہاتھ کھولتے آئے ہوں گے یہی ظن اور تخمینہ ہے ورنہ تواتر کے لیے مشاہدہ یا نقل کا ثبوت ضروری ہے جیسا کہ اصول حدیث اور مصطلح کی کتابوں میں مصرح ہے

ثالثاً: علی التقدیر اگر قدماء کی اکثریت سے بھی بعد الرکوع ارسال ثابت ہو جائے تو بھی کافی نہیں۔ کیونکہ اس کی دلیل معلوم نہیں جس کی بناء پر یہ ارسال ہو رہا ہے۔ برخلاف اس کے ہاتھ باندھنے والے اگرچہ آپ ان کو اقلیت سمجھتے ہیں۔ لیکن ان کے پاس دلیل ہے کیونکہ قائم فی الصلوٰۃ کے لیے وضع کا حکم ہے جس کا مقابلہ صرف اکثریت سے کرنا انا وجدنا آباء نا علی امۃ کی مثال نہیں تو اور کیا ہے؟ مسلمانوں کا یہ منصب نہیں کہ صرف آباء کا نام لے لیا جائے اگرچہ وہ من حیث الجملۃ اہل حق میں سے ہوں بلکہ دلیل کی ضرورت تب بھی ہے۔

الف:...... قرآن کریم میں ہے کہ ﴿اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ﴾ اگرچہ ان کے باپ دادا بے علم اور بے ہدایت ہوں تو کیا پھر بھی وہ ان کو کافی سمجھیں گے؟ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر ان کے آباء اہل حق ہوں تو اور بات ہے۔

ب:...... جناب یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے۔ اگرچہ ایک طرف اکثریت اور دوسری طرف اقلیت سمجھیں بہر حال مختلف فیہا ہے۔ صرف اکثریت کی بناء پر ایک طرف کو حق کہنا خود بہاولپوری مصنف محترم کا بھی مذہب نہیں ہے پس بلا دلیل اس کو حق کہنا یا اس کو مستند جاننا کافروں کا طریقہ کار ہے۔ اگرچہ اہل حق اور اہل علم ہوں کیا وہ انکو معصوم کہیں گے ہرگز نہیں تو پھر بلا دلیل ان کی اتباع "انا وجدنا آباء نا کی نشانی ہے۔ اس کا انکار مکابرہ ہے۔

ثانیاً: یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے یعنی پھر قائم کو ہاتھ باندھنے کا حکم ہے اور صرف اکثریت کے عمل کو دیکھ کر کہنا کہ یہ شروع سے ایسا چلا آتا ہے یقذفون بالغیب من مکان بعید کی مثال ہے پھر یہ کہنا کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب اکثریت امت بعد الرکوع ارسال کرتی ائی ہے لہٰذا اس سے قیام قبل الرکوع مراد ہے اور بعد الرکوع والا قیام اس میں داخل نہیں ہے۔ حدیث کے ساتھ ظلم اور ناروا سلوک ہے ایسی کئی مثالیں ہیں۔

مثلاً اونٹ کا گوشت کھانا بقول فقہاء اکثریت امت کے نزدیک ناقض الوضو نہیں ہے ان میں اہل حق بھی ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ کلی کرنا وغیرہ اور اگر وہ کہیں کہ اگر اس حدیث میں وضو شرعی مراد ہوتا تو اکثریت امت اس سے لغوی وضو مراد ہرگز نہیں لیتی تو کیا یہ سوال ان کا صحیح ہوگا؟ ہرگز نہیں کیونکہ شرعی الفاظ بلاوجہ دوسرے معنوں پر محمول کرنا صحیح نہیں اسی طرح چونکہ یہاں حدیث کے الفاظ عام ہیں۔ "اذاکان قائما فی الصلوٰۃ یعنی جب بھی نماز میں کھڑا ہو۔ یہ الفاظ یعنی قائمافی الصلوٰۃ سب کو شامل ہیں قبل الرکوع ہو یا بعد الرکوع پہلی رکعت ہو یا دوسری یا تیسری یا چوتھی عام نماز یا کسوف یا جنازہ جب بھی قائم ہوگا قبل الرکوع کہنا صحیح نہیں اس لیے کہ یہاں بھی کہا جا سکتا ہے اگرچہ اکثریت بقول فقہاء اونٹ کے گوشت کو ناقض الوضوء نہیں جانتی مگر حدیث کے الفاظوں میں ان کی رائے یا عمل کا دخل نہیں ہوسکتا یہاں وضوء لغوی مراد ہے اسی طرح یہاں بھی جس اکثریت کا آپ سہارا لے بیٹھے ہیں۔ اس کو حدیث میں دخل دینے کا حق نہیں یہاں صرف قبل الرکوع مراد ہے۔

ایضاً یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگرچہ وہ اہل علم اور اہل حق ہیں مگر "من حیث الجملہ" نہ یہ کہ ان کے سب مسائل حق ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ان میں اختلاف نہ ہوتا حالانکہ اہل حق کے درمیان کئی مسائل میں اختلاف رہا ہے اسی طرح یہاں بھی وہی جواب ہے اگرچہ بقول شما اہل حق کی اکثریت ارسال کرتی ہے پھر بھی صحیح نہیں۔

الف:...... یوسف علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ واتبعت ملة آبائی۔

ب:...... جناب ان کے آباء انبیاء علیہم السلام تھے پوری آیت اس طرح ہے ﴿وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ﴾ (یوسف) یہ سب انبیاء علیہم السلام ہیں اور انبیاء کے اتباع کا حکم ہے ان پر غیر انبیاء کو قیاس کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے اور یہاں بحث غیر انبیاء کے متعلق ہے جو غیر معصوم ہیں یعنی دلیل اور حجت کی ضرورت ہے صرف ان کا عمل ثابت کر دینا کافی نہیں۔

الف:...... بلکہ قرآن تو مومنوں کی راہ اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ واتبع سبیل من اناب الیّ۔

ب:...... یہی آیت مقلدین تقلید کے وجوب کے لیے پیش کرتے ہیں اور ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ یہاں تو پہلے معلوم کرنا ہے کہ منیب کون ہے اور کون نہیں اور منیب کو معلوم کرنا خود تقلید کے منافی ہے۔ کیونکہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے اس کی شخصیت کی تحقیق کرنی ہے اور یہ مجتہد کا کام ہے یہاں بھی ہم کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں پہلے دیکھنا ہے کہ جو ارسال کرتے ہیں اس کی کیا دلیل ہے جس کی بنا پر وہ ارسال کرتے ہیں نہ یہ کہ صرف ان کی اکثریت دیکھ کر موعوب ہو جائیں۔

ثانیاً: جب اختلاف موجود ہے اور امام احمد کا اختیار دینا دونوں عملوں کے وجود کا پتہ دیتا ہے اور دونوں طرف مثیب ہیں پھر کسی ایک فریق کی اتباع صحیح نہیں ہوئی بلکہ یہاں یہ حکم ہے کہ ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ (النساء) اور حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ حکم ملتا ہے کہ "اذ کان قائما فی الصلوة قبض بیمینه علی شماله اور بعد الرکوع کھڑے ہونے والے کے متعلق حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قائم ہے۔ "ثم یقول وهو قائم ربنا لك الحمد" (بخاری) لہٰذا اس حکم کی طرف ہی رجوع کریں گے اور اگرچہ بقول شما اس طرف اقلیت ہے لیکن ان کی بات لینی ہے "واتبع سبیل من اناب الیّ پر عمل ہے۔ لیکن ارسال والوں کی بات لینا اس میں داخل نہیں کیونکہ ارسال کا حکم نہ قرآن میں وارد ہے نہ حدیث میں۔

ثالثاً: "واتبع سبیل من اناب الیّ سے کیا مراد ہے یعنی ہر مسئلہ کو لے لو اس طرح تو عموم بلوی لازم آئے گا۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس کی جو بات حق کے موافق ہے اسی کو لینا چاہیے۔

الف:...... انیز فرمایا ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی اگر اہل حق کا عمل دلیل نہیں تو خدا ان کی راہ اختیار کرنے کا حکم کیوں دیتا ہے؟

ب:...... جناب یہاں اتفاقی صورت مراد ہے یا اختلافی علی الثانی پھر تو کئی قسم کے حق بن جائیں گے جس کے پیچھے لگیں گے تو حق پر ہوں گے دلیل تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں "وعلی الاول مسئلة فیما نحن "میں اجماع ثابت کرد حالانکہ آپ اکثریت امت فرما کر اختلاف کو قبول کر چکے ہیں۔

ثانیاً: خود آیت مسئلہ کو حل کر دیتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ﴿وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (النساء) ثابت ہوا کہ اتباع سبیل المؤمنین اتباع رسول اللہ ﷺ ہے اور حق کے ظاہر ہونے پر اس کی مخالفت نہ کرنا ہے۔ اب جبکہ حق ظاہر ہو گیا ہے کہ قائم فی الصلوٰۃ کی سنت ہاتھ باندھنا ہی ہے تو پھر اس کی مخالفت کرنا خود غیر سبیل المؤمنین ہے۔

ثالثاً: جو لوگ سلف سے خلف تک بعد الرکوع ہاتھ باندھتے رہے کیا ان کو مؤمنین نہیں کہیں گے۔؟ بلکہ وہ بھی مؤمنین ہیں اور ہاتھ باندھنا بھی سبیل المؤمنین ہوئی پس اعتراض کیوں بلکہ جبکہ دونوں طرف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مؤمنین ہیں تو لازم ہے کہ دلیل کی طرف رجوع کیا جائے اور وہاں صرف وضع مذکور ہے نہ کہ ارسال۔

الف:...... اگر اہل حق کا عمل دلیل نہیں تو خدا ان کی راہ اختیار کرنے کا حکم کیوں دیتا۔

ب:...... یہ بھی مجموعی طور پر ہے یعنی مؤمنین کا کام ہے اتباع کرنا اس کی مخالفت نہ کرنا اس سے ایک مسئلہ مراد لینا صحیح نہیں کیونکہ سب مجتہدین من حیث الجملہ اہل الحق ہیں ورنہ جس کی بات لی جائے وہ صحیح اور حق ہوگی۔ حالانکہ حق کا مقابلہ باطل ہوتا ہے اس لیے حکم ہوتا ہے کہ ان اقوال میں سے صحیح بات کا انتخاب کیا جائے جیسا کہ ارشاد ہے کہ ﴿اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (الزمر) اور خود احسن کی تعریف اسی صورت میں کی ہے کہ اللہ نزل احسن الحدیث یعنی ان اقوال میں سے وہ قول لیا جائے جو وحی الٰہی کے موافق ہو۔ ہاں اگر ارسال پر اجماع ہو اور وضع حدیث سے قطعاً ثابت نہ ہو تو اور بات ہے لیکن یہاں؟ اجماع نہیں اور صرف اکثریت کوئی دلیل نہیں۔

الف:...... اگر اہل حق کا علم وعمل حجت نہیں تو او أثارة من علم کہہ کر ایسی دلیل کا مطالبہ کیوں کرتا ہے؟

ب:...... یہی تو محدثین کے نزدیک اسانید کی ضرورت کے لیے دلیل ہے بلا سند کوئی روایت مقبول نہیں جیسا کہ امام حاکم المدخل فی اصول الحدیث ص۲ میں مطر الوراق سے نقل کرتے ہیں اثارة من علم قال اسناد الحدیث اسی طرح تفسیر قرطبی ص۱۸۲/ج۱۲ میں ہے "وفی الصحاح اواثارة من علم بقية منه فقال الهروى والاثر البقية يقال ماثم عين ولا اثر وقال ميمون بن مهران وابوسلمة ابن عبدالرحمن وقتادة او اثارة من علم خاصة من علم وقال مجاهد رواية تأثرونها عمن كان قبلكم وقال عكرمة ومقاتل رواية عن الانبياء وقال القرطبى هو الاسناد ...... الحسن المعنى شئ بثار اور يستخرج وقال الزجاج اواثارة اى علامة" والاثارة مصدر كالسباحة والشجاعة واصل الكلمة من الاثر وهى الرواية يقال اثرت الحديث آثره اثرا او اثارة او اثرة فانا اثر اذا ذكرته عن غيرك ومنه قيل حديث ماثور اى نقله خلف عن سلف قال الاعشى۔

ان الذين فيه تماريتما

بين للسامع والآثر

ويجوز ان يكون معناه بقية من العلم ويجوز ان يكون معناه شيئاً مأثورا من

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتب الاولین والمأثور ما یتحدث به مما صح سنده عمن تحدث به الخ " بس یہی ہمارا مطالبہ ہے کہ کوئی علمی ثبوت پیش کریں سلسلہ اور سند کے ساتھ سلف کے اقوال نقل کرو یا عملی دلیل دکھاؤ پس حدیث میں صرف اس حسن ظن کی بناء پر کہ اتنے لوگ ارسال کرتے ہیں یہ کہنا انہوں نے اپنے بڑوں کو دیکھا ہوگا اور انہوں نے اپنے اسلاف کو دیکھا ہوگا اور ظن کی بناء پر رسول اللہ ﷺ تک پہنچانا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ یہ مسئلہ ثابت کرنے کا طریقہ نہیں۔

ناظرین: انصاف کرو کہ حدیث کے مقابلہ کے لیے ایک موہوم چیز کا سہارا لیا جارہا ہے۔ حالانکہ مصطلح اور اصول حدیث کی کتابوں میں مصرح ہے کہ سند کو نبوی زمانہ تک پہنچائیں صرف عمل کافی نہیں جب تک اس کے لیے بھی مسلسل سند پیش کی جائے کہ بعد الرکوع ارسال کرنا چاہیے یا مشاہدہ ہو کہ خلف اپنے سلف سے ارسال دیکھنا نقل کریں اور ناقل سب ثقات ہوں نہ کہ محض اپنے ظن اور عقل سے ثابت کیا جائے۔ اتنا قدر کافی نہیں لہٰذا آیت اور اشارة من علم یہ ہمارا مطالبہ ہے کہ سند کے ساتھ آپ ارسال ثابت کریں چنانچہ مصنف بہاولپوری صاحب ص ۳۸ پر امام احمد سے وضع کے نقل پر برہم ہوتے ہوئے فرمایا "استدلال کرنے سے پہلے اس کی صحیح سند تو امام احمد تک پہنچائیں" ہم نے تو سند پہنچا دی خود انہیں کے فرزند کی کتاب سے نقل کردی اس نے اپنے والد سے نقل کیا ہے والحمد للہ اور آپ ہیں کہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر زمانہ میں اکثریت کا ارسال پر عمل رہا ہے اب بتاؤ کہ کس صدی میں کتنے مجتہد غیر مقلدین تھے اور ان سے صحیح سند کے ساتھ ارسال ثابت کر سکتے ہو ای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون اگر کہو گے کہ فقہی کتابوں میں مذکور ہے تو جناب فقہ حنبلی میں بھی امام احمد سے وضع کا ذکر ہے لیکن آپ نے اس کو تسلیم نہیں کیا نہ ان حوالہ جات پر اعتماد کیا پھر خود ہی ان حوالوں کو مستند بنایا۔

مشکل بہت پڑے گی برابر کی چوٹ ہے
آئینہ دیکھئے گا ذرا دیکھ بھال کے

خیر ہم نے تو سند بھی پیش کردی اب آپ ہر صدی کے ائمہ سے سند صحیح پیش کریں یہ آپ پر قرض ہے جو قیامت تک ان شاء اللہ ادا نہیں کرسکیں گے۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے تعامل نہیں پوچھا بلکہ تعامل کے جواب میں دلیل کا مطالبہ کیا ہم بھی اس تعامل کے مقابلہ میں دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

گزر عشقت خبر ے ہست بگوائے واعظ
ورنہ خاموش کہ این شورد فغاں چیزے نیست

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الف:...... ومن عندہ علم الکتاب کی شہادت کیوں پیش کی ہے۔

ب:...... جناب آیت کا پہلا حصہ ملائیں پوری آیت اس طرح ہے۔ ﴿قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ﴾ (الرعد) اللہ کی شہادت فی نفسھا قطعی شہادت اور اتم دلیل ہے۔ اس کے بعد اہل علم کی شہادت ذکر کی۔ آپ بھی پہلے دلیل (قرآن یا حدیث) سے بعد الرکوع ارسال ثابت کریں پھر علماء کی شہادت پیش کریں ہمارا پہلو ہر لحاظ سے مضبوط ہے۔ دلیل (حدیث) میں وضع مذکور ہے اور ہر قائم فی الصلوۃ کے لیے یہی حکم ہے پھر امت میں بھی عمل پایا جاتا ہے۔ اگر چہ آپ اس کو نام اقلیت کا دیتے ہیں۔ لیکن ہم کو حق ہے کہ علماء کی شہادت پیش کریں اگر چہ وہ اقلیت میں ہوں لیکن آپ کو یہ حق نہیں اگر چہ بقول شما آپ کی طرف اکثریت ہے جبکہ کوئی دلیل شرعی نہیں پیش کر سکتے ہو۔

ندانم قیل وقال مدرسہ جز عشق اے واعظ
ہمیں یک دوسہ حرف آموختت استاد کے من وارم

الف:...... ﴿فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ اور ﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ کا حکم دے کر اہل کتاب کو دلیل کیوں بنایا ہے۔

ب:...... جناب جس بات کی بابت کہا گیا ہے وہ پہلے ہی محقق شدہ ہے۔ آپ بھی پہلے اپنے ارسال کو دلیل شرعی کے ساتھ محقق ثابت کریں پھر جس کی شہادت چاہیں ذکر کرتے رہیں۔ اثبت العرش ثم انقش مثلاً فرمایا ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ (یونس) اب انصاف سے بتائیں کیا وحی اور نزول دین میں کوئی شک ہے؟ حاشا وکلا۔ اس طرح فرمایا: ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل) اب ایمان سے کہیے کہ کیا پہلے سب رسل علیہم السلام مرد نہیں تھے ایسی محقق بات کے لیے یہ سوال ہے آپ بھی اسی طرح ارسال کو ایسا محقق ظاہر کریں پھر ایسی شہادتیں جمع کریں۔ ایضاً اللہ تعالیٰ اپنے قول اور حکم کی بابت غیر مسلمین کے آگے یہ شہادتیں پیش کی ہیں حالانکہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہی کافی اور بڑی شہادت ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی مسلمات کو پیش کیا ہے آپ کا صرف فرمان یا قول ایسی ہی حیثیت رکھتا ہے؟ ہم نے تو حدیث کو پیش کیا پھر شہادتیں پیش کر سکتے ہیں۔

الف:...... اگر اہل حق کا عمل کوئی اہمیت نہیں رکھتا تو امام بخاری اور امام محمد بن نصر مروزی رفع الیدین کے سلسلہ میں مختلف امصار کا حوالہ کیوں دیتے ہیں اور قراۃ خلف الامام کے بارے میں عبداللہ بن مبارک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیوں کہتے ہیں کہ سوائے کوفہ والوں کے سب پڑھتے ہیں۔

الف:...... جناب یہ سب شہادتیں اس کے بعد ہیں کہ دونوں مسئلے صریح احادیث سے ثابت ہیں۔ نہ کہ صرف ان حوالوں کی بنیاد پر رفع الیدین یا فاتحہ خلف الامام کو ثابت کیا جاتا ہے۔

ثانیاً: یہ حوالہ ان کے مقابلہ میں ہے جو کہ کہتے ہیں کہ اہل حدیثوں نے یہ نئے مسئلے نکالے ہیں۔ حتی کہ بعض نے رفع الیدین کو بدعت کہا ہے جیسا کہ امام بخاری نے جزء رفع الیدین میں ذکر کیا ہے تو ان کے اس دعوی کو ان حوالوں سے غلط کیا جاتا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ پہلے عمل موجود رہا ہے۔ جس طرح اس مسئلہ میں بھی بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ مسئلہ آپ نے نکالا ہے اور سب لوگ بعد الرکوع ارسال کرتے رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے یہ حوالے اس کو رد کرنے کے لیے ذکر کیے ہیں اور اصل بناء ہماری حدیث کے الفاظ پر ہے لیکن آپ اپنے مسئلہ ارسال بعد الرکوع کی بناء صرف ان حوالوں پر رکھتے ہیں۔

الف:...... ہم حدیث کے مقابلہ میں اکثریت کو نہیں پیش کر رہے ہیں بلکہ آپ کے قیاس اور استدلال کے خلاف تعامل امت پیش کرتے ہیں۔

ب:...... جناب کون سا قیاس ہے مقیس علیہ تو بتائیں ہم صرف حدیث سے استدلال کرتے ہیں آپ اس کو قواعد مسلمہ سے رد کریں نہ کہ تعامل جو کہ بزعم شما اس طرح ہے لہٰذا یہ استدلال صحیح نہیں یہ سینہ زوری ہے کوئی عملی حجت نہیں ہے بلکہ حدیث کے الفاظ عام ہیں۔ ان کو بلا دلیل خاص کرنا اس کے حق کو مارنا ہے۔ صرف اکثریت کا سہارا لے کر یہ کہنا کہ اس میں فلاں قیام داخل نہیں یہ حدیث کا مقابلہ نہیں تو کیا ہے۔؟

الف:...... اگر آپ یہ عمل دکھائیں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے تھے تو سب بحثیں ختم۔

ب:...... اولاً: جناب اس قسم کا سوال تو ہم کر سکتے ہیں کہ جب آپ ﷺ سے عام روایت منقول ہے جو کہ نماز کے سب قیاموں کو شامل ہے تو آپ ادھر اُدھر کی باتوں کی بجائے صرف یہ ثابت کریں کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ دیتے تھے تو بحث ختم ہو جائے گی اور ہاتھ چھوڑنے ہی پڑیں گے۔ لیکن صرف یہ کہنا کہ اکثریت کا عمل ارسال بعد الرکوع ہے اس سے عام کو خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

ثانیاً جب حدیث میں واضح ہے کہ "اذا کان قائما" تو پھر اس میں قیام بعد الرکوع بھی داخل ہے۔ اس کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی دلیل نہیں گویا کہ ہم نے دکھا دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا فعل نماز میں بوقت کھڑے ہونے صرف ہاتھ باندھنا ہے۔

الف:...... امت کا عمل بتاتا ہے کہ "اذا کان قائما" میں قیام بعد الرکوع شامل نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الف:...... جناب اگر اجماع یقینی اور قطعی ہوتا تو پھر یہ بات صحیح ہے۔ لیکن اکثریت کا عمل اس کے لیے کافی نہیں ہے جبکہ کئی لوگوں سے وضع بھی ثابت ہے پس یہ آپ کی دلیل نہیں صرف حسن ظن ہے اور صرف اکثریت کے عمل سے کسی کو غلط کہنا تحقیق نہیں غلو ہے دلیل (قرآن یا حدیث) کی رو سے کس کو غلط کہہ سکتے ہو۔

الف:...... امت کا عمل رسول اللہ ﷺ کے عمل کا مظہر ہے اور یہ زبردست دلیل ہے کہ آپ ارسال کرتے تھے۔

ب:...... اس کی مثال ہے ﴿كمثل العنكبوت اتخذت بيتا﴾ کیونکہ اجماع تو نہیں ہے صرف اکثریت اس بات کی دلیل نہیں اور اگر اکثریت کا نام تعامل امت ہے تو امام احمد سے اس کے فرزند امام صالح نے یہ سوال کیوں کیا کہ نمازی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھ باندھے یا کچھ اور کرے یہ سوال خود بتلاتا ہے کہ جس تعامل امت کا آپ سہارا لے رہے ہیں اس سے سلف میں ارسال ثابت نہیں ہوتا بلکہ دونوں پر تعامل تھا تب ہی تو سوال کیا۔

الف:...... عمل کی صرف دو صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ہاتھ نہیں باندھے تھے۔ اس لیے امت بھی نہیں باندھتی ہے یا تو آپ ہاتھ باندھتے تھے لیکن امت نے آپ کی اس سنت کو بالکل ترک کر دیا اب آپ ہی بتلائیے کہ ان دونوں میں سے کونسی صورت ممکن ہے۔

ب:...... یہ بات تب صحیح ہو سکتی ہے کہ جب ارسال پر اجماع ہو ورنہ اس بحث کی آپ کو گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثریت نے کئی سنتوں کو ترک کر دیا ہے تو کیا اسی وجہ سے وہ کام سنت ہی نہیں رہے۔

ثانیاً: قیام بعد الرکوع میں جتنا طول رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے یا آپ کے زمانے میں اس پر عمل تھا کیا اس پر اکثریت کا عمل ہے۔ بلکہ اور تو اور اہل حدیثوں کے ہاں بھی عمل کم نظر آ رہا ہے ائمہ مساجد کا یہ حال ہے کہ اس قیام میں نہ اتنی دیر کھڑے ہوتے نہ وہ طویل دعا پڑھتے ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے یہاں تک کہ کچھ دیر کھڑے رہنے پر لوگ تعجب کرتے ہیں۔ خود ہمارے ساتھ کئی بار ایسا معاملہ پیش آیا ہے۔ آپ کے قاعدہ کے مطابق یہ یقینی سنت کیسے متروک ہوگئی۔

جناب والا یہ تعامل نہیں بلکہ تغافل ہے جبکہ خود قیام کی حیثیت نہ رہی تو پھر ہاتھ باندھنے یا نہ باندھنے کا مسئلہ دوسرے درجہ میں ہے بلکہ مجھے یاد ہے۔ ایک مشہور و معروف مولوی صاحب جو کہ اہل حدیث تھے ان کے ساتھ اس مسئلہ پر گفتگو ہوئی تو انہوں نے اٹھ کر رکوع کیا اور سر اٹھانے کے ساتھ رفع الیدین کیا اور ہاتھ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیچے کرنے کے ساتھ ہی سجدے میں چلے گئے یہ منظر دکھانے کے بعد کہنے لگے کہ میں کہتا ہوں کہ اس طرح بھی نماز ہو جائے گی اور ہاتھ باندھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ میں نے کہا مولانا نماز ہو جاتی ہے یا نہیں مجھے اتنا بتائیں کہ کوئی مسلمان سنت کے مطابق نماز پڑھتا ہے اور قیام بعد الرکوع کو لمبا کرتا ہے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے تو وہ اس قیام میں کیا کرے۔ الغرض یہ غفلت کا نتیجہ ہے اور خود انس رضی اللہ عنہ نماز میں تبدیلیاں دیکھ کر رورہے تھے جیسا کہ بخاری ص ۷۶/ج ا وغیرہ میں مروی ہے اور جب اس قدر قریب زمانہ میں تبدیلی شروع ہوگئی تو اب صدیوں کے بعد کے عمل کو تعامل کہنا کہاں تک صحیح ہے اور جناب ایک دوسری مثال سنیے کہ ابن ماجہ ص ۷۵ پر عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ ”ثم یرفع رأسه فیقیم صلبه ویقوم قیاما هو اطول منكم قليلا الحديث“ پس خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اس قیام کے طول مسنون میں کمی واقع ہونی شروع ہو چکی تھی تو پھر آپ کا یہ تواتر عملی کہاں گیا۔ امام ابن حزم المحلی ص ۱۲۲/ ج ۲ میں روایت لائے ہیں کہ عن ابراهیم کان ابو عبیدة بن عبدالله بن مسعود یطیل القیام بعد الركوع فكانوا يعتبون عليه یعنی تابعیون کے زمانہ میں ہی لوگ قیام بعد الرکوع کی طوالت پر اعتراض کرنے لگے تھے بعد کی کیا بات ہے۔ اس طرح اس قیام کی آہستہ آہستہ بتدریج حیثیت ختم ہونے لگی یہ سب کچھ غفلت کا نتیجہ ہے۔

الف:...... اس سے تو امت پر حرف آتا ہے یہ تو بنی اسرائیل کی خصلت ہے امت محمد یہ ایسی نہیں کہ ساری کی ساری رسول اللہ ﷺ کی نافرمان ہو جائے۔

ب:...... ساری امت تو نہیں خود آپ اکثریت فرما رہے ہیں لہٰذا یہ بنی اسرائیل کی موافقت نہیں۔

ثانیاً۔ صرف یہ مسئلہ نہیں بلکہ کئی مسائل میں اکثریت حدیث کے خلاف عمل کر رہی ہے۔

الف:...... شیعہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد سب صحابہ مرتد ہو گئے۔

ب:...... یہ اعتراض اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب صحابہ سے ارسال ثابت کریں ہم تو صاف کہتے ہیں کہ ایک صحابی سے بھی ارسال ثابت نہیں بلکہ جس سے کچھ مروی ہے یہ کہ نماز میں قائم کو ہاتھ باندھنے ہیں۔ آپ اس کو بلاوجہ قیام اوّل پر محمول کرتے ہیں۔ پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کے عمل کو ترک کر دیا ہے۔

الف:...... بعض جدت پسند یہ کہتے ہیں کہ حروف مقطعات کا معنی اور مطلب رسول اللہ ﷺ نے تو بتلا دیا لیکن امت نے بالکل بھلا دیا پس جیسے یہ ممکن نہیں ایسے یہ بھی ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کا ترک ہوا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب:...... مثال بالکل غلط ہے اولاً۔ کسی حدیث میں ذکر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو حروف مقطعات کا مطلب بتلا دیا ہے اس طرح کسی حدیث میں مذکور نہیں ہے پھر امت کے بھلانے یا آپ کے حکم کو ترک کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا ہے بخلاف وضع کے وہ تو حکم موجود ہے "فافترقا۔

ثانیاً: حروف مقطعات کے بارے میں علم بتلانے یا نہ بتلانے کی بحث ہے لیکن یہاں ایسے وجود کی بحث نہیں کیونکہ وضع تو قطعاً صریحاً حدیثوں میں مذکور ہے اور عام اور ہر قائم کو شامل ہے۔ کسی قائم کو اس سے مستثنیٰ یا خارج کرنے کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ اکثریت ارسال پر عامل ہے۔ یعنی کہ اجماع نہیں ہے۔ پھر یہ کیسے متروک ہوا بلکہ اس کا سبب غفلت ہی سمجھیئے۔

الف:...... خیر القرون میں ہاتھ باندھنے کا نام ونشان ہی نظر نہیں آتا۔ نہ کسی کا قول نہ کسی کا عمل یہ ممکن نہیں کہ نبی ﷺ کی کسی سنت کا ترک ہوا ہو اور کسی نے اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی ہو۔

ب:...... جناب یہ اعتراض ہمارا ہے کہ سلف میں کسی سے بعد الرکوع ارسال کا ثبوت نہیں ہے جس سے جو کچھ ثابت ہے تو صرف مطلقاً بحالت قیام ہاتھ باندھنا مذکور ہے آپ کسی ایک صحابی سے یا تابعی سے صریحاً بعد الرکوع ارسال نقل کریں آپ کے قاعدہ کے مطابق اس کی اپنی کتاب ہو یا سند معتبر ہو تو پھر ایسی بات کہیں جب کسی سے یہ ثابت ہونا ناممکن ہے تو اب صرف لوگوں کو دیکھ کر یا بعض فقہاء کی عبارتیں پڑھ کر یہ خیال کرنا کہ عام امت ارسال کرتی آئی ہے۔ لہٰذا نبی ﷺ کا عمل بھی بعد الرکوع ارسال تھا کیونکہ پوری امت کا عمل یہی رہا ہے لہٰذا قیام بعد الرکوع کو اس حدیث میں داخل کرنے سے لازم آئے گا کہ امت نے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ترک کر دیا۔ ﴿ان یتبعون الا الظن وان هم الا یخرصون﴾ پس جب سب کچھ آپ کا مذعوم ہی ہے تو اس پر یہ بناء درست نہیں۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثر یا مے ردد دیوار کج

جناب حدیث کے سامنے اس قسم کی مزعوم اور مظنون باتیں پیش کرنا اہل علم کی شان نہیں بلکہ امام ابن حزم کے کلام سے ظاہر ہے کہ سلف کے لوگوں نے اس حکم کو عام سمجھا ہے تو پھر اس قسم کی دلیل برعکس ہماری طرف سے آپ پر قائم ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

الف:...... آپ کو تو امام احمد کا ایک کچا سا حوالہ مل گیا ہے جس کو اچھال رہے ہیں یعنی جس میں وہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اختیار دیتے ہیں کہ وضع کیا جائے یا ارسال یہ حوالہ کوئی قابل قبول نہیں امام احمد نے اپنی کسی کتاب میں ذکر نہیں کیا۔

ب:...... جناب یہ اعتراض یکسر ختم ہوگیا جبکہ ہم نے امام موصوف کے فرزند امام صالح بن احمد کی کتاب سے نقل کردیا ہے پس یہ کچا دھاگہ نہیں بلکہ آپ کے لیے "عروۃ وثقی" ہے کہ سلف میں وضع کا عمل تھا

ثانیاً: امام احمد کے قول کو ہم نے وضع بعد الرکوع کے لیے دلیل نہیں بنایا بلکہ دلیل ہماری حدیث ہے ہم نے اس کے بعد ایک شہادت پیش کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلف میں یہ عمل تھا اور اس سے دو بڑے دعوے مخالفین کے ختم ہوگئے۔

اول: یہ کہ یہ دعویٰ غلط ہوا کہ پوری امت کا عمل ارسال پر ہے۔ بلکہ اس سے یہ بات بھی نہیں رہی کہ سلف میں اکثریت کا عمل ارسال پر تھا کیوں کہ کسی سے ایسا عمل یا قول منقول نہیں۔

دوم: یہ دعویٰ بھی غلط ہوا کہ امت کی اکثریت "اذا کان قائما" میں قیام ثانی کو داخل نہیں سمجھتی۔ جب سلف میں یہ عمل ہے تو ثابت ہوا کہ خیر القرون میں اس حدیث کو عام سمجھا گیا تھا اور قیام بعد الرکوع کو اس حدیث میں داخل جانتے تھے سوم یہ وہم بھی غلط ہوگیا کہ اکثریت امت کی بعد الرکوع ارسال کرتی ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ بھی ارسال کرتے ہوں گے۔

الف:...... امام احمد سے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس طرح کہے کیوں کہ دونوں عمل میں کوئی ایک سنت ہوگا وضع یا ارسال پھر امام موصوف نے دونوں باتوں کا اختیار کیوں دیا؟

ب:...... جب صریح حوالہ مستند مل گیا تو اب یہ سوال نہیں رہا البتہ یہ ہے کہ امام موصوف کو ایک طرف کی دلیل ذہن میں نہیں آئی اور انہوں نے سلف میں دونوں طرف عمل دیکھا اس لیے دونوں کی اجازت دے دی۔ لیکن یہ نہیں کہ آپ کے بعد کسی اور کے ذہن میں یہ بات نہ آئے یا دلیل سمجھ میں نہ آئے کم ترک الاول والآخر دیکھئے مسح علی الخفین کا مسئلہ جو انتہائی شہرت کا حامل ہے حتیٰ کہ موطا مالک اور بخاری وغیرہ میں حدیث مذکور ہے۔ ابن ماجہ ص ۲۲۷ میں ایک مسئلہ ہے باب الانتعال قائما اس میں دو حدیثیں ہیں۔ ایک ابو ہریرہ اور دوسری ابن عمر رضی اللہ عنہم سے دونوں حدیثوں کے الفاظ یہ ہیں کہ "نهى رسول الله ﷺ ان ينتعل الرجل قائما" اب مصنف بہاولپوری محترم انصاف سے بتائیں کہ اس حدیث پر عمل کہاں چلا گیا حدیث صحیح ہے صریح ہے پھر آپ کا تعامل کہاں گیا؟ کیا یہی کہو گے کہ امت نے سنت نبوی کو ترک کردیا گیا چودہ صدیوں تک کسی نے اس سنت کے ترک پر کوئی اعتراض نہیں اٹھایا اس طرح صرف تعامل کے پیچھے گئے تو کئی احادیث کو خیر باد کرنا پڑے گا خود امام احمد اپنی مسند میں کئی حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔ جن کے خلاف اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا عمل ہے۔ مثلاً فجر کی سنت کے بعد دائیں پہلو لیٹنا اس کے متعلق تین صحابہ عائشہ، ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمر وبن العاص رضی اللہ عنہم کی حدیثیں مذکور ہیں لیکن اس کے باوجود اس کو سنت نہیں مانتے (المغنی لابن قدامة ص ۷٦۷/ ج ۱) اور فرماتے ہیں کہ ما افعله انا (طرح التثریب شرح التقریب ص ۵۴/ ج ۳) یعنی میں تو یہ کام نہیں کرتا نیز مسند میں رفع الیدین فی السجود کی بھی حدیثیں ہیں لیکن امام صاحب اس کے قائل نہیں۔ جیسا کہ ان کے شاگرد امام ابو داؤد سجستانی صاحب السنن نے اپنی کتاب مسائل الامام احمد ص ۱۴ میں ذکر کیا ہے۔

الغرض اس قسم کی بحث لایعنی ہے کسی کے عمل کرنے یا ترک کرنے سے کوئی اثر نہیں ہوگا۔ جبکہ حدیث صریح موجود ہے کہ نماز میں ہر کھڑے ہونے کی حالت میں وضع کرنا ہے لہٰذا اب یا تو کوئی صحیح اور صریح حدیث دکھاؤ جسمیں رکوع کے بعد ہاتھ کھولنے کا حکم ہو ورنہ باندھ لو یہی اتباع کا طریقہ ہے اور امام احمد کا اختیار دینا اس مسئلے کے سلف میں مختلف فیہ ہونے کی دلیل ہے اور نہ ہماری دلیل ہے ہمارا اس سے استدلال صرف یہ ہے کہ سلف میں دونوں عمل تھے اور امام موصوف کا قاعدہ ابن قیم نے اعلام الموقعین کی ابتداء میں بیان کر دیا ہے کہ جس مسئلہ کی بابت کوئی نص معلوم نہیں ہوتی اور سلف میں دونوں عمل پائے جاتے ہوں تو دونوں باتوں کا اختیار دیتے۔

الف:...... حقیقت یہ ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا صدیوں تک کوئی نام ونشان نہیں ملتا رسول اللہ ﷺ کے چار پانچ سو سال بعد جا کر کسی نے یہ قیاس لڑایا جس سے یہ فتنہ کھڑا ہوا ہے۔

ب:...... یہ حقیقت ہے یا فضیحت خدا را کسی معتبر کتاب سے صحیح سند کے ساتھ کسی ایک صحابی یا تابعی سے بالصراحت بعد الرکوع ارسال ثابت تو کریں خواہ مخواہ آؤٹ نہ ہو جائیں چار پانچ صدیوں کا نام تو لے لیا مگر پانچ صدیوں میں سے کسی ایک صدی میں کسی ایک صحابی یا تابعی یا مجتہدین معروفین میں سے کسی ایک سے حوالہ نقل کرو بر خلاف اسکے ہم نے امام ابن حزم سے نقل کیا کہ پہلی صدیوں میں اس پر عمل رہا ہے اور افسوس کی بات ہے کہ حدیث کے الفاظ پیش کرنے والوں کو آؤٹ سمجھا مگر بلا ثبوت کوئی ارسال کا دعویٰ کرلے اور یہ کہے کہ پانچ صدیوں میں کوئی وضع نہیں کرتا تھا ایسی عبارات سے زیادہ آؤٹ ہونا کیا ہوگا۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو کوئی چرچا نہیں ہوتا

الف:...... تعامل امت خود نشان ہے ساری امت رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑتی ہے۔

ب:...... یہی آؤٹ ہونے کی مثال ہے۔ کہیں کہتے ہیں کہ امت کی اکثریت اور کبھی کہتے ہیں کہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساری امت خبردار ساری امت کا عمل نہیں بلکہ ہر زمانہ میں ہاتھ باندھتے آئے ہیں اور یہ ہاتھ باندھنے کا عمل دفعتاً ختم نہیں ہوا بلکہ بتدریج جیسے قیام بعد الرکوع میں طول کم ہونے لگا تو آہستہ آہستہ وضع کا عمل بھی کم ہونے لگا اور سلف اگرچہ ترک عمل پر تنبیہ وانکار فرماتے تھے مگر بعض پر ان سے تنبیہ منقول ہیں جیسا کہ کھڑے ہو کر جوتے پہننے کا مسئلہ ذکر ہوا اور اس کے ترک پر کسی سے انکار منقول نہیں۔

الف:...... کئی مسائل پر اعتراض ہوا تکبیر انتقالات میں لوگوں نے سستی کی تو خبردار کرنے والوں نے ثکلتك امك کہہ کر خبردار کیا صدقہ فطر میں اختلاف ہوا عید کا خطبہ عید کی نماز سے پہلے شروع ہوا یا عید گاہ میں منبر بنا تو کسی نہ کسی صحابی نے اس کے خلاف ضرور آواز اٹھائی کسی نے بیٹھ کر خطبہ دیا تو اس کو انظروا الیٰ هذا الخبيث کہہ کر ٹوک دیا کسی نے خطبہ دیتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھائے تو اس کو قبح الله اهاتين اليدين کہہ کر روک دیا سوال یہ ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے ترک پر کیوں کوئی نہیں بولا۔

ب:...... جناب اثبت العرش ثم انقش پہلے اپنے مطالبے کے مطابق کسی معتبر کتاب سے یہ ثابت کریں کہ قرون اولیٰ میں ارسال کرتے تھے اس کے بعد ایسا سوال کریں صرف اپنے زمانہ کی اکثریت کو دیکھ کر اس کو سلف کا متفق عمل نہ کہیں یہ بے پر کی اڑان ہے۔

ثانیاً: آپ نے وہ مسائل کیوں ذکر نہیں کیے جو باوجود صریح ثبوت کے متروک ہو چکے ہیں مثلاً یہ حدیث نهى رسول الله ﷺ ان ينتعل الرجل قائما (ابن ماجہ) یہ صریح منع ہے جو بیٹھ کر جوتے پہننے کو مستلزم ہے سنت کیسے غائب ہوئی اور کبھی اس کے خلاف آواز نہیں اٹھی اب یا تو اس حدیث کو رد کریں۔ یا جس تعامل کا نام لیتے ہیں ان کو کوئی چیز نہ سمجھیں ایسی اور بھی مثالیں ہیں۔ ایضاً ارسال کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس قیام میں سنت کے مطابق زیادہ ٹھہرنے پر عمل کم ہونے لگا" اس پر ام المؤمنین عائشہ ؓ سے اعتراض منقول ہے جیسا کہ بحوالہ ابن ماجہ روایت گذری اور اسی طرح بتدریج وضع پر عمل کم ہونے لگا۔

الف:...... یہ بتائیں کہ اگر وضع سنت ہے تو اس کو مردہ کس نے کیا؟ صحابہ نے تابعین نے یا تبع تابعین نے۔

ب:...... صحابہ یا تابعین نے ترک نہیں کیا بلکہ جس سے منقول ہے تو وضع ہی منقول ہے نہ ارسال اب آپ کے ذمہ ہے کہ بتائیں فلاں صحابی یا تابعی نے بعد رکوع ارسال کیا ہے بلکہ تبع تابعین کے بعد صرف ابن القاسم مالکی کا قول منقول ہے چنانچہ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین ص ۲۸۲/۸۳/ ج ۲ میں نماز میں ہاتھ باندھنے کے بابت احادیث وآثار نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "فروت هذا الآثار برواية ابن القاسم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عن مالك قال تركه احب الى الغرض" سب سے پہلے ارسال کے بابت بھی ایک قول ملتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی نام نشان نہیں ہے۔

ثانیاً: آپ خود ارسال بعد الرکوع کے سنت ہونے کے مدعی ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ کسی صحابی یا تابعی سے ارسال ثابت ہے؟ اگر ہے تو پیش کریں لیکن ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ کسی ایک صحابی سے یا تابعی سے ارسال بعد الرکوع ثابت نہیں پس آپ کی اس مزعومہ سنت کا تو انتہائی برا حشر ہوا کہ کسی نے اس پر عمل نہیں کیا اور بعد الرکوع وضع پر تو ہر زمانہ میں عمل منقول ہے۔ لیکن جوتے کے مسئلہ پر کسی سے ثابت نہیں کہ اس نے حدیث نهىٰ ان ينتعل الرجل قائما پر قولاً یا فعلاً عمل کیا ہو پس یہ باتیں اور حیلے بیکار ہیں بلکہ حدیث ہی سے ارسال بعد الرکوع ثابت کر کے حدیث اذا كان قائما فى الصلوٰة قبض بيمينه على شماله" کو قیام قبل الرکوع کے ساتھ خاص کریں اور یہ بات اب ظاہر اور ہر ایک پر واضح ہو چکی ہے کہ ایسی تاویلیں یا بلا دلائل ایسی طویل باتیں کار آمد نہیں ہو سکتی ہیں۔

الف:...... امت کا جو عمل ہے اس کے لیے کہنا حق بجانب ہوگا کہ یہی رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے۔

ب:...... جو عام لوگ کھڑے ہو کر جوتے پہنتے ہیں تو کیا یہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ تھا اور حدیث صحیح کو صرف اس بنا پر جھٹلائیں گے؟

ثانیاً:۔ پہلے سلف سے ارسال بعد الرکوع ثابت کریں پھر یہ دعویٰ کریں ہمیں تو سلف سے ارسال کا نام نظر ہی نہیں آتا بلکہ مطلقاً وضع کا ذکر ملتا ہے پس وہی طریقہ بقول شمار رسول اللہ ﷺ کا ہوا۔

الف:...... ہمارے تواتر کی صورت یہ ہے کہ نبی ﷺ نماز میں رکوع کے بعد ہاتھ نہیں باندھتے تھے بلکہ ہاتھوں کو کھلا چھوڑتے تھے اور آپ کو دیکھ کر "صلوا كما رأيتموني أصلي" کے تحت صحابہ بھی رکوع کے بعد ہاتھ کھلے چھوڑتے تھے اور پھر صحابہ کو دیکھ کر تابعین بھی ہاتھ کھلے چھوڑتے تھے حتیٰ کہ دیکھا دیکھی سلسلہ ہم تک پہنچا اور اس لیے آج بھی امت رکوع کے بعد ہاتھ کھلے چھوڑتی ہے۔

ب:...... جناب ہم اس طرح کی سند کا مطالبہ کرتے ہیں کہ صحابہ سے پہلے ارسال بعد الرکوع کو ثابت کرو پھر تابعین سے ثابت کرو اس طرح سلسلہ دیکھنے کا منقول ہو یا تابعین صحابہ سے ارسال بعد الرکوع نقل کریں اور تابعین سے تبع تابعین ارسال کرنا نقل کریں اسی طرح سلسلہ ہم تک پہنچے کیونکہ تواتر کے لیے ضروری ہے کہ یا مشاہدہ کا ثبوت ہو یا خلف کا سلف سے سماع ثابت ہو۔ جیسا کہ کتب مصطلح میں مذکور ہے لیکن قیامت آجائے گی ایسا مطلوب ثبوت پیش نہیں کر سکتے آپ کی گھوڑ دوڑ اپنے زمانے تک ہے جو عام لوگوں کو ارسال بعد الرکوع کرتے دیکھ کر کہتے ہو کہ انہوں نے اپنے سے پہلے والوں کو ارسال کرتے دیکھا ہوگا۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے اپنے سے پہلوں کو دیکھا ہوگا۔ اس طرح سلسلہ صحابہ تک پہنچاتے ہیں اگر آپ کو ہمت ہے تو مشاہدہ یا سماع کا سلسلہ ثابت کرو باقی یہ مظنون اور موہوم سلسلہ کسی کام کا نہیں ہے۔

ثانیاً: صحیح حدیث میں قبروں پر لکھنے کی منع آئی ہے امام حاکم المستدرک ص ۳۷۰/ج ۱ میں اس کی متعلق حدیثیں لاکر فرماتے ہیں "هذه الاسانيد صحيحة وليس العمل عليها فان ائمة المسلمين من الشرق الى الغرب مكتوب على قبورهم وهو عمل اخذبه الخلف عن السلف" اب بہاولپوری مصنف محترم بتائیں کہ یہ عمل کیسے بدلا باوجود کہ حدیث صریح ہے اور حاکم تواتر ثابت کر رہے ہیں اور امام ذھبی تلخیص المستدرک میں اس مقام پر امام حاکم کا یوں تعاقب کرتے ہیں "قلب ماقلت طائلا ولا نعلم صحابيا فعل ذلك وانما هو شئ احدثه بعض التابعين فمن بعدهم ولم يبلغهم النهى" اس عبارت سے دو باتیں واضح ہوئیں

اولاً: صرف اس عمل سے صحابہ کرام تک سلسلہ پہنچانا صحیح نہیں اس کے لیے صحابہ سے ثبوت ضروری ہے۔

ثانیاً: اس طرح تواتر حدیث کے خلاف بھی ہو سکتا ہے لہٰذا اس کو دلیل بنانا عام کو خاص کرنا درست نہیں۔

الف:...... آپ ہاتھ باندھنے والے تعامل امت کو دیکھتے نہیں جو حضور کے عمل کا عکس ہے۔

ب:...... جناب کس کو دیکھیں اجماع تو ہرگز نہیں ہے اور آپ کا عکس اس وقت بن سکتا ہے جبکہ ہر خلف اپنے سلف سے مشاہدہ یا قول نقل کرلے اور سند صحیح اور متصل ہو اور اس کے بغیر موہوم تعامل کو رسول اللہ ﷺ کے عمل کا عکس کہنا آپ کی طرف بلاثبوت نسبت ہے جو ایک قسم کا وضع الحدیث ہے۔

الف:...... جو الفاظ حدیث سے استدلال کرتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ نماز کا تعلق جتنا پریکٹیکل سے ہے اتنا حدیث کے الفاظ سے نہیں۔

ب:...... الفضل ماشهدبه الاعداء یہ گواہی ہمارے لیے کافی ہے کہ ہمارا استدلال الفاظ حدیث سے ہے جو کہ قطعی اور یقینی ہیں اور اس کی اتباع کے ہم مامور ہیں لیکن آپ جس کا نام تعامل امت دے رہے ہیں۔ وہ موہوم غیر یقینی ہے صرف ظن اور گمان پر اس کی بنیاد ہے کہ اتنے لوگ ارسال کرتے ہیں تو یہی عمل مسلسل آنے والا ہوگا ہم اس وہم کی اتباع کے مامور نہیں نیز الفاظ حدیث الحمد للہ تبدیل وتغیر سے محفوظ نہیں اللہ تعالی خود ان کا محافظ ہے لیکن آپ کا تعامل بدلتا رہتا ہے جس کی چند مثالیں گذریں اب انصاف کریں کہ امن کا کون سا راستہ ہے۔

ثانیاً: پریکٹیکل کاموں میں خطا واقع ہو سکتی ہے لہٰذا اس کے لیے ضوابط ہوتے ہیں جنکی معرفت پریکٹیکل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل کی درستی کی جاتی ہے یہ ایسی مسلم بات ہے جس کا انکار محض عناد ہے کیونکہ قانون اصل ہوتا ہے اور عمل فرع ہوتا ہے لہٰذا حدیث ہی اصل مرجع ہے بلکہ ہمارے پریکٹیکل کاموں پر مہیمن اور محافظ ہے

ثالثاً: یہی مذہبی فرقوں کا کہنا ہے اور ہر ایک فریق یہ دعویٰ کرتا ہے جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں بڑوں کو اسی طرح پڑھتے دیکھا انہوں نے اپنے بڑوں کو دیکھا انہوں نے اپنے بڑوں کو لہٰذا یہ سلسلہ شروع سے چلا آتا ہے۔ اگر نماز کا طریقہ صرف تعامل سے ہے تو پھر نماز کے کئی طریقے ہو جائیں گے۔

رابعاً: بلکہ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر حدیث مقصود نہ ہوتی تو کیا صرف رسالہ ''اہل حدیث کی نماز غیر اہل حدیث کے پیچھے'' ص۱۰ پر فرماتے ہیں اگر احادیث نہ ہوں تو دین اسلام محفوظ نہ رہے نبی کی سنت کا پتہ نہ لگے اگر سنت کا پتہ نہ لگے تو نبی کی اتباع نہ ہو اگر نبی کی اتباع نہ ہو تو ہم مسلمان نہ ہوسکیں گے الخ، پس یہی ہم کہتے ہیں کہ اگر الفاظ حدیث کے نہ ہوتے تو سنت کا پتہ نہ لگتا صرف تعامل پر بھروسہ نہیں ہوسکتا

خامسا: ''آپ نے یہاں منکرین حدیث کے اعتراض کا سہارا لیا ہے چنانچہ غلام جیلانی برق کا رسالا ''دو اسلام'' ہے ص۱۲۱ میں لکھتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو لاکھوں مسلمانوں نے نماز پڑھتے دیکھا انہیں کروڑوں نے اور یہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا۔ کیا ان ارب کھرب انسانوں کی شہادت کافی نہیں؟ کیا دیہاتی مسلمان صحیح بخاری سے نماز کا طریقہ سیکھا کرتے ہیں۔ جس طریقہ سے ہمارے آباء و اجداد نماز ادا کرتے رہے ہم نے سلسلہ جاری رکھا اب ہماری نقل اتار رہے ہیں یہاں صحیح بخاری کی ضرورت کہاں پیش آتی ہے۔ الخ'' آپ بھی ایک طرف دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اہل حدیث ہیں اور دوسری طرف حدیث کی حیثیت کو گرا رہے ہیں سچ ہے کہ ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' برا ہو تعصب کا کہ اپنی بات کو بچانے کے لیے حدیث پر ہاتھ صاف کر دیئے بلکہ باوجود اہل حدیث کہلانے کے منکرین حدیث کا لبادہ اوڑھ لیا۔

الف:...... نماز کا عمل حدیث سے پہلے ہے لوگوں نے نماز حدیث سے نہیں بلکہ اہل حدیث سے سیکھی ہے نماز لوگوں نے اپنے اسلاف سے سیکھی ہے جیسے ان کو دیکھا ویسے پڑھی۔

ب:...... یہ نیا قاعدہ نکالا ہے جب صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا یا اور عمل دیکھے یا جو کچھ سنا وہی تو حدیث ہے گویا کہ نماز حدیث ہی سے سیکھی ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کی جماعت میں نبوی نماز کی کیفیت بیان کی اور سب نے تصدیق کی کیا یہ حدیث نہیں بلکہ اہل حدیث تو حدیث کو مان کر اس کو اپنا معمول بناتے ہیں۔

ثانیاً:: آپ کہتے ہیں کہ نماز لوگوں نے اہل حدیثوں سے سیکھی اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں نے ان سے حدیث سن کر سیکھی یا صرف ان کے عمل کو دیکھ کر سیکھی پہلی صورت میں تو آپ کا سوال غلط ہوا اور ثابت ہوا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ لوگوں نے نماز حدیث ہی سے سیکھی ہے دوسری صورت میں تو یہ تقلید ہوئی حالانکہ خیر القرون کے زمانہ میں تو تقلید نہیں تھی خود مصنف بہاولپوری محترم اپنے رسالہ اصلی اہل سنت ص ۸ میں ایسی تصریح کر چکے ہیں۔

ثالثاً: بلکہ دیکھا گیا ہے کہ سلف میں لوگ صرف اہل حدیثوں کے عمل سے نماز نہیں سیکھتے تھے بلکہ کئی بار ان سے حدیث پوچھتے تھے مثلاً بیہقی ص ۷۳/ ج ۲ میں رفع الیدین کی روایت اس طرح ہے "اخبرنا ابو عبداللّٰہ الحافظ ثنا ابو عبداللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ الصفار الزاهد اصلاء من اصل كتابه قال ابو اسماعيل محمد بن اسماعيل السلمى صليت ابى النعمان محمد بن الفضل فرفع يديه حين افتتح الصلاة وحين ركع وحين رفع رأسه من الركوع فسألته عن ذلك فقال صليت خلف حماد بن زيد فرفع يديه حين افتتح الصلوٰة وحين ركع وحين رفع رأسه من الركوع فسألته عن ذلك فقال صليت خلف ايوب السختيانى فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع فسألته فقال رأيت عطاء بن ابى رباح يرفع يديه اذا افتتح الصلوٰة واذا ركع واذارفع رأسه من الركوع فسألته فقال صليت خلف عبدللّٰه بن الزبير فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة واذا ركع و اذا رفع رأسه من الركوع فسألته فقال عبداللّٰه بن الزبير صليت خلف ابى بكر الصديق ﷺ فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلوٰة واذا رفع رأسه من الركوع وقال ابو بكر صيلت خلف رسول اللّٰه عليه وسلم فكان يرفع يديه اذا افتتح الصلاة واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع رواته ثقات :اب قارئین کرام غور فرمائیں ایک ایک راوی اپنے استاد سے ثبوت مانگ رہا ہے اور حدیث ہی پر اطمینان کیا۔ نہ کہ اس کے عمل پر اور صرف لوگوں سے نماز نہیں سیکھی نیز مشکوٰۃ ص ۷۷ میں بحوالہ بخاری عکرمہ سے روایت ہے کہ "صليت خلف شيخ بمكة فكبر ثنتين و عشرين تكبيرة فقلت لابن عباس انه احمق فقال ثكلتك امك سنة ابى القاسم ﷺ" اب انصاف کریں کہ عکرمہ نے اس کے عمل کو کافی نہ سمجھا اور اسی نماز میں ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ لیکن ان کے سکوت کو بھی کافی نہیں سمجھا بلکہ اس فعل کو احمقانہ حرکت سے تعبیر کیا لیکن ایسی اور کئی مثالیں ہیں۔

رابعاء یہاں تو مصنف بہاولپوری محترم کہتے ہیں کہ حدیث سے نماز نہیں سیکھی جاتی لیکن خود اپنے رسالہ اصلی اہلسنت ص ۵ پر لکھتے ہیں کہ حدیث کے بغیر سنت کا کوئی پتہ نہیں لگ سکتا اور ص ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ سنت رسول ﷺ بغیر حدیث رسول مل ہی نہیں سکتی اور ص ۴۴ پر فرماتے ہیں جو سنت حدیث سے ثابت ہوگی۔ اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر عمل کریں گے۔

اب قارئین کرام ان حوالہ جات پر غور فرمائیں کہ جس محل کو بڑے طمطراق سے بنایا تھا خود بری طرح اس کو گرا رہے ہیں۔ جب حدیث کے سوا سنت معلوم کرنے کی اور کوئی صورت نہیں تو پھر آپ کو ارسال بعد الرکوع بھی حدیث سے ثابت کرنا چاہیے صرف اکثریت کا سہارا لینا کافی نہیں۔ حالانکہ خود رسالہ اصلی اہل سنت ص ۲۵ پر مصنف بہاولپوری صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت ﴿وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون﴾ بتاتی ہے کہ اکثریت دنیا میں ایسے لوگوں کی ہے جو اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ مقلد ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اکثریت دنیا میں ان کی ہے غیر مقلدین تو آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ مقلدین اور غیر مقلدین میں مابہ الامتیاز تقلید ہی ہے اور اکثر لوگ تقلید ہی کرتے ہیں۔ ورنہ اقل قلیل لوگ ایسے ہیں جو اس لعنت سے بچے ہیں'' برابر سمجھیں یا اقل قلیل کہیں پھر بھی بقول ان کے وہ اہل حق ہوئے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں
زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

ایضاً: صحیح اور صریح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سجدہ میں اپنی ایڑیوں کو ملاتے تھے جیسے صحیح ابن خزیمہ صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم اور بیہقی میں مروی ہے اور اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے التلخیص الحبیر ص ۱۵۶/ ج ۱ میں بھی ذکر کیا ہے اور امام ابن خزیمہ اور امام بیہقی نے تو اس مسئلہ کے لیے باب بھی منعقد کیا ہے مگر بایں ہمہ اس پر عمل کرنے والے اقل قلیل یا آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ اب مصنف بہاولپوری محترم یا تو فرمائیں کہ یہ حدیث مردود ہے۔ کیونکہ تعامل کے خلاف ہے یا پھر تسلیم کریں کہ تعامل حدیث کے خلاف بھی ہوسکتا ہے پھر وہ کیسے قابل استدلال یا استناد رہے؟

من نہ گویم این مکن آن کن
مصلحت بیں وکار آسان کن

ایضا: صف میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹخنوں کے ملانے کا حکم ہے مگر دوسرے تو کیا خود اہل حدیثوں میں شاذ و نادر ایسے رہے ہیں جو پاؤں کو قبلہ کی طرف سیدھا کر کے ایک دوسرے کے ساتھ ٹخنوں کو ملاتے ہیں صرف پاؤں کی انگلیاں ملاتے ہیں اور پاؤں ٹیڑھے رہتے ہیں۔ اب اس تعامل کو کیا کہیں گے بلکہ اکثر اہل حدیثوں میں دیکھا گیا ہے کہ قیام کی حالت میں صرف پاؤں کی انگلیاں ملاتے ہیں اور پاؤں ٹیڑھے ہوتے ہیں اور جب رکوع میں جاتے ہیں تو پاؤں سیدھے کر کے ٹخنے ملاتے ہیں۔ اب مصنف بہاولپوری محترم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتائیں کہ اس تعامل کی بناء پر جس حدیث میں ٹخنوں کے ملانے کا حکم ہے کیا یہی مراد لی جائے گی کہ صرف رکوع میں ٹخنے ملائیں اور قیام میں نہیں اگر یہ مراد نہیں اور یقیناً نہیں تو صرف اکثریت کا عمل دیکھ کر یہ کہنا کہ حدیث "اذا کان قائما سے قبل الرکوع قیام مراد ہے بعد الرکوع نہیں کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟

الغرض یہ سب کچھ تغافل کا نتیجہ ہے۔

الف:...... جہاں حدیث سے استدلال کا سوال پیدا ہوگا جیسا کہ آپ نے اذا کان قائما سے استدلال کرنا شروع کیا ہے اس وقت امت کی نماز کو دیکھا جائے گا

ب:...... اولاً یہی استدلال منکرین حدیث کا ہے جس کو آپ اپنی دلیل سمجھ رہے ہیں۔ جب کوئی حدیث صحیح ہو تو وہ نہ کسی کے عمل کی محتاج ہے نہ کسی کے ترک عمل سے اس پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے اور ہر مذہب والے یہی کہتے ہیں کہ حدیث کا مطلب وہی صحیح ہے جو ہمارے اسلاف نے سمجھا ہے خدارا آپ اہل حدیثوں کو اس مرض میں مبتلا نہ کریں اسلاف صرف تعامل کو نہیں دیکھتے تھے۔ بلکہ حدیث کو دیکھتے یا سنتے اور اس کو قبول کرتے تھے سنئے امام ابن ابی حاتم الرازی تقدمة الجرح والتعدیل ص ۳۸ اور امام بیہقی السنن الکبریٰ ص ۷۶/ ج ۱ میں امام عبداللہ بن وہب سے روایت لاتے ہیں کہ "سمعت مالکا سئل عن تخلیل اصابع الرجلین فی الوضوء فقال لیس ذلك علی الناس قال فترکته حتی خف الناس فقلت له عندنا فی ذلك سنة فقال وماهی قلت حدثنا اللیث بن سعد وابن لهیعة وعمرو بن الحارث عن یزید بن عمرو المعافری عن ابی عبدالرحمن البجلی عن المستورد بن شداد القرشی قال رأیت رسول اللہ ﷺ یدلك بخنصره مابین اصابع رجلیه فقال ان هذا الحدیث حسن وما سمعت به قط الا الساعة ثم سمعته بعد ذلك لیسئل فامر بتخلیل الاصابع۔

اب ناظرین: غور فرمائیں کہ امام مالک نے یہ حدیث پہلے نہیں سنی تھی اور اس پر عمل بھی نہیں دیکھا تھا ورنہ ایسی بات نہ کہتے حالانکہ مدینہ کے عمل کا سب سے زیادہ وہ واقف اور عالم تھا اور اس کو ترجیح دیتے تھے جس سے ظاہر ہے کہ اہل مدینہ کو بھی عمل کرتے نہیں دیکھا تھا یا یاد نہیں رہا تھا۔ پھر بھی حدیث سنتے ہی رجوع کر لیا اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو ایسی توفیق بخشے بلکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ ایسا تغافل شروع ہی سے ہونے لگا تھا۔ جس کو جناب والا تعامل سمجھ رہے ہیں۔

نقطہ شناس نہ ئی دلبر خطا این جا ست

حدیث کے الفاظ جن بھی مسائل کو شامل ہوں گے تو اس کے لیے حدیث عام رہے گی۔ بلا دلیل کسی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مسئلہ کو خارج کرنا حدیث کے قوانین (یعنی اس کے اتباع کے حق) کو مارنا اور تلف کرنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں حدیث ہی سے خاص کریں صرف تعامل کا نام لیکر اس کے حق کو نیست ونابود کرنا آپ کے بس کی بات نہیں ہے جب تک صحیح اور صریح حدیث سے ثابت نہ کریں کہ قیام بعد الرکوع میں ہاتھوں کو باندھنے کے علاوہ کوئی اور حکم ہے تب تک اس سے قیام ثانی خارج نہیں ہوسکتا۔

راستے پار اترنے کے ابھی بند نہیں
نا خدا تو میری قسمت کا خداوند نہیں

ثالثاً: یہ آپ کا ہم پر بہتان ہے کہ ہم نے اس حدیث "اذا کان قائمافی الصلوٰۃ قبض بیمینه علی شماله" سے استدلال شروع کیا ہے حالانکہ ہم سے پہلے لوگ اس سے استدلال کر چکے ہیں۔ مثلاً علامہ عبدالحق بہاولپوری مہاجر مکی شیخ عبدالعزیز بن باز اور دیگر علماء نجد اور شیخ تقی الدین الھلالی المغربی تلمیذ علامہ عبدالرحمن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی سب اس سے استدلال کر چکے ہیں۔

بلکہ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین کے تلمیذ رشید علامہ قاضی ابو اسماعیل یوسف حسین خانپوری ہزاروی مرحوم المتوفی ص۱۳۵۲ھ نے رسالہ بنام "اتمام الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع" تصنیف فرمایا۔ جس کو کئی بڑے علماء نے تحسین کی نگاہ سے دیکھا جب علامہ محمد رمضان پشاوری کو یہ رسالہ پڑھ کر سنایا گیا تو کہنے لگے کہ اس میں شک نہیں کہ یوسف حسین مجتہد ہے۔ نیز آپ کی اس تصنیف اتمام الخشوع کے متعلق بعض احباب نے مولانا محمد بشیر سھسوانی مرحوم سے کہا کہ اس کتاب کا جواب لکھنا ضروری ہے تو آپ نے فرمایا اس کا جواب لکھنا کوئی حلوہ تھوڑا ہی ہے گویا کہ اس کے مدلل ہونے کا اس طرح اعتراف کیا (تذکرہ علمائے خان پور مصنفہ علامہ قاضی محمد عبداللہ مرحوم خان پوری ۲۴-۲۲۳ اور خود علامہ خانپوری اتمام الخشوع (عربی) کے شروع میں فرماتے ہیں "قد جری البحث فی بعض بلاد الھند فی الارسال والوضع بعد الرکوع ایھما اولی فتشبعت منه ثلاث طوائف فاکثرھم یختارون الارسال وبعضھم یری انه کما یرفع یدیه بعد الرکوع فلایز ال کذلك رافعھما الی ان یسجد وطائفة یختاران یأخذالرجل شماله بیمینه فی الصلوٰۃ قبل الرکوع اوبعده الی آخر ما قال ثابت ہوا کہ اس زمانہ میں بھی رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والی جماعت تھی نیز علامہ سید بن سعد الدین الغباشی رسالہ ھدی خیر الانام فی وضع الیمنی علی الیسری فی القیام میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اس پر کافی بحث کرتے ہیں اسی طرح عرب ممالک میں کئی ایسے علماء ملے جو بعد الرکوع ہاتھ باندھتے تھے۔ جب ان سے دلیل پوچھی تو سب سے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلے اسی حدیث کو ذکر کیا اس کے علاوہ امت کا عمل مختلف بن چکا ہے اور صریح حدیثوں کے خلاف عمل ہونے لگا ہے اس صورت میں معاملہ برعکس ہوگا۔ یعنی امت کے عمل کے درست ہونے کے لیے حدیث ہی کو دیکھا جائے گا۔ کیونکہ حدیث امت کے لیے معیار ہے نہ کہ امت کا عمل حدیث کے لیے معیار ہو۔

الف:...... اس حدیث کے الفاظ کا وہی مطلب لیا جائے گا۔ جس کی تصدیق امت کا عمل کرے گا۔ امت کے عمل کو بطور دلیل پیش کرنا تمہارے قیاس سے بہتر ہے۔

ب:...... کون سا قیاس؟ کس پر قیاس؟ یہاں تو عام سے استدلال ہے۔

جو کہ سب کے ہاں مسلم ہے اس کی تخصیص کی ضرورت ہے جو معدوم ہے امت کے عمل سے آپ کی مراد اجماع نہیں بلکہ اکثریت ہے اور خود قبول کر چکے ہیں پس اکثریت سے عام کو خاص کرنا صحیح نہیں یہ تخصیص کا قانون فقہاء نے نہیں لکھا ایضاً فقہاء کے نزدیک دلیل کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اگر اس عام دلیل کی تخصیص کے مدعی ہو تو اسکے لیے بھی اسی چیز سے استدلال کریں جو فی نفسہ دلیل ہو۔ بلکہ جب حدیث صحیح ہو جائے تو دوسری چیز سے مستغنی کر دیتی ہے۔

(فتح الباری) کسی کے عمل کرنے یا نہ کرنے کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

الف:...... حدیث کے الفاظ بعد میں اور رسول اللہ ﷺ عمل پہلے ہے۔

ب:...... رسول اللہ ﷺ کا قول وعمل ہی حدیث ہے۔ آپ کا عمل حدیث کے بغیر کیسے ثابت ہوگا؟ جیسا کہ آپ کے رسالہ اصلی اہل سنت سے بھی عبارت ذکر کی گئیں۔

الف:...... صحابہ حضور کو دیکھ کر نماز پڑھتے تھے حدیث کے الفاظ سے استدلال کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے۔

ب:...... اولاً خود صحابہ کا دیکھنا ہی حدیث ہے اور اس کی روایت کرتے تھے۔

ثانیاً: کئی صحابہ کا عمل مثلاً وائل حجر، مالک بن حویرث، ابو ہریرہ وغیرہ لوگوں کو نماز پڑھ کر دکھاتے تھے اور ساتھ کہتے تھے کہ اس طرح رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تھے۔ یہی حدیث ہے جب تک وہ حدیث بیان نہ کرے تو اس کا عمل حجت نہیں ہوتا۔

ثالثاً: رسول اللہ ﷺ نے مالک بن حویرث کے وفد کو حکم دیا کہ جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو اسی طرح پڑھو اور تمہارے پچھلے لوگوں کو سکھاؤ اسی طرح حدیث کا سلسلہ آپ بھی ثابت کریں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ذکر کیا نہ کہ صدیوں کے بعد اکثریت کا عمل دیکھ کر فیصلہ کرنا کہ یہی عمل اس وقت بھی تھا اندھیرے میں تیر مارنا ہے۔ "یقذفون بالغیب من مکان بعید حافظ ابن حجر فتح الباری ص۱۸۶/ ج۱ (سلفیہ)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب التناؤب فی العلم میں ایک حدیث کے تحت فرماتے ہیں "وفیہ ان الشرط التواتر ان یکون مستندا فقلتہ الامر المحسوس لا الاشاعۃ التی لایدری متی بدأبھا الخ" پس یہ آپ کا موہوم دلیل ہے جس کی ابتداء معلوم نہیں نیز آپ جو کچھ اپنے دلیل اور تعامل کی ترتیب بیان فرماتے ہیں، کوئی قطعی نہیں صرف عقلی احتمال ہے اور ان احتمالات سے اس پر حکم چلانا صحیح نہیں۔

الف:...... نماز کے سلسلہ میں حدیث سے استدلال کرنے کا طریقہ بعد میں شروع ہوا۔

ب:...... یہی منکرین حدیث کا قول ہے۔ جناب اعلیٰ کیا صحابہ کے زمانہ میں نماز حدیث سے نہیں سیکھی جاتی تھی؟ دس صحابہ کرام کے اجتماع والی حدیث پر غور فرمائیں۔ نیز خود رسول اللہ ﷺ پر جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے بمع جماعت اس پر عمل کیا تو ایک شخص نے جا کر دوسری مسجد والوں کو خبر سنائی تو نماز ہی میں قبلہ رخ ہو گئے (بخاری ص ۵۷/ ج ۱) اب ایمان سے کہیں کہ ان لوگوں نے حدیث کے الفاظ سے نماز سیکھی یا نہیں؟

خدارا اپنے مسلک کی خاطر حدیث پر اس طرح چھری نہ پھیریں۔

الف:...... حدیث سے نماز سیکھنے کے وقت سے اختلافات پیدا ہوئے ہیں۔

لوگ اگر حضور کے عمل کو دیکھتے جو تعامل کی صورت میں چلا آ رہا تھا تو یہ فتنہ کبھی کھڑا نہ ہوتا۔

ب:...... محدثین کی ساری محنت کو رائیگاں بنا دیا عمر مرداں چنیں کنند منکرین حدیث آپ کی بڑی قدر کریں گے لیکن اہل حدیث کو آپ نے سخت صدمہ پہنچایا گویا کہ علم حدیث ہی فتنے کی بنیاد ہے۔

ثانیاً: تعامل بھی کیسے سمجھا جائے کہ چلا آتا ہے۔ جبکہ صرف نماز کے کئی مسائل میں بڑا اختلاف ہے ہر ایک یہی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ ہمارا عمل بڑوں سے چلا آ رہا ہے۔ اب اس کا فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے سوائے اس کے کوئی اور صورت نہیں ہے کہ حدیث کی طرف رجوع کیا جائے اور احادیث کے الفاظ دیکھ کر نماز کا صحیح طریقہ معلوم کیا جائے

ثالثاً: آپ کو برصغیر میں یہی اکثر عمل نظر آ رہا ہے۔ غیر ممالک میں جا کر دیکھیں کہ کئی لوگ ہاتھ باندھتے رہتے ہیں۔ آپ کے فیصلہ نے تو لوگوں کو حدیث سے مستغنی کر دیا کیا ضرورت پڑھنے یا لکھنے کی صرف جس کو جو مذہب ملا وہ اپنے بزرگوں کو دیکھ کر نماز سیکھتا رہے۔ یعنی مقلد ہی مقلد لیکن آپ نے اپنے اہل حدیثوں کو بھی تقلید کے گڑھے میں دھکیل دیا کہ حدیث دیکھیں نہ پڑھیں صرف علماء اہل حدیث کہلانے والوں کو دیکھیں اب سوال یہ ہے کہ کیسے پہچانیں گے کہ یہ اہل حدیث ہے جبکہ حدیث سے نماز ہی نہیں سیکھی جائے بلکہ حدیث کے موافق عمل دیکھ کر ان کو پہچانا جاتا ہے کہ یہ اہل حدیث ہے۔ اس لیے اصل حدیث

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی نہ افراد اہل حدیث ایضا کیا اہل حدیث جو ہر زمانہ میں ہوئے ہیں۔ کیا ان سے غلطی نہیں ہو سکتی ؟ ضرور ہو سکتی ہے اور اس کی اصلاح و درستی حدیث سے ہی ہو سکتی ہے اختلاف کے وقت تو یہ حکم نہیں ہے کہ تعامل کے طرف رجوع کرو اور تعامل یا اکثریت کو دیکھو بلکہ یہ حکم ہے کہ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَ الرَّسُولِ﴾ (النساء) پس تعامل کوئی حیثیت نہیں رکھتا جب تک حدیث سے اس کی تائید نہ ہو۔ پس حدیث کو دیکھنا اور اسی سے نماز دیگر مسائل سیکھنا یہ فتنہ کی جڑ کو ختم کرتا ہے نہ کہ قول شما خود فتنہ ہے۔

الف:...... اس لیے ہر زمانہ کا عمل خاص کر اہل حدیث کا کیونکہ ان کے پیش نظر اتباع نبوی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور یہ زیادہ معتبر ہے تمہارے قیاس سے۔

ب:...... الحمد للہ مان لیا کہ ہر زمانہ کا عمل اب آپ کا فرض ہے کہ معتبر کتابوں سے اور اسانید صحیح ہوں جیسا کہ آپ نے خود شرط لگائی ہے۔ صحابہ سے لے کر اب تک ہر زمانہ میں صرف اکثریت کا عمل ارسال ثابت کریں اگر نہیں کر سکتے اور یقیناً نہیں کر سکتے تو اپنے قاعدے کی غلطی مان لیں یہی اہل حق کا طریقہ ہے۔

ثانیاً جب اہل حدیث کے پیش نظر اتباع نبوی ﷺ ہے تو آپ کا یہ سلسلہ ختم ہوا کہ سلف کو خلف دیکھ کر عمل کرتا چلا آیا ہے۔ کیونکہ ان کو اتباع کا طریقہ حدیث ہی سے معلوم ہوا جیسا کہ آپ نے رسالہ اصلی اہل سنت میں تسلیم کیا ہے تو پھر ثابت ہوا کہ انہوں نے نماز حدیث سے سیکھی

ثالثاً: ہم نے کوئی قیام نہیں کیا جبکہ عموم سے احتجاج ہے لیکن قیاس بھی بعض فقہاء کے نزدیک حجت ہے کیونکہ ان کے ہاں چار دلائل ہیں۔ لیکن آپ کا موہوم تعامل کسی کے ہاں حجت نہیں۔

رابعاً:۔ امام احمد نے جب دونوں کا اختیار دیا ہے تو اس سے دو اہم باتیں ظاہر ہوئیں اول یہ کہ وضع پر بھی اس وقت کئی لوگ عامل تھے تبھی تو سوال ہوا اور دوم یہ کہ کئی علماء ہاتھ باندھنے کو اس میں داخل سمجھتے تھے اور آپ کی ساری کوشش ختم ہوئی۔

الف:...... امام احمد کا حوالہ مشکوک ہے۔

ب:...... جناب ہم نے باسند ان کے بیٹے سے ذکر کر دیا اب کوئی شبہ نہیں رہا نیز فقہ حنبلی کی کتابوں میں مسئلہ درج ہے اور اب تک کئی حنابلہ اس پر عامل ہیں۔

لہٰذا اب یہ سوال بالکل باطل ہو گیا اور جو اس پر بنا رکھی گئی تھی وہ بھی منہدم ہو گئی۔

الف:...... لیکن امام احمد کے زمانہ میں اس مسئلہ پر اختلاف ہوتا تو ہر کوئی اپنا اپنا استدلال پیش کرتا اور تمہاری طرح رسائل لکھتا۔

ب:...... جناب اگر اختلاف نہ ہوتا یعنی دونوں عمل موجود نہ ہوتے تو آپ کا فرزند امام صالح آپ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کیوں ایسا سوال کرتا؟

ثانیاً۔ اس زمانہ کی طرح وہ لوگ خواہ مخواہ ہر بات پر جھگڑا نہیں کرتے تھے۔ نہ رسائل لکھتے تھے۔ اس وقت چونکہ برصغیر میں بزرگوں کی طرف سے اعتراضات ہو رہے ہیں۔ لہٰذا مجبور ہو کر ہمیں جواب دینا پڑتا ہے اور اس مسئلہ میں ہمارے اکثر مسائل سب جوابی طور پر لکھے گئے ہیں۔

ثالثاً: یہ بھی آپ کا فرمان "رجما بالغیب" ہے کہ کسی نے اس مسئلہ پر نہیں لکھا کیا آپ مسلمانوں کی سب تصنیفات دیکھ چکے ہیں۔ یا ان پر اطلاع پا چکے ہیں؟ ہرگز نہیں! تو پھر یہ سوال ہی غلط ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے لکھا بھی ہو اور یہ بات بعید نہیں اور عدم العلم لیس علما بالعدم کیونکہ کئی رسائل پر مسائل ہم سے غائب ہوگئے ہیں۔

الف:...... اگر اختلاف ہوتا تو محدثین ضرور بضرور اس کی تائید میں رسالے لکھتے اور نہیں تو اپنی تصنیفات میں اس کا ذکر کرتے۔

ب:...... یہ بھی ہمارا مبلغ علم ہے ورنہ کیا خبر کہ کسی نے لکھا بھی ہو سب رسائل کا علم ہم کو نہیں ہے۔ البتہ علماء محدثین میں سے کسی نے ارسال بعد الرکوع کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ سب یہ بتاتے ہیں کہ ہاتھ باندھنے چاہئیں اور پھر رکوع، سجدہ، جلسہ کے لیے ہاتھوں کی حالت جدا جتلاتے۔ باقی قیام بعد الرکوع کے لیے کوئی جدا حالت ذکر نہیں اور دونوں قیاموں کی ہیئت میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔

ثانیاً:۔ خود قبل الرکوع ہاتھ باندھنے میں بھی سلف میں اختلاف تھا۔ مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۱/ج۱ میں مغیرہ اور ابراہیم نخعی اور سعید بن مسیب سے ارسال کے بابت آثار مروی ہیں اور اس کیے بابت مالکیہ کا مذہب تو مشہور ہے پس قبل الرکوع بھی دو قول موجود تھے۔ اب آپ بتائیں کہ آپ کی نظر میں اس مسئلہ کے بابت یعنی وضع یا ارسال کی تائید یا تردید میں سلف سے کسی کا رسالہ تصنیف شدہ ہے۔ کوئی دیکھا ہے یا سنا ہے اور جن محدثین نے اپنی کتابوں میں باب رکھے ہیں تو وہ مطلق اور عام ہیں۔

کسی نے بعد الرکوع کے قیام کو خاص نہیں کیا۔ جب آپ کے علم میں کوئی ایسا رسالہ نہیں تو ایسی بات کیوں کرتے ہو۔ دراصل ہم ان رسائل کے بابت بالکلیہ انکار نہیں کر سکتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا علم ہے لہٰذا ایسی باتوں میں دخل نہ دیں۔

الف:...... امام بخاری نے رفع یدین اور قرأۃ فاتحہ خلف الامام پر رسالے لکھ دیئے یہ کوئی رفع یدین سے کم اہم مسئلہ تو نہ تھا اس پر بھی ضرور کوئی نہ کوئی ضرور لکھتا۔

ب:...... جناب قبل الرکوع تو وضع آپ بھی ضروری جانتے ہیں اور اس کے خلاف مالکیہ کا مذہب مشہور

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اب آپ بتائیں سلف میں سے کسی نے اس مسئلہ میں یعنی وضع قبل الرکوع کی تائید میں کسی نے کوئی رسالہ لکھا ہے؟"فما ھو جوابکم فھو جوابنا"

ثانیاً: یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی نے بعد الرکوع وضع کے بابت کوئی رسالہ لکھا ہی نہ ہو۔مسلمانوں کی سب تصنیفات کی معرفت کسی کو نہیں تو پھر ایسا دعویٰ کرنے کی زحمت نہ کریں۔

الف:...... امام احمد کے رسالہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنے زمانہ میں ایک سو مساجد میں نمازیں پڑھیں کسی مسجد میں بھی طریقہ نبوی کے مطابق نماز ادا نہیں کی جاتی تھی۔امام احمد نے رسالہ مذکورہ میں لوگوں کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ان کی اصلاح فرمائی اب پیر صاحب ہی خدالگی بات کریں کہ ان غلطیوں میں کیا ارسال کی غلطی بھی تھی؟اگر تھی تو کیا امام احمد نے اس کی بھی اصلاح فرمائی؟اگر اصلاح فرمائی ہو تو اس کا ثبوت دیں اگر نہیں فرمائی تو کیوں؟ کیا امام احمد کے نزدیک غلطی نہ تھی؟اگر غلطی نہ تھی تو ظاہر ہے کہ پھر وہ اس کو سنت سمجھتے ہوں گے تبھی انہوں نے اصلاح نہیں فرمائی۔

ب:...... نہ معلوم مصنف بہاولپوری محترم اس تقریر لکھتے وقت کس خیال میں تھے

اولاً: جب ثابت ہوا کہ امام احمد بعد الرکوع وضع وارسال دونوں کے قائل ہیں تو پھر اعتراض کس پر کریں اور کس کو روکیں یا اس کی غلطی کی نشاندہی کریں چاہے کوئی باندھے چاہے کھولے کسی پر اعتراض کرنے یا غلطی نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ جب ہو کہ امام موصوف وضع وارسال دونوں میں سے کسی ایک کے قائل ہوتے تو پھر یہ بھی فرض کیا جائے کہ آپ نے وہاں بعض لوگوں کو اپنی تحقیق کے خلاف عمل کرتے ہوئے دیکھا۔مگر یہ دونوں صرف مفروضے ہی ہیں۔کوئی حدیث نہیں لہٰذا یہ سوال غلط ہوا وھو الثانی۔

وثالثاً یہاں سب غلطیوں کا ذکر نہیں لہٰذا یہ انکار کرنا کہ فلاں یا فلاں غلطی پر کوئی اعتراض نہیں کیا صحیح نہیں ہے۔

رابعاً: جس تعامل کو آپ آسمانی صحیفہ سمجھ رہے ہیں۔وہ ھباء منثورا ہو گیا۔کیونکہ امام احمد کے زمانہ میں یعنی تیسری صدی ہی میں کوتاہیاں اور تبدیلیاں ہونے لگیں تو پھر آپ کا یہ مسلسل تعامل کس بھوت کا نام ہے۔

خامساً: یہ غلطیاں اسی وجہ سے ہوئیں کہ لوگوں نے صرف لوگوں کے عمل کو دیکھنے پر اکتفاء کیا اور حدیثوں کی طرف رجوع کرنا کم ہو گیا۔اگر ہر مسئلہ میں حدیث کی طرف رجوع کرتے تو اتنی غلطیاں کبھی نہ ہوتیں۔ امام احمد نے بھی ان کو حدیثیں سنا کر اصلاح فرمائی جس سے ثابت ہوا کہ حدیث اصل ہے جس سے نماز سیکھی اور درست کی جاتی ہے۔صرف لوگوں کا تعامل کافی نہیں کیونکہ صرف تعامل میں ایسی تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ بلکہ بعض مسائل کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں

الغرض یہ بات موضوع سے باہر ہے کیونکہ امام موصوف دونوں وضع وارسال (بعد الرکوع) کے قائل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھے لہٰذا کسی باندھنے والے یا ارسال کرنے والے پر نہ اعتراض کیا نہ غلطی نکالی۔

الف:...... ایک ہی عمل سنت ہے نہ دو عمل یہ بات امام احمد بھی جانتے تھے پھر یہ کہنا کہ جس کی مرضی وضع کرے یا ارسال کیا یہ اصلاح ہے یا فساد۔

ب:...... احادیث میں کئی مسائل دو طرح کے آتے ہیں۔ مثلاً رفع الیدین کندھوں تک یا کانوں تک دونوں طرح حدیثوں میں آیا ہے۔ اسی طرح وتر کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک رکعت۔ تین۔ پانچ۔ سات نو یا اس سے زیادہ یہ سب سنت ہیں۔ رکوع سجدہ میں مختلف ادعیہ وارد ہیں سب سنت ہیں لیکن یہاں امام احمد کے اصول وقواعد کی بحث ہے جیسا کہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ذکر کیا ہے پس جب انہوں نے دونوں کو جائز سمجھا تو اس کے نزدیک کوئی عمل سنت کے خلاف نہیں ہوا۔ پس کسی پر اعتراض کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی اور آپ کی ساری تقریر بے معنی ہوئی کیونکہ آپ کی یہ تقریر اس کو مستلزم ہے کہ امام احمد دونوں کا قائل نہیں اور اسی پر آپ کی ساری تقریر کا مدار ہے اور جب وہ باطل ہو گیا کیونکہ حوالہ موصوف سے ثابت ہو گیا تو پھر آپ کی تقریر بھی ختم "اذا بطل الالزام بطل الملزوم۔

الف:...... کیا امام احمد سے یہ امید کی جاتی ہے کہ سنت رسول میں کہے اس پر عمل کرو یا نہ کرو تو پھر پہلے قیام میں بھی کیوں ایسی چھٹی نہیں دی۔

ب:...... جناب سچ ہے کہ

وکم من عائب قولا صحیحا
وآفتہ من الفہم السقیم"

جب امام موصوف کا اصول معلوم ہوا کہ جو مسئلہ صحابہ میں مختلف نظر آتا اور ان کی نظر میں کسی کی ترجیح معلوم نہیں ہو سکتی تو اختیار دیتے تھے۔ یہ بھی کہنا صحیح نہیں کہ اس کو ترجیح کی دلیل نہیں ملی آپ کو کیسے مل گئی۔ کیونکہ یہ اہل حدیث کے اصول کے مطابق غلط ہے یہ کوئی قاعدہ نہیں کہ جس حدیث سے کسی امام نے کوئی مسئلہ استدلال کر کے نہ نکالا ہو تو بعد میں آنے والے کسی کو یہ اختیار نہیں بشرطیکہ قواعد عربیہ اور اسلامی عقائد کے خلاف نہ ہو۔ مثلاً حدیث نھی عن السدل سے عام طرح شراح سدل الثیاب مراد لیتے ہیں یعنی کپڑوں کا لٹکانا لیکن آٹھویں صدی ہجری میں حافظ عراقی نے اسی حدیث سے سدل الشعر (بالوں کے لٹکانے) کی منع پر بھی استدلال کیا ہے۔ دیکھو اس کی شرح ترمذی (نسخہ مصورہ ورق ۶۹) میں ذکر فرماتے ہیں اور امام شوکانی نیل الاوطار ص ۸۰/ج ۲ میں اس استدلال کی تائید کرتے ہیں اور یہ قول مشہور ہے کہ کم ترک للآخر امام موصوف کی تحقیق کے مطابق بعد الرکوع دونوں وضع وارسال صحیح تھے اس سے ہم صرف یہی اخذ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں کہ وضع بعد الرکوع کوئی نیا عمل نہیں۔

یا کوئی اس کا قائل نہ ہو اور ارسال کے متعلق جس اجماع کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ جو کہ مصنف بہاولپوری محترم کو بھاتا نہیں۔ ع نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔

ایضاً: یہ کہنا کہ قیام اوّل میں کیوں ایسی چھٹی نہیں دی صحیح نہیں ہے کیونکہ ہر ایک اپنی تحقیق کے مطابق فتویٰ دیتا ہے ہم نے اپنے مسلک کے لیے امام صاحب کے قول سے استدلال نہیں کیا ہم نے صرف اس دعویٰ کو توڑنے کے لیے اس کا قول پیش کیا ہے کہ جو کہا جاتا ہے کہ سلف میں اس کا کوئی ثبوت نہیں بحمداللہ ہمارا مسئلہ حدیث سے ثابت ہے "ایضاً سنن ترمذی ص ۱۹۲/ ج ۱ باب ماجاء فی قتل الاساری والفراء" میں ہے "قال اسحاق بن منصور قلت لاحمد اذا اسر الا سیر یقتل او یفاری احب الیك قال ان قدر دا ان یفادو فلیس به بأس وان قتل فما اعلم به بأساً الخ" اب دیکھئے امام صاحب نے دونوں باتوں کا اختیار دے دیا پس یہ کہنا کہ امام صاحب کیسے کہہ سکتے ہیں کہ دونوں عمل صحیح ہیں۔ لہٰذا ان کا کسی مسئلہ میں اختیار دینا انکی اپنی تحقیق کے لحاظ سے ہے۔ صرف اسی بناء پر اس حوالہ کو مشکوک کہنا علیت نہیں ہے اور ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔

الف:...... جب پہلے قیام میں چھٹی نہیں دی اور دوسرے میں چھٹی دی تو ثابت ہوا کہ پہلے قیام میں ہاتھ باندھنا سنت ہے اور دوسرے میں نہیں۔

ب:...... اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں لیکن ہمیں یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ امام احمد کے نزدیک رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا بھی سنت کے خلاف نہیں ہے ورنہ اس کی اجازت نہ دیتے۔ بلکہ آپ کا تعامل بھی ختم ہوا جس کا آپ کو دعویٰ ہے کہ صدیوں تک اس کا ثبوت نہیں اس طرح ہوتا تو امام موصوف اس کی ہرگز اجازت نہیں دیتے۔

الف:...... یہ بھی ثابت ہوا کہ امام موصوف کے نزدیک دونوں قیاموں میں فرق ہے

ب:...... حدیث میں تو یہ فرق نظر نہیں آتا لہٰذا ہم پر یہ سوال جب وارد ہوسکتا ہے کہ ہمارا استدلال صرف امام موصوف کے قول سے ہو۔ بلکہ اس قول سے صرف آپ کی دعویٰ کو توڑنا مقصود تھا کہ صدیوں تک اس پر کوئی عامل نہیں۔

ثانیاً: جب امام موصوف نے بعد الرکوع دونوں وضع خواہ ارسال کی اجازت دی ہے تو ہمیشہ وضع کرتے رہنے والا بھی امام موصوف کے نزدیک حق پر ہے ناحق پر نہیں پس ایسی صورت میں دونوں قیاموں میں فرق نہیں رہا بلکہ جو دونوں میں فرق نہیں کرتا۔ وہ امام موصوف کی تحقیق کے خلاف نہیں ہے اور وہ غلط بھی نہیں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوسکتا کیونکہ غلط اس وقت ہوسکتا ہے جبکہ صرف امام موصوف یا کسی امتی کے قول یا فعل سے استدلال ہو۔

الف:...... اس اصول سے تو یہ ثابت ہوا کہ حدیث "ورأیته ممسکا بیمینه علی شماله" سے آپ کا استدلال ٹھیک نہیں خود امام صاحب جن کی کتاب کی یہ حدیث ہے وہ ہاتھ باندھنے کو سنت نہیں سمجھتے۔

ب:...... جناب اگر وضع بعد الرکوع امام موصوف کے نزدیک حدیث کے خلاف ہوتا تو ہرگز اجازت نہیں دیتے لہٰذا یہ آپ کا استدلال غلط ہے۔

ثانیاً:۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جس حدیث سے کسی امام نے استدلال نہ کیا ہو تو کسی دوسرے کو بھی حق نہیں پہلے یہ قاعدہ مقرر کریں تو پھر کئی مسائل سامنے آجائیں گے کتنی روایتیں مسند احمد میں ہیں مگر امام موصوف سے اس کے خلاف قولاً یا فعلاً ثابت ہے اس کی کچھ مثالیں پہلے گزر چکی ہیں اور سنیئے خود مسند احمد ص ۲۲۵/ ج ۵ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ سینے پر ہاتھ باندھتے تھے "علی صدره" کا لفظ ہے۔ جیسا کہ مصنف بہاولپوری محترم نے اس رسالہ ص ۲۸ پر ذکر کیا ہے حالانکہ امام ابوداود سجستانی صاحب السنن اپنی کتاب مسائل الامام احمد ص ۳۱ پر فرماتے ہیں کہ "قلت لاحمد وضع اليمين على الشمال فى الصلوٰة يختاره قال نعم وقال سمعته سئل عن وضعه فقال فوق السرة قليلا وان كانت تحت السرة فلابأس قال وسمعته يقول يكره ان يكون يعنى وضع اليدين على الصدر" الخ اب بتائیں کہ اس حدیث کے خلاف امام موصوف نے کیوں فتویٰ دیا؟ ایسے اور بھی مسائل مل سکتے ہیں۔ لہٰذا ہم کسی امتی کے قول سے کسی مسئلہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں سمجھتے بلکہ ہم نے آپکے دعویٰ کو رد کیا ہے کہ کوئی قائل نہیں۔ ایضاً اس حدیث سے ہم نے پہلے استدلال نہیں کیا بلکہ ہم سے پہلے علماء نے استدلال کیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابو اسماعیل یوسف حسین ہزاروی خانپوری نے رسالہ اتمام الخشوع ص ۱۸-۱۹ پر ذکر کیا ہے۔

الف:...... اور حدیث میں راوی نے تینوں رفع یدین کا ذکر کر کے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا ذکر کیا جس سے آپ نے نتیجہ نکالا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں قیاموں میں ہاتھ باندھے۔

ب:...... اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے مصنف بہاولپوری محترم کے قلم سے یہ الفاظ نکلوا دیئے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا ذکر کیا۔

اب قارئین کرام انصاف کریں کہ اس کا اور کیا نتیجہ ہوگا ثانیاً وائل رضی اللہ عنہ نے مختلف افراد سے مختلف الفاظ کے ساتھ حدیث روایت کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے مختلف اوقات پر بیان کی ہے۔ ہر ایک کا کوئی نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں فائدہ ذکر کیا کہ بعد الرکوع بھی وضع تھا اور بعد الرکوع ذکر کرنے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یہی حکمت ہے۔

کویت کے ایک عالم شیخ ابو ایوب نے مجھے خط لکھا اور بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ مجھے بعد الرکوع ہاتھ باندھنے کے لیے بالکل صریح روایت مل گئی ہے اور یہی روایت بحوالہ مسند احمد لکھی پھر میں نے اس کو اپنے رسالہ زیادۃ الخشوع عربی کا حوالہ دیا کہ یہ حدیث اس میں مذکور ہے۔

الف:...... اس کا نتیجہ نکالنے کے لیے آپ کے پاس سوائے اس کے دوسری دلیل نہیں کہ داؤ ترتیب کے لیے ہوتی ہے۔ بلکہ یہ مؤقف غلط ہے۔

ب:...... ہم نے اس مسئلہ کو بار بار اپنے رسائل الدلیل التام، الاعلام وغیرھما میں بیان کر دیا ہے اور علماء عربیہ کے اقوال ذکر کیے ہیں۔ لہٰذا اس مؤقف کو غلط کہنا خود غلط ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ ہو جو ترتیب کے معنی لینے کو مانع ہو تو اور بات ہے یہ مسئلہ بیان ہو چکا ہے بلکہ ہم نے اپنے رسائل میں ثابت کر دیا ہے کہ جہاں واؤ ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی وہاں کوئی نہ کوئی قرینہ مانع ہوتا ہے۔

ثانیاً: صرف اس پر ہمارا استدلال نہیں ہے بلکہ اس میں بھی لفظ فی الصلوۃ ہے اور ساری نماز کو شامل ہے جس سے صرف رکوع، سجدہ اور جلسہ مستثنیٰ ہیں جن کے لیے حدیث میں ہاتھوں کے بابت خاص حکم وارد ہے آپ بھی قیام بعد الرکوع کے لیے رسول اللہ ﷺ سے ہاتھوں کا کوئی دوسرا حکم ثابت کر کے پھر استثناء کریں لہٰذا یہ کہنا کہ ہمارا استدلال صرف اس پر ہے کہ واوترتیب کے لے ہے صحیح نہ ہوا

ثالثاً: صرف ترتیب کے لیے ہوتا ہے تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اس حدیث میں صرف بعد الرکوع کا ذکر ہے مگر دونوں قیاموں کے ذکر ہونے سے سمجھتے ہیں یہ حکم دونوں قیاموں کو شامل ہے

"ببیں فرق از کجاست تا بکجا"

الف:...... جیسے آپ نے یہاں حکمت بیان کی ہے۔ اسی طرح اس پر حدیث کی بھی حکمت بیان کریں جو کہ مسند احمد ص ۲۲۶/ج ۵ میں ہے "عن قبیصة بن هلب عن ابیه قال رأیت رسول الله ﷺ ینصرف عن یمینه وعن یساره ورأیته یضع یده علی صدره" اس میں واوترتیب کے لیے ہے تو پھر سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ باندھنے میں کیا حکمت ہے۔

ب:...... یہاں تو ظاہر قرینہ ہے کہ سلام کے بعد نماز ہی نہیں رہی بلکہ ختم ہوگئی اور انسان نماز میں نہ رہا اور ہاتھ نماز میں باندھے جاتے ہیں لہٰذا یہاں ترتیب نہیں بلکہ یہ اعتراض مبنی علی العجلۃ ہے اور حدیث ورأیتہ ممکا کے لیے کوئی قرینہ پیش کریں ورنہ یہاں ترتیب کو کوئی مانع نہیں۔ اس لیے تو آپ نے بھی وہی الفاظ لکھے ہیں۔ اسی معنی کو چاہتے ہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الف:...... جب حدیث میں آ گیا کہ نبی ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ باندھے تو اب موقع یا نہ موقعہ کی کیا بات ہے۔

ب:...... جناب اگر یہی الفاظ حدیث میں ہوتے تو آپ کا یہ اعتراض بن سکتا تھا مگر افسوس آپ کی یہ امید پوری نہیں ہوئی۔ کیونکہ صرف اسی بنا پر ہے کہ ''ہر حالت میں واو ترتیب کے لیے ہو'' مگر یہاں پر چونکہ قرینہ مانع ہے کہ احکام نماز بیان ہو رہے ہیں اور نماز ختم ہونے کے بعد احکام نماز کا کوئی سوال ہی نہیں رہتا وھو الثانی۔

ثالثاً: آپ کا اعتراض جب قابل التفات ہو کہ ہم نے یہ کہا ہو کہ ہر حالت میں واو ترتیب کے لیے ہے ہم نے ایسا نہیں کہا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ قاعدہ مشروط ہے اس سے کہ کوئی قرینہ ترتیب سے مانع نہ ہو ''فاذا فات الشرط فات المشروط۔

رابعاً: آپ کی مرکزی دلیل یہ ہے کہ تعامل امت اور نماز حدیث کے الفاظ سے نہیں بلکہ اہل حدیث کے عمل سے سیکھی جاتی ہے یہاں فیصلہ کن قانون نہیں ہوگا کیونکہ ثابت کریں کہ امت میں کسی نے نماز سے سلام پھیر کر خارج ہونے کے بعد سینہ پر ہاتھ باندھا ہے؟ ہرگز ایسا ثابت نہیں کر سکتے تو یہ خود قرینہ ہے کہ یہاں واو ترتیب کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ جہاں کوئی قرینہ مانع نہ ہو وہاں بھی انکار کرنا مکابرہ ہے بلکہ دونوں استدلالوں میں فرق ہے۔

الف:...... یہی غلطی حنفی کرتے ہیں جو مسلم کی حدیث ''اذا قرء فانصتوا۔ واذا قرء غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین'' سے امام کے پیچھے الحمد شریف نہ پڑھنے پر استدلال کرتے ہیں۔ اسی غلطی کا جواب اہل حق یہی دیتے ہیں کہ واو ترتیب کے لیے نہیں ہے دار قطنی کی روایت میں فانصتوا بعد میں ہے اور الحمد شریف کی قراۃ کا ذکر پہلے ہے۔

ب:...... اولاً یہ حدیث بالکل صحیح نہیں امام نووی شرح مسلم ص ۱۷۵/ ج ۱ میں فرماتے ہیں ''واعلم ان ھذہ الزیادۃ وھی اذا قرء فانصتوا مما اختلف الحفاظ فی صحتہ فروی البیھقی فی سنن الکبری عن ابی داؤد السجستانی ان ھذا اللفظۃ لیست بمحفوظۃ وکذلك رواہ عن یحیٰی بن معین وابی حاتم الرازی والدارقطنی والحافظ ابی علی النیسا بوری شیخ الحاکم ابی عبداللہ قال البیھقی قال ابو علی الحافظ ھذہ اللفظۃ غیر محفوظۃ قدخالف السلیمان التیمی فیھا اصحاب قتادۃ فاجتماع ھٰؤلاءِ علی تضعیفھا مقدم علی تصحیح مسلم لا سیما لم یروبھا مسندۃ فی صحیحہ الخ'' نیز امام بخاری نے جزء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القراءۃ میں اس کو غیر صحیح قرار دیا ہے۔ نیز امام حاکم اور بیہقی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی) امام ابن خزیمہ نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے اور دارقطنی کی روایت کی سند میں محمد بن یونس کدیمی ہے۔ اس کو تقریب میں کذاب کہا گیا ہے۔ نیز ابو داؤد نے بھی اس کو کذاب کہا ہے اور دارقطنی نے کہا ہے کہ "کان یتھم بوضع الحدیث" ابن حبان کہتا ہے کہ "کان یضع الحدیث لعلہ قد وضع علی الثقات اکثر من الف حدیث وقال ابن عدی قد اتھم بالوضع وروی الروایۃ عمن لم یرھم ترک عامۃ مشائخنا الروایۃ عنہ" (التھذیب) پس ایسی جھوٹی روایت پر اپنے قاعدہ کی بناء رکھنا یا اس کے لیے استدلال کرنا علماء کی شان سے بعید ہے۔

ثانیاً: اگر دونوں کی صحت تسلیم کریں تو بھی مسلم کی روایت میں ہے کہ اذا قرء فانصتوا اور دارقطنی کی روایت میں ہے "واذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فانصتوا یہاں کوئی تقدم تاخر" نہیں بلکہ دارقطنی کی روایت مسلم کی روایت کی تفسیر ہیں یعنی جب امام سورۃ فاتحہ پڑھ کر پوری کرلے تو چپ ہو جاؤ اس سے قبل انصات کا حکم نہیں۔

ثالثاً: یہاں تقدیم و تاخیر کا تو کوئی ذکر نہیں۔ ایک روایت میں ''فانصتوا کے بعد آمین کا حکم ہے اور دوسری میں تو آمین کا ذکر ہی نہیں۔ فقط ایک روایت میں دوسری روایت کے لفظ ''اذا قرأ کی تفسیر ہے۔ آپ نے جو تقدم تاخر کا ذکر کیا ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے۔ مصنف بہاولپوری محترم ہم پر غلط حوالہ دینے کا الزام دیتے ہیں۔ اب ناظرین خود ان کا حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

مجھے الزام دیتے تھے قصور ان کا نکل آیا

بلکہ صحیح حدیث میں تو ہماری دلیل ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے قصہ حج میں جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ "ثم خرج من الباب الی الصفا فلما ولی من الصفا قرأ ان الصفاو المروۃ من شعائر اللہ ابدأ بما بدء اللہ بہ فبدء بالصفا فرقی علیہ الحدیث" (صحیح مسلم ص ۳۹۰/ ج ۱) امام نووی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ "ان فی ھذا القطعۃ انواع من المناسك منھا ان السعی یشترط فیہ ان یبدأ من الصفا وبہ قال الشافعی ومالك والجمھور الخ" اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۵۰۳/ ج ۳ (السلفیہ) میں بھی اس استدلال کو ذکر کیا ہے ثابت ہوا کہ جمہور نے یہاں واؤ کو ترتیب کے لیے سمجھا ہے۔ ایضاً نسائی کی حدیث میں بلفظ امر وارد ہے۔ "ابدؤا بما بدأ اللہ بہ،" گویا کہ آپ ﷺ نے بھی یہاں واؤ کو ترتیب کی معنی میں رکھا ہے تبھی تو فرمایا ہے کہ وہاں سے شروع کرو جہاں سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے یعنی جو ترتیب اللہ نے اپنے کلام مبارک

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں رکھی ہے اسی ترتیب سے عمل کرو۔

الف:...... قرآن مجید میں ایک جگہ "وقولوا حطة وادخلوا الباب سجدا ہے اور دوسری جگہ "وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة ہے حالانکہ واقعہ ایک ہے۔

ب:...... یہاں دونوں طرح آیتوں کا آنا خود قرینہ ہے کہ یہاں واو ترتیب کے لیے نہیں ہے۔ آپ بھی ایسی مثال پیش کریں جہاں کوئی ایسا قرینہ ہو کہ ترتیب ناممکن ہو جائے نیز اس سے یہ فائدہ ہوا کہ دونوں کام صحیح ہیں۔ پہلے حطة کہنا پھر سجدہ کرنا یا اس کے برعکس دونوں جائز ہیں۔

الف:...... اس کی بھی کوئی حکمت بیان کریں۔

ب:...... ایک حکمت تو بیان ہوئی نیز امام فخر الدین رازی اپنی مایہ ناز تفسیر ص۹۳/ج۳ میں ایک عجیب حکمت بیان کرتے ہیں۔ "یحتمل ان یقال ان بعضهم كانوا مذنبين وبعض الآخر ما كانوا مذنبين فالمذنب لابد ان يكون اشتغاله بحط الذنوب مقدمة على الاشتغال بالعبادات لان التوبة عن الذنب مقدمة على الاشتغال بالعبادات المستقبلة لامحالة فلاجرح كان تكليف هؤلاء ان يقولوا اولاً حطة" ثم يدخلوا الباب سجدا واما الذى لايكون مذنبا فالاولى به ان يشتغل اولا بالعبادة ثم يذكر التوبة ثانيا على سبيل هضم النفس وازالة العجب فى فعل تلك العبادة فهؤلاء يجب ان يدخلوا الباب سجدا اولاثم يقولوا حطة ثانيا فلما احتمل كون اولئك المخاطبين منقسمين الى هذين القسمين لاجرم ذكر الله تعالىٰ حكم كل واحد منهمافى سورة اخرى الخ۔

الف:...... اسی حدیث میں تشہد میں انگلی کے اشارہ کا ذکر پہلے ہے اور رانوں پر ہاتھ رکھنا بعد میں ہے حالانکہ ہاتھ رانوں پر پہلے رکھے جاتے ہیں اور اشارہ بعد میں کیا جاتا ہے۔

ب:...... حدیث میں دونوں طرح آیا ہے۔ اسی حدیث میں اشارہ کے ذکر کی تقدیم ہے اور نسائی ص۱۴۸/ج۱ (السلفیہ) میں وضع کا ذکر پہلے ہے پس جس طرح عمل کیا تو صحیح ہے اور دونوں کا ذکر ہونا خود قرینہ ہے کہ واو یہاں ترتیب کے لیے نہیں ہے اور اسی حدیث (رأيته ممسكا بيمينه على شماله) کے لیے بھی کوئی قرینہ ذکر کریں ورنہ یہاں ترتیب کو ماننے سے کوئی چیز مانع نہیں ایضاً مصنف بہاولپوری محترم نے یہ بھی عجیب بات کہی ہے کہ "حالانکہ رانوں پر ہاتھ پہلے رکھے جاتے ہیں اور اشارہ بعد میں کیا جاتا ہے۔

ایسی بات وہی کہہ سکتا ہے جس نے دونوں حدیثیں نہیں دیکھیں ہوں لیکن جس نے دونوں کو دیکھا ہے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دونوں طرح مسنون ہے بلکہ فقہ شافعی کی مشہور کتاب المھذب مصنفہ امام ابو اسحٰق شیرازی المتوفی سنہ ۴۷۶ھ میں ہے "وفی الید الیمنی ثلاثة اقوال احدها لیضعها علی فخذه الیمنی مقبوضة الاصابع الالمجة وهو المشهور اور اگر اس کی بھی حکمت پوچھتے ہو تو اس سے بڑھ کر کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ دونوں عمل حدیث میں مذکور ہیں۔

الف:...... شرح جامی میں ہے "الواؤ للجمع مطلقا لا ترتیب فیها فقوله لا ترتیب فیها بیان لاطلا قها ای لاترتیب فیها بین المعطوف والمعطوف علیه بمعنٰی انه لا یقیم هذا الترتیب منها وجوداً وعدماً" پس صحیح مؤقف" یہی ہے کہ واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہوتی۔

ب:...... یہ قول نحویوں کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے بلکہ اسی شرح جامی ص ۲۵۶ پر اس عبارت کے حاشیے میں ہے "وقال ابن مالك والترتیب اكثر وعكسه قلیل كذا فی المغنی"

ثانیاً: خود علامہ جامی کا قول ہے۔"بمعنی انه لایفهم هذا الترتیب منها وجوداً وعد ماً" جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ جس طرح یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ واو ہوتی ہی ترتیب کے لیے ہے اسی طرح یہ انکار بھی صحیح نہیں کہ واو ترتیب کا فائدہ کبھی نہیں دیتی بس یہی ہمارا مؤقف ہے کہ جب کوئی قرینہ مانع نہیں تو ترتیب کا فائدہ دے سکتی ہے۔

امام النحو ابن ہشام اپنی مایہ ناز کتاب مغنی اللبیب ص ۳۱/ ج ۲ میں فرماتے ہیں "وقول اسیرا فی ان النحویین واللغویین اجمعوا علی انها لا تفید الترتیب مردود بل قال بافادتها فیها قطرب والربعی والفراء والثعلب وابو عمر والزاهد وهشام والشافعی" اور رضی شرح کافیہ ص ۳٦٤/ ج ۲ طبع استنبول میں کسائی اور ابن درستویہ اور بعض فقہاء سے منقول ہے اور ارشاد الفحول ص ۲۷ میں امام اللغة ابو عبید سے منقول ہے۔ بلکہ بقول امام ابن مالک واو اکثر ترتیب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

الف:...... یہی مذہب شوکانی کا ہے کہ واو کے عطف میں نہ ترتیب ضروری ہے نہ ترتیب ممتنع۔

ب:...... اس کا وہی مطلب ہے جو ہم نے لکھا ہے یعنی کہ واو ترتیب کا فائدہ دے سکتی بشرطیہ کہ کوئی مانع نہ ہو ہم نے یہ نہیں کہا کہ خواہ مخواہ ہر وقت واو ترتیب کے لیے ہوتی ہے۔ بلکہ ہمارے رسالہ الدلیل التام ص ۱۲ پر ہے کہ واو ترتیب کا فائدہ دے اس کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا۔"اصل الاصول فی ابواب النحو والاصول" ص ۴۰ میں ہے کہ "سیرافی گوید ایں افادہ ترتیب نکندو ایں صحیح نیست زیر اکہ قطرب وربعی۔ "وفراء وثعلب وابو عمر ونو زاهد هشام والشافعی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

.... کہ افادہ ترتیب کند الخ" اسی طرح الاعلام ص ۱۶/۱۵ پر بھی اپنا موقف ہم ظاہر کر چکے ہیں۔

ثانیاً: امام شوکانی کا مسلک واضح ہے چنانچہ ارشاد الفحول ص ۲۷ پر فرماتے ہیں۔ "کالخلاف فی الواؤھل ھی مطلق الجمع اوللترتیب" گویا کہ بعض اس کو مطلق جمع کے لیے کہتے ہیں اور بعض اس کو ترتیب کے لیے کہتے ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ ترتیب ہی کے لیے ہے۔ بلکہ ہمارا یہ کہنا ہے کہ جب کوئی مانع نہ ہو اس وقت ترتیب کا فائدہ دے سکتی ہے۔ امام شوکانی اس کی تردید نہیں کرتا بلکہ تائید کرتا ہے۔ ص ۲۷ پر فرماتے ہیں۔ "والحاصل انہ لم یات القائلون بافادۃ الواو للترتیب شئ یصح الاستدلال بہ ویستدعی الجواب عنہ" یہ ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ واو ترتیب ہی کے لیے ہے۔ ان کے پاس کوئی قابل ذکر دلیل نہیں کیونکہ اگر یہ ہوتا تو کبھی کوئی قرینہ ترتیب کو مانع نہ ہوتا۔ لیکن جو ترتیب کے بالکل قائل نہیں ان کی دلیل کے جواب میں ص ۲۸ پر فرماتے ہیں کہ "یمکن ان یجاب عن ھذا الاستدلال بانہ امتنع جعل الواو ھنا للترتیب بوجود المانع ولا یستلزم امتناعہ" اس عبارت کا خلاصہ خود مصنف بہاولپوری محترم ص ۳۲ پر یوں بیان فرماتے ہیں۔

"اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں جو ترتیب ممتنع ہے تو وہ مانع کی وجہ سے ہے۔ جہاں یہ مانع نہ ہو وہاں ترتیب ممتنع نہ ہوگی"، بس یہی ہم کہتے ہیں جہاں کوئی مانع نہ ہو وہاں ترتیب کی معنی لینے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ ہم پر غلط الزام ہے کہ ہم کہتے ہیں "واؤ ترتیب کا فائدہ اس وقت نہیں دیتا جب کوئی ایسا قرینہ نہ ہو۔ جو ترتیب کا معنی لینے سے مانع ہو رسالہ بہاولپوری ص ۳۲) ہم یہ نہیں کہتے بلکہ یہ کہ جہاں کوئی مانع نہ ہو۔ وہاں ترتیب کا فائدہ لیا جا سکتا ہے اور جو کہتے ہیں کہ واو قطعاً ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی ان کا قول صحیح نہیں اور اسی طرح ان کا قول بھی صحیح نہیں جو کہتے ہیں کہ واو ہے ہی ترتیب کے لیے ہم صرف یہی کہتے ہیں کہ جہاں کوئی مانع نہ ہو۔ وہاں ترتیب کا فائدہ دے سکتی ہے۔ یہی امام شوکانی نے کہا ہے اور ابن ہشام وغیرہ سب یہی کہتے ہیں۔ مصنف بہاولپوری محترم خواہ مخواہ ہماری عبارت پر برس پڑے۔

ناظرین! یہاں واضح ہے کہ صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے قیام پھر رکوع پھر قیام کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ "ورأیتہ ممسکا شمالہ بیمینہ" اس سے ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ آپ نے دونوں قیاموں میں ہاتھ باندھے تھے یعنی شمول ہے۔

الف:...... آپ نے اس اعتراض کہ امام بخاری سہل بن سعد کی روایت کو صرف پہلے قیام کے لیے لائے ہیں۔ دوسرے قیام کے لیے ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ایک روایت کو متعدد ابواب میں لائے ہیں۔ اس کے جواب میں آپ نے دو سجدوں کی مثال پیش کی ہے کہ امام بخاری نے اس کے لیے ایک ہی باب رکھا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے دوسرے سجدہ کے لیے باب نہیں رکھا حالانکہ دونوں قیاموں میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور دو سجدوں میں کلی مماثلت ہے ایک قیام کی کیفیت بیان کرنے سے دوسرے قیام کی کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ دونوں قیاموں کے احکام مختلف ہیں۔

الف:...... جناب دونوں قیاموں میں صرف یہ فرق ہے کہ پہلے میں قراۃ ہے دوسرے میں دعا اور کون سا اختلاف ہے؟

بس یہی ہماری دلیل ہے کہ امام بخاری نے جو اس قیام ثانی کا جدا حکم تھا۔ یعنی دُعا اس کے لیے باب منعقد کر کے فرق ظاہر کر دیا۔ اگر کیفیت کا کوئی فرق ہوتا یا وضع وارسال کا اختلاف ہوتا تو اس کے لیے الگ باب قائم کرتے یہ ایسا معقول جواب تھا جس کا کوئی محقق انکار نہیں کر سکتا بلکہ چونکہ مشترکہ مسئلہ تھا اس لیے ایک ہی باب پر انحصار کیا۔ مصنف بہاولپوری محترم نے دراصل عجلت سے کام لیا ہے۔ ورنہ ہم نے اجمالی جواب نمبرے میں لکھا ہے کہ دونوں قیاموں کے لیے ہاتھوں کا الگ حکم نہیں تھا۔ اس لیے ایک ہی باب پر اکتفا کیا۔ اگر فرق ہوتا تو اس کے لیے الگ باب رکھتا جیسا کہ پہلے قیام میں قراۃ اور دوسرے میں دُعا ہے۔ لہٰذا دونوں کے الگ باب مقرر فرمائے۔ "فما ادق النظر واحسن الفكر (القنوط والياس لاهل الارسال ص ۵۷)" اور پھر ص ۷۸ پر ہم نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے باب الوضع الیمنی علی الیسری سے قبل دو اور باب رکھے ہیں۔

◆ باب رفع اليدين اذا كبر واذا ركع واذا رفع اور (دوسرا) باب رفع اليدين اذا قام من الركعتين" مصنف کے قول کے مطابق ہاتھ باندھنے کا باب پہلے قیام کے لیے خاص ہے تو پھر رکوع یا اس سے سر اٹھانے یا دو رکعت کے بعد اٹھنے کے وقت رفع یدین کرنا۔ یہ سب کام قیام اول کے بعد میں ہیں۔ لیکن امام صاحب نے رفع الیدین کے مسائل کو یکجا جمع کر دیا اور باندھنے کا مسئلہ بھی یکجا جمع کر دیا پھر جب کھڑا ہوگا تو یہی حکم ہوگا۔

ہمارا رسالہ اٹھا کر غور سے پڑھو۔

الف:...... آپ کی سب سے بڑی دلیل "اذا كان قائما کا عموم ہے۔

ب:...... جناب کیا عموم حجت نہیں آپ کے کئی مسائل عموم سے ماخوذ ہیں۔ اگر آپ کو اعتراض ہے تو تخصیص کی دلیل لائیں ورنہ عموم خود دلیل وحجت ہے یہ مسئلہ مشہور ہے۔

ثانیاً: حدیث اس بارے میں نص ہے کہ نمازی کو بحالت قائم ہاتھ باندھنے ہیں اب ایمان سے کہیے کہ بعد الرکوع کھڑا ہونے والا قائم نہیں کہلائے گا؟ بلکہ نص صریح میں اس کو قائم ہی کہا گیا ہے۔ "ثم يقول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سمع الله لمن حمده حین یرفع صلبه الرکوع ثم یقول وهو قائم ربنا لك الحمد"
(بخاری وغیرہ) اب قارئین انصاف کریں کہ نص صریح میں اس کو قائم کہا گیا ہے اور قائم کی سنت وضع ہے نہ
کہ ارسال اگر ضد اور تعصب نہیں تو مسئلہ بالکل واضح ہے۔

ناظرین: مصنف بہاولپوری محترم ہم پر کافی برسے ہیں۔ حالانکہ واؤ کی بابت جو کچھ موقف تھا ہم نے
ظاہر کر دیا ہے۔ امام شوکانی اور امام ابن ہشام کے کلام کو بھی ذکر کر دیا ہے۔ اور امام ابن ہشام تو کہتا ہے کہ
لوگ اس پر اجماع کا دعویٰ کرتے ہیں کہ واو ترتیب کا فائدہ نہیں دیتی ان کا قول مردود ہے۔ انہوں نے مثال
دی قام زید وعمرو کے بابت فرمایا ہے کہ احتمل الثلاث معانی لیکن اس کے بعد کہتے ہیں کہ "قال ابن
مالك وكونها للجمعية ارجح وللترتيب كثير ولعكسه قليل" اس سے بھی ابن ہشام کا
مذہب معلوم ہوتا ہے۔ ہم پر تو نہ سمجھنے کا الزام ہے۔

بقول "بدم گفتی وخرسقدم جزاك الله نکو گفتی۔ جواب تلخ میز بدلب لعل وشکر خارا"
لیکن خود تو سمجھتے ہیں اور سمجھ کر بھی یہ جملہ ذکر نہیں کیا۔ ورنہ بات ظاہر ہو جاتی پھر ابن ہشام فرماتے ہیں
"ویجوز ان یکون بین معاطفیهما تقارن و تراخم نحوانا رووه الیك وجا علوه من
المرسلین فان الرو بعد القاءه فی الیم۔"

الاسال علی رأس اربعین سنة یہ عبارت بھی بتلاتی ہے کہ واو ترتیب کا فائدہ بھی دے سکتی ہے
اور کسی کی فہم پر اعتراض کرنا آسان ہے مگر صحیح بات کو دبایا نہیں جاسکتا۔

الف:...... ربما کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی کے معنی میں بھی آتا ہے۔

ب:...... ہم نے اپنی طرف سے نہیں کہا۔ یہی علمائے نحو کہتے ہیں۔ امام ابن ہشام المغنی ص۱۱۹/ ج۱
میں فرماتے ہیں کہ "ولیس معناه القلیل دائما فلا فالا کثرین وللکثیر دائما خلافاً لابن
درستویه وجماعة بل ترد لتکثري اولتقلیل قلیل" بس یہی ہم نے کہا تھا اور شرح جامی ص۳۴۱
میں ہے کہ اس کا اصل معنی التقلیل ہے۔

الف:...... امام ابن حزم کے قول کے مطابق فی وقرنه کله کا جو مطلب آپ نے لیا ہے۔ ضروری
نہیں کہ وہی ہو اس کا مطلب اور بھی ہوسکتا ہے۔

ب:...... وہ دوسرا مطلب بھی بیان تو کریں وقوف تو کھڑا ہونے کو کہتے ہیں۔ لسان العرب
ص۳۰۹/ ج۹ میں ہے "الوقوف ضد الجلوس وقفه بالمکان وقفاً وقوفا فهو واقف
والجمع وقف و وقوف ویقال وقفت الدابة تقف وقوفا وقفتها انا وقفا و وقفت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الدابة جعلها تقف" اور ص ۳۶۰/ج ۹ میں ہے۔ "وحکی ابو عمر کلمتهم ثم اوقفت ای سقطت وکل شئ تمسك عنه تقول اوقفت ویقال کان علی امرنا وقف ای اکف" اسی طرح دیگر کتب لغت میں ہے پس یہاں پر کھڑے ہونے کی حالت مراد ہے اور یہاں جن ائمہ کا نام امام ابن حزم نے لیا ہے تو مسئلہ ذکر کرنے کے بعد ذکر کیا ہے۔ پہلے فرماتے ہیں۔ "نستحب ان یضع المصلی یده الیمنی علی کوع یده الیسری فی الصلوة فی وقوفه کله فیها" مطلب صاف ظاہر ہے کہ نمازی کو اپنی نماز کے اندر ہر کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے ہیں اور پھر فرماتے ہیں۔ "روینا فعل ذلك عن ابی مجلز و ابراهیم النخعی وسعید بن جبیر و محمد بن میمون و محمد ابن سیرین وایوب السختیانی وحماد بن سلمة انهم کانوا یفعلون ذلك" اور کلمہ ذلک کا اشارہ کس طرف ہے۔ اللہ کا خوف کریں اسی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے جو بیان کیا ہے اور نیز فرماتے ہیں "وهو قول ابی حنیفة والشافعی و احمد و داؤد" یہاں بھی کلمہ ھو کا وہی مشار الیہ ہے۔ اسی کو فرضی بات کہنا محض ضد نہیں تو اور کیا ہے۔ آپ اپنی تحقیق سے امام ابن حزم کی اس نسبت کو غلط ثابت کریں اور وہ بھی آسان نہیں لیکن اس کو ہمارا مفروضہ کہنا کون سا انصاف ہے۔ آپ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ ان ائمہ میں سے کس کا بھی رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا قطعاً ثابت نہیں (ص ۳۵-۳۶) یہی آپ کا مفروضہ ہو سکتا ہے۔ کہاں ہم لوگوں کا مطالعہ کہاں امام ابن حزم کا مطالعہ؟ ان کا کثیر الاطلاع ہونا مسلّم ہے ان کی تصانیف اس پر صریح دلیل ہیں امام حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ "کان الیه المنتهیٰ فی الذکی وحدة الذهن وسعة العلم بالکتاب والسنة والمذاهب والملل والنحل والعربیة والآداب والمنطق والشعر بالصدق والدیانة و الحشمة والسودد والثروة وکثرة الکتب (ابن حزم مصنفه ابو زهرة ص۶۹) "پس اس کے نقل کے مقابلے میں یہ دلیری صحیح نہیں ہے۔ نیز تذکرۃ الحفاظ ص ۱۱۵۴-۱۱۵۳/ج ۳ میں ابن حزم سے جن کتابوں کا ذکر ہے اس سے اس کی سعۃ اطلاع کا پتہ لگ سکتا ہے۔ علامہ ابو زہرہ اس عبارت کے بعد لکھتے ہیں۔ "ان هذا یدل علی قوة الحافظة فقط بل یدل مع ذلك علی امرین احدهما الاستیعاب والاطلاع والموازنة بین کل ماقرأه وانه لکثیر وثانیها حضور البدیهة واستحضار المعلومات فی وقت الحاجة الیها والمسارعة بالاجابة عند الحاجة (ابن حزم ص ۷۳)" لہٰذا امام موصوف کا نقل بالکل صاف ہے کہ رکوع سے قبل یا بعد کھڑے ہونے کی حالت میں نمازی کے لیے ارسال کا ثبوت کسی حدیث میں نہیں ہے نہ رسول اللہ ﷺ نہ کسی صحابی سے بلکہ حالت فی القیام فی الصلوٰة ہاتھ باندھنا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی ثابت ہے اور امام ابن حزم کی اس عبارت سے علماء یہی مطلب لیتے ہیں جو ہم نے لیا ہے۔" علامہ سید بن سعید الدین بن الغباشی رسالہ هدیه خیر الا نام فی وضع الیمنی علی الیسری فی القیام ص٦٩ " پر فرماتے ہیں۔

ومنهم من صرح باستحبابه فی القیام بعد الرفع.......... من الرکوع کما هو فی "المحلی" فانه قال فی "وقوفه کله فی الصلوٰة" فان تاکیده بنفظ کل یدل علی الوقوف قبل الرکوع والوقوف بعد الرکوع (لفظ کل من الفاظ العموم) یہ مصنف صاحب عرب ہیں ان پر بھی بے سمجھی کا فتویٰ لگائیں آخر یہی ہتھیار آپ کے پاس رہ گیا ہے۔

الف:...... جب رکوع، سجدہ، جلسہ اور قعدہ کے بارے میں ہدایات جاری ہوگئیں لیکن دوسرے قیام کے بارے میں کوئی ہدایت جاری نہیں تو معلوم ہوگیا کہ دوسرے قیام کے حصہ میں ارسال ہی آیا ہے۔

ب:...... اگر دوسرے قیام کے لیے بقول شما کوئی ہدایت نہیں تو پھر اس کے حصہ میں ارسال کیسے آ گیا

ثانیاً: جب حکم عام ہے تو پھر دونوں قیاموں کے لیے ہدایت معلوم ہوگئی۔

ثالثاً: یہی ہماری دلیل ہے کہ اگر قیام ثانی کے لیے ہاتھوں کا حکم وضع کے علاوہ کوئی اور ہوتا تو ضرور ذکر کیا جاتا بلکہ دونوں کا ایک ہی حکم تھا البتہ قراۃ اور دعا کا فرق تھا تو بیان کر دیا گیا۔ مگر وضع وارسال کا کوئی فرق نہ تھا۔ یہ ایسی واضح بات ہے کہ جسکا انکار محض مکابرہ ہے۔

رابعاً: ایک ہی سجدہ کی کیفیت کا بیان ہے تو کیا یہ اسی کے لیے خاص ہوگا؟

ہرگز نہیں بلکہ جب دونوں کی کیفیت میں فرق نہیں تھا تو ایک ہی کا حکم ذکر کیا اس طرح یہاں سمجھیں۔

خامساً: اگر بالفرض دوسرے قیام کے لیے کوئی اور ہدایت نہیں ہے تو اس سے ارسال کیسے لازم آ گیا۔ بلکہ اگر وضع نہیں مانتے ہو تو حدیث ہی سے کوئی اور ہیئت یا عمل ثابت کریں گھر بیٹھے ایسے فیصلے صادر نہ فرمائیں۔ بلکہ عموم ہی اس مشکل کو حل کر دیتا ہے۔

سادساً: اگر انصاف سے دیکھا جائے اور "انا" والی بات نہ ہو تو حدیث ورأیته ممسکا شماله بیمینه میں دوسرے قیام کے لیے ہدایت موجود ہے۔ واللّٰه الهادی الی سواء السبیل۔

الف:...... اہل حق اور اہل علم کی اکثریت کا ہر زمانہ میں ارسال پر عمل رہا ہے۔

ب:...... یہ عبارت اس کو متضمن ہے کہ ہر زمانہ میں اہل علم واہل حق کی اقلیت ارسال نہیں بلکہ وضع پر عامل رہی ہے۔ الحمد للہ اب تو مان لیا کہ یہ اختلافی مسئلہ ہے اجماع کسی طرف نہیں۔

اب انصاف سے دیکھئے کہ حدیث میں ہر قائم کے لیے وضع کا حکم ہے یا ارسال کا؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذرا انصاف سے کہو خدا لگتی

ایضاً: آپ کا یہ فرمان کہ حقیقت یہی ہے کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا صدیوں تک کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے چار سو سال بعد کسی نے یہ قیاس ہی لڑایا جس سے یہ فتنہ کھڑا ہوا" (ص ۲۱) یہ غلط ہوا یہ حقیقت نہیں بلکہ خطیئۃ ہوئی اور جب تسلیم کرتے ہو کہ ہر زمانہ میں اقلیت وضع کرتی رہی تو پھر اس کو فتنہ کہنا بھی عجیب ہے۔

کیا اہل حق کے عمل کو فتنہ کہا جا سکتا ہے۔

لغایۃ خطا اجتہادی کہیں اور وہ بھی بات الحمدللہ نہیں رہی۔ اگر تعصب اور ضد نہیں ہے تو دلائل سے وضع ہی ثابت ہوتا ہے۔ ایضاً اکثریت کو تو آپ اپنے رسائل میں بڑے شدومد سے رد کرتے ہیں مگر یہاں آپ کی ساری تقریر کا مدار اسی اکثریت پر ہے۔ ایک طرف تو اس بت کو توڑتے ہیں اور پھر اسی کو سہارا بناتے ہیں

الف:...... کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ رسول اللہ ﷺ یا کسی صحابی یا تابعی نے رکوع کے بعد ہاتھ باندھے ہوں یہ سب اجتہاد ہیں کیا اپنے قیاس لڑانے سے یہ بہتر نہیں کہ آدمی اہل حق کی راہ اختیار کرے۔

ب:...... کیوں حدیثوں میں وضع کا ذکر نہیں۔ کیا وہ عام اور سب قیاموں کو شامل نہیں؟ یقیناً ہے جبکہ تخصیص کا کوئی وجود نہیں ہے۔ آپ اس کو اکثریت کے عمل سے خاص کر رہے ہیں یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے۔

ثانیاً: حدیث کے مقابلے میں تو آپ ہی قیاس لڑا رہے ہیں اور اجتہاد کا تکلف کر رہے ہیں۔ کہیں اکثریت کا نام لیتے ہیں تو کہیں واو کا مسئلہ چھیڑتے ہیں حالانکہ حدیث کی تخصیص حدیث ہی سے کی جاتی ہے نہ کہ لوگوں کے عمل سے۔ آپ خود عموم سے استدلال کرتے رہتے ہیں۔ جس کی مثال گذری۔

ثالثاً: جب آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ اکثریت اہل حق کے ارسال پر عامل ہے تو وضع والے بھی اہل حق ہوئے اگرچہ اقلیت میں ہوں لہٰذا یہاں دلیل ہی سے فیصلہ ہوگا پس اکثریت کا سہارا لینے کے بجائے الفاظ حدیث کی پیروی کی جائے یہی سلامتی کی راہ ہے۔ "واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل"

الف:...... چند آدمی جو رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے ہیں۔ ان کے غلطی پر ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ بنسبت اہل حق کے کہ اتنی اکثریت کے جو ہاتھ چھوڑتے ہیں۔

ب:...... پھر وہی اکثریت حاکم ہوئی اسی کا عمل فیصل ہوا بلکہ یہاں تو حکم ہے کہ ﴿فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول﴾ چاہے ایک طرف ساری دنیا ہو۔

دوسری طرف ایک ہی عامل ہو تو پھر بھی مسئلہ خلافیہ رہے گا۔ وہاں حدیث دیکھی جائے گی اور بھاری اکثریت سے مرعوب ہونا کوئی علمی کارنامہ نہیں ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کئی مسائل میں اہل حدیث ہماری اکثریت کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ بلکہ دلائل کی طرف جھکتے ہیں۔

کذالك يفعل الرجل البصير

الف:...... وضع والوں کے پاس صرف قیاس اور ارسال والوں کی دلیل اپنے سلف کا طریقہ ہے۔

ب:...... جناب قیاس نہیں ہے۔ بلکہ قیاس میں پہلے مقیس علیہ ہونا ضروری ہے وہ کون سا ہے اور قیاس میں اہل مقیس علیہ اور فرع مقیس ہوتا ہے بتائیں کہ یہاں کون سا اصل ہے۔

ثانیاً: سلف کا طریقہ بھی کسی کتاب یا سند سے پیش کریں اور وضع والے حدیث کا سہارا لیتے ہیں اور ارسال والے صرف تخمین اور انکل پچو پر چلتے ہیں۔ یعنی اپنے زمانے والوں کی اکثریت کو ارسال کرتے دیکھا تو سمجھ لیا کہ پہلے سے سب اسی طرح کرتے چلے آئے ہیں۔

الف:...... ظاہر ہے کہ نماز خلف نے سلف سے سیکھی۔ جیسے ان کو پڑھتے دیکھا ویسے ہی پڑھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر نماز پڑھتے تھے۔ احادیث سے استدلال کا سلسلہ تو حضور کی زندگی کے بعد شروع ہوا۔

ب:...... اس کا رد پہلے کیا جا چکا۔ علاوہ ازیں پھر اتنا اختلاف نماز میں کیوں اور سب اسی بات کا سہارا لیتے ہیں۔ پھر کس کی بات پر یقین کریں بلکہ حدیث دیکھنے سے معاملہ حل ہو سکتا ہے۔ ایضاً آپ مدعی ہیں کہ صحابہ یا تابعین میں کسی سے بعد الرکوع ہاتھ باندھنا منقول نہیں تو کیا کسی سے ارسال بعد الرکوع منقول ہے؟ اگر ہے تو پیش کریں اگر نہیں کر سکتے تو پھر کیا کرو گے کس کو تواتر عملی کہیں گے بلکہ یہاں عموم ہی کا طریقہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ احادیث میں اور صحابہ سے صرف علی العموم وضع منقول ہے پہلے یا دوسرے قیام کی تخصیص منقول نہیں ہے۔ نیز آپ اپنے دعویٰ کا بنیاد اس پر مناتے ہیں کہ کسی سے وضع بعد الرکوع صراحۃً ثابت نہیں ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ کسی سے صراحۃً بعد الرکوع ارسال منقول نہیں لہٰذا وضع پر ہی مسلسل عمل چلا آتا ہے دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں۔ اب ترجیح بلا مرجح صحیح نہیں اور آپ کا یہ کہنا کہ ہر زمانے میں اہل حق کی اکثریت ارسال پر عامل رہی ہے۔ قابل قبول نہیں اس لیے کہ اولاً تو آپ ایسا ثبوت نہیں دے سکتے اگر مدعی ہو تو کتابوں کا مطالعہ کر کے ثابت کریں کہ فلاں زمانے میں اتنے محدثین اور مجتہدین تھے اور ان میں سے اکثر فلاں فلاں ارسال کرتے تھے۔ ولیس لکم الی ذلك سبیل۔

ثانیاً: اکثریت خود کسی دلیل کی محتاج ہے چہ جائیکہ کسی اور دعویٰ کی دلیل بن سکے بلکہ حدیث جو کہ فی نفسہ حجت ہے اور اس کے عموم کی تخصیص بغیر کسی دلیل کے جائز نہیں یہ ایسا اصل ہے کہ جو سب کے ہاں مسلم ہے پس حدیث کی رو سے دوسرا جانب راجح ہو سکتا ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الف:...... آپ کے پاس اپنے قیاسوں کے علاوہ کوئی نقل یا حوالہ نہیں۔

ب:...... قیاس کا محض ہم پر الزام ہے ہم تو حدیث کے الفاظ پیش کرتے ہیں۔

ناظرین۔ مصنف بہاولپوری محترم نے یہاں دوطرفہ پالیسی اختیار کی ہے کبھی فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس قیاس کے علاوہ کوئی نقل یا حوالہ نہیں۔ جس کا معنی کہ ہماری دلیل کوئی حدیث نہیں ہے اور کبھی فرماتے ہیں کہ حدیث سے استدلال کرنا تو بعد کا رواج ہے۔ بلکہ نماز خلف کو اپنے سلف سے سیکھنی چاہیے جس کا معنی کہ ہمارے پاس حدیث ہے نہ معلوم کون سی بات صحیح ہے۔ ہم پر تو غلط حوالوں کا الزام ہے لیکن اس خبط کو کیا کہیں۔

الف:...... سب سے پہلا حوالہ جو آپ پوری توانائی صرف کر کے پیش کرتے ہیں۔ وہ امام احمد بن حنبل کا حوالہ ہے۔

ب:...... جناب اس سے پہلے بھی حوالے ہیں۔ چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ ص۳۹۱/ ج۱ میں ہے "عن ابی الزیاد مولیٰ آل دراج مارأیت فنسیت ولم انس ان ابا بکر کان اذا قام فی الصلوٰۃ قال ھکذا فوضع الیمنی علی الیسری" یہ عام ہے کہ خلیفہ اول رضی اللہ عنہ جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے ہاتھ باندھ لیتے نیز امام ابن حزم نے سلف سے کئی لوگوں کا ذکر کیا ہے۔

ثانیاً: امام احمد کا حوالہ بھی بتلاتا ہے کہ آپ کا یہ کہنا غلط ہوا کہ چار سو سال کے بعد یہ فتنہ کھڑا ہوا ہے۔

ایضاً: آپ بھی تو اسی طرح کسی ایک سے ارسال ثابت کریں ہم نے تو حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ ابوحنیفہ ابویوسف اور محمد سے روایت نقل کی ہے اور جو آپ لوگ طلاق ثلاثہ کے ایک ہونے کے بارے میں ائمہ مذاہب سے نقل کرتے ہیں۔ اس سے کم نہیں۔

الف:...... لیکن اس حوالے کا حال بالکل امام احمد سے اس حوالے جیسا ہے جس کو فقہ حنفی میں قرأۃ مقتدی کے بارے میں پیش کرتے ہیں اگر چہ دونوں حوالے حنبلی فقہاء نقل کرتے ہیں۔ لیکن امام احمد کی اپنی تصنیف میں ان حوالوں کا کوئی ذکر نہیں۔

ب:...... جناب دونوں حوالوں کو برابر نہ سمجھیں ہمارا حوالہ خود امام موصوف کے فرزند امام صالح کی کتاب میں امام صاحب سے منقول ہے بخلاف دوسرے مسئلے کے اللہ کا خوف کریں دونوں کو برابر نہ کہیں۔

این الثری من الثریا

الف:...... امام احمد نے نماز کے موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کیں اپنی تصنیف میں انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ رکوع کے بعد جس کی مرضی ارسال کرے جس کی مرضی وہ ہاتھ باندھے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ب:...... جناب کتابیں نہیں ایک کتاب اس میں بھی امام موصوف کے ان مسائل کی نشاندہی کی ہے۔ جن کے بارے میں لوگوں میں غلطیاں دیکھیں لیکن اس مسئلے میں وضع خواہ ارسال دونوں کو جائز جانتے ہیں۔ تو کس کی نشاندہی کریں کوئی وضع کر لے یا ارسال دونوں پر اعتراض نہیں کیا بلکہ اس میں تو قبل الرکوع بھی وضع کا ذکر نہیں۔

الف:...... اور یہ حوالہ بھی آپ کے مسلک کے خلاف ہے۔

ب:...... جناب ہم نے اس حوالے کو اپنے لیے دلیل نہیں بنایا۔ ہماری دلیل تو حدیث ہے ہم نے اس سے صرف یہ ثابت کرنا چاہا کہ سلف میں بھی یہ عمل موجود تھا اور بعد کی ایجاد نہیں۔ سو وہ الحمد اللہ ثابت ہو گیا لہٰذا آپ کا یہ اعتراض ہم پر نہیں۔ بلکہ یہ حوالہ آپ کے خلاف ہے۔ جو کہتے ہو کہ بعد الرکوع وضع کا چار صدیوں تک نام ونشان نہیں۔

الف:...... آپ نے سفسطی خیال سے نتیجہ نکالا ہے۔ کہتے ہیں کہ مسئلہ شروع سے چلا آ رہا ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ صحابہ میں مسئلہ مختلف فیہا تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ امام احمد نے اختیار دیا ہے اور اس کے اختیار دینے سے ثابت ہے کہ صحابہ میں مسئلہ مختلف فیہا تھا۔ اس قاعدہ کو امام ابن قیم نے استخراج کیا لیکن اگر کوئی پوچھے کہ امام احمد بن حنبل نے کس کتاب میں اختیار دیا ہے تو آپ کہتے ہو کہ امام صاحب کی کتاب کا حوالہ نہیں۔ البتہ ان کے مقلدین نے صدیوں بعد اپنی فقہ کی کتابوں میں یہ حوالہ لکھا ہے۔

ب:...... جناب جبکہ امام صاحب کے فرزند نے اپنی کتاب میں ان سے نقل کیا ہے تو پھر آپکی ساری عمارت گر گئی۔

یہ سوالات اور یہ ثبوت مانگنا سب ھباء منثور ہو گیا۔ اس سے زیادہ کیا سند معتبر ہو گی کہ امام صالح بن احمد بن حنبل خود ان سے نقل کرتے ہیں۔ آپ فقہ کی نقل کو بھلے نہ مانیں لیکن ان کے فرزند کی نقل کو تو ضرور مانیں گے۔ جو امام موصوف سے سوال کر کے جواب نقل کرتے ہیں۔ اب خود اعتراض ہی سفسطی ہوا۔

مجھے الزام دیتے تھے قصور اپنا نقل آیا

یہ بھی آپ کا بہتان ہے کہ ہم کہتے ہیں کہ امام صاحب کی کتاب میں کوئی حوالہ نہیں کیونکہ یہ سوال جواب بیٹے کے لکھے ہوئے باپ کے سامنے تھے لہٰذا یہ خود ان کا اپنا حوالہ ہے۔ ہم نے کوئی غلط بناء نہیں رکھی آپ کی بناء غلط ثابت ہوئی کہ کتابوں کے مطالعہ کے بغیر حوالہ کو مشکوک بنا دیا۔ سچ ہے کہ جب عالم کسی ضد پہ آ جاتا ہے تو پھر یہ صحیح بات کو غلط کہنے میں دیر نہیں کرتا۔ یہ واقعہ ہے کہ۔

اذا یئس الانسان طال لسانہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حافظ ابن قیم امام موصوف کے قواعد سے واقف ہیں۔ انہوں نے ان کے طریقہ کار سے استدلال کیا ہے۔ جو اس مسئلہ پر بالکل صادق آتا ہے۔

الف:...... فقہ حنبلی میں تو یہ حوالہ بھی ہے کہ "قال احمد اجمع الناس انها نزلت فی الصلوٰة وذکر الاجماع علی انها لا تجب القرأة علی المأموم حال الجهر" اس حوالہ کو کیسے مانیں۔

ب:...... جناب یہ حوالہ بے سند ہے۔ ایسے حوالے کے ماننے سے آپ انکار کر چکے اور پھر امام احمد خود مدعی اجماع کو کاذب جھوٹا بتلاتے ہیں (الاحکام لابن حزم ص۵۳۲) پھر اس کی طرف اس بے سند حوالہ کی نسبت صحیح نہیں ہو سکتی لیکن فیمانحن فیه اولاً تو حوالہ باسند اور مستند ہے۔ کسی متاخر کا بلا سند حوالہ نہیں بلکہ ان کا اپنا فرزند ناقل ہے اور پھر امام اموصوف سے کہیں اس کے خلاف منقول نہیں لہٰذا یہ قیاس باطل ہے الزام ہمیں دیتے ہو۔ خود قیاس لڑا رہے ہو جو بے محل بھی ہے۔

الف:...... صحابہ میں یہ مسئلہ اختلافی کیوں تھا؟ اور یہ اجتہادی تھا یا حضور کا عمل ہی مختلف تھا۔

ب:...... کئی مسائل میں صحابہ کا اختلاف رہا ہے۔ وہ کیوں؟ مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو لیجیے حدیث میں ہے کہ "لا صلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب" یہ حدیث فاتحہ کی فرضیت پر صریح ہے مگر بایں ہم بعض صحابہ وجوب اور فرضیت کے قائل نہیں تھے۔ دیکھو جزء القراۃ للبخاری اب کہیے کہ یہ ان کا اجتہاد یا آپ ﷺ کا حکم ہی مختلف فیہ تھا۔ نیز فجر کی سنت کے بعد دائیں پہلو لیٹنا رسول اللہ ﷺ سے احادیث صحیحہ میں مروی ہے اس کے باوجود مسئلہ صحابہ میں مختلف فیہا رہا ہے۔ مثلاً ابو موسیٰ اشعری، رافع بن خدیج، انس بن مالک اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اس پر عامل تھے اور امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "رأی رجلا اضطجع بعد رکعتی الفجر فقال احصوه اوالا الحمتموه, اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مابال الرجل اذا صلی رکعتین یتمتعك کی تمتعك الدابة والحمار اذا سلم فقعد صلی اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل مختلف ہے۔ ایک روایت میں ہے عن غیلان بن عبداللہ قال رأیت ابن عمر صلی رکعتی الفجر ثم اضطجع اور ایک روایت میں ہے تیلعیکم الشیطان اور ایک روایت میں اس کو بدعت کہتے ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ص۲۴۷-۲۴۸/ج۲) اب فیصلہ کریں کہ یہ اختلاف کیوں؟

شاہ ولی اللہ رسالہ الانصاف فیما بین العلماء من الاختلاف ص۶۰۷ میں صحابہ کے اختلاف کے اقسام بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "ومن تلك الغروب ان یروا رسول اللہ ﷺ فعل فعلا فحمله بعضهم علی القربة بعضهم الاباحة مثاله مارواه اصحاب الاصول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی قصة التحصیب ای النزول بالابطح عند الیلة نزل رسول اللہ ﷺ به فذهب ابو هریرة وابن عمر الی انه علی القربة فجعلاه من سنن الحج وذهبت عائشة وابن عباس رضی اللہ عنهما الی انه کان علی وجه الاتفاق ولیس من السنن ومثال آخر ذهب الجمهور الی ان الرجل فی الطواف سنة وذهب ابن عباس الی انما فعل النبی ﷺ سبیل الاتفاق لعارض عرض وهو قول المشرکین حطتهم حمی یثرب ولیس بسنة الخ" کیا یہاں بھی ایسی توجیہ نہیں ہوسکتی؟ ایضاً ہم تو یہی کہتے ہیں کہ کسی ایک صحابی سے ارسال قطعاً ثابت نہیں جس سے مروی ہے اس سے وضع ہی ثابت ہے ہم نے صرف ارسال کے مدعین کے اس قول پر اعتراض کیا ہے جو کہتے ہیں کہ سلف میں سے کسی سے وضع ثابت نہیں ہم نے امام احمد کے طریق کا رسے ثابت کیا کہ ان کی تحقیق کے مطابق سلف میں وضع پر بھی عمل موجود تھا اور نہ ہی یہ ہمارے مسئلے کے لیے دلیل ہے نہ اس سے استدلال ہے بلکہ ہمارا استدلال تو حدیث سے ہے۔ اس میں علی العموم صرف وضع ہی کا ذکر ہے ارسال کا کہیں ذکر نہیں اور یہ بھی ہمارا دعویٰ ہے کہ کسی صحابی سے ارسال ثابت نہیں امام احمد کی اس روایت کو ہم نے صرف اس لیے ذکر کیا کہ آپ کہتے ہیں صدیوں تک کسی سے وضع ثابت نہیں۔ سو بحمد للہ اس سے وہ بات رد ہوگئی ہمیں تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ سے مختلف قول نہیں ملتے بلکہ دونوں سے وضع کا ذکر آتا ہے۔ لہٰذا یہ باتیں بے معنی ہیں۔ ہماری دلیل حدیث ہے جس کے جواب سے آپ کے ہاتھ خالی ہیں اور ہم دونوں وضع وارسال کو سنت نہیں مانتے ہم تو صرف ایک یعنی وضع کو سنت مانتے ہیں جس کا ذکر حدیث میں ہے۔ ارسال کا کوئی پتہ نہیں۔

ایضاً: صرف سلف کے عمل سے کسی فعل کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ کسی فعل کی سنت ہونے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی ضرورت ہے ہم عمل سے بلکہ عمل میں صرف وضع کا ذکر ہے۔ آپ خواہ مخواہ موضوع سے نکل جاتے ہیں۔ اور غلط بحث کرتے ہیں۔ امام احمد کا دونوں کے لیے اختیار دینا یہ ان کی اپنی تحقیق ہے ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ سلف میں وضع کا ثبوت موجود ہے۔

الف:...... جب ایک عمل سنت ہے تو دو عملوں کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟ امام احمد تو بہت قریب زمانے میں ہیں ان کو چاہیے تھا کہ جو عمل سنت تھا اس کی تحقیق کرتے نہ کہ غیر مسنون عمل کی اپنی طرف سے اجازت دیتے۔

ب:...... یہ اعتراض ہم پر نہیں نہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ بلکہ یہ اعتراض امام موصوف پر ہوسکتا ہے۔ وہی اس جواب کے ذمہ دار ہیں۔ ہم نے تو حوالہ معتبر سے ثابت کر دیا کہ اس کے فرزند نے اپنی کتاب میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنے والد سے پوچھ کر جواب لکھا ہے۔ لہٰذا ہم بریٔ الذمہ ہیں اور ہم نے سلف سے ثبوت دے دیا ہے۔ اب یہ اعتراض ان پر ہے نہ کہ ہم پر۔ اس وقت آپ ہوتے تو ان کے آگے اعتراض کر کے پوچھ سکتے تھے اب تو صرف اعتراض کرتے رہیے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

ثانیاً: آپ امام موصوف کو دیکھئے کئی مسائل میں ان سے مختلف اقوال وارد ہیں حالانکہ حدیث کسی ایک طرف ہوتی ہے۔

الف:...... آپ نے اپنے دفاع کی ساری عمارت امام احمد کے حوالہ پر تعمیر کی ہے۔ یہ حوالہ خود قابل اعتماد نہیں۔

ب:...... ہم نے مسئلہ کی بنیاد اس پر نہیں رکھی بلکہ بنیاد عموم سے ہے اور عموم سے استدلال احادیث سے بھی ثابت ہے مثلاً دارقطنی ص ۱۷۸/ج ۱ مصری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں ذات السلاسل کی جنگ میں تھا اور وہ جنبی ہوگئے اور رات سردی والی تھی۔ ان کو خطرہ تھا کہ غسل کروں گا تو شاید ہلاک ہوجاؤں گا۔ پس تیمم کر کے جماعت کو فجر کی نماز پڑھائی۔ "فذكر ذلك للنبى ﷺ فقال يا عمر صليت باصحابك وانت جنب فاخبرته بالذى منعنى من الاغتسال فقلت انى سمعت الله عزوجل يقول ولا تقتلوا انفسكم ان الله كان بكم رحيما (النساء) فضحك رسول الله ولم يقل شيئا" اب غور فرمائیں اس آیت میں صراحت تو کیا اس مسئلہ کے لیے دور کا بھی ذکر نہیں۔ لیکن محض عموم پر اپنے مسئلہ کی بنیاد رکھی اور آپ نے بھی استدلال کو بحال رکھا اور علامہ شمس الحق ڈیانوی دارقطنی کے حاشیہ التعلیق المغنی میں فرماتے ہیں کہ "فيه دليل على جواز التيمم عند البرد مخافة الهلاك الاول التبسم والاستبشار والثانى عدم الانكار لان النبى ﷺ لايقر على الباطل والتبسم اقوى دلالة من السكوت على الجواز فان الاستبشار دلالته على الجواز بطريق الاولى وقداستدل بهذالحديث الثورى ومالك وابو حنيفة وابن المنذر على ان من التيمم لشدة البرد وصلى لاتجب عليه الاعادة لان النبى ﷺ لم يأمره بالاعادة ولوكانت واجبة لامره بهاولانه اتى بما امربه وقدر عليه فاشبه سائر من يصلى التيمم كذافى النيل" پس اگر یہ طریق استدلال صحیح ہے تو "اذا كان قائماً" سے استدلال بطریق اولیٰ صحیح ہے کیونکہ اس میں قیام کا ذکر ہے لیکن اس میں نہ نماز کا ذکر ہے نہ تیمم کا نہ سردی کا

اگر درخانہ کس ہست یک حرف بس است

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیز بخاری وغیرہ میں ابوسعید بن المعلی سے روایت ہے "كنت اصلى فدعانی رسول الله ﷺ فلم اجبه حتى صليت قال فاتيته فقال مامنعك ان تأتيني قال قلت يارسول الله كنت اصلى قال الم يقل الله تعالىٰ يايها الذين امنوا استجيبوا لله وللرسول اذ دعاكم لما يحييكم الحديث۔" یہاں بھی آیت میں نماز کا کوئی ذکر نہیں صرف یہ عام حکم ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب بھی آپ کو بلائیں تو جواب دیا کرو پس نماز وغیر نماز سب حالتیں اس میں داخل ہیں اور مسند احمد میں اسی معنی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ پس عموم مستقل حجت ہے جب تک تخصیص ثابت نہ ہو۔

ثانیاً: امام احمد کے حوالہ کو بے اعتماد کہنا بھی صحیح نہیں جبکہ ہم نے باسند ثابت کر دیا اور ہم نے اس حوالہ سے صرف سلف میں وضع کے ثبوت کو ثابت کیا ہے نہ اصل مسئلہ کو بلکہ وہ تو حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

الف:...... ابن قیم کا ذکر کردہ اصول یہاں فٹ نہیں ہوتا۔ یہ اصول تو یہ بتاتا ہے کہ امام احمد اختیار وہاں دیتے ہیں جہاں صحابہ میں ایسا اختلاف ہو کہ قرآن وسنت کے موافق کسی طرف نہ ہو۔

ب:...... جب اختلاف کی صورت میں سب قول قرآن وحدیث کی موافق نہیں تو مخالف ہوئے تو پھر امام صاحب قرآن وحدیث کے خلاف سب اقوال کو کیسے مانتے ہیں اور سب کا اختیار کیسے دیتے ہیں سچ ہے کہ "فر من المطر قام تحت الميزاب" کیا ایسا اختلاف صحابہ میں ہوسکتا ہے؟ علاوہ ازیں اختیار تو امام موصوف سے ہے اس کے انکار یا اس میں تردد کی اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور یہ اختیار بھی امام موصوف کی تحقیق کے مطابق ہے اور اگر ایک ہی بات قرآن وسنت کے موافق ہے تو یہ اعتراض امام صاحب پر ہے کہ اس نے کیوں ایسا اختیار دیا۔ ہم پر نہیں ہم نے صرف یہ ثابت کیا کہ سلف میں وضع پر عمل موجود تھا۔ جن مسائل کا مشاہدہ سے تعلق ہے۔ ان میں بھی اختلاف ہوسکتا ہے چنانچہ مسح علی الخفین جیسا مشہور مسئلہ جس کو عقائد کے مسائل میں ذکر کیا گیا ہے اور اسی سے زیادہ صحابی اس حدیث کے راوی ہیں۔ (فتح الباری ص ۳۰۷/ ج ۱ السلفیہ) اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسا جامع السنۃ اور حریص علی السنۃ ان سے بھی مخفی رہا مؤطا مالک ص ۱۲ میں ہے ان ابن عمر قدم الكوفة على سعد بن ابى وقاص وهو امير ها فرأه لمسح على الخفين فانكر ذلك عليه فقال سعد بن ابى وقاص سل اباك اذا قدمت عليه فقدم عبدالله فنسى ان يسأل عمر عن ذلك حتى قدم سعد فقال اسألت اباك قال لافسأله عبدالله فقال عمر اذا ادخلت رجليك فى الخفين وهما طاهرتان فامسح عنهما قال عبدالله وان جاء احدنا من الغائط قال عمر نعم وان جاء احد كم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

من الغائط۔

اور بخاری ص۳۳/ج۱ میں ہے "ان عبدالله سال عمر فقال نعم اذا حدثك شيئاً سعد عن النبی ﷺ فلاتسئل عنه غيره" اور حافظ ابن حجر فتح الباری (صفحہ مذکورہ) میں فرماتے ہیں کہ "وفيه ان الصحابی القديم الصحبة قديخفی عليه من الامور الجلية من الشرع مايطلع عليه غيره لان ابن عمر انكر المسح علی الخفين مع قديم صحبته وكثرة روايته" اب غور فرمائیں کہ اسّی صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما جیسے حافظ حدیث نے نہیں دیکھا یا یاد نہیں رہا اسی طرح اختلاف ہوسکتا ہے۔ نیز رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا مسئلہ بھی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر بایں ہمہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مخفی رہا یا یہ کہ یاد نہیں رہا کہ یہ حکم بدل گیا ہے اور پہلا حکم تطبیق والا منسوخ ہو چکا ہے۔ اسی طرح ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ جنہوں نے دیکھا یا ان کو یاد رہا تو وہ وضع کرتے رہے اور جن کو نظر نہیں آیا یا یاد نہیں رہا تو اس کی ضرورت نہیں سمجھی یہ ایسی حقیقت ہے کہ اگر تعصب نہ ہو تو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

الف:...... ابن قیم کا اصول تو قیام رمضان جیسے مسئلہ میں صادق آتا ہے۔ جس کے عدد میں اختلاف ہے۔ کسی کا معمول کچھ ہے کسی کا کچھ اگرچہ مسنون تعداد گیارہ ہے لیکن چونکہ تطوع ہے اس لیے اس میں کمی بیشی کی گنجائش ہے۔

ب:...... کیا یہ مسئلہ مشاہدہ سے تعلق نہیں رکھتا؟ جب خود کہتے ہو کہ مسنون تعداد گیارہ ہے آپ کو کیسے پتہ لگا؟ انہی لوگوں (صحابہ) نے رسول اللہ ﷺ کو اتنی تعداد پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب تو حکایت کی۔ اب آپ کے اعتراض کے مطابق اعتراض کیسے ممکن ہے۔ اگرچہ نفل عبادت ہے مگر نفل راتبہ میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے؟ جب حدیث موجود ہے کہ آپ کے قیام کی رکعتیں اتنی مقرر ہیں تو پھر کمی کیسے یا اختلاف کیوں کر ہوسکتا ہے اور کیسے امام موصوف نے کہہ دیا کہ جتنی رکعتیں جس کی مرضی پڑھے۔ پس جو اعتراض آپ نے ہمارے مسئلے پر وارد کئے تھے وہی اس جگہ بھی وارد ہوسکتے ہیں اور یہ کہنا وہاں تو یہ اصول فٹ نہیں اور یہاں ہوسکتا ہے۔ یہ تفریق صحیح نہیں۔

تلك اذا قسمة ضيزیٰ

وصفقة لا ترجع بالبشری

ہم پر تو الزام ہے کہ امام احمد کے حوالے پر غور نہیں کیا کہ حقیقت کیا ہے اور نہ ابن قیم کے اصول کو جانچا کہ یہاں فٹ آتا ہے یا نہیں۔ لیکن اب اس حوالہ کی حقیقت تو آپ کے ہاں بھی کھل گئی اور ابن قیم نے جس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصول کو پیش کیا ہے وہ برابر فٹ ہے۔ ہاں اگر امام احمد کو اس فیصلے میں غلط کہیں تو اور بات ہے۔ وہ بھی اسی طرح کہ آپ اسانید ثابتہ سے نقل کریں کہ صحابہ بعد الرکوع ارسال کرتے تھے۔ پھر فرمائیں کہ امام موصوف کا اختیار دینا صحیح نہیں ہے۔ باقی جب ان سے حوالہ ثابت ہو گیا تو پھر یہ اصل اپنی جگہ پر بالکل برمحل ہے اور بات دراصل یہ ہے کہ بہاولپوری مصنف محترم نے ایک دعویٰ کر دیا کہ چار صدیوں تک بعد الرکوع وضع کا کوئی قائل یا عامل نہیں اور پانچویں صدی میں یہ فتنہ کھڑا ہوا اور سلف صالحین اور صحابہ تابعین تبع تابعین سب ارسال کرتے تھے۔ یہ ایک مفروضہ ہے جس کے لیے نہ معتبر حوالہ ہے نہ سند اسی مفروضہ کو دل میں پختہ بٹھا کر اس پر عمارت کھڑی کر دی کہ جب صحابہ سب ارسال کرتے تھے تو یوں یہ اصول فٹ نہیں وغیرہ

نہ اس مفروضے پر غور کیا نہ جانچا پہلے اس کے لیے مستند اسانید سے ثبوت دیا جاتا کہ سب صحابہ ارسال کرتے تھے پھر اس طرح کہنے کی جرات کرتے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو ایک قطرہ خون نہ نکلا

جب ایسا کوئی ثبوت نہیں پھر یہ قاعدہ کیوں یہاں کارآمد نہیں؟

الف:...... آپ نے اس کو دلیل اِنی سمجھا ہے کہاں دھوئیں سے آگ پر استدلال کہاں یہ سفسطی قیاس۔

ب:...... سفسطی اس وقت کہیں کہ حوالہ امام موصوف سے ثابت نہ ہوا اور حافظ ابن قیم نے یہ قاعدہ پیش نہ کیا ہو یا صحابہ سے ارسال بعد الرکوع ثابت ہو بلکہ سفسطہ یہ ہے کہ اپنے دل میں ایک مفروضہ (یعنی سب ارسال کرتے تھے) مقرر کر کے پھر اس پر یہ کشیدہ کرنا کہ اذا کان قائما میں دوسرا قیام داخل نہیں۔ یا اس سے مراد صرف پہلا قیام ہے وغیرہ۔

الف:...... دھوئیں سے آگ پر استدلال تو یقیناً دلیل اِنی ہے۔ لیکن امام احمد کے فتوے سے صحابہ کے اختلاف پر استدلال کرنا تو دلیل انی ہے جسے اندھی کہتے ہیں۔

ب:...... سچ ہے کہ

گر نہ بیند بروز شپر چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

ایک طرف قیام رمضان پر اس اصول کو مانتے ہیں اور دلیل لمی قرار دیتے ہیں حالانکہ ترمذی کی عبارت میں اختیار کا ذکر نہیں بلکہ عبارت یوں ہے کہ ”فيه الو ان لم يقض فيه بشيء“ جب کوئی فیصلہ ہی نہیں دیا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو پھر اختیار کیسا! اور شاہ ولی اللہ کے حوالہ میں ہے فقیر احمد حالانکہ شاہ ولی اللہ تو کئی صدیوں بعد میں آئے ہم پر تو فقہ حنبلی کے حوالے نقل کرنے کی وجہ سے ناراض ہوگئے اور فرمانے لگے کوئی سند نہیں اور امام احمد کی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ لہٰذا حوالہ قابل اعتماد نہیں اور یہاں بغیر سند کے امام موصوف کی اپنی کتاب کے بغیر کیسے نقل کر دیا۔ ایسی ہی دلیل کو واہی کہا جاتا ہے۔ اگر یہ حوالہ معتبر ہے تو ہمارا وہ حوالہ بھی تسلیم کریں اگر نہیں تو کیوں ایسا حوالہ پیش کیا جو آپ کے ہاں قابل بھروسہ نہیں۔ بلکہ اگر شاہ صاحب کا قول ترمذی کے حوالے سے ماخوذ ہے تو اس میں اختیار کا ذکر نہیں۔

الف:...... ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ بعض کو چاند واقعتاً نظر آتا ہے۔ اس کو پھر آپ دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن بعض کو تو دھوکہ ہی لگ جاتا ہے اور اس دھوکہ کو چاند کہتے ہیں۔ اس کو پھر آپ دیکھ لیتے ہیں لیکن بعض کو تو دھوکہ ہی لگ جاتا ہے اور اس دھوکہ کو چاند کہتے ہیں حالانکہ چاند نہیں۔

ب:...... اس کا تفصیلی جواب گذر چکا ہے ایضاً اگر واقعتاً چاند ہو تو وہ محسوس کر لینا کہ دھوکہ ہوا۔ لیکن مسئلہ مانحن فیہ میں جس قدر رسالے لکھے جاتے ہیں اور اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ اس قدر مسئلہ زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔

قارئین کرام خود محسوس کر رہے ہیں کہ قائلین ارسال کے پاس اگر کوئی دلیل ہوتی تو کبھی کا ذکر کر دیتے مگر اب تک ادھر اُدھر پاؤں مارتے ہیں۔ یعنی وضع کا استدلال عموم سے ہے۔ جو ہر ایک کے ہاں مسلّم دلیل ہے۔ جب تک کہ تخصیص کی کوئی دلیل ثابت نہ ہو جائے۔ مگر فریق ثانی اِدھر اُدھر کی باتوں کے علاوہ کچھ پیش نہیں کرتے۔ اگر تخصیص کے مدعی ہیں تو دلیل کے ساتھ ثابت کریں اور جس تعامل امت کا نام لیتے ہیں۔ وہی اس دھوکہ کی مثال ہے کہ لوگوں کو دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ سب شروع سے ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ حالانکہ کسی صحابی یا تابعی سے ایسی صراحت نہیں لا سکتے کہ قبل الرکوع تو ہاتھ باندھے جائیں لیکن بعد الرکوع ارسال کیا جائے۔ اس لیے پڑھنے والوں کو دن بدن تسلی ہوتی جاتی ہے کہ ارسال والوں کے پاس تخصیص کے لیے کوئی دلیل نہیں محض ظن اور تخمینہ ہے۔

اور آہستہ آہستہ لوگ وضع پر عامل ہوتے جاتے ہیں۔

الف:...... دیانتداری کی بات یہ ہے کہ وضع والوں کو اس مسئلہ میں دھوکہ لگا ہے کیونکہ ان کا راستہ قیاس واجتہاد کا ہے۔ ان کا معتمد نقل نہیں ہے۔

ب:...... کیا حدیث "اذا کان قائماً معتمد نقل نہیں ہے؟ ہمارا اسی حدیث پر اعتماد ہے کیونکہ اس کی تخصیص کے لیے کوئی حدیث نہیں ملتی اور آپ حدیث کے بجائے اسی نام نہاد تعامل سے تخصیص کرنے کی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناکام کوشش کرتے ہیں جس کا نہ سر ہے نہ پیر ایک اثر کسی صحابی یا تابعی کا لائیں۔ صرف اپنے علاقہ کے لوگوں کا عمل دیکھ کر فرض کر لیا کہ سب ایسا کرتے ہیں۔ ذرا پاک وہند سے باہر جائیں دوسرے ممالک میں دیکھیں تو ہر جگہ لوگ وضع پر عامل ملیں گے۔ لے دے کر ادھر اُدھر کے چکر کاٹ کر یہی آپ کی آخری دلیل ہے۔ یعنی اکثریت اور جمہوریت اور جس بُت کو بری طرح توڑ چکے ہیں۔ پھر اسی کا سہارا لے کر عام و خاص کر رہے ہیں۔ یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے اب ناظرین انصاف کریں کہ دھوکہ کس کو لگا ہے۔ حدیث دیکھنے والوں کو یا ظاہری عمل دیکھنے والوں کو؟ رجوع اس کو کرنا چاہیے جس کے ہاتھ ارسال کی بابت حدیث سے خالی ہیں اور جنہوں نے حدیث کو دیکھ لیا اور تخصیص کہیں نہیں ملتی تو ان کے لیے رجعت قھقھری بڑا عیب ہے۔ اخلاص تو یہ ہے کہ جب دوسری طرف حدیث وارد ہے اور کسی حدیث سے اس کی تخصیص نہیں ملتی تو اس کے آگے جھک جانا چاہیے۔ واللہ الموفق لسواء السبیل

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے اگر ہم کو تخصیص کی حدیث ملی تو اس وقت رجوع کر لیں گے۔ لیکن "انما" کا مسئلہ تو ان کے لیے ہے کہ باوجود عام حدیث کے جو اپنے مطلب میں صاف اور نص واضح ہے۔ پھر بھی موہوم تعامل کا نام لے کر اپنی بات سے ہٹتے نہیں جب رسول اللہ ﷺ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو یہ آیت سنائی ﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ جس میں نماز کا ذکر نہیں بلکہ عام ہے تو اس صحابی نے عام دلیل کو قبول کیا اور کہا کہ لا اعود جیسا کہ پہلے حدیث بحوالہ مسند احمد گزری اب دیانت داری کا یہی تقاضہ ہے کہ اگر تخصیص کے لیے کوئی حدیث نہیں ملتی تو پھر عموم کو مان ہی لینا چاہیے۔

الف:...... اس طرح جماعت میں تفریق ہوتی ہے سادہ لوگ جو اس وجہ سے لڑ جھگتے ہیں ان کا بوجھ کس کی گردن پر ہوگا۔

ب:...... جناب مسئلہ بے بنیاد نہیں حدیث سے ثابت ہے اب بوجھ ان پر ہوگا جو باوجود اس کے کہ تخصیص کی کوئی دلیل نہیں اور ارسال بعد الرکوع کا نام ونشان نہیں۔ پھر بھی اپنی بات پر اڑے رہتے ہیں اور لوگوں کو پریشان کرتے ہیں اور ان کی تفریق کا باعث بنتے ہیں۔ ورنہ اہل علم کا کام ہے کہ جو مسئلہ حدیث سے ثابت ہوا اس پر بحث نہیں کرنی چاہیے اور لوگوں کو حق بات سے روکنا نہیں چاہیے اور یاد رکھو کسی کو غلطی پر کہنا یا یہ کہنا کہ اس کو دھوکہ لگا ہے۔ یہ آسان بات ہے مگر غلط ثابت کرنا اور بات ہے جو بات حدیث سے ثابت ہوا اس کو کیسے غلط ثابت کیا جا سکتا ہے یا اس کو قیاس کہنا کہاں تک صحیح ہے۔ یونہی رسالہ لکھنا اور سمجھ لینا کہ یہ فلاں یا فلاں کے موقف کا جواب ہے یہ تو معمولی بات ہے۔ لیکن پڑھنے والے جانتے ہیں کہ جواب تو کوئی نہیں لکھا جو وضع والوں کی دلیل ہے کہ "اذا کان قائماً فی الصلوٰۃ قبض بیمینہ علی شمالہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

" یعنی جب بھی رسول اللہ ﷺ نماز کے اندر کھڑے ہوتے تھے تو دائیں ہاتھ مبارک سے بائیں کو پکڑ لیتے تھے۔ یہ حکم تو ہر کھڑے ہونے والے کے لیے ہے۔ چاہے نماز میں کتنی بار کھڑا ہو اب اس کا جواب یہ ہونا چاہیے تھا کہ ثابت کیا جاتا کہ فلاں حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ بعد الرکوع ارسال کرتے تھے۔ یہ تھا جواب اور عموم کی تخصیص اس کی بجائے اور باتیں کرنا کہ ان کو دھوکہ لگا ہے۔ فلاں غلطی پر ہے۔ یہ محض قیاس ہے اللہ کے واسطے قارئین کرام انصاف کریں کہ اس طرف قیاس ہے یا حدیث پیش کی جاتی ہے اور دوسری طرف حدیث ہے یا صرف ظن اور تخمین؟ اللہ تعالیٰ سب کو ہدایت کرے خاص کر علماء کو کہ عوام کی تفریق کے بجائے انکو حق سنائیں اور خود حق پر کاربند رہیں۔ "اللّٰھم وفقنا لماتحب وترضی۔

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة الثامنة

تواتر عملی
یا
حیلہ جدلی

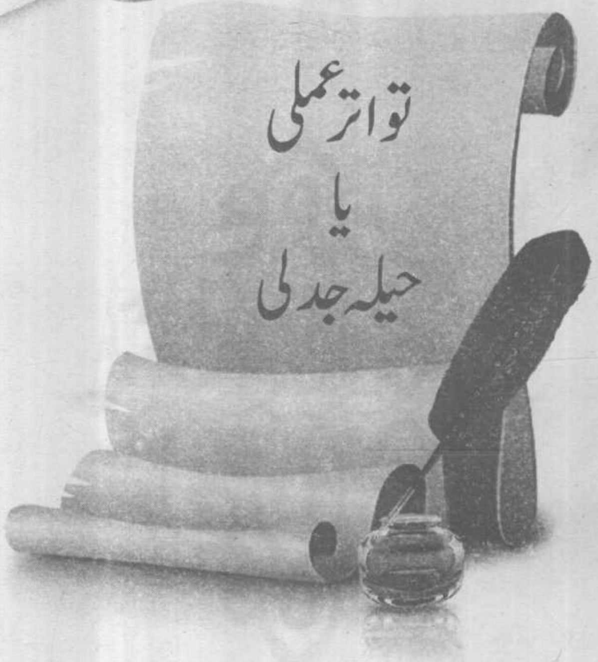

جماعت المسلمین کے امیر جناب مسعود احمد صاحب B.S.c نے اپنی کتاب ''صلوٰۃ المسلمین'' میں تواتر عملی کو دلیل بنا کر ارسال الیدین بعد الرکوع ثابت کرنے کی جسارت کی تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کا مکمل عملی رد کر کے ثابت کیا کہ یہ تواتر عملی نہیں بلکہ حیلہ جدلی ہے۔ (الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد!

رکوع کے بعد قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کے مسئلہ پر ہم مختلف رسائل لکھ چکے ہیں اور یہ مسئلہ بھی الحمدللہ مبرہن ہو چکا ہے اور نہ باندھنے والوں کے پاس اب سواء حیلہ اور آئیں بائیں شائیں کے کچھ بھی نہیں ہے، خاص طور پر ایک موہوم دلیل کا نام لیتے ہیں جس کا نہ سر ہے نہ پیر اور اس کا نام ہے۔''تواتر عملی''

ہم اس دلیل پر ایک مختصر رسالہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں امید ہے کہ اہل انصاف اس دلیل کی حقیقت معلوم کریں گے۔

ناظرین! ایک مصنف لکھتا ہے۔

رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے والوں سے ایک فیصلہ کن سوال

ہاتھ باندھنے والوں کا کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے تھے۔ ہم اسے تسلیم کئے لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ہاتھ باندھتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہاتھ باندھتے ہوں گے پھر تابعین بھی ہاتھ باندھتے ہوں گے اور اسی طرح یہ سلسلہ آگے چلتا رہا ہوگا۔ ہمارا سوال یہ کہ ہمیں وہ موڑ بتایا جائے جس موڑ پر پہنچ کر لوگوں نے ہاتھ باندھنے کے فعل کو یک لخت چھوڑ دیا، کسی ایک نے بھی اس کی مخالفت نہیں کی، نہ محدثین نے اس سلسلہ میں کوئی جز تالیف کیا اور نہ اپنی کتابوں میں اس مضمون پر باب باندھے۔ ہر سنت جب چھوڑی گئی اس کے خلاف آواز اٹھی، اختلاف ہوا۔ لیکن یہ کیسی سنت تھی کہ سب نے اسے چھوڑ دیا اور کسی ایک نے بھی اس ترک سنت کے خلاف آواز نہیں اٹھائی ایک متواتر سنت کو چھوڑ کر خلاف سنت عمل شروع کر دیا۔ سنت کی جگہ بدعت نے لے لی اور سب خاموش رہے، یہ کیسے ممکن ہے؟

خلاصہ:

ہم نے جس موڑ کے متعلق سوال کیا ہے ظاہر ہے کہ ہاتھ باندھنے والوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ باہمی مذاکرہ میں وہ اس سوال کا جواب نہیں دے سکے، لہٰذا یہ صحیح ہے کہ رکوع کے بعد کبھی ہاتھ باندھے ہی نہیں گئے، ہمیشہ ہاتھ چھوڑے گئے اور یہی عمل رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسلاً تسلسل اور تواتر کے ساتھ منتقل ہوتا رہا اور آج اسی تواتر عملی پر ہمارا عمل ہے جو کلام رسول اللہ ﷺ سے عملاً متواتر چلا آ رہا ہو۔ اس پر آبائی تقلید کا طعن اہل علم کے شایان شان

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں۔ آبائی تقلید میں وہ عمل گمراہی ہوتا ہے جس کا سلسلہ کسی نبی تک نہیں پہنچتا ہو۔ مزید برآں ہاتھ چھوڑنے کا عمل پوری امت کا متواتر عمل ہے اس کو آبائی تقلید سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ (صلوٰۃ المسلمین ص ۴۸۸ تا ۴۹۱ سال طباعت ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۲ء شائع کردہ جماعت المسلمین۔۲/۵۹۱ منصور کراچی۔۳۸۰۳)

ناظرین! تفصیلی جواب سے پہلے خود اس مصنف کی طرف سے جواب، جو گرما گرم ہے، پیش کیا جاتا ہے۔

غلط فہمی:

دوم: رسول اللہ ﷺ کو لاکھوں مسلمانوں نے نماز پڑھتے دیکھا۔ انہیں کروڑوں نے، اور یہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا، کیا ان ارب کھرب انسانوں کی شہادت کافی نہیں؟ کیا دیہاتی مسلمان صحیح بخاری سے نماز کا طریقہ سیکھا کرتے ہیں؟ جس طریقہ سے ہمارے آباء واجداد نماز ادا کرتے رہے، ہم نے وہ سلسلہ جاری رکھا اور اب ہماری (اولاد) ہماری نقل اتار رہی ہے۔ یہاں صحیح بخاری کی ضرورت ہی کہاں پیش آتی ہے۔ کشمیر کی ساری وادی میں غالباً صحیح بخاری کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہوگا، پھر بھی وہ نہایت صحت سے نماز پڑھتے ہیں۔

(دو اسلام: ۱۲۵)

ازالہ:

یہ جواب خود برق صاحب کے خلاف ہے، یعنی حدیث کی کتابت، حدیث کی حفاظت کے لیے لازمی شے نہیں۔ بلکہ حدیث پر جو عمل تواتر سے ہر زمانہ میں ہوتا رہا یہی اس کی اصل حفاظت ہے اور یہ ایسی حفاظت ہے کہ تقریباً پورا قرآن مجید اس حفاظت میں احادیث کی برابری نہیں کرتا، برق صاحب کی اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحیح بخاری ہو یا نہ ہو، احادیث عملاً محفوظ ہیں اور جس طرح آج تواتر کی وجہ سے محفوظ ہیں صحیح بخاری کی تالیف سے پہلے بھی تواتر کی وجہ سے اسی طرح محفوظ تھیں، لہٰذا یہ اعتراض کہ صحیح بخاری کی تالیف سے پہلے ڈھائی سو سال گذر چکے تھے، اس طویل زمانہ میں حفاظت حدیث کا کوئی انتظام نہ تھا، اور یہ کہ تمام احادیث غیر محفوظ تھیں اس لیے ناقابل اعتماد ہیں۔ خود بخود کالعدم ہو جاتا ہے، اور یہ ماننا پڑتا ہے کہ صحیح بخاری کی تالیف کے وقت بھی احادیث عملی تواتر کی وجہ سے محفوظ تھیں۔ امام بخاری نے انہی محفوظ احادیث کو روایۃً اور سنداً بھی محفوظ کر لیا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ امام بخاری پہلے آدمی نہیں ہیں، جنہوں نے احادیث کو لکھ کر محفوظ کر لیا بلکہ ہر دور میں یہ کام تواتر سے ہوتا رہا، اور احادیث روایۃً بھی تواتر کے ساتھ نقل ہوتی رہیں الا ماشاء اللہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوال:

برق صاحب! مالکی اور شیعہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں اور باقی فرقے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ مالکیوں اور شیعوں نے یہ طریقہ سلسلہ بسلسلہ اربوں، کھربوں انسانوں کے عملی تواتر سے اخذ کیا باقی فرقوں نے بھی اپنا طریقہ عملی تواتر سے حاصل کیا، تو اب بتائیے کون سا عمل صحیح تواتر ہے اور اگر ان میں سے ایک صحیح ہے دوسرا غلط، تو کیا پھر تواتر کی اہمیت کچھ باقی رہ جائے گی؟ حالانکہ آپ نے اپنے اعتماد کی ساری عمارت تواتر کی بنیاد پر ہی کھڑی کی ہے، اگر آپ فرمائیں کہ دونوں تواتر صحیح ہیں تو پھر کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کبھی دوسرے تواتر پر بھی آپ نے عمل کیا، اگر نہیں تو کیوں؟ کیا ایک طریقہ کو اختیار کرنا اور دوسرے کو مطلقاً چھوڑ دینا مناسب ہے؟

برق صاحب! پھر ان متواتر اعمال میں بعض ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ مثلاً ایک ہی چیز ایک فرقہ کے ہاں حرام ہے، دوسرے کے ہاں حلال، ایک ہی چیز ایک فرقہ کے ہاں پاک ہے دوسرے کے ہاں ناپاک، ایک فرقہ کے نزدیک زیور پر زکوٰۃ فرض ہے، دوسرے کے ہاں نہیں تو اب بتائیے کیا دونوں تواتر صحیح ہیں؟ حلال بھی عملی تواتر سے ثابت ہے، اور حرام بھی عملی تواتر سے ثابت ہے، اور دونوں صحیح یہ کس قدر مضحکہ خیز ہے، اس مضحکہ خیز اختلاف کو دور کرنے کا ایک طریقہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان احادیث کو دیکھا جائے جو روایۃً محفوظ اور منضبط ہیں کہ آخر وہ کس کی تائید کرتی ہیں، بس جس کی وہ تائید کریں وہ صحیح ہے اور دوسرا غلط ہے، یہ ہے وہ مقام جہاں کتب حدیث کی ضرورت پڑتی ہے، اور ان کے بغیر چارہ نہیں۔ دوسری بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ عملی تواتر کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں مثلاً تعزیہ پرست تعزیہ کو عملی تواتر کا درجہ دیتے ہیں۔ وہ جب جواب دیتے ہیں تو یہی جواب دیتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد سے ایسا ہوتا آیا ہے لہٰذا ہم تو یہی کریں گے خواہ آپ ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات تلاوت کریں یا احادیث سنائیں، ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور اگر ہوگا تو اس صورت میں ہوگا کہ وہ اپنے عملی تواتر کو مسترد کر دیں۔

برق صاحب کا یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ وادی کشمیر میں صحیح بخاری کا کوئی نسخہ موجود نہیں، صحیح بخاری تو کیا وہاں کے کتب خانوں میں، صحاح ستہ تک محفوظ ہیں، اور نہ صرف کتب خانون میں بلکہ بہت سے علماء کے پاس یہ کتابیں موجود ہیں۔

پھر یہ خیال بھی صحیح نہیں، کہ کشمیری نہایت صحت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، صحت تو کجا سو میں سے ایک بھی بمشکل صحیح نماز پڑھ سکتا ہے، جہالت، تقلیدی بندشوں اور تغافل کا دور دورہ ہے۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

﴿كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ (الروم : ۳۲)

''ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔''

کا نقشہ نظر آتا ہے۔ (تفہیم الاسلام ص۲۲۳ تا ۲۲۴۔ اشاعت ثانی سال طباعت ۱۹۸۲ بمطابق ۱۴۰۲ھ شائع کردہ جماعت المسلمین)

ناظرین! اب دونوں عبارتوں کو بار بار پڑھیں ایک اونچی عمارت بنا کر خود اس کو گراتے ہیں خود دعویٰ کرتے ہیں خود فرماتے ہیں کہ!

''عملی تواتر کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں''

پھر عملی تواتر کو ارسال کے لیے بطور دلیل پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے اور فرماتے ہیں کہ:

''تعزیہ پرستی وغیرہ کرنے والوں کی دلیل بھی اس قسم کی ہے۔''

ثابت ہوا کہ ارسال اور تعزیہ پرستی کرنے والوں کی دلیل ایک قسم کی ہے اور خود مانتے ہیں کہ شیعہ اور مالکی وغیرہ جو رکوع سے پہلے ہاتھ کھول کر پڑھتے ہیں ان کی دلیل بھی تواتر عملی ہے اسی طرح سب فرقوں کی دلیل تواتر عملی ہے۔ پھر ارسال والوں نے اس سے استدلال کیا تو کونسی بڑی بات ہے اور خود فرماتے ہیں کہ:

''تعزیہ والوں سے جب پوچھا جاتا ہے تو یہی جواب دیتے ہیں۔''

تو معلوم ہوا کہ ارسال والوں نے انہی سے اخذ کیا ہے۔ فالمقلد ذهل والمقلد جهل

الغرض: اس دلیل کی تردید کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ خود اس سے استدلال کرنے والا کئی وجوہ سے اس کو رد کرتا ہے اب اس کے بعد ہم صلوٰۃ المسلمین کی عبارت کا جائزہ لیتے ہیں۔

اولاً: تواتر کے لیے شرط ہے کہ مسموع ہو یعنی جو دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے استاد سے سننا نقل کرے اور وہ اپنے استاد سے اور وہ دوسرا اپنے استاد سے یہاں تک کہ یہ سلسلہ صحابہ کرام تک پہنچے اور ایک دوسرے سے سنتے آئیں کہ رکوع کے بعد ہاتھ کھولنے چاہئیں یا مشاہدہ ہو یعنی ارسال کا مدعی ثقہ اور معتبر ہو اور حدیث پر ایمان اور پختہ یقین رکھتا ہو۔ وہ اپنے ثقہ استاد سے نقل کرے کہ یہاں تک کہ سلسلہ مسلسل صحابہ کرام تک پہنچے اور درمیان میں کوئی راوی مجروح یا ضعیف نہ ہو بلکہ سب ثقہ اور معتبر ہوں اسماء رجال کی کتب میں ان کا حال اور تعدیل و توثیق مذکور ہو۔ چنانچہ شرح النخبہ ص ۸ میں ہے:

"وان يكون مستند انتهائه الامر المشاهد اوالمسموع لا ما ثبت بقضية العقل الصرف"

''اور یہ کہ اس کی استناد کی انتہا کسی امر مشاہد پر یا امر مسموع پر ہو۔ محض عقل سے ثابت نہ ہو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: فقہاء کے نزدیک دلیل کی چار قسم ہیں:

قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس، اگرچہ ان میں بھی اختلاف کرتے ہیں مگر یہ پانچویں دلیل جس کو تواتر عملی کہتے ہیں، کسی نے ذکر نہیں کیا اور ان چار میں سے کسی کا بھی تواتر عملی نام نہیں۔

ثالثاً: اگر کسی تواتر کے لیے اجماع ہے تو یہ خطا واضح ہے اس لیے کہ سلف وخلف میں عمل پایا جاتا ہے، ہمارے رسائل زیادۃ الخشوع وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔

رابعاً: رسول اللہ ﷺ کے بعد مسائل بدلتے رہے جس طرح امام ابن قیم اعلام الموقعین ص۳۷۶ تا ۳۷۷/ج۲ میں ایسے کئی مسائل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"ولو تركت السنن للعمل لتعطلت سنن رسول الله ﷺ ودرست رسومها وعفت آثارها، وكم من عمل قد اطرد بخلاف السنة الصريحة علىٰ تقادم الزمان والى الآن وكل وقت تترك السنة ويعمل بخلافها ويستقم عليها العمل فتجد يسيرًا من السنة معمولًا به علىٰ نوع تقصير واخذ بلا حساب ماشاء الله من سنن قد أهملت وعطل العمل بها جملة فلو عمل بها من يعرفها لقال الناس تركت السنة۔"

"پس اگر اس طرح بعد کے عمل لے کر سنتوں کو چھوڑنا شروع کیا تو شاید کوئی سنت بھی تمہارے ہاتھ میں نہ رہ سکے ساری سنتیں اس طرح تو مٹ جائیں گی ان کے نشان بھی ناپید ہو جائیں گے۔ آہ! کس سے کہیں کس کے پاس اپنا دکھ لے جائیں بیسیوں سنتیں ہیں جو اس آڑ میں ترک کردی گئی ہیں، پہلے بھی یہ ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ دھڑا دھڑ حدیث چھوٹتی ہے اور اس کے خلاف ہر عمل ہوتا ہے پھر وہی عمل جم جاتا ہے اور سنت ان جان بن جاتی ہے۔ بہت کم سنتیں اپنی جگہ پر رہ گئی ہیں ورنہ یا تو خلاف ہوا یا کمی بیشی ہوئی تم بے حساب سنتیں ایسی حالت میں پاؤ گے کہ وہ مہمل اور معطل ہوگئی ہیں ان پر سے عمل چھوٹ گیا ہے، بدعتوں نے کچھ بری طرح اپنے پنجے گاڑ دیے ہیں کہ آج اگر کوئی نیک دل خداترس سنت پر عمل کرنے کو کھڑا ہو تو لوگ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے سنت چھوڑ دی۔"

پس جبکہ ثبوت حدیث سے ہے تو پھر یہ عذر بے کار ہے عمل کیسے چھوٹا کیونکہ حکم ہے کہ:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ (الاسراء: ۳۶)

"جس بات کی تمہیں خبر ہی نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ۔"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ مرفوع احادیث وآثار صحابہ وتابعین میں ارسال کا نہیں بلکہ صرف وضع کا ذکر ملتا ہے۔

خامساً: یہ عذر وہاں معتبر ہوسکتا ہے جس مسئلہ کے متعلق نصوص شرعیہ میں کوئی ہدایت وارد نہ ہو بخلاف مانحن فیه۔

یہاں چونکہ ہدایت وارد ہے اور عموم بھی ہدایت ہے پس عمل کا چھوٹ جانا یا چھوڑ دینا برابر ہے۔

سادساً: امام احمد بن حنبل کا مذہب اس باب میں اختیار کا ہے، وضع کرے یا ارسال جیسا کہ ہم نے اپنے رسائل میں ذکر کیا ہے اور اعلام الموقعین ۱:۳۱ میں امام موصوف کا قاعدہ مذکور ہے۔

"الاصل الثالث من اصوله اذا اختلف الصحابة تخير من اقوالهم ماكان اقربها الى الكتاب والسنة ولم يخرج من اقوالهم فان لم يتبيّن له موافقة احد الاقوال حكى الخلاف فيها ولم يجزم بقول"

"تیسرا اصول امام صاحب کا یہ تھا کہ جب صحابہ میں کسی مسئلے میں اختلاف پاتے تو جس کا قول آپ کو کتاب وسنت کے قریب معلوم ہوتا لے لیتے لیکن ان اقوال کے باہر نہیں جاتے تھے اور اس صورت میں اگر آپ کو کسی قول کی ترجیح کی کوئی وجہ نہ ملتی تو پھر آپ ان مختلف اقوال کو ذکر کردیتے اور کسی قول پر زور نہ دیتے۔" (اعلام الموقعین اردو ۱:۲۳)

پس امام صاحب کا اختیار دینا بالکل واضح کرتا ہے کہ سلف میں مختلف فیہ عمل تھا اور چھوٹ نہیں گیا تھا۔ دراصل اسطرح تواتر کا دعویٰ کرنا اور ثبوت موجود نہ ہو یہ کوئی شرعی دلیل نہیں کیونکہ یہی تو ان کفار کی دلیل تھی۔

"اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَ نَا عَلٰى اُمَّةٍ"

اگر بقول شما وہی حق ہے جو آپ کہتے ہیں تو ہمارے اسلاف سے یہ عقیدہ کیسے چھوٹ گیا؟ یہ تواتر کا بہانہ تو انہی کا تھا۔

سابعاً: یہ تواتر کا دعویٰ بھی اپنے علم کی بناء پر ہے۔ نہ کسی روایت کی بناء پر۔

"ومن المعلوم ان عدم العلم ليس علما بالعدم"

ثامناً: طلاق ثلاثہ کا مسئلہ لیجئے آٹھویں صدی تک چھوڑ دیا گیا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اس کو پھر اٹھایا اور امام موصوف اور اس کے تلمیذ رشید دونوں نے باوجود وسیع علم وکثیر اطلاع کے بڑی کوشش کی کہ سلف سے اس کا ثبوت پیش کریں۔ مگر چند محدود ثبوت، مذاہب اربعہ سے ثابت کر سکے۔ اس طرح مسئلہ فیما

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نحن فیہ میں سلف سے علماء کے اقوال ملتے ہیں مگر جب کہ اصل چیز نصوص میں موجود ہے تو پھر عمل کا جاری رہنا یا نہ رہنا دوسری بات ہے، چھوٹ جانے کے کئی اسباب ہوتے ہیں اور وہ اصل مسئلہ پر اثر انداز نہیں ہوں گے۔

تاسعاً: مالکیہ کے ہاں وضع پر عمل بالکلیہ متروکہ ہے تو کیا وہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل کافی ہے؟ اگر صحابہ وتابعین کا عمل علی الوضع ہوتا تو اہل مدینہ سے کیسے چھوٹ جاتا؟ یہ عذران کا قابل التفات نہیں لہٰذا ہم کہیں گے کہ حدیث موجود ہے، خود موطا میں مروی ہے پھر صحابہ کے آثار موجود ہیں۔ لہٰذا ترک وعدم ترک کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح امام محمد بن نصر مروزی رفع الیدین کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"اجمع علماء الامصار علی مشروعیة ذالك الا اهل الكوفة"

(فتح الباری ۲:۲۰-۲۱۹ اعلام الموقعین ۲:۳۷۶)

''کوفے والوں کے علاوہ تمام شہروں کے علماء کا رفع الیدین کی مشروعیت پر اجماع ہے۔''

"وهو عمل كان رأى عين .... ثم صار العمل بخلافه"

''مختصراً کیا کوفہ میں صحابہ نہیں تھے تابعین نہیں تھے؟ لیکن بعد میں یہ عمل کیوں چھوٹ گیا؟''

عاشراً: تواتر جس کا نام لیا جارہا ہے وہ بذات خود کوئی دلیل نہیں نہ مدعی کے لیے نہ منکر کے لیے بلکہ اس مسئلہ میں موید ہوسکتا ہے، جسکا نصوص شرعیہ سے ثبوت ہو، نہ کہ وہ بذات خود مستقل دلیل ہے۔

الحادی عشر: امام ترمذی نے ایک حقیقت ذکر کی ہے جو ان کی تحقیق کے مطابق واقعی ایک حقیقت ہے وہ اپنی سنن ''الترمذی'' کے آخر ص ۲۵۷ کتاب العلل میں فرماتے ہیں کہ:

"جميع مافی هذا الكتاب من الحديث هو معمول به وبه اخذ بعض اهل العلم ماخلا حديثين حديث ابن عباس ان النبی ﷺ جمع بين الظهر و العصر بالمدينة والمغرب والعشاء من غير خوف ولا سفر ولا مطر وحديث النبی ﷺ انه قال اذا شرب الخمر فاجلدوه فان عاد فی الرابعة فاقتلوه وقد بينا علة الحديثين جميعاً فی الكتاب"

''حدیث میں سے جو کچھ اس کتاب میں ہے وہ معمول بہ ہے۔ بعض اہل علم نے سوائے دو حدیثوں کے اس کے ساتھ تمسک کیا ہے۔ ایک حدیث ابن عباس کی کہ نبی ﷺ مدینہ میں ظہر اور عصر اور مغرب وعشاء کو بغیر خوف، سفر اور بارش کے جمع کیا اور نبی ﷺ کی دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ: جب کوئی شراب پیئے تو اس کو کوڑے مارے جائیں پھر بھی اگر چوتھی بار

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پیئے تو اس کو قتل کردو۔ ہم نے کتاب میں دونوں حدیثوں کی علت بیان کردی۔"

اگر امام موصوف کا یہ قول تسلیم کیا جائے تو کیا اصل حدیث کی صحت پر صرف اس وجہ سے قدح لازم آئے گی؟ حاشا وکلا۔ ہاں اگر کوئی تعلیل کی صورت ہو تو اور بات ہے بلکہ یہاں بھی علامہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی (۴: ۳۸۴) پر امام ترمذی کے اوپر بھی اعتراض کیا ہے وہ سنن ترمذی ص ۲۵۷ کی آخر میں کتاب العلل میں فرماتے ہیں کہ:

وما طریق ثبوت عدم اخذ اهل العلم به الخ (اہل علم نے اس کو نہیں لیا تو اس کا کیا ثبوت ہے) كذا نقله عن صاحب دراسات اللبیب۔

اس طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ "وما طریق ثبوت ترك الوضع بعد الركوع عن الجميع" اگر کہو گے نظر نہیں آرہا تو ہم کہیں گے کہ اس بنا پر تو امام ترمذی نے ترک العمل کا ذکر کیا لیکن پھر بھی اس سے ثبوت طلب کیا جارہا ہے بلکہ حدیث الجمع بین الصلواتین تو صحیح مسلم کی بھی ہے پس ہم پوچھتے ہیں کہ کیسے اس پر عمل چھوٹ گیا۔ "فما هو جوابك فهو جوابنا فان قلت قلنا كذالك فيما نحن فيه" سب سے ترک العمل ثابت نہیں بلکہ بعض سے عمل مروی و ثابت ہے۔

الثانی عشر: تواتر کے قائل ارسال کے لیے اجماع کے مدعی ہیں یا اکثریت کے۔

علی الاول: وہ مکلف ہے کہ نام گنوائے اسی بناء پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"ما يدعى فيه الرجل الاجماع هو الكذب، من ادعى الاجماع فهو كذاب لعل الناس قد اختلفوا مايدريه ولم ينتبه اليه" (الاحکام: ۵۴۲)

"اور کسی مسئلے میں اجماع کا دعویٰ کیا جائے تو وہ جھوٹ پر مبنی ہے اور اگر کسی نے کسی مسئلے میں اجماع کا دعویٰ کیا تو وہ جھوٹا ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ لوگوں کا اس مسئلے میں اختلاف ہو اور اس کا اس کو علم نہ ہو اور وہ اس سے بے خبر ہو۔"

علی الثانی: بلکہ سلف میں ایسے کئی مسائل ملتے ہیں کہ ان سے قبل ایسا کوئی قول نہیں ملتا۔ ابن حزم "الاحکام" (ص ۵۴۳) میں فرماتے ہیں کہ:

"وقد ذكر محمد بن جرير الطبرى انه وجد للشافعى اربعمائة مسألة خالف فيها الاجماع وهكذا القول حرفا حرفا فى اقوال ابن ابى ليلى وسفيان والاوزاعى وزفر وابى يوسف و محمد بن الحسن والحسن بن زياد واشهب وابن الماجشون والمزنى وابى ثور واحمد واسحاق وداود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و محمد بن جریر مامنهم احد الا وقد صحت عنه اقوال فی الفتیا لا یعلم احد من العلمآء قالها قبل ذالك القائل ممن سمینا واکثر ذالك فیما لا شك فی انتشاره واشتهاره"

''امام طبری'' نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ کے چار سو مسائل ایسے پائے ہیں جن میں انہوں نے اجماع کی مخالفت کی ہے اور امام ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام زفر، امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، حسن بن زیاد، اشہب بن ابن ماجشون، امام مزنی، ابو ثور، احمد، اسحاق، ابو داؤد اور محمد بن جریر (رحمهم الله علیه اجمعین) کے اقوال کے متعلق بھی بالکل اسی طرح کی راء ہے۔ ان سے قبل کسی عالم نے نہیں کہا اور ان میں بیشتر اقوال ایسے مسائل میں ہیں، جن کے مشہور ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔''

الثالث عشر: ظاہر ہے کہ یہ ان کے اقوال انکے اجتہاد کی بناء پر ہیں اب ان کے اجتہاد کو اسطرح رد کرنا کہاں تک درست ہے۔ جس نص سے انہوں نے یہ مسائل لیے ہیں، ان سے قبل صحابہ یا تابعین سے اس پر عمل کیسے چھوٹ گیا حاشاوکلا۔ یہ بالکل نا معقول سوال ہے۔ ہاں! اگر کوئی نص معارض ہو یا جس نص سے استدلال کیا جاتا ہے اس پر اعتراض ہو یا عموم سے تخصیص کے لیے کوئی اور نص پیش کی جائے نہ کہ ایک موہوم چیز کا سہارا لیا جائے۔

الرابع عشر: ہمارا مسئلہ صریحاً منصوص ہے۔ مندرجہ ذیل دو حدیثوں پر غور فرمائیں۔

(۱)...... "حدیث ابی هریرة: ثم یقول سمع الله لمن حمده حین یرفع صلبه من الرکوع ثم یقول وهو قائم ربنا لك الحمد" (البخاری ۱:۱۰۹ - باب التکبیر اذا قام من السجود کتاب الصلوٰة۔ رقم الحدیث۔۷۸۹)

پھر فرماتے سمع الله لمن حمده جب رکوع سے اپنی پیٹھ اٹھاتے پھر کھڑے ہی ربنا ولك الحمد کہتے۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ بعد الرکوع، کھڑا ہونے والا۔ ''قائم'' ہے۔

یہ نص صریح ہے، کوئی تاویل نہیں، اشارہ نہیں، اقتضاء نہیں اور کھینچ تان نہیں۔

(۲) حدیث وائل بن حجر: "اذا کان قائما فی الصلوٰة قبض بیمینه علی شماله" (النسائی ۱:۹۰) باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰة - کتاب الصلوٰة رقم الحدیث۔ ۸۸۸)

''وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ جب نماز میں

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھڑے ہوتے تو داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھتے۔"

یہ حدیث اس باب میں نص صریح ہے کہ نماز میں قائم کے لیے یہی حکم ہے کہ "وضع اليمين على الشمال" ہو۔ یہاں بھی کوئی تاویل وغیرہ نہیں نص کیخلاف امت میں اجماع واقع ہوتا یا بالکلیہ وہ متروک العمل ہو جائے یہ ناممکن اور محال ہے۔

"كما بينه فى الاحكام" (ص ٤٩٥)

"الخامس عشر: المحلى" (١١٢:٤ تا ١١٤) میں ہے۔

"قال ويستحب ان يضع المصلى يده اليمنى على كوع يده اليسرٰى فى الصلوٰة فى وقوفه كله فيها"

"انہوں نے کہا کہ مستحب ہے کہ نمازی ہر وقوف میں اپنا سیدھا ہاتھ الٹے ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔"

امام ابن حزم بتصریح بتا رہے ہیں کہ نماز میں ہر وقوف، کھڑے ہونے کی حالت میں ہاتھ باندھنے ہیں اس کے بعد مرفوع و موقوف دلائل ذکر کر کے فرماتے ہیں:

"وروينا فعل ذالك عن ابى مجلز ابرهيم النخعى وسعيد بن جبير و عمروبن ميمون و محمد بن سيرين وايوب السختيانى وحماد بن سلمة انهم كانوا يفعلون ذالك وهو قول ابى حنيفة والشافعى و احمد و داؤد"

(ايضاً ص:١٨)

"ہم نے یہ عمل ابی مجلز ابراھیم نخعی، سعید بن جبیر، عمرو بن میمون، محمد بن سیرین، ایوب السختیانی، حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے کہ وہ یہ عمل کرتے تھے اور یہی ابو حنیفہ اور شافعی اور احمد اور داؤد کا قول ہے۔"

امام موصوف کی اس عبارت سے واضح ہے کہ یہ عملی تواتر ختم نہیں ہوا بلکہ کافی زمانہ تک جاری رہا۔ پس یہ اعتراض بے معنی ہے۔

السادس عشر: علی التقدیر بالفرض ہم تسلیم کرلیں کہ عمل چھوٹ گیا تو کیا اس سے استدلال باطل ہوگیا یا حدیث معلول ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہیں تھا تو بھی کوئی اعتراض نہیں رہتا۔ اس لیے کہ مسئلہ حدیث سے لیا جاتا ہے اجتہاد ہر زمانہ میں جائز اور جاری ہے جب بھی کوئی مسئلہ نصوص سے سمجھ میں آئے، تو قابل عمل ہوگا، اگر روایت معترضین کی نظر میں صحیح نہیں ہے تو اس پر کلام کریں یا استدلال صحیح نہیں تو اس پر تنقید کریں۔ لیکن یہ حق نہیں کہ بقول ان کے اعتراض پایا جاتا ہے لہٰذا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث سے یہ مسئلہ نہیں نکلتا کیونکہ: "کم ترك الاول للآخر" مسلم ہے۔

اور امام شوکانی ارشاد الفحول (ص: ٢٥٤) میں فرماتے ہیں کہ:

"فالاجتهاد على المتأخرين ايسر واسهل من الاجتهاد على المتقدمين ولا يخالف فى هذا من له فهم صحيح وعقل سوى"

"پس! اجتہاد زیادہ آسان ہے متاخرین کے لیے بنسبت متقدمین کے، اور مخالفت نہیں کرے گا اس بات میں وہ شخص جس کو صحیح سمجھ اور عقل سلیم ہے۔"

السابع عشر: ایضا خود معترض کے یہ الفاظ ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ و تابعین کا بھی عمل تھا تو یہ تواتر لوگوں سے کیسے ختم ہوا؟ اس کا جواب اتنا ہی کافی ہے کہ ختم نہیں ہوا ہے اور بخاری شریف میں امام زھری سے مروی ہے کہ:

"دخلت على انس بن مالك بدمشق وهو يبكى فقلت: مايبكيك ؟ فقال لااعرف شيئًا مما ادركت الا هذه الصلاة وهذه الصلاة قد ضيعت"

(كتاب الصلوٰة باب تضييع الصلاة عن وقتها رقم الحديث)

"وہ بیان کرتے ہیں کہ میں دمشق میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کس بات پر آپ رو رہے ہیں؟ فرمایا نبوی دور کی صرف نماز ہی ہمارے پاس باقی رہی تھی اور وہ بھی ضایع ہوتی دیکھ رہا ہوں۔"

پس جبکہ خود صحابہ کے زمانے میں یہاں تک ضیاع آگیا کہ صحابہ کرام حسرت کرتے اور روتے تھے تو بعد میں کئی تبدیلیاں واقع ہوسکتی ہیں اگر چہ امام بخاری نے اس پر "باب تضييع الصلاة عن وقتها" منعقد کیا ہے مگر الفاظ عام ہیں اس روایت سے قبل اس باب میں امام بخاری نے جو روایت لکھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ:

"اليس قد صنعتم ما صنعتم فيها" (بخاری)

نیز اگر خاص "التضييع عن الاوقات" مراد ہے تو بھی وہی سوال ہے کہ جب نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں اوّل وقت میں اہتمام سے نماز پڑھی جاتی تھی تو پھر یہ تواتر کیسے لوگوں سے ختم ہوا۔

بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اگر کہیں گے عدم الذکر عدم الوقوع کو مستلزم نہیں ہے طلاق ثلاثہ کے بارے میں جب تواتر کے خلاف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر المومنین عمر فاروقؓ نے فیصلہ دیا، خواہ کسی مصلحت کی بناء پر یا عارضی سمجھ یا یوں کہو کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے رجوع کیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر کسی صحابی سے اعتراض منقول ہے۔ تراویح عہد نبوی (ﷺ) سے لے کر خلافت فاروقیہ تک آٹھ رکعت کا صریح ثبوت ملتا ہے اور کسی صحابی سے معتبر سند سے آٹھ رکعت سے زیادہ ثابت نہیں جن سے ثابت ہے تو ثمان رکعت تک، امیر عمرؓ سے (۲۰) بیس رکعت والی روایت صحیح نہیں شاذ ہے یا منقطع اور اب سوائے اہلحدیث کے سب جگہ چاروں فرقوں میں سب شہروں میں حتی کہ حرمین کے اندر بھی بیس (۲۰) پڑھی جاتی ہیں۔

خدارا! بتائیے! کہ تواتر کیسے بدلا اور کیسے کم ہوا اور اہلحدیث اب بھی الحمد للہ ہر جگہ آٹھ پڑھتے ہیں، اس لیے کہ حدیث سے اتنی ہی ثابت ہیں۔ اسطرح اسی مسئلہ میں خود آپ کچھ بھی کہیں کتنا ہی خلو العصر ثابت کریں، مگر اہلحدیث کا تو وہی عمل رہے گا جو کہ الفاظ حدیث سے ثابت ہوا، لا غیرہ۔

الثامن عشر: ہاتھ باندھنے کا مسئلہ تو درکنار خود قیام بعد الرکوع کو دیکھئے رسول اللہ ﷺ کس قدر اس کو طویل کرتے تھے اس قیام میں کتنی طویل دعا پڑھتے تھے اور بعد میں بھی صحابہ میں اور سلف میں یہ عمل رہا۔ مگر اب اس طرح کا اہتمام اور اطمینان وطول اس قیام میں اور تو اور خود اہلحدیثوں میں نہیں رہا ہے۔ ان کی مساجد اور جماعت کو جا کر دیکھیں الا ماشاء اللہ چند محدود ایسے ملیں گے جو اس قیام کو سنت کے مطابق ادا کرتے ہوں گے۔ باللہ! جواب دیں کہ یہ حتمی تواتر اور قطعی الثبوت عمل کیسے کم ہوا اور کم بھی ایسا کہ قریب الختم ہے پھر یہ سوال صحیح نہیں ہے۔

ناظرین! غور فرمائیں کہ قیام بعد الرکوع کی مسنون کیفیت پر ہی تواتر نہ رہ سکا تو پھر ہاتھ باندھنے یا کھولنے پر تواتر کا نام لینا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔

التاسع عشر: جس طرح تفہیم الاسلام کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

''صرف تواتر کافی نہیں ان احادیث کی بھی ضرورت ہے، جو کتابوں میں منضبط ہیں۔''

ہم بھی کہتے ہیں یہاں بھی صرف تواتر کا نام نہ لیں اور احادیث میں دیکھیں۔ ان میں صرف، باندھنے کا ذکر ہے اور ارسال کا نام ونشان تک نہیں۔ بس وہی عمل صحیح ہوگا جس کا ذکر حدیثوں میں ہوگا۔

العشرین: مسئلہ خلافیہ ہے کئی لوگ باندھنے کے قائل رہے ہیں پس اختلاف کے وقت حکم ہے کہ:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: ۵۹)

''پھر اگر کسی معاملہ پر تمہارے درمیان جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو۔''

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور احادیث میں صرف وضع کا ذکر ہے، نہ کہ ارسال کا۔ پس وہی فیصلہ ہوگا اور اسی پر عمل ہوگا اللہ تعالیٰ سب کو صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔

الحادی والعشرون: یہ عمل یک لخت نہیں چھوڑا گیا جیسے جیسے قیام بعد الرکوع میں طول کم ہوتا گیا آہستہ آہستہ یہ عمل چھوٹتا گیا اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ شروع سے لے کر آج تک کچھ نہ کچھ لوگ وضع الیدین بعد الرکوع پر عامل رہے ہیں۔ جس پر ہمارے رسائل شاہد ہیں۔

الثانی والعشرون: محدثین کرام نے باب اس لیے نہیں باندھے کہ دونوں قیاموں میں ہاتھ کی کیفیت ایک تھی، کوئی فرق نہیں تھا اس لیے ایک ہی باب پر اکتفا کی۔ ہاں دعا اور قراءۃ کا صرف فرق تھا اس لیے ان دونوں کے لیے باب الگ رکھے جیسا کہ دو سجدوں میں کوئی فرق نہیں اس لیے ان کے لیے ایک ہی باب رکھا۔

الثالث والعشرون: یہ بھی کہنا غلط ہے کہ مذاکرہ میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکے حالانکہ جواب دیا گیا تھا۔ الحمد للہ! اوراق سابقہ ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

پس جب یہ سوال نہ رہا تو انکا کہنا بھی صحیح نہیں ہوا۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رکوع کے بعد کبھی ہاتھ باندھے ہی نہیں گئے کیونکہ جس مقدمہ پر اس کی بناء تھی وہ گر گیا: فالمبنی علیه مثله

الخامس والعشرون: پس یہ محض اندھیرے میں تیر مارنا اور رجما بالغیب کہنا ہے کہ قرناً بعد قرنٍ عمل چلا آتا ہے آبائی تقلید نہیں ہے"

ان کنت لا تدری فتلك مصیبة

وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

السادس والعشرون: آپ تسلیم کرتے ہیں کہ متواتر اعمال میں بعض ایسے ہیں جو ایک دوسرے کے ضد ہیں الخ پس اس تواتر کی دلیل نہ ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے جو اس کو دلیل تسلیم کیا جائے۔

﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء:۸۲)

''اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔''

پس جو چیز مختلف فیہ ہو وہ حجت نہیں ہوسکتی۔ قرآن و حدیث میں اختلاف نہیں ہے، لہٰذا وہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ حجت ہیں مگر لوگوں کا اجتہاد مختلف فیہ ہے لہٰذا ایک کا اجتہاد دوسرے پر حجت نہیں ہوتا۔

السابع والعشرون: حتی کہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ حلال و حرام میں بھی ایک دوسرے کے خلاف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تواتر ہوسکتا ہے تو پھر ان مسائل میں ایسے تواتر کا کیا اعتبار؟

الثامن والعشرون: بقول آپ کے اس مضحکہ خیز اختلاف کو دور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان احادیث کو دیکھا جائے جو روایۃً محفوظ اور منضبط ہیں کہ آخر وہ کس کی تائید کرتی ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ حدیثوں میں صرف وضع کا ذکر ہے۔ اگر کوئی حدیث قیام ثانی یعنی بعد الرکوع کو اس سے مستثنیٰ کرتی ہے تو فَبِھا ورنہ ہاتھ باندھے ہی جائیں گے یہی اسلم طریقہ ہے۔

التاسع والعشرون: اسی طرح سلسلہ بنانا بھی کارآمد نہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ ہاتھ باندھتے تھے تو صحابہ کرام بھی باندھتے ہوں گے پھر تابعین بھی باندھتے ہوں گے اور اسطرح سلسلہ چلتا رہا۔ میں کہتا ہوں اس کی کوئی ضرورت نہیں، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی مسائل میں جو تابعین سے قولاً خواہ عملاً اختلاف پایا جاتا ہے وہ اجتہاد کی بناء پر ہے۔ مثلاً مسئلہ فاتحہ خلف الامام کو لیجیے جبکہ مشہور "حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن" یعنی (سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں) صریحاً فاتحہ کی فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ مگر بایں ہمہ بعض صحابہ اور تابعین فرضیت کے قائل نہیں تھے۔ دیکھیں جزء القراءۃ للبخاری وغیرہ۔

مگر محدثین اس اختلاف کی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ حدیث کے الفاظ صاف ملتے۔

الثلاثون: اگر بالفرض کسی صحابی یا تابعی سے صریحاً ارسال بعد الرکوع قولاً یا عملاً ثابت ہوجائے تو بھی مرفوع حدیث "اذاکان قائماً (الحدیث) کا عموم اس سے خاص نہیں ہوسکتا۔ مثلاً اسی فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں جابرؓ کے قول الا وراء الامام (ترمذی وغیرہ) سے حدیث لاصلوٰۃ خاص نہیں ہوسکتی اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک مشت کے بعد داڑھی کا کاٹنا نبوی عام حکم اعفوا اللحی کو خاص نہیں کرسکتا۔ نیز علیؓ کا قول: "لاتشریق ولا جمعۃ الا فی مصر جامع (ابن ابی شیبہ وغیرہ) اس سے جمعہ کا عام حکم خاص نہیں ہوسکتا۔

ایضاً حدیث الرقی والتمائم والتولۃ شرك (ابوداود، حاکم وغیرہ) کو کسی صحابی یا تابعی کے قول یا عمل سے اگر ثابت ہوجائے تو بھی خاص کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ پس اسی مسئلہ میں بھی اگر بفرض محال کسی صحابی یا تابعی سے قیام بعد الرکوع ارسال ثابت ہو جائے تو بھی حدیث کے عموم کو خاص کرنے کا کسی کو حق نہیں۔

الحادی والثلاثون: یہ امر مسلم ہے کہ کسی صحابی یا تابعی سے بعد الرکوع ارسال صریحاً ثابت نہیں تو پھر ہمیں بھی کہنے کی اجازت دیجئے کہ ارسال بعد الرکوع تواتر عملی کے خلاف ہے۔

ناظرین! اسی معترض کی طرف سے ایک اور جواب جس کو ہم ناظرین کی عبرت کے لیے من وعن نقل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے ہیں۔ ایک عنوان قائم کرتے ہیں کہ:

''ترک رفع الیدین تاریخ کی روشنی میں''

پھر فرماتے ہیں کہ.......... صحابہ کرام کے دور ہی میں بعض مخالف اسلام تحریکوں نے جنم لیا جن میں خارجی اور سبائی تحریکیں سرفہرست ہیں۔ ان تحریکوں نے اسلامی ریاست کو پارہ پارہ کرنے کی ہی کوشش نہ کی، بلکہ سب سے پہلا مسلم معاشرہ جس کی تربیت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اس کو بھی بدنام کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی بیخ کنی میں بھرپور کوشش کرتے رہے۔ قرآن وحدیث کو بے محل استعمال کرنا، قرآن وحدیث کے مقابلہ میں آرائے رجال کو پیش کرنا، متشابہات کی تاویلیں کرنا اور عقائد کو خراب کرنا، ان لوگوں کا خاص مشغلہ تھا۔ انہوں نے اسلامی عبادات اور قوانین میں بھی تبدیلی کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ صلوٰۃ جو دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے اس کو بھی انہوں نے بگاڑنے میں بھرپور زور لگایا اکثر نو مسلم ان کے فریب میں آ گئے، فرقہ بندی کی ابتداء ہوئی اور اسطرح ایک اسلام کے کئی اسلام بن گئے۔

فرقہ بندی نے شخصی عقیدت کو پیدا کیا۔ شخصی عقیدت نے شخص پرستی کو جنم دیا۔ شخصیت پرستی نے تقلید شخصی اور جمود کے لیے راہ ہموار کی، فرقہ وارانہ مسائل کی حمایت ترقی کرتے کرتے حمیت جاہلیت تک پہنچ گئی۔ حمیت اور جاہلیت کی بنیاد پر سنتوں کو چھوڑا جانے لگا۔ پورے اسلام کو کس کس طرح مسخ کیا گیا، یہ تو ایک طویل مضمون ہے۔ ہم صرف ترک رفع الیدین پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم اصل مضمون کی ابتداء کریں یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ترک سنن کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی اور صلوٰۃ کو بحیثیت مجموعی کب اور کس طرح بدلا گیا۔

سنتوں کا ترک:

''عن انس قال ما اعرف شيئاً مما كان على عهد النبى ﷺ، قيل: الصلاة؟ قال: اليس صنعتم ماصنعتم فيها''

(صحیح بخاری کتاب المواقیت باب تضییع الصلاة عن وقتها رقم الحدیث: ۵۲۹)

ایک دن انس رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا جو چیزیں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھیں ان میں سے اب کوئی چیز نظر نہیں آتی لوگوں نے پوچھا (کیا) صلوٰۃ بھی اس طریقہ پر نہیں ہے) انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''صلوٰۃ میں بھی تو تم لوگوں نے کیا کیا (تغیر وتبدل) کر دیا۔

''عن عثمان قال: سمعت الزهرى يقول: دخلت على انس بن مالك

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بدمشق وهو يبكى فقلت له، مايبكيك؟ فقال: لاأعرف شيئا مما ادركت الاهذه الصلاة، وهذه الصلاة ضيعت"

(صحيح بخارى كتاب المواقيت باب تضييع الصلاة عن وقتها رقم الحديث: ٥٣٠)

"عثمان کہتے ہیں کہ میں نے امام زہری سے سنا وہ فرماتے تھے: '' میں (ایک دن) دمشق میں انسؓ سے ملنے گیا (میں نے دیکھا کہ) وہ رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو رلایا؟ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو باتیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیکھی تھیں ان میں سے اب مجھے کوئی نظر نہیں آتی سوائے صلوٰۃ کے اور حقیقت یہ ہے کہ صلاۃ بھی ضایع کر دی گئی (یعنی وہ بھی اصلی حالت پر باقی نہیں رہی)

امّ درداء کہتی ہیں:

"دخل علی ابو الدرداء وهو مغضب فقلت: ما اغضبك؟ فقال: والله مااعرف من امة محمد ﷺ شيئا الا انهم يصلون جميعا"

(صحيح بخارى كتاب الاذان باب فضل صلاة الفجر فى جماعة رقم الحديث ٦٥٠)

''(ایک دن) ابو درداء غصہ کی حالت میں میرے پاس آئے میں نے کہا کس چیز نے آپ کو غصہ دلایا ہے؟ ابو درداء نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں محمد ﷺ کی امت میں کوئی بات (اصلی حالت پر) نہیں پاتا سوائے اسکے کہ یہ لوگ جماعت سے صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔''

مالک بن ابی عامر الاصبحی کہتے ہیں:

"ما اعرف شيئا مما ادركت عليه الناس الا النداء بالصلوٰة"

(موطا امام مالک۔ باب مآجاء فى النداء للصلوٰة ص:٢٥ وسنده صحيح)

''میں نے لوگوں کو (یعنی صحابہ کرام کو) جس حالت پر دیکھا تھا اس میں سے اب کسی چیز کو نہیں دیکھتا سوائے اذان برائے صلوٰۃ کے (وہ اپنی اصلی حالت پر موجود ہے)''

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ عہد صحابہ وتابعین ہی میں عراق وشام وغیرہ ممالک کے اکثر لوگ سنتوں کو ترک کرنے لگے تھے۔ سنتوں کے ترک کو دیکھ کر صحابہ کرام کو بہت افسوس وصدمہ ہوتا تھا۔

سنتیں ترک کرانے کی کوشش:

جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے گورنر سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"لقد شکوك فی کل شیئ حتی الصلاة قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الاخریین ولا الو ما اقتدیت من صلاة رسول ﷺ قال صدقت ذاك ظنی بك" (صحیح بخاری باب یطول فی الاولیین)

"کوفہ والوں نے ہر معاملہ میں تمہاری شکایت کی ہے۔حتیٰ کہ انہوں نے صلوٰۃ کے متعلق بھی تمہاری شکایت کی ہے (کہ تم صلوٰۃ سنت کے مطابق نہیں پڑھتے) سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں پہلی دورکعتوں میں طول دیتا ہوں اور آخری دو میں تخفیف کرتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔عمرؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔تمہارے متعلق میرا یہی گمان تھا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوفہ والے نہ یہ کہ خود سنت کے مطابق صلوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی مجبور کرتے تھے کہ وہ بھی سنت کے خلاف صلوٰۃ ادا کریں۔حتیٰ کہ گورنر پر زور ڈالتے تھے کہ وہ بھی سنت کے طریقے کو ترک کر کے ان کا ہم نوا بن جائے۔

نئے نئے ملک فتح ہوتے جا رہے تھے۔نو مسلمین کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی مرکز اسلام "دار الھجرۃ مدینۃ النبی" سے دوری کے باعث نو مسلمین کی اکثریت میں پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی مختلف تخریبی تحریکوں کا شکار بھی یہی لوگ ہوتے تھے مزید براں تنزل ایک فطری چیز تھی جتنا زمانہ گذرتا گیا اور نبوت سے بعد ہوتا چلا گیا اتنا ہی تنزل بڑھتا چلا گیا۔جو جذبہ ایمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تھا وہ تابعین میں باقی نہ رہا اور جو جذبہ ایمان تابعین میں تھا وہ تبع تابعین میں باقی نہ رہا۔یہ تنزل تدریجی تھا لیکن فطرت کے عین مطابق تھا۔

صلوٰۃ کے طریقہ میں بلکہ پورے دین کے معاملہ میں تدریجی طور پر تبدیلی آتی رہی۔تنزل کی اس تیز رفتاری سے صرف ایک شہر محفوظ تھا، اور وہ تھا مدینہ منورہ۔انس رضی اللہ عنہ دوسری جگہ لوگوں کی دینی حالت دیکھ کر روتے تھے لیکن وہی انسؓ جب کافی عرصہ کے بعد مدینہ منورہ واپس آئے تو ان سے سوال کیا گیا۔

"ما انکرت منذیوم عھدت رسول ﷺ قال ماانکرت شیئا الا انکم لا تقیمون الصفوف" (صحیح بخاری باب اثم من لم یتم الصفوف)

"رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی روشنی میں آپ ہم میں کونسی بات بری دیکھتے ہیں؟ انسؓ نے فرمایا:"میں کوئی بری بات نہیں دیکھتا سوائے اس کے کہ تم صفیں سیدھی نہیں کرتے۔"

گویا مدینہ منورہ کے لوگ کافی عرصہ تک صحیح اسلام پر قائم رہے۔مندرجہ بالا احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کے طریقہ میں تبدیلی آرہی تھی اور مسنون طریقہ آہستہ آہستہ متروک ہوتا چلا جا رہا تھا۔اب ہم

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاص رفع الیدین کے ترک پر روشنی ڈالتے ہیں۔ (صلوۃ المسلمین ص ۴۱۶ تا ۴۲۵ طبع مذکور)

قارئین کرام! اس عبارت کو پڑھیں اور پڑھیں پھر پڑھیں اور غور فرمائیں کہ اب بھی اس دلیل کی کوئی حیثیت رہتی ہے؟ جب اس قسم کی تبدیلیاں قرن اول میں ہی ہو چکی تھیں تو پھر یہ سوال کسی کام کا نہیں رہا۔ ہمیں واثق امید ہے کہ ہمارے مہربان معترض بالقابہ ہماری ان معروضات کو پڑھ کر اپنے خیالات پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

واللہ الھادی الی سواء السبیل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة التاسعة

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ وہ کتاب ہے جس نے عرب دنیا میں تہلکہ مچایا اور اس کتاب کے ذریعہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی پہچان میں اور اضافہ ہوا اور لوگ اور علماء آپ کے استدلال دقیقہ سے مستفید ہوئے۔ پھر اس کے رد میں کئی علماء اہل حدیث نے جواب تحریر کیے لیکن شاہ صاحب نے ان سب کا علمی انداز میں رد پیش کیا۔ (الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحمد لله الذي زين وقوفات الصلاة بالوضع، فإنه عين الخشوع وذل بين يدي عز والخضع، والصلاة والسلام على من فرض علينا اتباعه بالطاعة والسمع والتاسي باسوته بدون جمع ما فرق وتفريق ما جمع، وعلى آله واصحابه المقتفين آثاره بالتثبت والورع، المتحذرين من المحدثات والبدع، ومن تبعهم بالإحسان فى الأصل والفرع، واتباعهم الى يوم الجمع.

امابعد:

فهذا مختصر جمعته لتحقيق وضع اليمين على الشمال في حالة القيام بعد الركوع مسميًا له بـ (زيادة الخشوع بوضع اليدين فى القيام بعد الركوع).

فأقول: وبتوفيقه اجول: إن الوضع من هيئة الصلاة بخلاف الإرسال. بل[1] هذا هوا الفرق بين المصلي والقائم خارج الصلاة. وقد سئل الإمام احمد عن معنى الوضع فقال: ذل بين يدي عز، كما في مختصر[2] طبقات الحنابلة.

والقيام بعد الركوع ركن، والمكث فيه والطلول فيه سنة مأثورة، فقد بين انس رضي الله عنه ((انه ﷺ كان يقوم[3] بعد الركوع حتى يقول القائل قد نسى)) كما في الحديث الصحيح.

فمحال ان يكون هذا الركن بلا هيئة، فنظرنا فى الاخبار فوجدنا هيئة القيام فيه الوضع فقط لا غير، واما الإرسال فلا نجد له ذكرا لا عن الرسول ﷺ ولا عن احد من الصحابة، بل ثبت عنهم الوضع مطلقًا. ثم الصلاة بنفسها عمل بل افضل الاعمال، فلا يدخل فيها شيء الا ما يصلح ان يسمى عملا.

والإرسال ليس عملا فلا مساغ لإدخاله فيها، ولو سلمنا انه عمل، فهذا

---

[1] قال ابن رجب فى ((الخشوع فى الصلاة)) ص ٦: ((ومما يظهر فيه الخشوع والذل والإنكسار من افعال الصلاة وضع اليدين إحداهما على الاخرى فى حال القيام. اهـ))

[2] لشمس الدين النابلسى ص ٤٩ في ترجمة ((احمد بن يحي بن حبان بن حبان الرقي)) وقبله القاضى ابو الحسين بن ابي يعلى فى ((طبقات الحنابلة)) ص ٨٤/ ١.

[3] هذا لفظ البخاري فى باب ((المكث بين السجدتين))

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يحتاج الى دليل يدل على الدخول لان الصلاة توقيفية ولا سبيل الى دليل بوجه يلزم.

قال ابو محمد: قال العلماء الحكمة في الوضع انه اقرب الى الخشوع وضع اليدين من العبث، كما ذكره النووي ❶ فى شرح مسلم والزرقانى فى شرح الموطا. ❷

وليس هذا خاصا بالقيام الأول بل فى الثاني ايضا خشية العبث والحركة. بل الإرسال منهى عنه؛ ففى حديث ابى داؤد❸ والترمذى عن ابى هريرة رضي الله عنه ((ان رسول الله ﷺ نهى عن السدل فى الصلاة)) وهذا الحديث فى درجة الحسن كما بينه صاحب تحفة الأحوذى))❹ والسدل هو الارسال.

قال الشيخ ابو الحسن السندى فى فتح الودود شرح ابى داود❺: ((سدلت اسبلت وارسلت)) والسدل اطلقه الشرع على ارسال الاعضاء والشعر والثياب.

اما الثياب ففى الطبرانى ((مر برجل يسدل ثوبه)) وقال الجوهرى كما فى تحفة❻ ((سدل ثوبه اي ارخاه))

واما الشعر ففى حديث البخارى ❼ وغيره: ((وكان اهل الكتاب يسدلون اشعارهم وكان المشركون يفرقون رؤوسهم فسدل النبى ﷺ ناصيته ثمّ فرق بعد)) وفي فتح ❽ الباري: ((قوله: كان اهل الكتاب يسدلون اشعارهم. بسكون السين وكسر الدال المهملتين. اى يرسلونها)) اهـ

وفى القسطلانى ❾: ((يرسلون شعر نواصيهم على جباههم)) اهـ وفى شرح ❿ مسلم للنووي: ((قال القاضى سدل الشعر ارساله، يقال: سدل شعره وثوبه ولم يضم جوانبه.)) اهـ.

---

❶ ص ١١٥/ ٤، طبع مصر. ❷ ص ٣٦١/ ١.

❸ وكذا اخرجه احمد والحاكم كما فى ((الجامع الصغير للسيوطى)) ص ١٨٩/ ١ ورمز بجانبه (صح) وقال الحاكم فى المستدرك ص ٢٥٣/ ١، صحيح على شرط الشيخين واقره على ذلك الذهبي فى ((التلخيص)).

❹ ص ٢٩٦/ ١. ❺ ٢٤٤ (المخطوط).

❻ الصفحة المذكورة والتي قبلها. ❼ البخارى فى باب الفرق من كتاب اللباس.

❽ ص ٣٦١/ ١٠ (السلفية) ❾ ص ٣٠/ ٦.

❿ ص ٩٠/ ١٥.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واما الاعضاء ففي البخاری ● وغيره: ((اذا نحن بامرأة سادلة رجليها بين مزادتين، الحديث.

قال النووي ● في شرح مسلم: ((السادلة المرسلة المدلية)) اهـ.

قال القسطلانی ●: ((اذا نحن بامرأة سادلة بالسين والدال المهملتين- اي مرسلة.))

وقال الكرمانی ●: ((السادلة المرسلة)).

وقد اطلق الفقهاء ايضا لفظ السدل على إرسال اليدين فی الصلاة، (انظر الفتوحات المكية لابن عربی).

قال ابو محمد:...... فتضمن الحديث النهی عن ارسال الثلاث ولا يقال إنه خاص بالثوب لانه يحتاج الى الدليل، وهو معدوم ولم يدع المحدثون هذا الحصر بل استدل بعضهم به على النهی عن ارسال الشعر كالحافظ العراقي وايده الشوكانی فی ((النيل))● وكذا صاحب ((تحفة الاحوذی)) ايضا.

فاللفظ المشترك يحمل عند المحدثين على جميع معانيه الا عند تعذر الحمل عليها فحينئذ يحمل على اقرب المعانی الى القرائن كما قرره الشوكانی فی ((ارشاد الفحول●)) وكذا الراغب الاصفهانی ((في مقدمة التفسير●))

وقال في النيل ● : ((حمل المشترك على جميع معانيه هو المذهب القوی)) اهـ.

ونظائر هذا الحمل موجودة في اصح الكتب واقدمها بعد كتاب الله ايضا.

قال ابو محمد:...... فهذا النهی صريح عن الارسال فلا يجوز لمومن ان يعود لما نهی عنه، وقد قال الشيخ المناوی فی ((فيض القدير ● شرح الجامع الصغير)) تحت الحديث: ((والمراد سدل اليد وهو ارسالها)) اهـ

● باب علامات النبوة فی الاسلام من كتاب المناقب. ● ص ۱۹۰/۵۵.
● ص ۵۶/۳۴. ● فی شرح البخاری ص ۱۵۰/ ۱۴.
● ص ۸۹/ ۲.
● ص ۲۰/ ۲. ● وهو ملحق بالمفردات فی غريب القرآن للراغب ايضا
● الصفحة المذكورة. ● ص ۴۱۵/ ۶ تحت حديث نهی عن السدل فی الصلاة.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بـل سـنة الـقيـام هـو وضع إحدى اليدين على الاخرى كما نذكر الدلائل فيما ياتى:

الدليل الاول:

اخـرج الامام النسائى فى بسننه ❶ مـن طـريق علقمة بن وائل بن حجر عن ابيه قال: رأيت رسول الله ﷺ اذا كان قائما فى الصلاة قبض بيمينه على شماله .))

قال ابو محمد:...... هذا حديث صحيح لاغبار عليه ، فان قيل قال العسقلانى فى التـقـريـب: علقمة لم يسمع من ابيه قلنا: هذا باعتبار ما نقله فى التهذيب ❷ عن ابن معين . والصواب ان سماعه منه صحيح .

اولاً:...... ان سيد المحدثين البخارى قال فى تاريخه الكبير: سمع اباه . ❸

وقال الترمذى فى سننه ❹ فى باب ((ماجاء اذا استكرهت امرأة على الزنا)) من ابواب الحدود: وعلقمة بن وائل سمع اباه . اهـ

ومـن الـمـقـرر عند اهل الشان ((من عرف الشىء حجة على من لم يعرفه)) . ايضا فتثبت ❺ البخارى فى الباب غاية فاثباته لسماعه نهاية .

وثانيا:...... ان علقمة بنفسه قد صرح بالسماع من ابيه فى رواياة كما فى مسلم ❻ فـى الـقصاص ، وفى النسائى ❼ فـى الـصلاة ، وفى جزء رفع اليدين ❽ للبخارى ، والثقة اذا لم يكن مدلسا وروى بصيغة التحديث ونحوها دل على السماع وزال عن روايته شبهة الانقطاع .

وثالثا:...... ان اصـحـاب الـصحاح كمسلم وابن خزيمة وابن حبان وابى عوانة والحاكم قد اوردوا حديثه عن ابيه ، فصح انه متصل عندهم .

❶ فى باب وضع اليمين على الشمال فى الصلاة . ❷ ص ٢٨٠/ ٧ .
❸ ص ٤١/ ٥/ ١ .
❹ ص ١٧٥/ ١ وفـى الـنسـخة الـمـطبوعة من كتاب الثقات لابن حبان ص ٢٠٩/ ٥ علقمة سمع اباه وعبدالجبار لم يره اهـ))
❺ قال الحافظ ابن حجر فى النكت ص ٣٦ (المخطوط) والبخارى لا يحمله على الاتصال حتى يثبت اجتماعهما ولو مرة واحدة ، قد اظهر البخارى هذا المذهب فى التاريخ وجرى عليه فى الصحيح . اهـ
❻ ١٧٢/ ١١ . ❼ فى باب رفع اليدين عند الرفع من الركوع .
❽ ص ٥ (طبع دهلى)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رابعا:...... ان الحاكم صحح حديثه فى المستدرك ❶ واقره على ذلك الذهبى فى التلخيص.

وخامسا:...... ان الحافظ ابن حجر نفسه اورده حديثه فى السلام فى بلوغ المرام فى باب صفة الصلاة معزوا الى ابى داود❷ وصحح اسناده.

قال ابو محمد:...... فهذا حديث صريح فى ان المصلى كلما عرضته حالة القيام فالسنة له القبض دون غيره لان كلمة ((اذا)) لعموم الزمان وكليته عند الفقهاء ❸ فسواء قام قبل الركوع او بعده فى الركعة الاولى او الثانية او الثالثة او الرابعة.

ومدعى التخصيص مكلف بان ياتى بدليل صريح يدل على هيئة اخرى سوى الوضع فى القيام الثانى، والا فلا يجوز لمسلم ان يخصص حكما وصل الينا عن الله او رسوله ﷺ على العموم بلا مخصص ورد عنهما او احدهما، ولا يجوز له ان يفرق بين ما جمعه الفاظ الشرع لانه تشريع بدون اذن الله، وقد قال جل وعلا: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ (الشورى)

قال ابو محمد:...... ولينظر من كان له اهلية النظر فى قول الراوى ((اذا كان قائما فى الصلاة)) فمن المعلوم انه من التكبير الى التسليم كله صلاة فالمصلى متى ما صح اطلاق لفظ القائم عليه لا بدله من القبض اتباعا لالفاظ الحديث لا غيره.

فان قيل: روى مسلم ❹ حديث وائل فى صفة الصلاة، وذكر فيه الوضع قبل الركوع فقط.

قلنا: فكان ماذا؟ لانه ليس فيه انكار الوضع بعد الركوع، وعدم الذكر لا يستلزم عدم الوجود.

---

❶ ۲۲۷/ ۱.

❷ فى باب السلام، والحديث هكذا: حدثنا عبدة بن عبدالله نا يحي بن آدم نا موسى بن قيس الحضرمى عن سلمة بن كهيل عن علقمة بن وائل عن ابيه قال: صليت مع النبى ﷺ فكان يسلم عن يمينه السلام عليكم ورحمة الله و بركاته وعن شماله السلام عليكم ورحمة الله.

❸ كالحافظ ابن عبدالبر فى جامع بيان العلم وفضله ص ۳۲٤، وفى باب نكتة يستدل بها على استعمال عموم الخطاب فى السنن والكتاب الخ، والحافظ بدر الدين الزركشى فى البرهان فى علوم القرآن: ص ۲۰۳/ ٤ـ وشيخ الملا احمد جيون الحنفى فى نور الانوار ص ۱۱۲ وغيرهم.

❹ ص ۱۱٤/ ٤ـ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وثانيا:...... ليس فيه تخصيص ولا استثناء لانه لا يثبت الا بثبوت انكار الجزء المبحوث عنه فليس هذا من باب التخصيص بل من حمل المطلق على المقيد وهو ايضا غير مسوغ فيما نحن فيه لان من شرط الحمل ان يتعذر العمل على الدليلين جميعا، كما بينه الشوكاني في ارشاد ❶ الفحول حيث قال: الشرط الخامس، ان لا يمكن الجمع بينهما الا بالحمل الخ، وليس كذلك فيما نحن فيه، بل من قاعدة المحدثين انه مهما امكن العمل على الحديثين فهما مستقلان على حدة.

نظير ذلك النهي الوارد عن اسبال الازار وهو جار على اطلاقه مع ورود قوله ﷺ: ((من جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة)) رواه البخاري ❷ وغيره انظر الفتح. ❸

والنظير الثاني:...... ((الحديث ❹ الوارد في النهي عن البزاق الى جهة القبلة مطلقا عن حال الصلاة وغيرها مع ما ورد مقيدا بالمصلي)).

والنظير الثالث:...... ان احاديث رفع اليدين وردت مطلقة في الصلاة فرضها ونفلها، وقد روى ابوداود ❺ والترمذي في الحديث الصحيح عن على رضي الله عنه بهذا اللفظ: ((كان اذا قام في الصلاة المكتوبة رفع يديه حذو منكبيه)) الحديث

ولكنه معمول بها كلها مطلقة ومقيدة عند اهل الحديث لانه لا تعارض بينهما ولا تعذر العمل بهما جميعا، وهكذا فيما نحن فيه، فمن يدعي الحمل فعليه اولا ان يدعي الاستحالة او التعذر ثم يثبتها ثم يتوجه الى الحمل، ودونه خرط القتاد.

قال ابو محمد:...... ونظير ذلك في القرآن وهو قوله تعالى: ﴿ولا يقتلن اولادهن﴾ (الممتحنة) فنسالهم هل تجيزون حمله على قوله تعالى: ﴿ولا تقتلوا

---

❶ ص ١٦٦. ❷ في باب من جر ازاره من غير خيلاء من كتاب اللباس.

❸ ص ٢٥٩/ ١٠ (السلفية) وحاصل كلامه ان ام المومنين ام سلمة رضي الله عنها فهمت الزجر عنه الاسبال مطلقا سواء كان عن مخيلة ام لا ثم تقريره ﷺ على فهمها. انتهى مختصرا.

❹ فالاول اخرجه ابن خزيمة وابن حبان من حديث حذيفة مرفوعا ((من تفل تجاه القبلة جاء يوم القيامة وتفله بين عينيه، وفي رواية لابن خزيمة عن ابن عمر مرفوعا نحوه والثاني في البخاري وغيره، ذكر ذلك كله في فتح الباري: ص ٥٠٨/ ١ تحت باب من حك البزاق باليد من المسجد، واثبت ان البزاق حرام سواء كان في المسجد ام لا.

❺ فابوداود في ص ١٠٩ في باب افتتاح الصلاة والترمذي ص ١٧٩/ ٢ في باب دعاء الاستفتاح، من ابواب الدعوات.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اولادكم خشية املاق﴾ (بنى اسرائيل)

حاشا وكلا! بل كل دليل قائم على حدة مستقل فى دلالته لان اعمال على الدليلين اولى من اهمال احدهما.

ولا يقال: ان حديث ❶ مسلم تفسير له لانه لا شك ان الحديث يفسر بعضه بعضا لكن اذا كان هناك ابهام لا كما نحن فيه، فان حديث النسائى فيه اخبار بان سنة القائم القبض والذى يقوم قبل الركوع او بعده وفى جميع ركعات الصلاة وفى الكسوف والجنائز يسمى قائما وهذا ما لا اخفاء فيه فضلا عن الابهام، فيقال لهذا القائل: اثبت العرش ثم انقش.

وثالثا:...... لو سلمنا الحمل لقلنا هذا فى الركعة الاولى خاصة كما هو سياق حديث ❷ مسلم فاى دليل للقبض فى الثانية وفيما بعدها، ولا يعول على مثل حديث جاء فيه لفظ ((وافعل ❸ ذلك فى كل صلاة او فى كل ركعة)) لانه ليس فيه الوضع والارسال بل الاركان الاخرى فحينئذ صار التقييد تعقيدا وان عدتم الى العموم عدنا.

قال ابو محمد:...... فالحديث صريح فى الباب ولا مناص منه الا باحدى الطريقين، اما ان يقال: ان الذى اعتدل من الركوع لا يسمى قائما ولا يطلق عليه اسم القائم لغة او شرعا ❹ واما ان يثبت عنه ﷺ فى هذا القيام هيئة غير الوضع/ ولا سبيل الى ثالث ونحن على وثيقة انه لا يجترىء احد على ادعاء احدا من الامرين، فبقى العام على حاله وهو يتناول جميع افراده قطعا، ولا عائبة فى الاحتجاج به اي بالعموم ما لم يعارضه الخصوص بل ومسائل الشرع اكثرها ماخوذة من العموم ❺

❶ اى الحديث المذكور عن وائل.

❷ ولفظة هكذا انه راى النبى ﷺ رفع يديه حين دخل فى الصلاة كبر وصف همام حيال اذنيه ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على اليسرى فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب...... الحديث، فالسياق يدل انه كان فى الركعة الاولى.

❸ اللفظ الاول معروف اخرجه البخارى فى غير موضع منها باب وجوب القراءة للامام والمأموم الخ، واخرجه اصحاب السنن والمسانيد، والثانى اخرجه اسحاق بن راهوية فى مسنده كما ذكره فى تحفة الاحوذى: ۱/۲٤۹ .

❹ وقد ورد فى الحديث صريحا كما سياتى.

❺ قال الحازمى فى الاعتبار، ص ٥ (المنبرية) ومهما امكن حمل كلام الشارع على وجه يكون اعم للفائدة كان اولى صونا لكلامه بابى هو وامى، عن سمات النقص الخ.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بـل الاحـتـجاج منه السنة التقريرية ، فقد احتج عبدالله بن عمرو بحضرته ﷺ بقول تـعالىٰ: ﴿ولا تقتلوا انفسكم﴾ (النساء) عـلـى جواز التيمم للجنب فى البرد الشديد كما فى الدارقطنى ❶ وغيره .

قال ابو محمد:...... ونـظير هذا الاستدلال ما رواه البخارى واصحاب السنن من حديث ابى سعيد ❷ بـن المعلى قال: ((كنت اصلى فدعانى رسول الله ﷺ فلم اجبه حتى صليت قال: فاتيته فقال: ما منعك ان تأتينى ، قال: قلت يا رسول الله انى كنت اصلى قال: الم يقل الله تعالىٰ ﴿يا ايها الذين امنوا استجيبوا لله وللرسول اذا دعاكم لما يحييكم﴾ الحديث .

وفى مسند احمد عن ابى هريرة قال: ((خرج رسول الله ﷺ على ابى بن كعب وقـال: يـا ابـى! فـالتـفـت ثم لم يجبه ثم قال ابى! فخفف ابى ثم انصرف الى رسول الله ﷺ فـقـال: السـلام عليك يارسول الله قال: وعليك السلام ما منعك اى ابى اذ دعوتك ان تجيبنى ، فقال: يارسول الله انى كنت فى صلاة ، قال: او لست تجد فيما اوحى الله الى ﴿اسْتَجِيبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ قال: بلى يا رسول الله؛ لا اعود)) الحديث .

فهذا اخبار من افصح العرب بل افصح الخلق على الاطلاق صلوات الله عليه وسلامه بان ((اذا)) للعموم قطعاً حتى يقوم دليل صريح على التخصيص .

بـل وعـلـم ان هذا معروف عند العرب لانه لما سمع ابى الاية بادر الى ان قال: ((لا اعـود)) فهـذه الرواية وان لم يكن فيها لفظ بعد الركوع لكن قول الراوى: ((اذا كـان قـائـمـا)) نـص فى حالة القيام سواء كان قبل الركوع او بعده ثم ليس فيها قبل الركوع ايضا ، فعلى هذا لم تبق الرواية نصه فى مسالة .

ومن حق الروايات ان تكون نصه فى مسالة ما ، ثم تستنبط منها مسائل اخرى ،

❶ ص ١٧٨/ ١ ـ طبـع مـصـر ، وله شاهد من حديث ابن عباس اخرجه الطبرانى كما فى الدر المنثور: ص ١٤٥/ ٢ .

❷ حـديث ابى سعيد اخرجه احمد والبخارى والدارمى وابوداود والنسائى وابن جرير وابن حبان وابن مـردويـه والبيهقى ، وحديث ابى هريرة اخرجه ابو عبيد واحمد والدارمى والترمذى وصححه والنسائى وابـن خـزيمة وابن المنذر والحاكم وصححه وابو ذر الهروى فى فضائل القرآن ، والبيهقى فى سننه قاله فى الدر المنثور: ص ٤/ ١ .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فنسالكم هل ترون هذه الرواية نصه فى مسالة؟ فبينوا والا فقد حرمتموها حقها.

فان قلتم: هو نص فى حالة القيام قلنا: اى قيام تعنونه، وبعد الركوع ايضا قيام ولا سبيل لكم للانكار.

قال ابو محمد: ...... وقال بعضهم كلمة ((اذا)) للاهمال والمهملة ملازمة للجزئية. وهذا الاشىء.

اما اولا: فلان المهملة انما تصدق على الجزئية، لا انها تنحصر عليها فلا دليل على التقييد ولا التخصيص، واما ثانيا: ففى التقريب ❶ لابن حزم: وقد تنوب اللغة العربية المهملة مكان ذوات الاسوار وذلك انها لفظة تقع على الجنس والنوع كقولك: الحى حساس او كقولك الانسان حى فان هذه اللفظة اذا لم تعن بها واحدا بعينه فلا فرق بين قولك ((الانسان حى)) وبين قولك ((كل الانسان حى)) الخ.

وثالثا: ...... ان هذا يستلزم عموم البلوى، قال تعالى: ﴿إِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ (الاعراف)

﴿إِذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ﴾ (الرعد)

﴿وَ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ (يٰس)، وغيرها من الآيات، وفى الحديث ((اذا قام من الليل يشوص فاه بالسواك ❷))، ((واذا قام الى الصلاة كبر❸))، ((واذا قال ولا الضالين قال آمين ❹))، ((ويرفع يديه اذا كبر ❺))، ((واذا ركع واذا رفع))، ((واذا كبر الامام فكبروا❻))، ((واذا سجد سجد بين كفيه❼)).

❶ التقريب لحد المنطق والمدخل اليه، ص ٨٥.

❷ اخرجه احمد والشيخان وابوداود والنسائى وابن ماجه من حديث حذيفة كذا فى الجامع الصغير، للسيوطى: ص ١٠٨/ ١.

❸ لفظ حديث على رضى الله عنه اذا قام الى الصلاة المكتوبة كبر ...... الحديث اخرجه ابو داود ص ١٠٩، فى استفتاح الصلاة، والترمذى ص ١٧٩/ ١ فى ابواب الدعوات، وابن ماجه: ص ٦٢ فى باب رفع اليدين اذا ركع واذا رفع راسه من الركوع.

❹ هذا اللفظ فى الدارقطنى ص ٣٣٥/ ١ المصرى.

❺ هكذا فى حديث مالك بن الحويرث عند ابى داود ص ١٠٩ والنسائى فى باب رفع اليدين للركوع حذاء فروع الاذنين، وغيرهما.

❻ هذا لفظ حديث ابى امامة اخرجه الطبرانى فى الكبير، كما فى مجمع الزوائد: ص ٧٨/ ٢.

❼ لفظ حديث وائل عند احمد ص ٣١٨/ ٤، اذا سجد جعل يديه حذاء اذنيه، وعند مسلم ص ١١٤/ ٤ فلما سجد سجد بين كفيه.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قال ابو محمد:...... ((فـاذا)) تفيد العموم والتناول والشمول قطعا، الا ما خص منـه بـدليـل. ونـظير هذا الرواية ما ذكره السيوطي في الجامع ● الـصغير بحوالة الطبراني بلفظ: ((كان اذا قام في الصلاة قبض على شماله بيمينه.))

والـعـجب من هولاء يحملون قول الرواي اذا ركع واذا سجد واذا جلس على الـعموم ويقولون المراد منه جميع الركوعات والسجدات والجلسات ولا يحملون قوله ((اذا قام)) على العموم بل ويحملون هذه اللفظة في مواضع اخرى ايضا على الـعـموم كـقـول الـراوى اذا قـام الـى الـصلاة كبر، واذا قام من الليل يشوص فاه بالسواك ●، واذا قـام مـن الليل يصلى افتتح صلاته بركعتين خفيفتين، واذا قام من المجلس استغفر الله●.

فما المانع من حمل قوله: ((اذا قام في الصلاة)) على العموم. فالى الله المشتكى.

الدليل الثاني:

اخرج البخارى ● عـن سهل بن سعد رضي الله عنه انـه قـال: ((كان الناس يومرون ان يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى فى الصلاة)).

هذا ايضا صريح لا مفر لاحد منه لانه ادنى ما يطلق عليه الصلاة الركعة التامة، وقـد ذكر فى الاحاديث هيئة اخرى لليدين في الركوع وكذا السجود والجلوس ولم يات ذكر هيئة اخرى لليدين فى القيام بعد الركوع او قبله فصح ان هذا الحكم لحالة القيام واخراج القيام الثانى منه بدون دليل تحكم بان الشرع خص منه ثلاث حالات فقط الركوع والسجود والجلسة وهذا تخصيص رابع بدون اذن الله ورسوله ﷺ.

فهـذا لا يـجـوز اصـلا بـل هـى زيادة فى الشرع نعوذ بالله من ذلك ومحال ان يكون هذا الحكم خاصا بالقيام الاول ثم لم يبينه سبحانه و تعالى، وهو يقول: ﴿تبيانا لـكـل شـىء﴾ (النحل) ويقول: ﴿ثم ان علينا بيانه﴾ (القيامة) فمن ادعى التخصيص

● ص ١٠٨/ ٢.

● بـل ويدخلون فيه الوقوفات كلها سوى الوقوف بعد الركوع كالقيام فى جميع الركعات سوى الاولى والقيام فى صلاة الجنازة والقيام بعد سجدة التلاوة والقيام بعد الركوع فى صلاة الكسوف وغير ذلك.

● اخرجه ابن السنى فى عمل اليوم والليلة: ص ١١٢.

● فى باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة، وقد خرجته مع طرقه فى التعليق المنصور على فتح الغفور فى تحقيق وضع اليدين على الصدور، للعلامة محمد حيات السندى.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فليثبت من حديث صحيح صريح هيئة اخرى لليدين فى هذا القيام كما ثبت فى الركوع والسجود والجلوس، والا فلا يجترىء على الله وليفعل كما امروا.

انما امر بالوضع فى حالة القيام فى الصلاة فكلما قام فليضع ولا يقل من عند نفسه، وهو القيام الاول والثانى

والدليل الثالث:

حديث هلب الطائي: ((كان رسول الله ﷺ يومنا فيأخذ شماله بيمينه)) اخرجه الترمذى ❶ وابن ماجه وغيرهما.

وهذا ايضا مثل الذى قبله فان الركوع والسجدة والجلسة قد دلت الادلة على اخراجها من الجملة. بخلاف القيام بعد الركوع فلا يجوز التحكم على الله.

والدليل الرابع:

حديث ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول ((انا معشر الانبياء امرنا بتعجيل فطرنا وتاخير سحورنا وان نضع ايماننا على شمائلنا فى الصلاة)). رواه الطبرانى ❷.

وقال فى المجمع ❸: رجاله رجال الصحيح ورمز بجانبه فى الجامع ❹ الصغير (صح) وهذا ايضا امر وارد على العموم.

وقال الشوكانى فى الارشاد ❺: ((اعلم ان الخطاب اذا ورد مطلقا لا مقيدا حمل على اطلاقه)) اھ.

قال ابو محمد: ...... وكذالك العام يجرى على عمومه ما لم يقم دليل يدل على التخصيص.

والدليل الخامس:

اخرج احمد فى مسنده ❻ عن وائل بن حجر قال: ((رأيت النبى ﷺ حين كبر

❶ ص ٢١٣/ ١ مع تحفة الاحوذى وابن ماجه ص ٥٩ وكلاهما فى باب وضع اليمين على الشمال فى الصلاة واخرجه احمد وغيره.

❷ فى معجمه الكبير: ٧/ ١٩٩/ ١١- واخرجه ابن حبان فى صحيحه ص: ١٩٦/ ٣ بترتيب علاء الدين الفارسى الموسوم بـ الاحسان بترتيب صحيح ابن حبان.

❸ مجمع الزوائد للهيثمى: ص ١٠٥/ ٢ ❹ ص ١٠٠/ ١.

❺ ارشاد الفحول الى تحقيق الحق من علم الاصول للشوكانى ص ١٦٦. ❻ ص ٣١/ ٤.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رفع يديه حذاء اذنيه ثم حين ركع ثم حين قال: سمع الله لمن حمده رفع يديه ورايته ممسكا يمينه على شماله فى الصلاة)) الحديث.

فذكر وائل الوضع بعد ذكر الرفع من الركوع، وفيه دلالة ان الوضع كان فى كلا القيامين فتذكر.

والدليل السادس:

اخرج احمد ايضاً فى مسنده ❶ من طريق شعبة ❷ عن عاصم بن كليب عن ابيه عن وائل بن حجر الحضرمى قال: ((صليت خلف رسول الله ﷺ فكبر حين دخل ورفع يديه وحين اراد ان يركع رفع يديه وحين رفع راسه من الركوع رفع يديه ووضع كفيه وجافى وفرش فخذه اليسرى من اليمنى واشار باصبعه السبابة)).

فقول: ((وحين رفع رأسه من الركوع رفع يديه ووضع كفيه)) صريح ناطق فى الباب.

وقوله: ((جافى)) اى فى السجود كما وقع مصرحا فى الاحاديث.

ولا يقال ان قوله: ((وضع كفيه)) معناه على الارض فى السجود لان الواو للعطف ومظروف ❸ الجملة الرفع من الركوع والاستئناف ❹ بدون ضرورة غير مسوغ، نعم الواو فى قول الراوى ((وجافى)) تكون للاستئناف لان المجافاة فى حالة القيام متعذرة فلا بد ان يكون الكلام مستانفا ومحل المجافاة مبهمة فطلبنا التفسير من رواية اخرى بخلاف الوضع فان محله معلوم فلا ابهام ولا حاجة الى التفسير. فافهم

قال ابو محمد:...... وقد ثبت الوضع عن الائمة والفقهاء ايضا فنص الامام احمد بن حنبل على التخيير بين الوضع والارسال كما فى ((كشاف القناع))❺ و ((منتهى الإرادات))❻ و ((الانصاف)) ❼ وغيرها من كتب فقه الحنابلة وتنصيص الامام يرد على من قال لم يقل به احد من الائمة.

---

❶ ص ٣١٦/ ٤.
❷ وهو لا يحمل عن مشائخه الا صحيح حديثهم، قاله فى فتح البارى ص ٣٠٠/ ١ (السلفيه)
❸ وهو قوله رفع يديه ووضع كفيه.
❹ اى فى قوله ووضع كفيه، فان اريد به حالة السجدة تكون الجملة مستانفة.
❺ ص ٤٠٦/ ١ للشيخ فقيه الحنابلة فى وقته منصور بن يونس بن ادريس البهوتى.
❻ وكذا فى الروض المربع شرح الزاد المستقنع ص ٥٣/ ١.
❼ للفقيه علاء الدين ابى الحسن المرادوى ص ٦٣/ ٢.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وعوّل بعضهم على قول احمد فقال لم يحكم بالوضع فقط مع انه ادخل هٰذين الحديثين فى مسنده، وهذا ليس بصواب، لانه ليس لازما ان مالا يفهمه الامام احمد من حديث لا يفهمه غيره وكم ترك الاول للآخر.

وثانيا:...... قد ادخل الامام فى مسنده ❶ احاديث الاضطجاع بعد ركعتى الفجر مع انه لم يقل بسنيتها كما فى المغنى ❷ وهذا اكبر من هذا.

قال ابو محمد:...... وقد قال به الامام ابو حنيفة وصاحبها فى رواية، ففى الكبرى ❸ شرح منية المصلى ذكر السيد الامام ابو الشجاع فى الملتقط انه ياخذ اليسرى باليمنى فى تلك القومة على قولهما. اهـ، يعنى ابا حنيفة وابا يوسف.

وفى بدائع ❹ الصنائع الكاسانى وكذلك روى عن ابى حنيفة ومحمد انه يضعهما كما يضع يمينه على يسراه فى الصلاة. اهـ

ابو الشجاع (من كبار فقهاء الحنفية الثلاثة الذين كان على فتواهم المرجع فى وقتهم كما فى الفوائد ❺ البهية لعبد الحى اللكهنوى، والكاسانى ايضا من كبار الفقهاء الماهرين بالخلافيات كما فى الجواهر ❻ المضية للقرشى).

فان قيل: هذا خلاف ما عليه ظواهر الكتب.

قلنا: قد قال بهذه الرواية الكاسانى وابو شجاع ولذلك روياها فهذه تقوية للرواية.

وثانيا:...... ان الكاسانى ❼ نفسه قد اجاب عن ذلك بانها موافقة للحديث الوارد على العموم وان الوضع اقرب الى الخشوع.

وثالثا:...... ان غير ظاهر الرواية مقبولة عندهم اذا وافقت الاصول كما فى غنية المستملى.

وامام الكلام ❽ للكهنوى وفى النافع الكبير ❾ للكهنوى نقلا عن عقد الجيد ❿

---

❶ فى ص ٧٤، ٨٣، ٨٥، ٨٨، ١٠٣، ١١٧، ١٤٣، ١٦٧، ١٢٥، ٢٤٨/ ٦ـ من حديث ام المومنين عائشة رضى الله عنها وفى ص ١٧٣/ ٢ من حديث عبدالله بن عمرو رضى الله عنه.

❷ ص ٧٧٣/ ١ هو شرح الامام موفق الدين ابن قدامة على مختصر الخرقى.

❸ ص ٣٩٢. ❹ ص ٥٣٣/ ٢. ❺ فى تراجم الحنفية ص ١٥٥.

❻ فى طبقات الحنفية ص ٢٤٥/ ٢. ❼ الصفحة المذكورة.

❽ نقله عن غنية المستملى. ❾ ص ٧.

❿ فى احكام الاجتهاد والتقليد للشاه ولى الله الدهلوى ص ١٩.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان القاعدة عند محققى الفقهاء ان المسائل على اربعة اقسام:

قسم تقرر فى ظاهر المذهب وحكمه انهم يقبلونه فى كل حال وافقت الاصول او خالفت، وقسم هو رواية شاذة عن ابى حنيفة وصاحبيه وحكمه انهم لا يقبلونه الا اذا وافقت الاصول. ١هـ

قال ابو محمد:...... والاصل عندهم فى ذلك ان كل قيام فيه ذكر مسنون ففيه الوضع وكل قيام ليس كذا ففيه الارسال، كما ذكره صاحب شرح الوقاية والهداية وشراحهما، وشراح مختصر القدورى وصاحب المجمع وصاحب مواهب الرحمن وشراحهما وغيرهم، وهذا هو المختار للفتوى وبه كان يفتى شمس الائمة السرخسى والصدر الكبير برهان الائمة والصدر الشهيد، كذا فى الذخيرة. ❶

ومعلوم ان فى هذا القيام ايضا ذكرا مسنونا ولهذا قال بالوضع فيه كثير من الاحناف كالكاسانى وابى شجاع وابى على النسفى والحاكم عبدالرحمن واسماعيل الزاهد وغيرهم كما فى البناية ❷ للعينى، وفيه عن الجامع الاصغر لابى سلمة الفقيه ❸: ((واذا رفع المصلى راسه من الركوع يطمئن قائما ويضع يده اليمنى على اليسرى حتى ينحط للسجود)). ١هـ

وفى الدر المختار ❹: ((ما لم يطل القيام فيضيع)) ١هـ.

ومعلوم ان الطول فى هذا القيام مسنون، ففى حديث انس عند مسلم ❺ وغيره ((كان النبى ﷺ اذا قال: سمع الله لمن حمده قام حتى نقول قد اوهم.

وفى حديث حذيفة عند ابى عوانة ❻ ((ثم قام قياما طويلا قريبا من الركوع)).

---

❶ ذكر ذلك كله اللكنوى فى السعاية شرح الوقاية ص ٥٧ـ ١٥٨/ ٢.

❷ ص ٦١١/ ١.

❸ محمد بن محمد له ترجمة فى الجواهر المضية ص ١١٨/ ٢ وتاج التراجم، للقاسم بن قطلوبغا ص ٦٥.

❹ ص ٤٨٨/ ١ على هامشه شرح رد المختار، لابن عابدين الشامى وقال تحته اى فان اطاله لكثرة القوم فانه يضع. ١هـ

❺ ص ١٨٩/ ٤ـ وفى ابى داود ايضا فى باب طول القيام من الركوع وبين السجدتين.

❻ ص ١٣٦/ ٢ من باب صفة صلاة رسول الله ﷺ وتقدير ركوعها وسجودها الخ.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقال الطحطاوی فی حاشية الدرر ❸ تحت العبارة المذكورة: ((فظاهره يعم كل قيام طال وعليه فيضع فی قيام صلاة التسابيح بين الركوع والسجود)) ا هـ.

وقال العلامة عبدالحی اللكهنوی فی السعاية ❶ شرح شرح الوقاية بعد ذكر العبارات الفقهية ((لا مضايقة فی اختياره بعد ظهور موافقته للاصول)). ا هـ

قال ابو محمد:...... وقال الامام ابن حزم الاندلسی فی المحلی❷: ((ونستحب ان يضع المصلی يده اليمنی علی كوع يده اليسری فی الصلاة فی وقوفه كله)) ا هـ.

ثم استدل بالاحاديث الواردة علی العموم مثل حديث سهل بن سعد المذكور فی الدليل الثانی وغيره ثم عزا هذا القول الی السلف ❹ والظاهر من قول صاحب البشری ❺ الكريم ان بعض الشافعية ايضا قالوا به، وكثير ❻ من الحنابلة ايضا اختاروه، والامام مالك ايضا ذكر فی الموطا❼ احاديث الوضع فقط.

اعذار المنكرين للوضع والكلام عليها

قال ابو محمد:...... وهما طائفتان فطائفة يرسلون ايديهم وطائفة يمسكونها بعد رفعهما ممدودة الی السماء الي ان يسجدوا وكلاهما خطا.

اما الارسال فلعدم ثبوته بل دخوله تحت المنع وقالوا انما نرسل لانه لم يثبت الوضع.

---

❶ ص ٣٣٧/ ١. ❷ ص ١٥٩/ ٢. ❸ ص ١١٢/ ٤.

❹ قال: وروينا فعل ذلك عن ابی مجلز وابراهيم النخعی وسعيد بن جبير وعمرو بن ميمون ومحمد بن سيرين وايوب السختيانی وحماد بن سلمة انهم كانوا يفعلون ذلك وهو قول ابی حنيفة والشافعی واحمد وداود. ا هـ

❺ ص ٧٤/ ١ ـ وعبارته هكذا فانتصب قائما ارسل يديه وقيل جعلهما تحت صدره كالقيام ا هـ. وفی الانوار لاعمال الابرار، للعلامة يوسف الاردبيلی ص ٩٢/ ١ـ الركن السادس الاعتدال وهو ان يعود الی الحالة التی كان عليها قبل الركوع ا هـ، ونحوه فی بشری الكريم ص ٧٠/ ١.

❻ كما شاهدناه غير مرة.

❼ ص ٥٥ـ المطبوع فی الهند تحت باب وضع اليدين احداهما علی الاخری فی الصلاة وذكر تحته الروايتين، احدهما عن عبدالكريم بن ابی المخارق معضلا والثانية حديث سهل بن سعد الساعدی المذكور فی الدليل الثانی وقال ابن عبدالبر: هو الذی ذكره مالك فی الموطا ولم يحك ابن المنذر وغيره. عن مالك غيره، كذا فی شرح الزرقانی علی الموطا ص ٣٢١/ ١.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وهذا مردود فقد اثبتنا الوضع بعونه تعالى .

وثانيا:...... على التقدير فليس بينهما نقض حتى يستلزم برفع احدهما وقوع الآخر .

وثالثا:...... على التسليم ايضا فماذا يصنع المصلى فى ذلك القيام ، هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين ولا يجوز لكم التشريع من عند انفسكم .

قال ابو محمد:...... والعجب العجيب من العلماء انهم يمنعون من القيام مع قبض اليدين امام احد من المخلوقين كقيام اهل البدع امام قبر النبى ﷺ الشريف ثم لا يأتون بدليل صريح على المنع من الكتاب والسنة بل غاية استدلالهم انها هيئة الصلاة امام الخالق جل وعلا فلا يشترك فى تعظيمه احد من خلقه وهذا الدليل فى نهاية الجودة من حيث كونه دليلا ولكن على هذا يكون القيام بحالة الارسال ايضا ممنوعا امام الخلق ان سلم ان الارسال من هيئات الصلاة .

فان قيل: الوضع فعل تعظيمى بخلاف الارسال قلنا: فلم تدخلونه فى الصلاة مع انها خدمة الرب وتعظيم له ، فان قيل: قال الله تعالى: ﴿قوموا لله قانتين﴾ (البقرة) قلنا: هب ولكن هل تدخلون القيام الثانى فى حكم الآية ام لا؟ على الاول رجع الاعتراض وعلى الثانى بطلب الكلية .

ثم لا دليل على ادخال احدهما فى الحكم دون الآخر لانه ان ادخلتم امتنع الارسال امام المخلوق وان اخرجتم تعذر دخوله فى الصلاة .

فان كنت لا تدرى فتلك مصيبة
وان كنت تدرى فالمصيبة اعظم

وان قيل جميع هيئات الصلاة ليست ممنوعة بل قد جلس جبريل علیہ السلام امامه ﷺ كما يجلس [1] احدنا فى الصلاة قلنا: هذا عليكم لا علينا فان مدار استدلالكم على الكلية وهو يرد عليها .

وثانيا:...... ان جبريل علیہ السلام وضع حينئذ يده على ركبة النبى ﷺ كما هو المصرح

---

[1] هذا اللفظ عند الدارقطنى ص ٣٨٢/ ٢ـ المصرى ، وص ٢٨١ الهندى .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فـى احـاديـث النسائى ❶ ومسـنـد احـمـد والـدارقـطنى وغيرها فتبدلت الهيئة فلا اعتراض .

قال ابو محمد:...... واما الامسـاك فـانـه يحتاج الى الدليل ، وفى الحديث ذكر الرفع .

وثانيا:...... هـذا يـخالف صريحا السنة الصحيحة ، ففى حديث البخارى ❷ ولا يـفـعـل ذلك حيـن يسجد ، والذى يمسك يديه مع مدهما الى السماء فى هذا القيام فـانه يهوى للسجود وهو رافع لهما وايضا فلا يبقى لهذا الحديث معنى ، ولا يدرى كيف لا يرفع حين يسجد ، فان قيل: افلا يرسل قبل السجدة قليلا ، قلنا: الارسال لم يثبت اصلا بل هو ممنوع كما مر .

وثانيا:...... يعلقهما اولا ثم يرسل ، هذا ايضا مطالب بالدليل .

وان قيـل: اذا لـم يثبـت الارسـال بل الرفع فقط فلهذا نعلقهما ، قلنا: نعم ثبت الـرفـع لكن الوقفة بينه وبين تكبيرة السجدة وقد ثبت اطالتها فى الحديث لا بد من الهيئة لليدين فيها وهى لا تتعين بدون دليل . فالاسترواح الى العموم اولى من هذا التكلف البارد .

ثانيا:...... امسـاكها وتعليقهما بعد الرفع ايضا تعمد وعمل ، وادخاله فى الصلاة بـلا دليل غير جائز فان اعمال الصلاة وهيئاتها توقيفية . ورفع اليدين ليس هيئة لهذا القيام بل هو للانتقال من حال الى حال اعنى عند اختتام الركوع وابتداء القيام .

قـال ابـو محمد:...... والبـلاء كـل البـلاء مـن انهم لم يتفكروا فى هذه الوقفة بين الـرفع من الركوع وتكبير السجدة ما هو؟ هل يسمى فى الشرع قياما والواقف قائما؟ وسنة القائم الوضع ، وهيئة القيام الوضع لاغير .

وثـالثا:...... انـه ورد فـى جـزء رفع اليدين للبخارى وغيره ❸ انـه كان اصحاب

---

❶ فـى بـاب صـفة الايمان والاسلام ، من كتاب الايمان وشرائعه من حديث ابى ذر وابى هريرة ، وفى الـمسـنـد: ٣١٩/ ٢ ـ من حديث ابن عباس ، وفى سنن الدارقطنى الصفحة المذكورة من حديث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ .

❷ فى باب الى اين يرفع يديه .

❸ كالبيهقى فى سننه الكبرى ص ٧٥/ ٢ عن الحسن البصرى .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

النبى ﷺ: ((كانما ايديهم المراوح يرفعونها اذا ركعوا واذا رفعوا رؤوسهم)) فهذا التشبيه ايضا يرد عليه، لان الراوى يذكر ان ايديهم كانت ترتفع وتنخفض مثل المراوح فكما انها رفعت من الصدر الى المنكبين او الاذنين قبل الركوع كذا رفعت بعد الركوع وعادت الى الصدر. واما امتناعها ارتفاعها بعد الرفع من الركوع ينافى تشبهها بالمراوح.

قال ابو محمد:...... واعتذر بعضهم فقال: يشتبه الامر بالوضع على المسبوق فلا يدرى هل هم قائمون قبل الركوع فيقراء او بعده فيدعو.

وهذا لاشيء، اولا: لا اشتباه ههنا لانه لو دخل المسبوق المسجد فهذا لا يخلو من احد الوجهين اما ان يكون بصره وقع عليهم حين رفعوا ر ؤوسهم او بعد رفعهم، على الاول الامر ظاهر، وعلى الثانى ايضا يظهر له ان كانوا فى القيام الثانى لانه يسمع تكبير الامام للسجدة فى قدر ما يدخل المسجد فيمشى مع انه مامور بالسكينة وترك السعى. فيدخل فى الصف فيرفع يديه ويكبر ويضع يديه. فهذا العذر باطل عند اهل النظر.

وثانيا:...... قد ثبت فى الحديث جهر [1] دعاء ((ربنا لك الحمد)) الخ وهذا ايضا كاف فى التفريق.

وثالثا:...... ان الاشتباه لو فرض لا يكون دليلا لرد اصل المسألة بل يحتاج اذًا الى الحل وهو انه ان تردد [2] فليقرأ بالفاتحة، فان كان قبل الركوع كان قد برىء من الذمة. وان كان بعده فقراءته الفاتحة تكفيه عن ادعية هذا القيام، وقد قال النبى ﷺ: ((ام القرآن عوض عن غيرها وليس غيرها عوض عنها.)) (اخرجه الحاكم [3] والبيهقى وصححاه وحسنه السيوطى فى الجامع الصغير [4]) ومن المعلوم ان النهى عن القراءة فى الركوع والسجود فقط، فاندفع ما كاد ان يرد، بل ورد

---

[1] فيه رسالة لنا الموسومة بنشاط العبد بجهر ربنا لك الحمد)) بالاردية.

[2] وهذا على الفرض والا فقد ذكرنا انه لا اشتباه.

[3] فى المستدرك: ص ١/٢٣٨ والبيهقى فى كتاب القراءة خلف الامام ص ٩.

[4] ص ١/٦٤.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حديث ❶ عام وهو قوله ﷺ في تعريف الصلاة ((انما هى التسبيح والتكبير وقراءة القرآن)) الحديث. وايضا فقد ثبتت القراءة فى القيام الثانى من الكسوف وهو قيام اعتدال كما قاله فى الفتح❷ بدليل ان عائشة رضی اللہ عنہا قد ذكرت فيه دعاء الاعتدال.

قال ابو محمد:..... وقال بعضهم الوضع سنة القيام وما بعد الركوع قومة. وهذا مردود بوجوه.

اولا:..... ان الشرع سماه ايضا قياما.

ففى حديث البخارى ❸ وغيره ((قاموا قياما حتى يرونه قد سجد))، وفى مسلم ❹ ((ولم نزل قياما حتى نراه قد وضع وجهه))، وفى ابن ماجة ❺ ((ثم رفع رأسه فيقيم صلبه ثم يقوم قياما هو اطول من قيامكم قليلا))، وغيرها من الاحاديث. ولا نرى فى حديث❻ ذكر القومة. وهذا الاسم كان معروفا فى السلف ايضا، ففى المحلى ❼ لابن حزم: ((كان ابو عبيدة بن عبدالله يطيل القيام بعد الركوع الخ))

وبوب ابوداود فقال❽ : ((باب طول القيام من الركوع و بين السجدتين)).

وقال النسائى: ❾ ((قدر القيام بين الركوع والسجود)). وقال: ((باب ما يقول فى قيامه ذلك)).

وثانيا:..... ان الواقف بعد الركوع سماه الشرع قائما.

---

❶ اخرجه مسلم: ص ٢٠/ ٥.

❷ ص ٥٣٠/ ٢۔ (السلفية) تحت باب الصدقة فى الكسوف، اخرجه البخارى فى باب الجهر بالقراءة فى الكسوف. ❸ فى باب رفع البصر الى الامام فى الصلاة.

❹ ص ١٩١/ ٤. ❺ ص ٧٥۔ فى باب اتمام الصلاة من حديث عائشة رضی اللہ عنہا.

❻ نعم اورد اطلاق القومة فى الحديث على القيام الاول، ففى البخارى: فى باب بعث ابى موسى ومعاذ الى اليمن قبل حجة الوداع، من كتاب المغازى من حديث ابى بردة وفيه قال: فكيف تقرا انت يا معاذ؟ قال: انام اول الليل فاقوم وقد قضيت جزئى من النوم فاقرا ما كتب الله لى فاحتسب نومتى كما احتسب قومتى ١ هـ. فعلى ما قيل يلزمها الارسال فى القيام قبل الركوع ايضًا.

❼ ص ١٢٢/ ٤. ❽ ص ١٢٤.

❾ ص ٩٨۔ ١٩٧/ ٢ (المصرى).

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ففی البخاری ❶: ((ثـم يـقول وهو قائم ربنا لك الحمد))، وفی مسلم❷ ((اذا رفع راسه من الركوع انتصب قائما)) وفی النسائی ❸ ((ان لا اخر الا قائما)) ولفظ الـحـديـث هـكـذا: ((اذا كـان قائما فی الصلاة قبض بيمينه على شماله)). ان سنة القائم الوضع

وثـالثا:...... لسـنـا نبـحـث عـن الـقـومة ولا غيرها بل نقول: ((اذا كان قائما فی الـصلاة)) ، ((واذا قام فی الصلاة)) وقد مرّ الحديثان فسواء كان قائما فی القيام او القومة.

ورابعا:...... ان الـقيـام والقومة مصدر ان للباب الواحد، ففی المنجد ❹ وغيره: قام يقوم قوما وقومة وقياما وقامة انتصب ووقف ١ هـ. وهكذا فی اقرب الموارد ❺ وغيره.

قال ابو محمد:...... واعتذر بعضهم فقال القيام الثانی لا قراء ة فيه وهذا باطل لان لـفظ الحديث ((اذا كان قائما)) و ((اذا قام)) فلو كان كما قيل لكان ((اذا كان قارئا فی الصلاة)) بل وهذا شبيه بالتحريف.

وايـضـا فـكـلـمة ((اذا)) تـجـعـل الـجملة الاولى سببا والثانية مسببة كما فی الارشاد❻ للشوكانی.

فصح ان سبب الوضع القيام لا القراء ة.

وايـضا فيلزم القائلين به ان لا يضعوا فی وقت دعاء الافتتاح وكذا خلف الامام بـعـد الـفاتحة وفی الجنازة بعد التكبيرة الثانية، بل لفظ الحديث ((اذا قام)) فسواء قرا ودعا او سكت.

قال ابو محمد:...... وقال بعضهم: ان المصلی اذا ارسل للركوع فای دليل لاعادة الوضع؟ وهذا فاسد لوجوه.

---

❶ فی باب التكبير اذا قام من السجود.
❷ ص ١٩٨/ ٤.
❸ ص ٢٠٥/ ٢ (المصری)
❹ وهكذا فی القاموس للفيروزآبادی ص ١٦٨/ ٤.
❺ ص ١٠٥٢/ ٢. ❻ ص ١٨١.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الاول:...... ان الوضع سنة القيام فاذا عاد عاد.

والثاني:...... ان هذا الاعتراض عليكم لانا نقول اى دليل لاعادة الوضع فى الركعة الثانية فما بعدها؟ فان قلت: جاء فى بعض الروايات ((وافعل ذلك فى الصلوات كلها))

قلنا: ليس فيها ذكر الوضع اصلا.

فان قيل: العموم. قلنا: هذا هو الدليل، ولا فرق بينه وبينه.

والثالث:...... انه قد ثبت عن كثير من العلماء اعادة الوضع بعد اطلاق اليدين فمنهم من يرفع يديه قبل القنوت ثم يضع، ومنهم من يرسل للركوع في الكسوف ثم يضع اذا رفع راسه، ومنهم من يضع بعد تكبيرات العيدين، ومنهم من يرفع فى تكبيرات الجنازة ثم يضع.

فصح ان هذا العذر غير مرضى عند هم ايضا.

والرابع:...... انه يلزم من هذا ان لا يضع بعد سجود التلاوة فما هو جوابكم فهو جوابنا

قال ابو محمد:...... وتعلق بعضهم برواية وقع فيها لفظ ((رجع كل عظم الى موضعه)) يعنى بعد الركوع وهذا لا دليل فيه اصلا، اولا: فان سياق حديث ابى حميد هكذا: قال ((كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلاة يرفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه، ثم يكبر حتى يقر كل عظم فى موضعه معتدلا، ثم يقرأ، ثم يكبر، فرفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه، ثم يركع، ويضع راحتيه على ركبتيه، ثم يعتدل فلا يصوب راسه ولا يقنع، ثم يرفع راسه، فيقول: سمع الله لمن حمده، ثم يرفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه معتدلا، ثم يقول: الله اكبر، ثم يهوى الى الارض فيجا فى يديه عن جنبيه، ثم يرفع راسه ويثنى رجله اليسرى فيقعد عليها ويفتح اصابع رجليه اذا سجد، ثم يقول: الله اكبر، ويرفع راسه ويثنى رجله اليسرى فيقعد عليها حتى يرجع كل عظم الى موضعه)) الحديث. (اخرجه ابوداود ١٠٨ والبيهقى). ❶

---

❶ ص ٧٢/ ٢.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلو كان معناه: الارسال فلم لا ترسلون قبل الركوع وفي حالة الجلوس .

وثانيا:...... ان على قاعدتكم ان المراد منه عظام الظهر، كما في حديث احمد❶ فاذا رفعت راسك فاقم صلبك حتى ترجع العظام الى مفاصلها)) فحينئذ، الحديث خارج عن محل النزاع لانه لا تعلق له باليدين .

فهذا صريح ان كل عضو ياخذ موضعه في كل حالة فموضع اليدين في حالة القيام معروف . فافهم

وان قلتم: انه حديث مستقل على حدة ومتضمن لليدين ايضا للعموم، قلنا: فاذا يكون الحديث حجة بالغة عليكم لان موضع اليدين الصدر كما في الاحاديث الصحيحة فلترجعا اليه ولا يقال ان المراد الموضع الاصلي البطبيعي لان الفاظ الشرع تحمل على المعاني الشرعية .

فيكون المراد موضعها في الصلاة وهو قد عرف، مع ان تعيين الرفع الاصلي غير ممكن ابدا .

ثم الامر الطبيعي لا يسمى عملا ولا دخل له في الصلاة، وايضا فاصحاب هذا القول متفقون ان الهيئة الطبيعية انما تدخل في الصلاة اذا لم يرد في الشرع هيئة خاصة .

وفيما نحن فيه الهيئة قد وردت وهو حديث: ((اذا كان قائما في الصلاة قبض بيمينه على شماله)) والثبوت بالعموم الذي لم يدخله التخصيص كالثبوت من الخصوص ولا فرق .

وايضا فلفظ الرجوع مقتض لرجوع اليدين الى الحالة التي كانتا عليها قبل الركوع لانه بيان بانهما كانتا على حالة ثم تحولتا عنهما بالركوع ثم رجعتا اليها .

قال ابو محمد:...... واصرح من ذلك ما اخرجه الامام ابن حزم۔ رحمه الله ۔ في

---

❶ ص ٣٤٠/ ٤ ۔ من حديث رفاعة بن رافع الزرقي بل وفي ص ٤٠٧/ ٣، حدثنا عبدالله حدثني ابي ثنا هارون بن معروف ثنا ضمرة عن ابن شوذر عن عبدالله عن القاسم قال: جلسنا الى عبدالرحمن بن ابزى فقال: الا اريكم صلاة رسول الله ﷺ قال: فقلنا: بلى قال فقام فكبر، ثم قرأ ثم ركع فوضع يديه على ركبتيه حتى اخذ كل عضو ماخذه، ثم رفع حتى اخذ كل عضو ماخذه، ثم سجد حتى اخذ كل عضو ماخذه، ثم رفع حتى اخذ كل عضو ماخذه، ثم سجد حتى اخذ كل عظم ماخذه، ثم رفع فصنع في الركعة الثانية كما صنع في الركعة الاولى ثم قال: هكذا صلاة رسول الله ﷺ ١ هـ)) وقال الهيثمي في مجمع الزوائد ص ١٣٠/ ٢ ورجاله ثقات . ١هـ .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المحلى ❶ عن رفاعة بن رافع فى حديث المسيء صلاته وفيه ((ثم يقول: سمع الله لمن حمده ويستوى قائما حتى ياخذ كل عضو ماخذه ويقيم صلبه)) الحديث.

فقوله: ((كل عضو)) يشمل اليدين ولا نفهم مراد الحديث حتى نعرف ماخذ اليدين فى حالة القيام.

وقد قال هلب۔ كما مر۔: ((انه ﷺ كان ياخذ شماله بيمينه))، وفى حديث وائل: ((فاخذ شماله بيمينه)) (كما عنه ابن ماجه)❷

قال ابو محمد:...... وفى حديث الترمذى ❸ عن ابى حميد جملة ((حتى يرجع كل عظم موضعه)) بعد الركوع وبين السجدتين وبعدهما ايضا.

وهذا ايضا صريح ان لكل عظم موضعا معروفا، وفى ابن ماجة ❹ ((حتى يقر كل عظم الى موضعه.))

وذكر قبل الركوع وبعده فعلى كل حال اما ان تجعلوه دليلا للارسال فلا يختص ذلك بالقيام الثانى بل الاول وكذا الجلسات ايضا يلزمكم الارسال فيها، واما ان تحملوه على المعانى الشرعية فهو دليل للوضع لان فى جميع الصلاة وضعا فوضعا.

وهذه الفاظ الحديث ((اذا كان قائم فى الصلاة قبض بيمينه على شماله ❺)) و ((ثم يركع ويضع راحتيه على ركبتيه ❻)) كما مر آنفا و ((اذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك)) اخرجه مسلم ❼ ((واذا جلس فى الصلاة وضع يديه على ركبتيه)) الحديث. اخرجه مسلم ❽ ايضا.

---

❶ ص ٢٥٧/ ٣ من حديث رفاعة بن رافع.
❷ ص ٥٩۔ فى باب وضع اليمين على الشمال فى الصلاة.
❸ ص ٤٠/ ١۔ فى باب ماجاء فى وصف الصلاة.
❹ ص ٧٥۔ فى باب اتمام الصلاة.
❺ هو الحديث المذكور فى الدليل الاول.
❻ عند ابى داود ص ١٠٦۔ فى باب افتتاح الصلاة، والدارمى ص ٢٥٥/ ١ (المصرى) فى باب صفة رسول الله ﷺ والبيهقى ص ٧٢/ ٢ فى باب رفع اليدين عند الركوع وعند رفع الراس منه، من حديث ابى حميد الساعدى.
❼ ص ٢١٠/ ٤۔ من حديث البراء رضى الله عنه.
❽ ص ٨٠/ ٥ من حديث ابن عمر رضى الله عنهما.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

المقالة العاشرة

مذکورہ کتاب میں شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ نے قبض الیدین بعد الرکوع کو ادلۃ قاطعہ و برہان صادقہ سے ثابت کیا ہے۔ (الازہری)

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

المقالة العاشرة

مذکورہ کتاب میں شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ نے قبض الیدین بعد الرکوع کو ادلۃ قاطعہ و برہان صادقہ سے ثابت کیا ہے۔ (الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی زاد صلواتنا خشوعا الی الخشوع بوضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع والصلوٰۃ والسلام علی من ارسل بخیر الخصال ومنھا الوضع فی جمیع وقوفات الصلوٰۃ دون الارسال وعلی اٰلہ واصحابہ المتأدبین بأدابہ والمتخلقین باخلاقہ وعلی التابعین واتباعھم بالاحسان الی یوم یحکم فیہ بین الادیان.

أمّا بعد: فکان ظالما لخطر ببالی فی الایام واللیالی ان الثابت فی حالۃ قیام الصلوٰۃ عن سید البشر ھو الوضع فقط ولیس للارسال فی الاخبار اثر فما بالنا نضع فی القیام الاول دون الثانی بلا دلیل وھو ضیع لا یرضی بہ عالم جلیل بل ھو عمل بلا علم او علم بلا عمل ومحل بلا نظر او نظر بلا محل. فسبرت الاخبار المرفوعۃ وفتشت عن الآثار الموقوفۃ وطالعت الکتب بالنظر السریع وسابقت خیل الفکر فی ھذا المیدان الوسیع مانعا نظرا عن الاقوال واٰراء الرجال سائلا من اللّٰہ تعالٰی ان یرینی الصواب من الخطأ وھو علیہ ھین لمن یرید ویشاء. فلم اجد ذکر الارسال فیھا اصلا. لا تقریرا ولا قولا ولا عملا. فعلمت انہ تخصیص سوی مخصص وتنصیص عدا منصص. ثم استخرت اللّٰہ تعالی فی ھذہ المسئلۃ طالبا منہ التحقیق. فالقی فی روعی ان الوضع ھو الحق التحقیق فعملت بما لاح لی ووضع وثبت عندی وصح فطال فی ذالک السوال بین الناس من الیمین والشمال ووقع بینی وبین کثیر من الاحباب المناظرات فاتی کل فریق علی الآخر بالاعتراضات والمناقشات حتی جری الکلام فی ھذا المرام بینی وبین اخی الکریم ذی الشرف والعظیم العالم الاجل الفاضل الاکمل المعروف فی المدن والمجالس بصاحب اللواء السادس ابی روح اللّٰہ السید محب اللّٰہ الشاہ اطال اللّٰہ بقاءہ واعاذہ من شر ما خلق بمنہ الذی لا منتھاہ. لکن علی طریق المحبۃ الصادقۃ والمحجۃ الراسخۃ لا علی نھج المناظرین المجادلین الذین یرفعون اصواتھم مع اعناقھم فلا یکونون من الفاصلین واظھر کل احد لا آخر ما جمع عندہ فی الخاطر لکن بقی الحق لتحقیقھم والدق والتدقیقہ. وکان اذا یتنافس المتنافس لانھا لم تظھر الایام من

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللیالی الحنادس ومضی علی ذلک زمان طویل ساکت عن قیل وقال وعمل الرجال من الطرفین بمذھبھم لأن قَدْ عَلِمَ کُلّ اناس مشربھم الی ان سمعت یوما اذکر فی ھذا الباب ما ھو عندہ من الحق والصواب لا للمخاصمة ولا المباحثة ولا المصادمة بل لانھما ھو الصحیح عندہ من القولین لانہ قد کلف بذالک کل من یؤمن بالاصلین فاردت بتوفیق اللّٰہ تعالی المتین وھو حسبی ونعم المعین ان اکتب فی ھذا المقام ما یفید الانام لانھا مزلة الاقدام فسیقدر کلامی اولو الاحلام. لرفع الاستار عن وجہ ھذا الاختیار ولا اقصد بذالک الرد علی احد وما ارید واللّٰہ تعالی علی ما اقول شھید. فضلا عن حضرة الاخ السعید. لان فیہ اساء ة ادب معہ من ھذا العبید ولیس ھذا من شان اھل العلم. وذوی العقل والفھم کیف لا وقد ورد الوعید الشدید من البشیر النذیر فی حق من لا یوقر الکبیر ولذالک سمیت ھذہ المجموعة من الدرر المنثورة ''**بھدیة البدیع الی اخیہ الکریم الرفع فی ثبوت الوضع بعد الرکوع من الحبیب الشفیع**'' ثم بدأ لی بعد ما رأیتھا جامعة للادلة الکافیة والاجوبة الشافیة ان اوسمھا ''**بالتحقیق المقطوع فی الباث وضع الیمین علی الشمال بعد الرکوع**'' ولما کثر عن المخالفین من الاعتراض بَدأت بالجواب عنھا والانتقاض والمرجومن الناظرین فیہ والقارئیین ان یطالعوھا بنظر الانصاف متنجبین عن مورد الاعتساف فیسلعمون انہ ھو الحق التحقیق القبول ولا ینبغی عنہ العدول ومجرد النزاع والخلاف یورث التفرق والاختلاف فمن وجدہ صوابا فھو المؤتمن لان الحکمة ضالة المؤمن ومن وجد فیہ خطأ فلینبھنی علیہ فانی سانظر فیہ وارجع الیہ واللّٰہ تعالی اسئل ان یعصمنی من الخلل ویحفظنی من الخطأ والزلل وان یبعدنی من التعصب والضلالة والطغیان ویقربنی من الحق والمعرفة والایمان وان یجعل ھذہ الرسالة العجیبة والعجالة الغریبة خالصا لوجہ الکریم وموجبة عندہ للنعیم المقیم وذالک علیہ ایسر یسیر فانہ علی کل شئی قدیر وانہ تعالی برروف رحیم فلا یقنط من رحمتہ غیر الشقی اللئیم اخرج الشیخان عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ قال سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول ''**انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللّٰہ ورسولہ فھجرتہ الی اللّٰہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبیھا او**

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الی أمراۃ یتزوجھا فھجرتہ إلی ما ھاجر إلیہ.

فیما بلغنی عنھم الاعتراض وما عندی من الانتقاض.

الباب الأول

قال ابومحمد: فمن اعتراضھم انہ قد روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ الآثار فی الارسال.

والجواب: انھا لا تفید شیئا ونحن نسوقھا مع مالھا وما علیھا قال ابن ابی شیبۃ حدثنا ھشیم عن یونس عن الحسن ومغیرۃ عن ابراھیم "**انھما کانا یرسلان ایدیھما فی الصلاۃ**".

عفان قال حدثنا یزید بن ابراھیم قال سمعت عمرو بن دینار قال کان ابن الزبیر "**اذا صلی یرسل یدیہ**" ابن علیۃ بن ابن عون عن ابن سیرین انہ سئل عن الرجل یمسک یمینہ بشمالہ قال انما فعل ذالک من اجل الدم.

حدثنا عمر بن ھارون عن عبد اللّٰہ بن یزید قال رأیت ابن مسیب قابضا یمینہ فی الصلوٰۃ کان یرسلھا.

حدثنا یحیی ابن سعید عن عبد اللّٰہ بن العیزار قال کنت اطوف مع سعید بن جبیر فرأی رجلا یصلی واضعا احدی یدیہ علی الاخری ھذہ علی ھذہ وھذہ علی ھذہ فذھب یفرق بینھما ثم جاء..

قال ابومحمد: الاثر الاول: فیہ ھشیم وھو متغیر الحفظ ولا یعلم ھل حدث بہ قبل تغیرہ او بعدہ ثم ھو مدلس وروی بالعنعنۃ وقد روی ابن ابی شیبۃ نفسہ عن ابراھیم الوضع ایضا.

وفی الثانی عفان ھو ابن مسلم قال ابن معین انکرناہ سنۃ تسعۃ عشر کما فی التقریب ولا یدری حدث بہ قبلہ او بعدہ وروی ابوداود بسند صحیح عن ابن الزبیر بلفظ صف القدمین ووضع الید علی الید من السنۃ والثالث لیس فیہ ذکر الارسال بل ثبوت الوضع بوجہ وجیہ لا انکارہ بل الظاھر من ذکر العلۃ اقرارہ وفی الرابع عمر بن ھارون ھو متروک وفی والخامس عبد اللّٰہ بن العیزار لا یعرف من ھم ثم لقطہ لا یدل علی ذالک انما انکر الکیفیۃ المذکورۃ لانھا خلاف ماجاء مصرحا من

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صفة وضع اليمين على الشمال لا اصل الوضع.

قال ابومحمد: وثانيا ان هذا كله عن التابعين فهى غير حُجّة عند الاصوليين ولم يرو من الموقوف الا من ابن الزبير مع انه لم يصح وخالف ما صح وثالثا ان تلك الآثار مطلقة فى الارسال فلا معنى لتخصيص قيام دون قيام فان قيل نحملها على القيام الثانى قلنا هذا تخصيص بلا مخصص ثم لقائل ان يقول بل هى خاصة بالقيام الاول فما هو جواب عن هذا فهو ذا.

ومنها انه ليس فى شئ من تلك الروايات ذكر الوضع بعد الركوع صراحة

وفيه: **أولا:** ان العموم يشمل القيامين صراحة.

وثانيا: انه لا عائبة فى الاحتجاج بالاشارة مالم تعارضها العبارة.

وثالثا: ان الدليل السادس فيه دلالة بالتصريح فهذا القطع غير صحيح.

ومنها: انه يعلم من السياق الذى ساقه وائل بلفظ "حين دخل فى الصلوٰة كبر ورفع يديه حيال اذنيه ثم التحف بثوبه ثم وضع يده اليمنى على اليسرىٰ فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب ورفعهما فلما قال سمع اللّٰه لمن حمده رفع يديه فلما سجد سجد بين كفيه" اخرجه مسلم فاخبر وائل عن صلوٰة رسول اللّٰه ﷺ فذكر الوضع قبل الركوع ولم يذكر بعده فالاحاديث وان كانت مطلقة لكنها محمولة على المقيدة والجواب عنه بوجوه.

احدها: انه ليس فيه انكار الوضع بعد الركوع ايضا.

وثانيها: عدم الذكر لا يستلزم عدم الوجود.

وثالثها: انه وان لم يذكره وائل لكنه ثابت بالدلائل الاخرى.

ورابعها: ان الاخبار العامة فيها زيادة فتقدم عليها.

وخامسها: ان مثل هذا وان سماه بعض الفقهاء تقييدا لكنها ليس بتقييد حتى يقع مصرحا انكار الجزء المبحوث عنه فى الرواية المقيدة فهذه هى التى تقيد المطلق وهو مختار الائمة كابن يتمية وابن القيم وابن حزم وغيرهم كما هو الظاهر من

---

❶ ولا يقال ان احاديثه مروية فى الصحيح لان احاديثه محمولة على تحديثها قبل الاختلاط كما هو الظاهر من كتاب ....

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تصانیفهم وهذا هو مختار والدنا الی السند وجدنا الامجد ثبت عنهما النهی عن البزاق الی جهة القبلة مطلقا والاخبار فی ذالك علی قسمین مطلقة ومقیدة بحالة الصلوٰة فعلی ما قیل یکون هذا النهی خاصا بالمصلی ولکن مع ذالك قد قالا بعدم جواز البزاق الی جهة القبلة ولو خارج الصلوٰة ومثل هذا فَعَلَ صاحب المحلی فی هذه المسئله وغیرها من المسائل العدیدة فتفکر.

وسادسها: ان هذا انما یتصور عند تعارض الدلیلین بهما امکن العمل علیها فَهُمَا حدیثان مستقلان علی حدهما ونظیر ذالك قوله تعالی ﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ (بنی اسرائیل) ولا یقال انه یجوز عند عدم الخشیة حاشا وکلا بل هو حکم مستقل علی حدة مندرج تحت تحت الاصل العام وهو تحریم القتل وفیما نحن العمل بالجمیع ممکن والجمع بینهما جمع حسن فتدبر وقال الشوکانی فی ارشاد الفحول فی مبحث شروط حمل المطلق علی المقید "الشرط الخامس ان لا یمکن الجمع بینهما الا بالحمل فان امکن بغیر اعمالها فانه اولی من تعطیل مادل علیه احدهما ذکره ابن رفعة فی المطلب اھ" وسابعها ان کثیرا من المسائل وردت فیها الدلائل مطلقه ومقیدة مع ان حملها علیها متعذر فلو کان مثل هذا التقیید لازما لما تعذر اصلا ومثال ذالك الاحادیث الواردة عن اسبال الازار فیقیدها ظاهر قوله ﷺ "من جر ثوبه خیلاء لم ینظر الله الیه یوم القیٰمة" الحدیث اخرجه البخاری علی هذا الاصل لکن یأبی هذا التقیید قوله ﷺ "وایاك واسبال الازار فانه من المخیلة وان الله لا یحب المخیلة" اخرجه ابوداود والنسائی وصححه الحاکم وهذا کرهه اهل العلم مطلقا وثامنها ان هذا الحدیث مروی من اوجه فذکر وائل مرة کما مر ومرة ذکر الوضع بعد ذکر رفع الرأس من الرکوع کما سیأتی وهو الدلیل الخامس من الباب الآتی فصح ان هذا التقیید لیس بسدید وقال صاحب ارشاد الفحول والحق ان ولالة السیاق ان قامت مقام القرائن القویة المقتضیة لتعیین المراد کان المخصص هو ما اشتملت علیه من ذالك وان لم یکن السیاق هذه المنزلة ولا افاد هذا المفاد فلیس بمخصص اھ وتاسعها ان هذا السیاق لیس فیه ذکر الفاتحة ولا خلاف عندنا فی فرضیتها فهل یدل هذا الخبر علی انه ﷺ لم یقرأ بها کلا بل قد ثبت انه قرأ بها

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فی روایة اخری فکذالک نقول فیما نحن فیه وعاشرها انه لیس فیه ذکر وضع الیدین علی الرکبتین او التطبیق فی الرکوع بل ونظیر ذالک حدیث ابن عمر فی رفع الیدین رواه مالک فی مؤطاه هکذا ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلوٰة رفع یدیه حذو منکبیه وذا رفع رأسه من الرکوع رفعهما کذالک وقال سمع الله لمن حمده ربّنا ولکم الحمدُ وکان لا یفعل ذالک فی السجدة فهذا ایضاً سیاق لکن ؟؟؟ فیه ذکر الوضع عند الرکوع ولکن احتج اهل الحدیث بزیادة نرادها الثقات والزیادة اشارة کالزیادة صراحة فتدبر.

والحادی عشر: ان اتم الاحادیث الواردة فی صفة صلوٰته ﷺ الفاظا واحسنها سیاقا حدیث ابی حمید الساعدی ولفظه هکذا عند ابی داؤد وغیره کان النبی ﷺ اذا قام الی الصلوٰة رفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه ثم یکبر ثم یقرأ ثم یکبر ویرفع یدیه حتی یحاذی بهما مکبیه ثم یرکع ویضع راحتیه علی رکبتیه ثم یعتدل فلا یصبّی رأسه ولا یقنع ثم یرفع رأسه فیقول سمع الله لمن حمده ثم یرفع یدیه حتی یحاذی بهما منکبیه معتدلا ثم یقول الله اکبر ثم یهوی الی الارض ساجدا الحدیث فهذا السیاق ساکت عن الوضع قبل الرکوع وبعده ومقصودنا من هذه الروایة ان سکوت الراوی عن شئی فی سیاق لیس دلیلا علی التخصیص. او التقیید.

والثانی عشر: انه لو سلمنا انه تقیید لقلنا البتة ان هذه الاعمال التی ذکرها وائل خاصة بالرکعة الاولی لانه لم یقل فی شئی من طرقه یفعل ذالک فی جمیع الرکعات وانما ورد قوله ﷺ "وافعل ذالک فی کل صلوٰة" وفی روایة "فی کل رکعة" فی قصة المسئی صلوٰته ولیس فیها ذکر الوضع ولا الارسال.

والثالث عشر: ان بعض الاحادیث الوارة فی ادعیة الاستفتاح مطلقة وبعضها مقیدة بالنوافل مع ان المحدثین لم یقیدوها کما لا یخفی علی من طالع کتب الحدیث.

والرابع عشر: ان حدیث علی فی رفع الیدین مروی بهذا اللفظ کان اذا قام فی الصلوٰة المکتوبة رفع یدیه حذو منکبیه الحدیث اخرجه ابوداود وغیره فهذا یدل صریحا علی کون رفع الیدین مقیدة بالمکتوبة لانه لم یات حدیث ذکر فیه الرفع فی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

التطوعات بالصراحة ولكن مع هذا لانعلم احدا من قد ماء المحدثين يقول بذالك بل كلهم يقولون بمشروعيته فى جميع الصلوات فرضها ونفلها فعلم ان هذا الاصل غير صحيح عندهم فتفكر.

قال ابومحمد: فمدعى هذا التخصيص مكلف باحدى الامرين اما ان يخصص الامرين كليهما او يرجع من الآخر والا فتخصيص احدهما دون الآخر لا يرضى به العالم الباهر وبالله تعالى التوفيق.

والخامس عشر: انه قال الشوكانى فى الارشاد الشرط السابع ان لا يقوم دليل يمنع من التقييد فان قام دليل على ذالك فلا تقييد اھـ. وفيما نحن فيه قد قام الدليل وهو النهى عن السدل والارسال كما سنذكر فى الدليل الثامن ومنها انه لو كان المراد بالقيام ههنا العموم فنفى الجلوس فى الحديث الوارد فى الوتر "لا يجلس الا فى آخرهن" ايضاً عام عن جميع الجلسات وفيه ما لا يخفى على احد وهو ان الجلسة بين السجدتين وبعدهما ثابتة بالادلة الجلية فتخص من العموم بخلاف ما نحن فيه فان لم يات نص صريح يدل على الارسال قبل الركوع ولا بعده فاين هذا من هذا.

ومنها: انه لا يعلم به الفرق بين القيامين حتى لو جاء المسبوق اشتبه عليه الامر فلا يعلم هل الناس قائمون قبل الركوع او بعده.

والجواب عن ذالك بامور: اولا: انه عقل فلا يقدح فى النقل وثانيا انه يشتبه عليه جلسة الاستراحة والتى بين السجدتين ايضا فالجواب عن ذا جواب عن هذا وثالثا انه يشتبه على المسبوق الركعة الاولى من الثانية من الصلوٰة السرة فانه لا يعلم انهم فى الاولى فيقرأ دعاء الافتتاح او فى الثانية فيشرع فى الفاتحة فان ظن انها الاولى وتكون فى التحقيقة ثانية او ثالثة او رابعة يكون دعائه للافتتاح خلاف للسنة وان حسب انها ثانية وتكون فى الحقيقة بالاولى يفوته الدعاء المسنون فان قلت يجتهد فيعمل على غالب ظنه قلنا كذالك فيما نحن فيه ورابعا انه لا اشتباه فى هذا الموضع فانه لو دخل المبسوق فى المسجد فهذا الا يخلو من احد الوجهين اما ان يكون بصره وقع عليهم حين رفعوا رؤسهم من الركوع او بعد رفعهم على الاول

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الامـر ظاهر وعلى الثانى ايضا يظهر له لو يكون قيامهم ذالك ثانيا فهو يسمع تكبيرة الامام السجدة قريبا فى مقدار ما يدخل المسجد فيمشى❶ فيدخل فى الصف فيرفع يـديـه ويكبر فيضع يمينه على شماله فمثل هذا العذر لا يقبله اهل النظر وخامسا انه لـم يثبت من الحديث الا الوضع ومن المحال المقنع ان يأمرنا اللّٰه تعالى بامر يشتبه عـلينـا فاذا تردد المسبوق كان الامر على خلاف ذالك ففكرنا فوجدنا اللّٰه تعالى قد اخبرنا على لسان حبيبه المصطفى ﷺ "بان الفاتحة عوض من غيرها وليس غيرها عوضا عنها" اخـرجه الحاكم وغيره فاذا لـم يتيقن انه قيام قبل الركوع او بعده فليقرأ بفاتحة الـكتاب فان كان قبل الركوع كان قد ادى الفرض وان كان بعد فقرائته الفاتحة عن ادعية الـقيـام الثـانى كافية وقد قال ﷺ "دع مـا يـريبك الـى مـا يريبك" اخرجه الترمذى فهذا استدلال عجيب واستنباط غريب فالحمد للّٰه تعالى ما علمنى هذا الجواب لا اعلم احد اسبق منى اليه ولا احسبه وقف قبلى عليه ولا اقول مفتخرا كما قال المتنبى.

وانـــى وان كـنـــت الاخيـــر زمـــانة

لآت بـمـــا لـــم تـــأت الاوائـــل

فان قلت القراءة مختصة بالقيام الاول قلنا قد ثبت فى الحديث قراءة اٰية ربنا اٰتنا فى الـدنيـا حسنة الخ بعد التشهد فدعوى التخصيص غير❷ صـحيحة وانما جاء المنع عـنهـا فى الركوع والسجود فقط وسادسا: ان مثل هذا الاعتراض لا يفيد لان القائل ان يـقـول صـلـوٰة الكسوف ركعتان فى اربع ركعات فصاعدا فيقرأ اولا ثم يركع ثم يـرفـع ويـقـرأ ثانيا ثم يركع وكل احد يرى انه لا يبتدأ بادعية الاستفتاح الا فى المرة الاولـى فـاذا جاء احد والامام يقرأ فهو ايضا يتشكك فى انه قيام اول فيستفتح او ثان فيـقرأ فقط فان قلت: يقرأ الفاتحة احتياطا قلنا كذالك فى هذا محتاطا وسابعا انه لو فرضنا انا عاجزون عن رفع هذا الاشكال فليس هذا❸ بمخدش فى الاستدلال لان

---

❶ هو مأمور بالسكينة وترك السعى والسرعة عنه اتيانه..........

❷ قـال ابـن حـزم فـى الـمحلى فلو قرأ المصلى فى جلوسه بعد التشهد وهو او فذ او تشهد فى قيامه او ركوعه ان ياتى بما عليه من قراءة وتسبيح جاز صلواته عمد افعل ذالك او ناسيا ولا سجود سهو عليه اٰهـ من خزانة المفتين من كتب الحنفية.

❸ ....

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحکم عام فلا یخص بمجرد الاوهام وذالك خلاف مسلك الانصاف وطريق الاسلاف وهو غير مرضى ايضاً عند الاخلاف وثامنا: انه لو سى الامام فى الركعة الاولى من المغرب الجهر القراءة فجاء احد فظنها ثالثة فلم يستفتح بل قرأ ففاتته السنة النبوية على صاحبها الوف تحية وسلام مادام النطق والكلام فبما يحكم عليه فان قلت ليس عليه شئى لانه فاتته خطأ وهو مرفوع عن هذه الامة المرحومة قلنا كذالك نقول فى المسئلة المبحوثة وان قلت ان فاتته الفاتحة قلنا ياتى الكلام عليه وتاسعها "انه قد اخبر الصادق المصدوق ﷺ ان الحاكم اذا حكم فاجتهد فاصاب فله اجران وان اخطأ فله اجر واحد" اخرجه الشيخان وغيرهما فنقول فى مثل هذه الصلوٰة يجتهد المسبوق فيبنى على ما اعتقده فان كان قرأ فى موضع القراءة فركعة تامة والا فليعد تلك الركعة وله ان اصاب اجران واجر اذا خطأ ولا يقال ان هذا تكليف مالا يطاق بل وامثاله انه ﷺ ابصر رجلا يصلى خلف الصف وحده فامره بالاعادة كما اخرجه الترمذى فلو كان كما قيل لم يامره ﷺ بالاعادة لانه لم يكن عالما بذالك ونظير ذالك قصة مسئى الصلوٰة فلو كان محسنا قبل ذالك لما امره بالاعادة مرات فان قلت رفع عن هذه الامة الخطأ والنسيان قلنا هذا لا يستلزم صحة الصلوٰة بل رفع الاثم والعذاب فقط فان قلت الاجتهاد الوارد فى الحديث هو فى الحكم على الغير قلنا وعلى النفس بالاولى والمجاهد من يجاهد بنفسه وان قلت ان هذا الجواب يعارض الجواب الخامس قلنا هذا يتضمن على امر وذا اذا تردد ولم يتعين له احد الامرين وعاشرا انه قد ثبتت سنية القنوت فى الوتر قبل الركوع او بعده فلو جاء والامام يوتر بالناس فى رمضان ويقنت رافعا يديه جاهرا صوته فهو ايضا يتردد فى انه قائم قبل الركوع فقرأ الفاتحة او بعده فامسك عنها فأن قرأ على الثانى ولم يقرأ على الاول بطلت ركعته وعلى العكس تصح ركعته ولكن كيف يطلع على الحقيقة فتلك عشرة كاملة وهى كافية بل شافية وبالله تعالى التوفيق وهو الرفيق فى كل ضيق.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قال ابومحمد: یکفی ❶ لا بطال هذا السوال انه لا اشتباه ولا التباس فی الصلوٰة الجهرية وركعاتها اكثر من السرية . ❷

ومن الاعتراضات ان المصلی اذا كان قائما يضع ولكنه اذا ركع ارسل يديه فای ثبوت لا عادة الوضع وهذا فاسد لوجوه أحدها ان الوضع مختصر القيام فاذا عاد هذا عاد ذا ❸ وثانيها ان القائل ان يقول ای ثبوت للوضع فی الركعة الثانية او الثالثة او الثالثة او الرابعة وثالثها انا نقول لكم انكم لم تضعون بعد الركوع عند الرفع من القيام الاول فی الكسوف فما هو جوابكم فهو جوابنا ورابعها انا قد نظرنا فی الصلوٰة فهی تدور علی احوال اربعة القيام والركوع والسجدة والجلسة ثم نظرنا فی الاخبار النبوية فوجد الحكم لليدين بالوضع فی جميع هذه الحالات فاما القيام فسيأتی واما الركوع فقال ابو حميد فی عشرة من الاصحاب فی صفة صلوٰته ﷺ "ثم يركع ويضع راحتيه علی ركبتيه" اخرجه ابوداود وغيره واما السجود فقال ﷺ "اذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك" اخرجه مسلم واما الجلوس فقال ابن عمر عنه ﷺ كان اذا جلس فی الصلوٰة وضع يديه علی ركبتيه ورفع اصبعه اليمنی التی تلی الابهام الحديث اخرجه مسلم فلم يبق الا انتقال من حالة الی حالة فنقول ان فی جميع حالات الصلوٰة وضعا فوضعا ولا يرسل يديه من قيامه ذالك الا للانتقال فانه اذا ركع يضعها ايضا وكذالك اذا سجد واذا جلس واذا قام فتفكر وخامسها انه يلزمكم ان لا تضعوا فی صلوٰة الجنازة بعد التكبيرة الثانية علی رأی من رأی الرفع فی تكبيراتها وسادسها انه لو قنت الرجل قبل الركوع رافعا يديه فاذا فرغ منه فهل يركع فی الفور منه او يقوم ساعة لا علی الاول خالفتم السنة لانه ﷺ كان يقوم

---

❶ بل لقائل ان يقول ان هذا الاشتباه مقتضی للوضع لان المسبوق لا يدری هل هم قبل الركوع او بعده فعلی هذا ان ظن انهم بعد الركوع فارسل وهم فی الحقيقة قبله كان مرسلا قبل الركوع وان ظن انهم قبل الركوع وهم فی الحقيقة بعده فوضع كان واصفا بعد الركوع وكلتا الصورتين علی خلاف مذهبكم فتدبر .

❷ ثم جهر المأمومين بدعاء الاعتدال اعنی ربنا لك الحمد حمدا كثيرا الخ قد ثبت من الحديث وصفت فيه رسالة يذيل هذا الاشتباه فی السرية ايضا فتدبر ۱۲ منه عفی عنه .

❸ وروی النسائی عن حكم قال بايعت رسول الله ﷺ ان لا م خروا الا قائما وقال السندی فی ....

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساعة قبل تكبيرة الركوع ساكتاكما اخرجه ابوداود وغيره وعلى الثانى فهل يرسل يديه ا م يضعهما على الاول كذبتم قولكم لا ارسال قبل الركوع وعلى الثانى بطلتم الاعتراض وسابعها انه قد ثبت انه ﷺ كان اذا اعتدل رجع كل عضو الى موضعه كما سيأتى فهو دليل على ان اليدين ترجعان الى الموضع التى كانتا قبل الركوع عليها فاعتراضكم هذا على النبى ﷺ لا علينا فتنبه وثامنها ان الرواية المذكورة دليل وثبوت لاعادة الوضع وتاسعها ان الجالس بين السجدتين اذا سجد السجدة الثانية فاى ثبوت لوضعه يديه على ركبتيه ثانيا بعد رفعه رأسه منها فى جلسة الاستراحة فان قلت لعموم الحديث قلنا هذا هوا الدليل فيما نحن فيه وعاشرها انه لو سجد المصلى سجدة التواة ثم قام يقرأ بقية القراءة فاى دليل لا عادة الوضع حينئذ والحادى عشر انه قد ثبت عنه ﷺ انه كان يرفع يديه اذا رفع رأسه من الركوع انه لم تثبت اعادة وضعهما فهل تكونان معلقتين ممدوتين الى ان يسجد وهذا فرار من المطر تحت الميزاب .

ومنها ان الوضع سنة القراءة والقيام الثانى خال عنها وهذا بناء الفاسد على الفاسد لان الوضع سنة القيام كما لا يخفى على من له ادنى ممارسة بعلم ❶ الحديث فلا يلتفت الى مجرد قال او قيل مالم يكن معهم دليل ثم يلزم هؤلاء القائلين ان لا يضعوا فى صلوٰة الجنازة لانه لا قراءة فيها عندهم ثم نسألهم فنقول هل ترسلون ايديكم حين اول افتتاحكم او تضعونهما على الاول تخالفون مذهبكم لانه لا ارسال عندكم قبل الركوع وعلى الثانى تكونون انتم اول من نقض هذا الاعتراض وايضا فيبطل بهذا قولكم الوضع اقرب الى الخشوع من الارسال ثم الوضع ليس بمختصر بحالة القراءة وما رمى من حديث معاذ بن جبل عند الطبرانى قال كان رسول الله ﷺ اذا كان فى صلوٰته رفع يديه قبالة اذنيه فاذا كبر ارسلهما وربما رأيته يضع يمينه على يساره الحديث . فخبر باطل لان فى سنده على ما قال صاحب المجمع الخصيب بن جحدر وهو كذاب كذبه جماعة انظر الميزان واللسان هل ويعلم من رواية وائل عند البزار انه ﷺ كان يضع قبل ان يركع وفيه كلام وقد انغنانا

❶ .... اذا كان قائما فى الصلوٰة قبض بيمينه على شماله صريح فى ذالك

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰہ تعالی عنه بروایات اخری نعلم ضعفه لیس بشدید فیفید التایید وایضًا فالابکم عاجز من القرأة فلیزمه علی ما قلتم ان یرسل قبل الرکوع ایضًا دائما ومنها انه قیام لیس فیه ذکر مسنون فسنته الارسال وھٰذا ایضًا مثل الذی، قبله ووجهه کوجهه وایضًا قد ثبت ذکر مسنون فیه فقد اخرج مسلم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال کان رسول الله ﷺ اذا رفع رأسه من الرکوع قال اللّٰهم ربنا لك الحمد ملا السمٰوات والارض ملأ ما شئت من شیء بعد اهل الثناء والمجد احق ما قال العبد وکلنا لك عبد اللّٰهُمَّ لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد وفی روایات اخری دعاء غیر ذالك فیلزمهم علی اصولهم ان یضعوا فی ھٰذا القیام ایضا فان قلت انه لیس من السنة قلنا ھٰذا خلاف النصوص الظاهرة فانها دالة علی انه منها وان قلت المراد بقولنا الذکر الطویل قلنا ھٰذا بل تحریف وایضا فهذا الدعاء المذکور طویل بل اطول من الفاتحه وقد ثبت من الحدیث الاقتصار علی الفاتحه فی الرکعة کما اخرجه احمد فی مسند فاذا کان الوضع سنة القیام الذی فیه الفاتحة فهو سنة الذی فیه هذا الدعاء بالاول وان قلت ان المراد بالذکر المسنون الواجب قلنا ھٰذا غلط فاحش فان المراد بالذکر المسنون ما ثبت بالسنة فرضا کان او نفلا ولو سلم فنقول بالجزم قد ثبت حدیث یدل علی وجوب الذکر فی ذالك القیام وهو قوله ﷺ اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد اخرجه الشیخان والامر للوجوب ما لم یکن له صرف کما نحن فیه فبطل تمویهکم حملة وایضًا فالواجب عندکم من القراء ة ثلاث آیات فقط فعلیکم ان تضعوا فی مثلك هذا المقدار ثم ترسلوا ولا نعلم احدا صرح لهٰذا التفصیل ثم یلزم من ھٰذا ان المقتدی لا یضع اصلا لانه لا قراء ة علیه عند ھٰذا القائل وکذالك یلزم علی هذا الارسال للمسبوق فانه مامور بالسکوت عند غالبهم فان قلت المقتدی والمسبوق قد سمیا قارئین حکما والقراء ة حکما کالقراء ة حقیقة قلنا الساکت لا یکون قارئا وایضا فالتغائربین القراء تین ثابت لان الحقیقة لا یحصل الاتیان بها الا بالتلفظ والحکمیة یحصل الاتیان بها بالسماع فقط فقیاس احدهما علی الاخر بعید جدا ثم الاصم فی حالة الاقتداء عاجز عن الاتیان بها لاحکما ولا حقیقة لانه لا یسمع ولا یقرء بنفسه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ايضا عندكم فما تامرون فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون فى الارض .

ومنها: انه سنة كل قيام له قرار والجواب عنه كالجواب عن الذى قبله علا ان كل اخر يدرى ان هٰذا القيام له قرار ويدل عليه طول الدعاء المذكور وكذالك كون الاعتدال فرضا حتى انه قد ثبت عنه ﷺ كما اخرجه الشيخان انه كان اذا رفع رأسه من الركوع انتصب قائما حتى يقول القائل قد نسى وايضًا فيجوز الاقتصار على الفاتحة كما مر فصلى هٰذا يلزم ان لا يضع قبل الركوع ايضًا وقد نقل صاحب السعاية هذا الاعتراض والناس قبله ثم قال وحينئذ فيوجد القرار والذكر الطويل فيكر ان يسن فيها الوضع ولا يفيد تقييد الذكر بالطويل ولا تبديله بالقراره .

ومنها: انه سنة القيام وما بعد الركوع تسمى قومة لا قياما۔ ويكفى لنا فى الجواب عن هٰذا "ان نقرأ قوله تعالٰى ان هى الاسماء سميموها انتم واباتكه ما انزل الله بها من سلطان بل قد ثبت فى الاحاديث تسمية بالقيام وهٰذه الفاظ الاحاديث ففى الصحيحين" ثم ارفع حتى تعتدل قائما وفى البخارى انهم كانوا اذا صلوا مع رسول الله ﷺ فرفع رأسه من الركوع قاموا قياما حتى يرونه قد نسى وفى النسائى فى ذكر صلوٰة الكسوف فاطال القيام ثم سجد فاطال السجود وفى مسند احمد ثم قال سمع الله لمن حمده ثم قام قياما طويلا وفيه ثم ركع فاطال الركوع ثم رفع رأسه فاطال القيام وقد بوب ابوداود فى سننه على حديث فقال۔ باب طول القيام بين الركوع و بين السجدتين وبوب النسائى ايضًا فقال قدر القيام بين الرفع من الركوع والسجود ثم بوّب بأبا آخر فقال "باب ما يقول فى قيامه ذالك" وايضًا فهٰذا الاختلاف فى اللاسم لا فى المسمى فحكمه كحكمه ولا يتغير بمجرد تغيير الاسم فتنبه فان قلت قد يتغير الحكم بتغيير الاسم كرجل اذا مات كان حكمه اُخر قلنا هٰذا اتغيير الحال لا مجرد تغيير الاسم بخلاف القيامين فان حالهما واحد فلا تكن من المغترين وايضًا فحكم الحى والميت يتحل فى بعض الامور كقوله ﷺ كسر عظم الميت ككسره اخرجه مالك وابوداود، ابن ماجه فبطل بهٰذا كليتكم وان قلت: الزانى الذى لم يتزوج يجلد والذى تزوج يرجم قلنا هٰذا ايضًا مثله فان تغايرحا لهما ظاهر فهٰذا خارج عن محل النزاع فاياكم والاغلوطات .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ومنها: انه يقاسُ على الجلسة بين السجدتين .

وفيه: ايضًا ما فيه لوجوه: اما اولا: فلان القياس ليس بحجة شرعية عندنا فكيف تحتجون به علينا واما ثانيا: فلان هذا القياس مع الفارق لان تغاير حكمهما مسلم و مثل هٰذا القياس باطل عندكم ايضا واما ثالثا: فلان تلك الجلسة ايضًا فيه الوضع كما مر فكيف تقيسونه عليها واما رابعا: فلانه اقرب الحكم الى القيام الاول من جميع الاركان فلم لا تقيسونه عليه فان قلت: فعلى هٰذا يلزم ان يكون مدرك الركوع مدركا للركعة قلنا هٰذا مردود بوجوه: الاول: انه انما يتم ان كان القياس حجة علينا واذا ليس فليس .

والثاني: انما ادعينا كونه اقرب اليه لا عينه فتنبه لعلك لفطن والثالث: ان هذا البحث فى القيام الثانى فمدركه سواء كان ادرك للركوع اولا على ما تقولونه ولكن الذى يفوته الركوع ليس مدركا للركه عندكم فعلكم لا تدرون ما يخرج من راسكم .

ومنها: انه لم يثبت الوضع فى هٰذا القيام والارسال امرا صلى اضطرارى فهو المتعين فيه وهٰذا الاعتراض لا شىء لانه قد ثبت الوضع بعموم الاخيار فلا معنى لهٰذا الاختيار: وايضًا فان الارسال فعل اختيارى وليس باضطرارى كما لا يخفى على اولى النهى ثم هو فعل من الافعال ولا دخل له فى الاعمال الدينية الا بدليل لا بمجرد وقال فلان وقيل .

قال ابو محمد: لم يات نص صريح يدل على وضع اليدين على الركبتين بين السجدتين وانما ورد التصريح بذالك فى جلسة التشهد ومع ذالك هٰوء لاء يضعون فى تلك الجلسة فينبغى لهم ان يعملوا بقولهم والارسال امر اصلى اضطرارئ ويرسلوا ايديهم كيف ما كانت فاي شيء خلصهم من هٰذا الاضطرار فان قالوا نعمل بالقياس قلنا فهلا قستم۔ القيام الثانى على القيام الاول مع ان القياس ليس بحجة عندنا كما بسطنا فى كتابنا الدليل الصحيح فى ذه الرائ القبيح وغيره من مصنفاتنا .

قال بو محمد: ولعمرى انه لو كان القياس فى موضع الحجة لكان اعظم دليل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

على والوضع فى القيام الثانى فما لهٰؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا .

ومنها: ان اطلاق الوضع منقول عن النصارى فيجب خلافهم .

والجواب: عنه بوجوه احدها: انا نقول من الناقل عنهم ذالك الاطلاق اثبت العرش ثم انقش .

وثانيها: انه لا يجب خلافهم فيما ثبت الحكم به ثم شرعنا كما فيما نحن فيه .

وثالثها: ان الخلاف كما هو حاصل بالوضع فى القيام الاول والارسال فى الثانى كذالك بالعكس ايضا فما وجه اختيار احدهما على الآخر .

ورابعها: ان يلزمكم على هٰذا ان تطلقوا الارسال ليكون الخلاف اتم .

وخامسها: ان بعض اقوام المشركين شعارهم اعضاء اللحى فيجب عليكم خلافهم ايضًا فانْ قلتم قد ورد فى ذالك نص فلا يلز منا خلافهم قلنا كذالك نقول فى المبحوث عنه .

وسادسها: ان الارسال من شعار الروافض كما فى السعاية وغيره فلم لا تُخالفوهم وليس هٰؤلاء بدون اولاء .

وسابعها: انه لو صح ذالك عنهم لكان اعظم حجتنا عليكم لانه ﷺ كان يجب موافقة اهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه بشيء اخرجه الترمذى ومن العلوم ان لم يرد دليل يدل على المنع من الوضع بعد الركوع فاذا ثبت ذالك عن النصارى كان ذالك من كان يحبه النبى ﷺ لموافقة اهل الكتاب .

ومنها: ان هٰذين القيامين ركنان على حدة فينبغى التفريق بينهما فى الحكم .

والجواب عنه بوجوه: الاول انه هل ثبت الامر بالتفريق بينهما من الله تعالٰى ورسوله ﷺ بينوا بالبرهان ولا يلتفت الى قول من دونهما كائنا من كان .

والثانى: ان التفريق بينهما حاصل بوجه من الوجوه فقيل الركوع قرائة وبعده دعاء .

والثالث: ان السجدة الاول والثانية ركنالا على حرة فينبغى لكم على ما تقولون التفريق بينهما بل وليس بينهما فرق عندكم لا فى الهيئة ولا فى الدعاء .

والرابع: ان فى الكسوف ركوعين فى ركعة واحدة فلم لا تفرقون بينهما بل

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ویکون فیھا قبل القیام الاخر قیاما له فلم لا تراعون التفریق هناك .

ومنها: انه محدث لم یثبت عن احد من الامة بل کلهم کانوا یرسلون .

والجواب عنه: ایضًا بوجوه احدها: انـه ثابت بالعموم فتسمتیه محدثا عجیب ولا یلتفت الیه لبیب .

وثانیها: ان الـصحابة کلهم قد ورد عنهم علی الاطلاق الوضع وثبوت للارسال عـنهـم قبل الرکوع او بعده فی حیز المنع فهل کانوا کلهم متفقین علی المحدث بل یعلم منه ان الارسال هو المحدث ......

فـــان کـــنـــت لا تـــدری فتــلك مــصیبة

فـــان کـــنـــت تــدری فـــالــمــصیبة اعـظــم

وثالثها: ان هٰـذا یـدل علی قلة اطلاع المعترض لان الوضع بعد الرکوع قد ثبت عـن کثیـر مـن الائـمة المجتهدین والفقهاء والمحدثین وانا نتقبل العبارات فی هٰذا المقام .

فاما الحنابلة: فمضی شرح زاد المستقیع "اذا رفع المصلی من الرکوع فان شاء وضع بـیـمینه علی شماله او ارسلها" وفی کشاف القناع عن متن الاقناع "ثم ان شاء ارسل یدیه من غیر وضع احدهما علی الأخری" وان شـاء وضـع بیمینه علی شماله نصا ای نص احمد علی تحییره بینهما وهٰکذا فی منتهی الرودات .

واما الشافعیة: فانظر من کتب مذهبهم کتاب بشری الکریم وغیره .

واما المالکیة: فعن امامهم روایتان الارسال مطلقا والثانی الوضع وهی الراجحة کـمـا حققه ابن عبدالبر فی التمهید ویدل علیه ان الحدیث الوارد فی الوضع قد رواه مالك فی مؤطاه وروایته هٰذه ایضًا مطلقة لا مخصص لها .

واما الحنفیة: فقد قال به جماعة منهم فمضی البنایة شرح الهدایة للعینی وبه قال ابـو علی النسفی والحاکم عبدالرحمن واسماعیل الزاهد وفی الجامع "اذا رفع رأسه مـن الـرکـوع یـطـمـئن قائما ویضع یده الیمنی علی الیسری حتی یخط للسجود" اهـ وقال مـلـك اعـلـماء الکاسانی فی بدائع الصنائع والصحیح جواب ظاهر الروایة لقوله ﷺ "انـا مـعشـر الانبیاء امرنا ان نضع ایماننا علی شمائلنا فی الصلوٰة" من غیر فصل بین حال

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وحال فهو على العموم الا ما خصّ بدليل ولان القيام من اركان الصلوٰة والصلوٰة خدمة الرب تعال وتعظيم له والوضع فى التعظيم ابلغ من الارسال كما فى الشاهد فكان اولى واما القيام المتخلل بين بين الركوع والسجود فى صلوٰة الجمعة والعيدين فقال بعض مشائخنا الوضع الاول لان له حزبا وقرارا وقال بعضهم الارسال اول لانه كما يضع يحتاج الى الرفع فلا يكون مفيد اذا ما فى حال القنوت فذكر فى الاصل اذا اراد ان يقنت كبر ورفع يديه هذاء اذنيه نا شرا اصابعه ثم يكفهما قال ابوبكر الاسكل ف معناه يضع يمنه على شماله اھ وذكر فى السراج الوهاج انه يرسل بين تكبيرات العيدين لعدم الذكر ما لم يطيل القيام فيضع اھ وقال الطحطاوى فى حواشى الدر المختار ظاهره يعم كل قيام وعليه فيضع فى قيام صلوٰة التسبيح الذى بين الركوع والسجود اھ وهو مختار السيد ابى الشجاع صاحب الملتقط كما فى شرح منية المصلى المعروف بالكبيرى وقال المولوى عبدالحي الكهنوى فى السعاية شرح شرح الوقاية لا مضائقة فى اختياره اھ.

قال ابومحمد: واصولهم ايضًا يقتضى ذالك فانهم قد صرحوا فى كتبهم بان كل قيام فيه ذكر مسنون ففيه الوضع لكل قيام ليس كذا ففيه الارسال كما ذكره صاحب شرح الوقايه والهداية وشراحها وشراح مختصر القدورى وصاحب المجمع وصاحب مواهب الرحمان وشراحما وغيرهم وهو المختار للفتوى وبه كان يفتى شمس الائمة السرخسى و صدر الكبير برهان الائمة والصوم الشهيد كذا فى الذخيره ومعلوم ان فى هٰذا القيام ذكرا مسنونا كما مر فهو مذهبهم ولهٰذا مال اليه المحقق صاحب السعاية فان قلت القيام قيامان فاذا كان فى كليهما ذكر مسنون فأي قيام ليس فيه ذكر مسنون قلنا هٰذا عليكم لا علينا لانه بطلان للسولكم ثُمّ بيّن تكبيرات العيدين ارسال عندكم لعدم ذكر المسنون هناك كما امرآنفا من عبارة صاحب السراج.

قال ابومحمد: بل قد ثبت هٰذا فى روايه عن الامام ابى حنيفة وصاحبيه ابى يوسف ومحمد رحمہم اللہ فقد ذكر السيد ابو الشجاع صاحب الملتقط انه ياخذ اليسرى باليمنى فى تلك القومة على قولهما خلاف لمحمد كذا فى الكبيرى وقال صاحب البدائع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وکذالك روی عن ابی حنیفة ومحمد انه یضعهما کما یضع بیمینه علی یساره فی الصلوٰة اه فهٰذا دلیل علی انه ثابت عنهم فی روایة فان قلت هٰذا یخالف ظاهر الروایة التی فیها الحکم بالارسال قلنا هٰذا لا یضر بوجوه.

اما اولا: فلما اجاب به صاحب البدائع کما مرو.

اما ثانیا: فلان الروایة الضعیفة حجة عندکم اذا وافقها درایة کما فی امام الکلام لکهنوی وشرح منیة المصلی المعروف بغنیة المستملی وقال صاحب السعایة وهٰذا وان کان مخالفا لما علیه ظواهر عامة الکتب من انه ان لا وضع فی القومة مطلقا لکن لا مضائقة فی اختیاره بعد ظهور موافقته لاصول اھ۔

قال ابومحمد: والمراد بالاصول ما ذکرناه واما ثالثا فلان مضی الارسال عدم البسط لاعدم الوضع فقد قال الکاسانی الحنفی فی البدائع واختلفوا فی تفسیر الارسال قال بعضهم لا یضع یمینیه علی شماله ومنهم من قال لا بل یضع ومضی الارسال ان لا یسبطهما کما روی عن ابی یوسف انه یبسط یدیه بسطا فی حالة القنوت وهو صحیح لعموم الحدیث الذی روینا ولان لهٰذا القیام فی الصلوٰة له قرار فکان للوضع فیه اقرب الی التعظیم فکان أولی اھ۔

واما رابعا: فلان الروایات الحدیثیة العامة تؤیدها فلا یضرها مخالفة ظاهر الروایة علی التحقیق وهٰذا هو مختار للامام المحدث ابی محمد بن حزم الاندلسی حیث قال فی المحلی شرح المجلی ونستحب ان یضع المصلی یده للیمنی علی یده الیسری فی الصلوٰة فی دقوفه کله فیها اه. ثم احتج بالاخبار والاٰثار والصلوٰة علی العموم.

قال ابومحمد: فهل یحکم علیه بکونه محدث مع وجود مثل هٰذه التصریحات والحمد لله تعالیٰ فی جمیع الحالات...... وقد شاهدت انا بعینی جماعة من العلماء والفضلاء یضعون ایمانهم علی شمائلهم بعد الرکوع فما ادعاه هٰؤلاء من العزة......

ومنها: ما قال بعضهم فی حاشیة نزل الابرارّ ان الصلوٰة انما نقلت سلسلة عن النبی ﷺ وعن اصحابه ورأها الناس فی کل یوم خمس مرات فصاعدا فمن المحال ان لیس الوضع فیه ولا یحکونه. فنقول فی الجواب: **اولا:** انه قد ثبت الوضع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالعموم فهٰذا الاعتراض مبنى على الغفلة.

وثانيا: ان هٰذا الاعتراض منعكس عليكم ونسألكم هل نقلوا عنه الارسال فالجواب عنه جواب عنه.

وثالثا: انا لو سلّمنا انه غير ثابت فنقول بالجزم ان للارسال ايضا مثله فعلى هٰذا يكون ركنا من مدركان الصلٰوة بلا هيئة ويكون الدين ناقصا. **فان قلت:** روى ابن ماجة عن عمر انه قال خرج النبى ﷺ عنّا ولم يبين لنا ابواب الربوا قلنا هٰذا الخبر لا يصح سندا ثم يكفى لبطلانه انه كذب ظاهر لانه ﷺ لم يذهب عنا حتى بين لنا كل شىء صغيرة وكبيرة لقوله تعالى ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ وقد قال ﷺ يوم حجة الوداع "اللهم هل بلغت ثلاثا" وايضًا فعدم وقوف عمر وغيره على شى لا يدل على ثبوته فقد خفى عليه كثير من المسائل فعلى هٰذا صار الدين غير تام.

ورابعا: انه لم ينقل الوضع احد منهم عنه ﷺ فى الصلٰوة على الجنازة فاي دليل عندكم على ذالك. **فان قلت:** قدروى انه ﷺ وضع بعد الافتتاح قلنا هٰذا فى صلوٰة ذات ركوع وسجود كما يدل عليه السياق وان قلت ستدل على ذالك بالعموم قلنا هٰذا هو عين دليلنا فقد رجعتم اليه والحمد لله على ذالك وان قلت دليلنا الذى استدلتم به فى صلٰوة الكسوف قلنا هى صلٰوة ذات ركوع وسجود.

وخامسا: لما ذكرناه فى الجواب الثانى عن الاعتراض الثانى.

ومنها: ما قال فيه ايضًا وقد رأيت مشائخنا من اهل الحديث والشوافع والحنابلة كلهم يرسلون ايديهم فى هٰذا القيام وما رأيت احدا يضع يمينه على شماله فيه اھـ وهٰذا ايضًا لا شىء لانه لم تره انت فقد رأيته انا كما مر و قال صاحب اتمام الخشوع انا شاهدنا الحنابلة باعينا يعملون عليه اھـ مصر يا فمن رأى حجة على من لم يره ثم لما ثبت بالدلائل فلا يحتاج الى عمل احد وقد قال الحافظ فى الفتح والحق ان المتبع فى ذالك السنة الصحيحة وهى مستغنية عن غيرها اھـ وانظر الى الامام مالك يفتى بالشفعه فى الثمار ويقول على اثر فتياه به وانه شىء ما سمعته ولا بلغنى ان احدا قاله والى الامام اسحاق بن راهويه وقد ذكر له قول احمد بن حنبل فى

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلة فقال اجاد لقد ظننت ان لا احداً يتابعني عليها كذا في الاحكام لابن حزم الاندلسي .

۱۸۔ ومنها: انـه مخصوص من الجملة بالاجماع...... وهذا من اضعف اعتراضاتهم واوهنها بوجوه: اما اولا: فقد كذبا لامام احمد بن حنبل مدعي الاجماع كما في الاحكام لابن حزم وللاعلام لابن القيم .

واما ثانيا: فلانه منتقص بثبوته عن جماعة من المجتهدين كاحمد وابي حنيفة وصاحبيه وابن حزم وجماعة من الحنابلة وبعض الشوافع كما مر فان قلت لا يعتد بالمقلدين في الاجماع كما تقرر في الاصول قلنا هب ولكن الشوافع والحنابلة ليسوا بمقلدين بل كلهم مجتهدون اما الشوافع فقد صرح بذالك النووي وهو اعلم بمذهبهم حيث قال في شرح المهذب للمفتي المنتسب اربعة احوال احرها ان لا يكون مقلدا لامامه لا في المذهب ولا في دليله لا تصافه بصفة المستقل انما ينسب اليه لسلوكه طريقه في الاجتهاد وادعى الاستاد ابو اسحاق هذه الصفة لا صحابنا.......... ثم قال والصحيح الذي ذهب اليه المحققوله ما ذهب اليه اصحابنا وهوانهم صاروا الى مذهب الشافعي لا تقليد له بل لما وجدوا طرقه في الاجتهاد والقياس اسد الطرق ولم يكن لهم بزمن الاجتهاد سلكو طريقه فطلبوا معرفة للاحكام بطريق الشافعي وذكر ابو على السنجي بكسر السين المهملة نحو هذا فقال اتبضا الشافعي دون غيره لانا وجدنا قوله ارجح الاقوال واعدلها لا انا قلدنا قلت هذا الذي وذكره موافق لما امرهم به الشافعي ثم المزني في اول مختصره وغيره بقوله مع اعلامه نهيه عن تقليده وتقليد غيره انتهى كلام النووي مختصرًا .

فقال صاحب الفتح وقدادعا الخطابي الاجماع على عدم تحريم استقبال بيت المقدس لمن لا يستدبر في استقباله الكعبة وفيه نظر لما ذكرنا عن ابراهيم وابن سيرين وقد قال به بعض الشافعية ايضًا حكاه ابن ابي الدم اھـ. وقال في موضع آخر نقل ابن المنذر فيه الاجماع على عدم الوجوب لكن فيه وجه للشافعية ورواية عن احمد اھـ

قال ابومحمد: فلو كانوا مقلدين غير مجتهدين لما رد الحافظ على مدعي الاجماع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بقولهم لوجوه.

اما اولا: فلان تصانيفه تشهد باعلى النداء انه مجتهد مطلق.

واما ثانيا: فلانه قد رد على الشافعى رحمه الله فى مواضع كثيره ونذكره كلامه من موضع حيث قال فى الفتح فى مبحث بتقبيل الحجر الاسود واما قول الشافعى ومنهما قبل من البيت فحسن فلم يرد به الاستحباب لان المباح من جملة الحسن عند الاصولبين اهـ.

واما ثالثا: فلو سلمنا انه شافعى فثبت كونه مجتهدا كما نص عليه النووى فتدبر.

قال ابومحمد: واما الحنابلة فهم ايضًا كذالك كما يدل عليه تصانيفهم لا سيما تصانيف ابن تيمية وابن القيم وابن الجوزى وابن رجب وابى يعلى وغيرهم رحمهم الله والوجه الثالث: ان مدعيه مكلف بان يثبت الارسال عن جميع الائمة المجتهدين وليس له الى ذالك سبيل من وجه يلزم فالعجب منه كيف يحتج بشىء ليس له اثر فهل يقبله اهل النظر والانصاف.

١٩۔ ومنها: انه وان لم يثبت بالاجماع ولكنه مذهب الجمهور.

والجواب عنه: ان هٰذا ايضًا ممنوع لان على المدعى ان ينقل اقوال المجتهدين اكثر مما نقلنا من اقوالهم وايضًا فالجمهور ليس بموضع للحجة وانما الحجة النص وهٰذا مذهب المحدثين كافة بل وتركوا الجمهور فى مواضع كثيرة فى مقابلة الدليل وقد تركه الاحناف فى مسئلة رفع اليدين والقراءة خلف الامام والجهر بالتأمين وغيرها من المسائل والمالكية فى الوضع مطلق والشافعية فى نقض الوضوء باللمس والحنابلة فى تكفير تارك الصلٰوة وامثال ذالك كثيرة جدا.

٢٠۔ ومنها: ان هٰذا الفعل وان كان ثابتا ولكنه ينبغى التجنب عنه للاتقاء من الفتنة۔ وهٰذا السوال فى غاية السخافة بل مثل الخرافة لانه لما اقررتم بثبوته فلا تخاف فى الله لومة لائم وهٰذا هوشان المؤمن وقد جاء بذالك كتاب وسنة ثم لو انا تركناه مخافة الفتنة تموت هٰذا السنة الى يوم القيامة ثم قد قال النبى ﷺ "من تمسك سنتى عند فساد امتى فله اجر مائة شهيد" اخرجه البيهقى فى الزهد وايضًا ففى رفع اليدين خوف الفتنة فهل يلزم تركه حاشا وكلا وقد اخرج ابو الشيخ فى طبقات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المحدثين باالصفهان عن وسته قال سمعت ابن مهدی يقول وقيل له ان اباداود لا يرفع يديه باصفهان اذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع فسألنى عن ذالك فقلت يرفعها جميعا تحت ثيابه فقال بئس ما صنع الا يظهر فيراه الناس فيقتدوا به اھ۔

قال بومحمد: فهكذا نقول فی المسئلة ان تظهر فيعلمها الناس ولئن تركنا العمل مع المعرفة نسئلن يوم القيامة عن كتمان الحق فما يكون عذرنا يوم يقوم الناس لرب العالمين بل وهٰذا شان عباد الدراهم والدنانير الذين يريدون ان يملؤا بطونهم من اموال الناس وينالوا منهم الكرم واشرف وقد قال النبی ﷺ تعس عبدالدينار والدرهم اخرجه الترمذی .

۲۱۔ ومنها: ان الوضع انما جعل لاجل الدم وهٰكذا روی عن سعيد بن المسيب كما اخرجه ابن ابی شيبه۔ وهٰذا من اعظم حجحتنا عليكم لان فيه تسليما منكم بمشروعية الوضع فحسب ثم لو كان هٰذا دليلا هٰذا له دليلا علی عدم الوضع فهو مطلق فلم خصصتم القيام الاول منه وايضًا فهٰذا العلة توجب الوضع لا الارسال ثم هو اثر عن التابعی وهو ليس بحجة غن واحد .

قال ابومحمد: فهٰذه جملة اعتراضاتهم التی وقفت عليها وقد تكلمت علی جميعها بفضله تعالی ولئن اطلعت علی اعتراضاتهم سوی ما ذكر فسافرد جزءً فی الجواب عنها ان شاء الله .

فصل:

قال ابومحمد: ولنا علی القائلين بالارسال بعض اعتراضات نذكرها ههنا

فالاعتراض الاول: ان الارسال لم يثبت من النص ولو بالاشارة فضلا عن العبارة وثبوت الوضع قريب من الصراحة فای باعث للانكار مانع من الاقراو .

قال ابومحمد: وظن بعضهم انهما متساويان وهٰذا كما تراه باطل لان الارسال لا اثر له فی الروايات والوضع داخل تحت الجملة ثم يؤيده دلائل اخری كما سيأتی هل يستوء ن الحمد لله للاكثر لم يعلمون .

قال ابومحمد: وعلی التقدير فلم رجحتم للارسال وبالكتاب او بالسنة او بالاجماع الذی جعلناها هباء منثوراء وبالجمهور الذی لا تحت لاو لافوق سبحانه و تعالی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عما يصفون.

والاعتراض الثاني: انه من شعائر الروافض كما صرح بذالك اللكهنوى فى السعاية والعينى فى شرح الهداية المعروف بالنباية وكما شاهدنا هم بالعين مرارا بلا دين فيجب علينا خلافهم لان لنا اختلاف معهم لقوله ﷺ "من تشبه بقوم فهو منهم" اخرجه احمد وابوداود وقد صرح كثير من الفقهاء بانه يلزمنا خلافهم فان قلت ان المخالفة حاصلة بالوضع قبل الركوع وللارسال بعده قلنا وبالعكس ايضًا فلم رجحتم هٰذا بلا مرجح فان قلت لِورد الاحاديث قلنا هى عامة لا مخصص لما بل وعمومها مسلم.

قال ابومحمد: ولا يعكس مسئلة رفع اليدين وغيرها لان الها اصيلًا احيلا دليلا جليلا بخلاف الارسال فانه لا شهيده الاستدلال.

والاعتراض الثالث: ان للارسال مضر من حيث الطب لانه يجتمع الدم فى رؤس الاصابع وقد قال الله تعالى ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ وقال ﷺ اذا رأي رجلا جلس يحادى بين الرجلين لانه كان قد نذر يمشى الى بيت الله ان الله عن تعذيب هٰذا نفسه لغنى اخرجه.......... ولا يقال ان القيام الثانى ليس بطويل لانه قد ثبت بالاحاديث الصحيحة والاخبار القوية انه ﷺ كان اذا رفع رأسه من الركوع قام حتى يقول القائل قد نسى او قداوهم كما اخرجه البخارى وغيره وكذآ لا يقال ان فى المشى تكون اليدان مرسلتين فلو كان الامر كما تقولون لكان الماشى ايضًا مأمور ابا لوضع لان الماشى تتحرك يداه فلا يجتمع الدم فى رؤس اصابعه واما فى الصلوٰة فلا يتحركها اصلا لانه عبث ولا يقال ايضًا ان الماشى يجتمع الدم فى رجليه لان رجليه منتصبتا له على الارض فلا يجتمع الدم اصلا وفى المشى تحريك.

وللاعتراض الرابع: انا لو تنزلنا وسلمنا كليتكم بان الوضع بعيد من الثبوت فنقول الارسال ابعد منه فيلزم من هٰذا تعليق اليدين ومرهما الى السماء ولا نعلم احدا يقول ذالك.

قال ابومحمد: وقال بعضهم لما نزلتهم فالمسئلة معلقة بالجمهور وهٰذا القائل لعله

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لم يفهم قولنا الارسال ابعد منه ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِن فُطُورٍ﴾.

ولاعتراض الخامس: ان عدم ثبوت الامرين مسلم عند فترجيحكم لاحدهما على الأخر ترجيح بلا ترجح وتصحيحكم له تصحيح بلا مصحح.

فان قلت: لم رجحتم انتم بالعكس قلنا نحن لا نسلم تلك الكلية بل نحن مثبتوه بالدليل الذى يشيفى العليل ويروى الغليل.

والاعتراض السادس: ان الوضع اقرب الى التعظيم يدل عليه قوله ﷺ التقوى ههنا ثلاثا واشار إلى صدره اخرجه مسلم وصرح بذالك فقهاء ايضا كما لا يخفى على من طالع كتبهم والارسال عبث فلم تستدلوت الذى هو ادنى بالذى هو خير.

فان قلت: التقوى المذكور فى الحديث هو تقوى القلب لا الوضع الظاهرى قلنا نعم ولهٰذا المعنى كان يضع النبى ﷺ يديه على صدره كما سيأتى فى الخاتمة ان شاء الله تعالى.

وان قلت: فى الارسال سكينة وترويحة وفى الوضع نصب وتعب قلنا كلا ان السكينة فى الوضع لانه اذا وضعهما المصلى على صدره كان ذالك سكينة لقلبه وربما غلب على المصلى الحب مع الله تعالىٰ لان صلوٰته مناجاة معه كما جاء فى البخارى وغيره فيحئنذ سيفرق فى السرور فتهيج قلبه كما ان بعض الصحابة سمع سورة الطور من النبى ﷺ فى صلوٰة الفجر فلما قرأ اولهم سلم يستعو له فيه ...... قال كادت قلبى ان تطهير كما اخرجه ابوداود وغيره فلهٰذا سن الوضع على الصدر اما للارسال ففيه احتمال الضرر كما مر قريباً.

قال ابومحمد: وههنا ينتهى الباب الاول ويبدءُ الثانى والحمد لله تعالى حق حمده على ما هذا.

الباب الثاني في ثبوت وضع اليمنى على الشمال بعد الركوع من الدليل المسموع:

الدليل الاول: قال الله تعالىٰ فى بالقرآن الكريم ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾،

قال ابومحمد: و قد فسر قوله تعالى (انحر) علّى وغيره من الصحابة البررة الكرامة بوضع اليمنى على الشمال على الصدر فى الصلوٰة كما اخرجه البيهقى وغيره وحسن اسناده جماعة من اهل العلم ووافقهم على تفسيرهم هذا اللغة ايضا انظر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاج العروس من جواهر القاموس للذبيدى الحسينى .

قال ابومحمد: هٰـذا امـر مـن الله تعالىٰ بالوضع فى الصلوٰة على العموم ومحال ان يكون هذا الحكم خاصا بالقيام الاول ثم لم يبينه اللّٰه تعالىٰ بل يجعله مبهمًا كيف لا وقد قال منزله ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل) وقال ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الانعام) .

الدليل الثانى: اخرج الطبرانى عن ابن عباس قال سمعت نبى الله ﷺ **"انا معشر الانبياء امرنا بتعجيل فطرنا وتاخير سحورنا وان نضع ايماننا على شمائلنا فى الصلوٰة"** ورجاله ورجال الصحيح قاله الهيتمى فى مجمع الزوائد .

قال ابومحمد: وهـذا ايضا عام وقد حمله العلامة الكاسانى الحنفى على العموم لما عـرفـت وفـى الـخبـر دليل على امرين احدهما انه امر منه الله تعالىٰ لانه هو الاٰمر لـلانبيـاء فهٰذا يؤيد تفسير الصحابة المذكور وثانيها انه من سنن الانبياء الذين خلوا من قبل وهم الذين هداهم الله فبهداهم اقتده .

والدليل الثالث: اخـرج البـخـارى فى صحيحه عن سهل بن سعد الساعدى قال كان الناس يؤمر يو له ان يضع الرجل اليدا اليمنى على ذراعه اليسرى فى الصلوٰة .

قال ابومحمد: هٰـذا فى حكم المرفوع والامر هو النبى ﷺ كما بيناه فى رفع الاتياب عـن حكم الاصحاب ❶ وهٰـذا الامـر ايـضـا عـام وليس فيه ذكر قيام دونه قيام وقد استدل به الامام الله حزم فى المحلى على العموم وبوب عليه البخارى بباب وضع اليـمـنـى على اليسرى فى الصلوٰة، ولم يقل قبل الركوع او بعده وانظر كلام شراح البـخـارى قـال الـحـافـظ فـى فتح البارى قوله باب وضع اليمنى على اليُسْرىٰ فى الصلوٰة الى حال القيام اهـ.

قال ابومحمد: فـاطلق القيام وقال القسطلانى فى ارشاد السارى باب وضع المصلى يده اليمنى على اليد اليسرى اى فى حال القيام اهـ وقال العينى فى عمدة القارى اى هٰـذا بـاب فـى بيـان وضع المصلى يده اليمنى على اليد السيرى فى حال القيام فى الصلوٰة اهـ.

---

❶ هذا الكتاب للمصنف مطبوع فى مقالات راشديه رقم الجز (٨) (الازهرى)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فان قلت: ان كـان هـٰذا عـاما فلم لا تفعلون فى الركوع والسجود والجلوس قلنا قد نـظرنا فى الاحاديث النبوية فاذا قد ورد فيها موضع اليدين فى تلك للاركان كما مر فـلـم يبـق الاالقيام الذى قبل الركوع والذى بعده فصح ان وضع اليد على اليديهما فـقط فلهٰذا فسره الشراح بهذا كما عرفت انفامن عباراتهم ونحن لم نقف على نص يـخـرج هـٰذا الـقيام من تلك الجملة الى الان فمن ادعاه فعليه البيان بالبرهان ثم لو خـصـصـنـاه بـالقيام الاول لكان الثانى بلا حالة وهو محال فعلم يقينا انه داخل فى الجملة ولا يخرجه مجرد عمل فلان وقول فلا .

قال ابومحمد: ثـم الـحـديث الذى ياتى فى الدليل السادس تفسير له ونص فى حالة القيام فى الصلوٰة والحديث يفسر بعضه بعضا .

الدليل الرابع: انـه قد ثبت من الاحاديث الكثيرة وضعه ﷺ يـمينه على الشمال مطلقا دون تـخـصـيـص حـال مـن حال كحديث هلب الطائى ووائل بن حجر الحضرمى الكندى والحارث غطيف و غطيف ابن الحارث الثمالى .

قال ابومحمد: فـحـديث هلب اخرجه الترمذى قال حدثنا قتيبة نا ابو الاحوص عن سـمـاك بن حرب عن قبيصة بن هلب عن ابيه قال كان رسول الله ﷺ "**يؤمنا فيوخذ شماله بيمينه**" واخـرجـه ابـن ماجه قال حدثنا عثمان ابن ابى شيبة ثنا ابو الاحوص فـذكـره والحديث حسنه الترمذى ورجاله موثقون فى التقريب وقتيبة هو ابن سعيد الـمشهـور وابـوالاحـوص اسـمـه سلام بـن سـليم ولا يقال ان فى حديث سماك اضـطراب لان الاضطراب انما يقع فى حديثه الذى رواه عن عكرمة خاصة كما فى التهذيب وتقريب .

قـال ابومحمد: وحـديـث وائـل مـروى من أوجه نذكر منها وجهاً: اخرج مسلم عنه بلفظ انه راى النبى ﷺ رفـع يديه حين دخل فى الصلوٰة ثـم كبر ثـم التحف ثم وضع يده اليمنى على اليسرى الحديث فيه كلام لكن لا شواهد .

قال ابومحمد: وحـديث الحارث ابو غطيف اخرجه احمد والطبرانى بلفظ ما نسيت من الاشياء لم انس رأيت رسول الله ﷺ واضـعا يمينه على شماله فى الصلوٰة وقال صاحب المجمع رجاله ثقات اهـ. وذكر ابن القيم فى اعلام الموقعين نقلا عن ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبدالبر فی جملة من الاثار ثم قال ذکره هٰذه الاثار ابو عمر باسانیدها وقال هی آثار ثابتة اهـ.

قال ابومحمد: فهٰذه الاخباری عامة فلا یجوز لاحدان یخصها بلا دلیل وفی المنار متن نور للانوار واما العام فیتناول افرادا متفقة الحدود علی سبیل الشمول وانه یوجب الحکم فیما یتناوله قطعا ا هـ. وقال شارحه فقوله ((یوجب الحکم)) رَدٌّ علی من قال انه مجمل لاختلاف اعلا والجمیع فلا یکون موجبا اصلا بل یجب التوقف حتی یقوم الدلیل علی معین ا هـ.

الدلیل الخامس: اخرج الامام احمد فی مسنده قال حدثنا عبدالله بن الولید حدثنی سفیان عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ حین کبر رفع یدیه حذاء اذنیه ثم حین رکع ثم حین قال سمع الله لمن حمده رفع یدیه ورأیته ممسکًا یمینه علی شماله فی الصلوٰة الحدیث ورجاله موثقون فی التقریب وعبدالله هو العدنی وسفیان هو ابن سعید الثوری ولا یقدح فی هٰذا السند قول ابن المدینی فی عاصم لا یحتج به اذا انفرد فان روایته هٰذا مرویة من اوجه.

قال ابومحمد: فهٰذا وائل قد ذکر الوضع بعد ذکر رفع الرأس من الرکوع ففیه اشارة الی الوضع فی القیامین ثم فیه لفظ ((فی الصلوٰة)) وهو مطلق فافهم.

الدلیل السادس: اخرجه النسائی قال اخبرنا سوید بن نصر قال حدثنا عبدالله "هو ابن المبارك" عن موسی بن عمیر العنبری وقیس بن سلیم العنبری قال حدثنا علقمة بن وائل عن ابیه قال رأیت رسول الله ﷺ اذا کان قائما فی الصلوٰة قبض بیمینه علی شماله ورجاله کلهم موثقون فی التقریب الا ان علقمة لم یسمع عن ابیه ولکن تعتبر به فی المتابعة وایضا فقد اثبت کثیر من الاحناف سماعه کمحمد هاشم التهتوی السندی فی دراهم الصرة والنیموی فی اٰثار السنن والکهنوی فی السعایة وغیرهم ثم ان المرسل والمنقطع حجة عند الاحناف بل قد تجوز بعضهم فجعله اقوی من المتصل علی ان هٰذا الخبر قد ذکره السیوطی فی الجامع الصغیر معزرًا الی الطبرانی وحسنه فلعله باسناد آخر فتدبر.

قال ابومحمد: وهٰذا ایضا نص جلی فی العموم لان کلمة (اذا) متضمنة لمعنی

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الشرط ففى الصراح اذا (جون) وهو اسم يدل على زمانه مستقبل لم يستعمل الامضا فا الى جملة يقال اجيك اذا قدم العيد فوقوعها موقع قولك أجئنك يوم قدوم فلان دليل اسمتها وهى ظرف تجى فى الشرط والجزاء كقوله تعالى ﴿وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا﴾ وقوله تعالى ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ﴾ وكذا فى مختار والصحاح وغيره من كتب اللغة ولا يقال ان كلمة "فى" ههنا يمنى الى لانه نعلم هٰذا الاستعمال فى كلام العرب بدون قرينة كما فى ما نحن فيه لفساد المعنى وفى الكافية وفى للظرفية وبمعنى على قليلا هكذا فى شرح مائة عامل وغيره وايضا ففيه فساد المعنى لانه يلزم منه وضع اليدين فى الركعة الاول فقط دون الثانية فما بعد هابل ويلزم منه ان يقوم من البيت واضعا اذا اراد ان يخرج الى الصلاة.

الدليل السابع: اخرج البزار الحديث الطويل عن وائل فى صفة صلوة رسول الله ﷺ وفيه الى ان اعتدل فى قيامه ورجع كل عضوا لى موضعه الحديث وهٰذه الرواية الطويلة استدل بها صاحب الفتح على وضع اليدين عند الصدر وسكت عليه وعده شرطه انه يبنى كل علة واقعة فى الرواية التى ذكرها فقد قال فى المقدمة فاذا تحررت هٰذه الفصول وتقررت هٰذه الاصول افتتحت شرح الكتاب فاسوق الباب وحديثه اولا ثم اذكر وجه المناسبة بينهما ان كانت خفية ثم استخرج ثانيا ما يتعلق به غرض صحيح فى ذالك الحديث من الفوائد المتنية والاسنادية من تتمات زيادات وكشف غامض وتصريح مدلس ومتابع سامع من شيخ اختلط قبل ذالك منتزعا كل ذالك حين امهات المسانيد والجوامع والمستخرجات والاجزاء والفوائد بشرط الصحة وا الحسن فيما اورده من ذالك ١هـ. فسكوته يدل على انه حسن عنده او صحيح فتفكر.

قال ابومحمد: فقوله "كل عضو" يشمل اليدين ايضا وكان موضعهما قبل الركوع الصدر فقط فلترجها له اليه فهٰذا دليل جليل ولا ينكره عقيل.

فان قلت: فاين موضع الانامل وللرجليه/والخاصرة قلنا لعلك ما فهمت مفهوم الحديث وظاهر المفهوم ان كل عضو رجع الى الحالة التى كان عليها قبل الركوع

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فالرجلان والانامل كانت كما كانت قبل نعم الخاصرة قد انخست ثم اعتدلت فكذالك اليدان كانت موضوعتين على الصدر فهو مرجعهما.

فان قلت: المراد المفصل قلت هٰذا باطل لان الرجليه لم تفضلا فكيف ترجعان ولفظ "كل عضو" عام فهٰذا الاعتراض ينعكس عليكم.

الدليل الثامن: انه ﷺ نهى عن السدل فى الصلوٰة اخرجه ابوداود والترمذى وغيرهما وهو حديث لا ينحط عن درجة الحسن فرجاله اسناده كلهم ثقات الاعسل بن سفيان وهو لم يتفرد به بل تابعه سليمان الأحول عند ابى داود كذا فى تحفة الأحوذى.

قال ابومحمد: والسدل الارسال فقد قال الخطابى فى معالم السنن السدل ارسال الثوب ١ هـ. وليس هو بخاص بالثوب بل يطلق على ارسال الشعر الاعضاء اما الشعر فحديث ابن عباس اخرجه الترمذى فاحدثنا سويد بن نصر انا عبدالله بن المبارك عن يونس بن يزيد عن الزهرى انا عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن عبدالله عنه ان رسول الله ﷺ كان يدل شعره وكان المشركون يفرقون رؤسهم وكان اهل الكتاب يسدلون رؤسهم وكان يحب موافقة اهل الكتاب فيما لم يؤمر فيه بشىء ثم فرق رسول الله ﷺ رأسه ورجاله موثقون فى التقريب الا ان فى رواية يونس عن الزهرى اسمه محمد بن مسلم بن شهاب وهمًا قليلا ولكن هٰذا لا يقدح فى رَوايته وحديثه فهٰذا وان لم يبلغ عن مراتب الصحيح فلا ينحط عن درجة الحسن واما الاعضاء فاخرج الشيخان فى صحيحهما حديث طويلا عن عمران بن حصين وفيه فبينا نسير اذا نحن بأمرأة سادلة رجليها بين مزادتين الحديث وقال الكرمانى فى الخير الجارى شرح صحيح البخارى السادلة المرسلة يقال سدل ثوبه اذا ارخاه وقال النووى فى شرح مسلم السادلة المرسلة المدلسة ١ هـ.

قال ابومحمد: هٰذا انهى عن الارسال فى الصلوٰة مطلق فلم يبق الا الوضع ويؤيده حديث اخرجه احمد فى مسنده قال حدثنا محمد بن عبدالله بن الزبير حدثنا هشام يعنى ابن سعد عن نافع عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ رأى رجلا ساقطا يده فى الصلاة فقال لا يجلس هٰكذا انما هى جلسة الذين يضربوك ورجاله موثقون فى

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

التقريب الا ان شيخ احمد هو ابو احمد الزبيرى مدلس لكنه صرح بالسماع فاندفعت التهمة فهٰذه فى ادلتنا وقد اشب فلا يمكن لاحد الاعراض فضلا عن الاعتراض و بالله له التوفيق ومنه الوصول الى التحقيق .

الخاتمه

قال ابومحمد: وموضع اليدين من الجسد فى القيامين هو الصيد لانه هو الثابت من خير البشر من حديث وائل عن ابن خزيمة الامام الاكمل وهلب الطائى عند الامام احمد بن حنبل وطاؤس المرسل عند ابى داؤد فى المراسيل بسند حسن وهو وان كان مرسلا لكنه معتبر متى توبع عند جمع اهل هٰذا الفن ويؤيده تفسير الصحابة المذكور فى هذا اللباب ويعضده اللغة كما مر فهو حجة غير اولى الالباب وعاضده ايضا تفسير مرفوع كما اخرجه البيهقى الشهير فى الافاق فنعم الوفاق وحبذا الاتفاق ولم يثبت تحت السرة بخبر حسن فضلا عن الصحيح فالعمل به قبيح وغير نجيح كما سلمه كثير من اخواننا الاحناف مراعين لإنصاف كصاحب عمدة القارى والبحر الرائق وغيرهما من اتباع الامام ابى حنيفة الفائق والمسئلة مبسوطة فى كتب الصلحاء المتقدمين والفضلاء المتاخرين وهٰذا اخر الكلام فى هٰذا المقام والحمد لله تعالىٰ تمامه وحسن ختامه والصلوٰة والسلام على سيد الانام وعلى اله واصحابه الطاهرين وعلى التابعين اتباعهم الكاملين وعلى الذين اتبعوهم بالاحسان الى يوم الدين يوم يقوم الناس بربب العالمين . والالتماس من الصلحاء ان يطالعوا هذه الوريقة والرسالة الانيقة بنظر دقيق وفكر عميق ثم يكتبوا ما القى فى قلوبهم من الحق فى هٰذا الباب والله تعالى الموفق للصواب .

وانا العبد الفقير

الراجى الى رحمة ربه القدير ابو محمد بديع الدين شاه عفا الله تعالى عنه وعافاه بمنه الذى الامتنهان

وقت الفراغ يوم الانحر ٢٠ جمادى الثانى ١٣٦٧هـ.

وقد حرر محمد ولد عبدالله نصربه ساكن كدائى

تعلقه ديله ضلع ترپار كر سنده يوم الاثنين ١٣٧٧هـ.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المقالة احدی عشرة

محترم شاہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ نے قبض الیدین بعد الرکوع کے حساس موضوع پر عربی میں یہ رسالہ تحریر فرما کر اپنے برادر اکبر سیّد محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کو ارسال کیا کیوں کہ وہ ارسال الیدین پر سختی سے قائل تھے۔ (الازہری)

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذى لم يتخذ ولدًا ولا صاحبة ولا نصيرا۔ لاشريكا فى حكمه ولا ملكه ولا وزيرا يحكم مايشآء ولا معقب لحكمه صغيرًا كان او كبيرًا۔ بل ولاحد لا طلاقة ولا رد لاحقاقه ولا سد لا زهاقه ولو كان بعضهم لبعضهم ظهيرًا۔

ولا نسح لما امر ولا مرسخ لما هدر ولا مسخ لما صور وكان امر الله قدرا مقدورا۔ ونشهد ان لا إِلٰه الا الله ونشهد ان محمدًا عبده ورسوله ارسله شاهدا ومبشرا ونذيرًا۔ فبين مراده بيانا اتم بحيث لم يغادر نقيرا ولا نقيرا۔ بالتقييد والايضاح لما اطلق او اغلق فكان احسن تفسيرا۔ اللّٰهم صل عليه وسلم مع اٰله واهله وصحبة تسليمًا كثيرًا۔

امابعد! فهٰذا جواب عما عقب به الاخ الكريم الرُّكوع۔ على رسالتى فى ثبوت وضع اليدين بعد القيام من الرّكوع۔ الا انها كانت خير هدية اهديت اليه۔ واطيب تحية القيت اليه۔ فلم يحى باحسن منها ولا ردها۔ بل نقدها وفسدها كانه ردها۔ وها اكتب اليه مرة اخرى ليكون اهدى هدية من الاولٰى۔ وما علينا إلا الاهداء حتى يقبله بقبول حسن۔ وذالك على الله ان شاءَ هين اهون۔ وسميته بالجواب الوقيع عند العقيب المنيع۔ فلينظر من كان له قلب فى جوفه۔ الممتلى من خشية الا له وخوفه۔ اين الظلمات واين النور فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور.

كذالك نقول ان عموم الوضع قد ثبت من الاحاديث وهٰذ تاييد منكم لقولنا فارجع البصر هل ترىٰ من فطور۔

فاذا سلمتم التعذر ههنا كان ذالك تسديد لقولنا فى الجواب السادس ان المطلق لا يحمل على المقيد الاّ عند التعارض وهنا اٰية اخرى عامة وهو قوله تعالٰى ولا يقتلن اولادهن (ممتحنه) فعلى ما تقولون تكون الكريمة محمولة على المقيدة وهى الأية المذكوره "ولا تقتلوا اولادكم خشية املاق" فاذا لم يكن الحمل بطل ادعاء الحمل فى المسئلة المبحوثة عنها لانه كما يمكن العمل بالآيتين جميعًا كذالك بالخبرين المقيد والمطلق فاستحال التقييد۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وایضًا ففی قولکم هذا تصدیق لما قلناه فی الجواب السابع من ان هذا الاصل غیر صحیح لتعذره فی بعض المواضع فقد سلمتون بقولکم لا یکن حمل هذه الآیة الخ" فاثبت الشرط اولًا ثم ادَّع التقیید ومن الشروط تعذر العمل بکلا الدلیلین المطلق والمقید فان رضیت بهٰذه الاصل فعلیك ان ثبت استحالة العمل بالعام والخاص جمیعًا والا ر فارجع عن دعوة التقیید ثم جمیع ما ذکرته ههٰنا هو ایضًا تشیت کما ذکرناه لانك احتجت من عموم الاٰیة علی النهی عن البراق الی جهة القبلة خارج الصلوٰة وما قیدته بلاحادیث الواردة بحالة الصلٰوة وهکذا نقول ان المطلق یجری علی اطلاقه حتٰی تقوم قرینه تمنع اطلاقه ثم انکارك عن ورود الاخبار علی العموم عجیب جدًا صحیی ابن خزیمة وابن حبان من حدیث حذیفة مرفوعًا من تفل تجاه القبلة جاء یوم القیامة وتفله بین عینیه وفی روایة لابن خزیمة مرفوعًا من حدیث ابن عمر یبعث صاحب النخامة فی القبلة یوم القیامة وهی فی وجهه وقال البخاری حدثنا یحي بن بکیر قال حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شهاب عن حمید بن عبدالرحمٰن ان ابا هریرة وابا سعید اخبره ان رسول اللهﷺ رأی نخامة فی حائط المسجد فتناول رسول الله ﷺ رأی نخامة فی حائط المسجد فتناول رسول الله ﷺ حصاة فحتها ثم قال اذا تنختم احدکم قد ینختم قبل وجهه ولا عن یمینه ولیبصق عن یساره او تحت قدمه الیسریٰ حدثنا حفص بن عمر قال حدثنا شعبة قال اخبرنی قتادة قال سمعت انسا قال قال النبی ﷺ لایتفل احدکم بین یدیه ولا عن یمینه ولکن عن یساره او تحت وسلم صاحب الفتح عموم الحدیثین کلیهما۔ فکلا قسمی الاخبار مطلقها ومقبدها موحودان فی الکتب ومع ذالك لم یحمل اهل العلم المطلق علی المقید انظر کلام صاحب الفتح هکذا نقول فی المسئلة ان حدیث النسائی بلفظ اِذا کان قائما فی الصلٰوة قبض بیمینه علی شماله کما ذکرنا فی الدلیل السابع مطلق من حالة القیام قبل الرکوع او بعده وما فعلتم به من الحدیث المسوق فهو وان کان مقیدا علی ما قلتم لکن لا یحمل علیه هذا المطلق لان العمل بکلیهما ممکن فتدبر۔

اما استدلالکم بتعظیم القبلة فلا حاجة لنا الی التعرض به وان کان فیه لان فیما

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نحن فيه نبحث عن المطلق والمقيد وقد ثبت ان الحمل مشروط وبدونه محبوط فهٰذ كاف لصحة الاستدلال ووافٍ لرفع الاشكال.

هذا يعارضه قولكم "واما النهى عن البزاق الٰى جهة القبلة خارج الصلوٰة ايضًا فلم يثبت عن عمومات الحديث الخ" وايضا فان كان الامر كذالك فلم لا تحملونه على المقيد بحالة الصلٰوة.

هذا الحديث قاطع للنزاع لعلك لم تفهم ما قلنا فى الجواب السابق فنفصله لك ثانيا لعل اللّٰه يحدث بعد ذالك امرا فنقول ان حمل المطلق على المقيد لو كان صحيحا فى جميع الحالات لما تعذر الحمل فى مواضع ما ونظير ذالك انه قد ورد النهى عن اسبال الازار مطلقا وقد ورد حديث بلفظ من جرَّ ثوبه خيلاً لم ينظر اللّٰه اليه يوم القيامة فعلى ما قبل يصير هذا النهى مقيدًا بمن يجره وقد قيده به بعض اهل العلم ايضًا كما فى الفتح وغيره۔ ولكن وجدنا خبرا يبطل هذا التقييد وهو قوله ﷺ اياك واسبال الازار فانه من المخيلة الحديث فيلزم من هذا احمد الامرين امَّا ان نحمل ههنا المطلق على المقيد لزمنا انكار قوله ﷺ "فانه من المخيلة" لانه يستلزم التفريق بين من جره خيلاً وبين غيره وهو نقيض هذا النص واما نسكم ان الاسبال من المخيلة اتباعاً لقوله ﷺ المذكور لزم فعدز حمل المطلق على المقيد فاذا تعذر كان الامر على خلاف ما قلنا وبقى كل حديث على حاله وهٰكذا فى رواية المطلقة فى الوضع والمقيدة فافهم.

كل بل العموم حجه قوية وكذالك المطلق يجرى على اطلاقه حتٰى تقوم قرينة تمنع الاطلاق كما فيما نحن فيه.

وفى التلويح "واما الاجماع فلانه ثبت من الصحابة وغيرهم الاحتجاج بالعمومات وشاع ذالك وزاع من غير نكير۔ اهـ

شانكم اجل من هذا الاستدلال فانا انما انكرنا على من تشبث بدعوى الاشتباه بقولنا ان هذا من حيث العقل وما استدلنا به من العموم مروى فى الاخبار وهو نقل فلا يعارضه واما قولكم انه مستنبط من طول قيامه ﷺ ففى عياة البعد لان طوله فى هذا القيام ليس مثل طول القيام الاول وحسبك لذالك حديث الصحيحين عن البراء

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بـالـلفظ كان ركوع النبى ﷺ وسـجـوده وبين سجدتين واذا رفع من الركوع ماخلا القيام والقعود قريبًا من السواءِ وهذا الحديث تائيد لما قلناه فى الجواب الرابع عن هـذا الاعتراض وليس هذا نظير مسئلة الخلافة فان تقديمه ﷺ للذين نص لان امور الدين من التوابع فلا يقاس عليه هذا الاستدلال الموهوم فتفكر.

لـكـن لاسبيل الانكار على من اطالها ففى حديث ابى حميد بعد ذكر السجدة الثانيه ثـم يـقـول الله اكبر ويرفع ويثنى رجله اليسرىٰ فيقعد عليها ثم يعتدل حتى يرجع كل عظم إلى موضعه ثم ينهض الحديث۔ اخرجه ابوداود والدارمى.

وفـى حـديـث المسئ صلٰوته ثم ارفع حتى تطمئن جالسًا كما فى المشكوٰة فى باب صفة الصلوٰة فالاعتراض باق على حاله.

لكن لو قرأ إذا الفاتحه لم تفسد ركعته كما ذكرها فى الجواب الخامس عن هذا الاعتراض لانها تكفى عوضًا عن جميع ماسواها من الأيات والادعية۔

هـذا خـلاف مـا عليه المحققون والذى اختاره والدنا انما ادركه المسبوق فهو مـوصـوف بـمـا فيـه الامـام كـمـا سـمـعـتـه انـا منه وكذا اختاره جدنا ووالدہؒ انظر الملفوظات ثم هذا مأخود من قوله ﷺ وما فاتكم فاتموا كما عند الصحيحين ولفظ الـنسـائـى واحـمـد فى رواية وما فاتكم فاقضوا وفى رواية لمسلم واقض ما سبقك وايـضًـا۔ تسـمـيتـه مسبـوقا يقضى ذالك ثما هنا امور اخرىٰ فمنها ان الامام يقرأ فى الـفـجـر يـوم الـجمعة السجده والدهر فلو ادرك المسبوق فى الركعة التانيه فاذا قام لـقـضى الفائتة فيأتى سورة منهما يأتى بها فيها۔ ان كان يحفظهما۔ على قولكم يأتى بـالدهر وهٰذا خلاف للسنة لانه أتى بالدهر فقط فى كلتى الركعتين اعنى سماعا فى الاولـى وقـراء ة فى الثانية وان قلتم يأتى بالسجدة فهو قولنا لانه لم يصل مع الامام الاولىٰ بـل ادرك الـثـانيـه ومـنهـا لو انه ادرك فى الركعة الرابعة من الرباعية فاذا قام لـقـضـى الـثـلاث التى فاتته يلزمه ان يقعد للتشهد بعد الركعة الواحدة وهذا خلاف الاصـل لانـه لا تشهـد فـى الـثـانية فـما فوهق الاَّ بعد الركعتين وتبديل هذا الاصل وتـخـصـيـص حـالة مـنه لابدله منه قيامه قرينة داعية اليه اواما قولنا فلا يلزم خلاف الأصـل لان ثلاث ركعات يشهد فيها مرتين بعد الركعتين ثم بعد الثالثة ومنها انه لو

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ادرك مع الامام فی الاخرة فهل يقنت معه ام لا على الثانی يلزم خلاف متابعة الامام وعلى الاول اثبتم قولنا لانه لا قنوت الا فی الاٰخرة ولهٰذا امثال غير ذالك والصواب ان ما ادركه هو اٰخر صلٰوته كما ذهب اليه آباء نا۔

هـذا فی أداء الاركان وأما كيفية الاداء فلاب من اتباع الامام الا ما خص منه بدليل او لم يتم الامام واتم من خلفه فلا حرج كما ذكر البخاری ترجمة خاصه لهٰذهٖ المسئلة ومعلوم ان اتباع الامام ما قلناه لا ما قلتموه لان الركعة التی كانت للامام رابعة لابد ان تكون لتابعه وماموه كذالك ثم فی الحديث الذی اشر تم اليه ان كل احد يأتی بالهيئآت والقرا ت والادعيات بنفسه ولا يكتفی بالامام لا انه يجوز له ان يكون فی الاولٰی والامام فی الرابعة بل وتوافق الامام مأمور به ولا ترد ههنا مسئلة اختلاف نية الامام والمأموم لو رود النص الصريح فلا يقاس عليها.

هـذا ليـ ں يـصـريـح فـی الـمـرام وان كنت تريد اشتراكنا فقد خرجنا من هذا الـخـلاف كما هو مبين فی قولنا "فان قلت يجتهد" الی اٰخر ما قلنا فی هذا الجواب وان كان مرادك غير هذا فبينه لنكتب ماله وما عليه.

عـلـی هـذا الاحـتـمـال ايضًا الامر ظاهر لان القيام من السجدة حالة اظهر من الـقـيـام مـن الـركوع ثم هنا ايضًا مرًّ ما فيه رسالتنا لانا عقلنا كون القيام بالثانی على الـظـهـور فـی ذالك الـمـقدار والقيام الاول طويل فلا يفيدكم هذا الاحتمال وعلى التـقـدير الفاتحة عوض من جميع ما سواها وليس هذا القيام من المحمل الذی منع فيه من القرأة فتدبر.

* كـل بـل سـنة القيام الوضع طويلا كان او قصيرا ولم نقل انه يضع بعد تكبير الامـام لـلسـجده بل اذا كبر او هویٰ كبر وهوی معه لكن اذا ادركه قائما يضع وانما مرادنا ان تعلقكم بالاشتباه باطل لانه فی هٰذ حتی احترا تم على الاعتراض.

* هذا تائيد لما ذهبنا اليه من ان ما ادركه المسبوق فهو آخر صلٰوته فتدبر.

* فبطل هٰذا كليتكم فحسب.

* يبـطـل هـذا مـا ذكرنا من حديث البراء قريبًا من تفريق قيامه ﷺ فـما قلنا لا يدفعه ما قلتموه۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* قد علم الذی حرزوا قیامه کما مر حدیث البراء وفیه ما خلا القیام والقعود وهو نص فی التمییز ثم ما تقوله مبنی علی المشاهدة تقتضی ما قلناه من ظهور حقیقة الامر علی المسبوق فی مقدار ما ذکرنا ثم للمتردو سبیل للخروج من الشك الی الیقین وهو ان الفاتحه رکن تبطل الصلٰوة بدونها بخلاف الدعاء بخلاف العکس فله ان یقرأ حتٰی ان یکون اتیا بالمعلمین لانه لو قرأ حسبه عن الدعاء وأما کو دعا لم یحسبه عن القرأة ففیه احتمال بطلان الرکعة فالاخذ بالیقین اقدم واولٰی.

* لم ندع اللزوم وانما ادعینا عدم التخصیص وهو قد ثبت فارجع البصر هل تری من فطور۔ ولعلك لم تفهم ما قلناه فاسمع ثانیا ان کلامنا مبنی علی مقدمات ضروریة الاولٰی ان دعوی تخصیص القراء ة بالقیام الاول عین صحیحة لثبوت القراءة فی حالة الجلوس والثانیة ان المنع عن القراء ة انما جاء فی حالة الرکوع والسجود فقط لافی حالة القیام ولا الجلوس والثالثة ان الفاتحة عوض عن غیرها فنقول اذا تشکك المسبوق فلیقرأ بالفاتحة حتٰی یخرج من الشك ولا یکون مبطلا للرکعة ولا مرتکبا لامر منهی عنه وهذا فی غایة الاصابة وتسمیته کثبفا او سخیفا فی نهایة الکثافة والسخافة.

* ولکنه لم یرد النهی فالاتیان بها فی مثل هذہ الحالة لا عائبة فیه ثم قد ثبت عنه ﷺ القراء ة بعد الرکوع ایضًا فی صلٰوة الکسوف ففی حدیث البخاری ثم قال سمع اللّٰه لمن حمده فقام ولم یسجد وقرأ قراء ة طویلة الحدیث فبطل کلیتکم بل قد ثبت الاتیان بدعاء الاعتدال فی هٰذا القیام ففی اواخر الکسوف من البخاری واذا رفع من الرکعة قال سمع الله لمن حمده ربنا ولك الحمد ثم یعاود القرأة الحدیث وهذا صریح فی وجود القرأة فی قیام الاعتدال وقال الحافظ فی الفتح ج ٢ ص ٣٦٠ فی روایة ابن شهاب ثم قال سمع اللّٰه لمن حمده وزاد من وجه آخر عنه فی اواخر الکسوف ربنا ولك الحمد واستدل به علٰی استحبابه الذکر المشروع فی الاعتدال فی اول القیام الثانی من الرکعة الاول واتشکله بعض متاخری الشافعیة من جهة کونه قیام قراءة لا قیام اعتدال بدلیل اتفاق والعلماء ممن قال بزیادة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الرکوع فی کل رکعة علی قرأة الفاتحه فیه وان کان محمد بن سلمة المالکی خالف فیه والجواب ان صلٰوة الکسوف جاء ت علی صفة مخصوصة فلا مدخل للقیاس فیها بل کل ما ثبت انه ﷺ فعله فیها کان مشروعا لانها اصل برأسه اٰھـ.

* ھٰذ انما یتم ان قلنا بسنیة القرأة فی ھٰذ القیام وانما قلنا فی هذه الحالة الخاصة بناء علی المقدمات المذکورة التی لابد من تسلیمها ثم لو کان هذا منهیا عنه کان مخالفًا للحدیث المذکورة والا فلا ثم الاخذ بما ثبت عنه ﷺ اشارة۔ اذا کم تکن معارضة للعبارة۔ کالاخذ بما ثبت عنه عبارة فلا یتطرق هذا احتمال خلاف قوله ﷺ صلوا کما رأیتمونی اصلی۔ فتدبر.

* قد ذکرنا ایضًا هناك ما فیه واجبنا عنه بما یشفی ویکفی۔

* لکن یکفی لابطال الکلیة التی بنیتم علیها هذه الانة المشرفة فحسب۔ ثم الاجوبة الاخری التی هی غایة فی الجواب کافیة فی الباب فلهما لکم وتعرضکم لھٰذہٖ هو حال الغریق الذی یشتهث بالحشیش.

* قد مر الجواب عنه وای وهم اکبر ان یتشبث بمجرد خوف الاشتباه الذی لاوجود له ههنا انا قد ذکرنا سبیلا للخروج من الشك فلانصاف اجراء العموم علی عمومه حتّٰی یقوم دلیل قطعی مثله فیحص هذا القیام من الجملة والا فلا.

* قدمر هناك جواب الجواب فراجعه.

* کیف ما اجتهد داخل الصلٰوة او خارجها علی کل حال بنی علٰی اجتهادہٖ فلا اعتراض.

* کیف ما فعل ارسل او وضع لکن إذا فاته الفاتحة تفوته الرکعة ولا به فخوف فوت الرکعة لا یؤید الاشتباه شیئا بل هذآ من باب تکلیف مالا یطاق لانه اذا سلم تردد المسبوق استحال علیه غیر قیام من قیام فلا سبیل له الا الاجتهاد فان اصاب فبها ونعمت والا فیرجع الحکم الی اصله وهو ان یصلی کما مر ومعلوم انه من لم یقرأ فی موضع القرأة فلم یصل کما امر فافهم۔ بل بمکن له حصول الادراك ان قرأ فی موضع القرأة۔ فتدبر.

* هذا مبنی علٰی ان یکون عدم ادراکه اذا لم یدرکه الفاتحه معلقا علی علمه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القيام الاول والثانى واذ ليس فليس لانه اذا فاته القيام الاول والقرأة لابدله من اعادة تلك الركعة سواء كان علم انهم قائمون فى القيام الاول او الثانى او لم يعطلم فاذا جاؤهم قائمون واضعين ايديهم فان تردد على قولكم فاجتهد ففعل بحسب اجتهاده فسيظهر له قريبًا ان ادرك الركعة ام لا وليس هذا مما يبنى عليه ما بنيتموه بل وفيها قلناه احتمال للادراك الا انه ليس ببعيد ان يقرأ فى محلها فالاعتراض مبنى على العجلة او الغفلة وليس هذا يسمى ويلا لان لو كان كما قلتم لكان تكرير الامر بالاعادة كما فى حديث المسئ صلٰوة من اقبح الويلات وحاشا لله.

من ذالك ولا يكون علٰى ذالك مخالفًا للسنة كما زعمتم لان القرأة تكفى عن الدعاء كما بيناه.

* كلامنا فى الاصل هٰكذا "وان قلت ان هذا الجواب يعارض الجواب الخامس قلنا هٰزا اذا تيقن على امر وذالك اذا تردد ولم يتعين له احد الامرين" اهـ والطاهر ان التيقن لا يحتاج اليه الا التردد وهو لا يحصل الا بعد الاجتهاد فمراونا من الجواب التاسع الذى اشرنا اليه بقولنا "هذآ" انه ليعمل بحسب ما تيقن بعد اجتهاده فان تعين له انهم قبل الركوع فليقرأ او بعده فليدعو ومرادنا بالجواب الخامس المشار اليه بقولنا "ذالك" انه ان لم يزل تردده بعد الاجتهاد فليقرأ ليخرج من الاشتباه فان كان قرأ فى موضع القرأة فحسن والا فكنته قرأته عن دعائه هذا هو المعنٰى لما قلنا فاعتراضك هذا مبنى على عدم الفهم ولينظر من له عينا الانصاف اى الفريقين احق بالصفتين اللتين ذكرتهما فتكفر ان كنت من المنصفين.

* هذا كله من عجلتكم لانا انما الزمنا بهذا القائلين بنية الرفع لان المعترضين علينا فى هٰزا المسئلة على انواع فمنهم من اعتراض فتشبث بهٰذ كما هو مذكور فى الاعتراض الثانى والعشرين فهذا الزام لهم لا لمن ليس بقائل هٰذا.

ولا يحل لك الظن بى انى قائل بالرفع بل لو نظرت فى الجواب الثالث عن اعتراض هٰذا المعترض لما تكلف لهذه العباره اصلًا.

* لكن ذكرناه لابطال الكلية فافهم.

* هذا مما لا نحتاج الى المعرض له لانا لسنا بقائلين بالرفع فى القنوت وانما

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الزمنا القائلين به فالالزام لازم ورسالتنا "الهدية" خاطبنا فيها كلا من الفريقين الرافعين والتاركين فانا نرىٰ كثيرا من علماء اهل الحديث من اهل الهند والباكستان يرفعون ايديهم فی حالة القنوت .

* وقبل الركوع ايضًا انظر البخاری ج١ ص ١٣٦ وكذا حديث ابی بن كعب المخرج فی المسانيد والسنن فی الاشتباه باق .

* هذا الالزام للقائلين به كما ذكرناه فافهم ولا تعجل انت من الآمنين ولكن لايأمن من القائلين .

* لا يزال الاشكال حتیٰ تشبثوا عدم سنية القنوت قبل الركوع وهو حين المنع فالمبنی عليه فی غاية الدفع .

* انما قلناه ليس الاشتباه فی الجهرية فالا يراد بامثله السريه غير مفيد لانه لا يرد .

* يجهر فی الاوليين من العشاء والمغرب فهٰذه ست ركعات وركعتان للجمعة وركعتان لكل واحد من العيدين فصارت اثنتی عشرة ركعة وكذا الكسوف والاستسقاء والتراويح ويقی للسيرته احد عشرة ركعة الاربع للظهر والاربع للعصر وثالثة المغرب والاخريان من العشاء .

وحاصل الاعتراض انكم لا عذر لكم الاشبهة الاشتباه وبهٰذا حصصتم العموم فاذا لم تبق الشبهة فی الجهرية فعلی تقدير فرضكم يلزمكم ان تفرقوا بين الحالتين فتأمروا بالارسال فی السريه وبالوضع فی الجهرية لعدم وجود الاشتباه اذا ويقا العموم علی حاله .

* هٰذ لا يخلو من احد الوجهين اما ان يسمع المسبوق الاقامة من خارج المسجد حين يأتی الی الصلٰوة اولا علی الاول الامر ظاهر وعلی الثانی سيظهر له قريبا لانه يسمع قراء ة الامام فی مقدار ما يمشی ويدخل المسجد ثم يدخل الصف وهو مأمور بالمشی بالوقار والسكينة افتری لهذه العذر مقدرا وعلی التقدين فالسبيل له .

ان اشتبه هو ران يقرأ الفاتحة حتیٰ لا يخشٰی فوت الركعة ولا ترك السنة كما

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بيناه .

* لكن لا يبقى اشتباه اصلا كما ذكرناه لانه اذا وجدا ساكتا بعد فاسمع تكبيرة الامام علم انه فذا اول القيام وان لم يسمعها سمع الاقامة ولا به وان لم يسمعها فيسميع قراء ة الامام او تكبيرة الركوع ولا يشتبه عليه الامر اصلا . فتدبر

* بل العجب ممن يعترض على شئ لا يفهمه وكان على الاخ الكريم ان يتفكر اولا فى ما يقوله المعترض ثم هل طابقه الجواب ام لا وحاصل ان الوضع تبدل بالارسال عند الركوع فالعمد الى الوضع ثانيا يحتاج الى دليل فقلنا الزاما ان كان الامر كذا فانتم اول من يلزمه هذ الالزام لانكم ارسلتم عند الرفع من الركوع الاول فى الكسوف فتبدل وضعكم اذا بالارسال فوضعكم بعد الرفع ايضًا يحتاج الى الدليل ولم يأت نص انه ﷺ وضع ثانيا فى الكسوف وبالحملة انه قد طلب الدليل لاعادة الوضع ثانيا وقد اوتينا به فالالزام لزم فتفكر .

* فلقائل ان يقول لم يأت حديث واحد يصرح بالوضع فى الكسوف فلم تضعون فيه فان قلتم فى بالحديث المسوق قلنا هو صلٰوة غير صلٰوة الكسوف .

وان قلت العبرة للعموم قلنا العموم قد قيدتموه بالقيام الاول فاى دليل لاعادة الوضع وعلى التقييد لا ساغ لكم لا خراج القيام المبحوث فيه منه .

* بل بالادعية ايضًا كما ذكرناه فهٰذ القيام لاعتدال ايضًا فاندفع ما اردتم ايراده علينا .

* هٰذ ان سلم ان الوضع مختص بحالة القراء ة وقد ابطلنا ذالك بوجوه عديدة انظر الاعتراض السابع والحق ان الوضع سنة القيام وهذا لفظ حديث وائل اذا كان قائما فى الصلٰوة قبض بيمينه على شماله فراجعه ثم قد اثبتا ان القيام الثانى فى الكسوف لاعتدال ايضًا فبطر ما قلتموه .

* كيف يهوى وهو منـ ـب للسنة ثم الوضع بنفسه يقتضى الاطمينان وينافى الهوى بدونه . فتدبر

* كيف وهو قيام وسنته الوضع لا الارسال كما هو اقتضاء الحديث المذكور اٰنفا حاصل المرام انا نسالكم فنقول هل تعدون احكام صلٰوة الكسوف علاحده ام

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تدخلونها فی جملة احكام الصلٰوة على الاول ای ثبوت عندكم موضع فيها وعلى الثانی لا سبيل لكم الى استثناء القيام المبحوث فيه من الجملة .

* قد ذكرنا حاله فما قلناه مستقيم على قولكم واما الذی تسمونه دليلا اٰخر فسيأته الكلام عليه فی موضعه ان شاء اللّٰه .

* التقييد فی نفسه بقيد الملزوم فالالزام وقد بينا ان مخاطبنا كل من الفريقين .

* فای دليل للوضع هناك والحديث المسوق ان دل سياقه على التقييد على زعمكم فهو يقتضی الخصوص لا الشمول وان دل على منع دخول القيام المبحوث فيه فی الجملة كان دل على اخراجه قيام صلٰوة الجنازة منها بالطريق الاولی .

فالحاصل: ان ادعيتم التفريق بين الصلٰوتين استحال ثبوت الوضع فی الجنازة والالزام الالزام .

* قدر ان هذا الزام للقائيلين بهٖ فان الذی اورد علیَّ هذا الاعتراض هو قائل به بل هو الذی ورد الاعتراض الثانی والعشرين فانه ان طالع رسالتنا شهد قلبه ان هٰذين الاعتراضين انا مورد لهما .

* كان الالزام لازمًا .

* ليس مختصا بها بل بحالة القيام كما اشرناه قريبا وكما فصلناه فی الاصل .

* كيف يعيدهما ولا قرأة حينئذ نعم لو رجعتم من تخصيص الوضع بحالة القرأة وايضًا فهذ يقوی ما قلناه فی الدليل الثامن لانه لا يعيدهنا الا لبقاء حالة القيام فاذا عادت عاد فتفكر .

* غاية فی الاسراف من الاخ الكريم ولا يرجی من الكبير الصغير غيره فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون .

* كانه راٰها او هذا مما ستنبط للارسال فليبك على الاستنباط من كان باكيا .

* وسنذكر هناك ما يلزمنا ذكره فتربصوا انی معكم من المتربصين .

* ولفظ كل عضو لا دليل لاخراج اليدين منه بل ويدل ان كل عضو تحول عن موضعه عاد اليه فاذا ثبت العود ثبت المدعی وستعرف هناك عند التفصيل ثبوت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

العرش مع ثبوت النقش.

* فالسياق يقتضى التعيد والا فلا معنٰى للتقييد للقيام فقط وايضًا فقولكم هذا يبطل التقييد والخصوص بل يثبت الاطلاق والعموم وهو قولنا۔ فالحاصل: انه لا سبيل لكم للخروج، من احد الامرين اما ان تستدلوا من السياق على التقييد وهذا يشكل عليكم فى الجلسة او تحملوه على العموم وهو ينافى التقييد فى حالقى الجلسة والقيام كليهما.

* كذالك فيما نحن فيه لان قول وائل اذا كان قائما يحتاج، على صحة قولكم، الى صارف صريح قوى.

* هما لاشيءُ فضلا ان فيه دليلين ومن اكبر طوام العالم ادعا ورود دليل يثبت الارسال فى القيام الثانى عنه ﷺ وما اشرت اليهما فقد بينا حال احدهما والاٰخر يأتى فى موضعه ومن عجائب الدنيا تسميته مثل هٰذ صارف للنصوص الصريحة.

* لكن حصل الارسال فاعادة الوضع يحتاج الى الدليل كما هو اقتضاء الاعتراض فالالزام لا قوم بلا شك وايضًا، تخصيص الوضع بالقيام المقيد لا دليل عليه لا من كتاب ولا من سنة فكيف تنقش قبل التثبيت ثم يبطل هٰذ ان القيام الذى بين ركوعى الكسوف بمتعين للقراء ة فقط بل وهناك دعاء ايضا كما مر وايضا فلفظ الحديث "اذا كان قائما" دليل علٰى ان الوضع سنة لكل قيام وكون الوضع للقيام المتعين للقرأة يقتضى التخصيص وتخصيص العموم بدون دليل صريح غير جائز وايضا فهذا مبنى على كون الوضع سنة القرأة وقد ابطلنا فى الجواب عن الاعتراض السابع فالمبنى على الباطل باطل۔ وايضًا فستميتكم لهٰذ القيام المتعين للقرأة ينافى وجود الادعية فيه كدعاء الافتتاح وغيره۔ ثم نقول ما تريدون ومن القيام المتعين للقرأة من اول القيام الى ان ينتهى او بعضه على الثانى لا سبيل لكم الى تعيين ذالك البعض من حديث الدليل.

* وعلى الاول لزم عموم لانه لا يضع حال دعاء الافتتاح كذا المقتدى بعد تمام الفاتحه لا سيما فى الجهرية وبعد الشروع فى الصلٰوة والادعية فى الجنازة.

وايضاً فلو قام بعد سجدة التلاوة فهل يضع فى مقدار قيامه الى ان يركع او

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يرسل على الثانى لزم الارسال قبل الركوع وهذا خلاف مذهبكم ايضًا .

وعلى الاول لزم الوضع فى القيام غير المتعين للقرأة لانه لو لم يقرأ فى هذا القيام بل سكت هنيهة وكبر للركوع تمت صلٰوته وذالك لانه فدفرغ من اداء القرأة المفروضه فى القيام الذى قبل هٰذه السجدة۔ ولا يقال انه قيام واحد لانه اذا كان توسط الركوع سببا لتعدد القيام فتوسط السجدة اولٰى بذالك .

* هو الذى تكلف هذا الاعتراض فحق علينا الزامه .

* هذا الكلام يصدر ممن لا يفهم الاعتراض ولا جوابه والمعترض يقول لا وضع فى القيام الثانى لانه سنة القرأة وهو خال عنها فيلزمه ان لا يضع قبل شرعه فى القرأة هذا حاصل الاعتراض وجوابه فتفكر لعلك تفطن .

* هذا كلام دون داعية لان كل احد يدرى ان مسئلة الوضع او الارسال لا تتصور الا بعد الدخول فى الصلٰوة لكن نسأل المعترضين هل ترسلون فى ابتداء القيام من الركعة الاولٰى۔ وهو المراد من الافتتاح۔ فان قالوا نرسل كذبوا لانم مذهبهم الوضع فى ابتداء القيام بعد تكبيرة الافتتاح وان قالوا نضع ابطلوا ادعائهم تخصيص الوضع بالقراء ة لان دعاء الافتتاح لا يسمى قراء ة فراجع مرة بعد مرة الى ما قاله المعترض وما قلناه فتتعلم ان ما الزمنا هم به لا مناص لهم منه .

* هذا هو عين الالزام فانا نقول فلم تضعون انتم۔ ان كان كما تقولون۔ فى حالة الاستفتاح وهو غير حالة القرأة فتوصيفكم لا عتراض بالواهى فى غاية الوهن لان لا مخلص لهم منه فتدبر .

* فعلى هذا لا يجوز له اتيان بدعاء الاستفتاح لان هذا القيام من حين اوله الى اٰخره متعين القرأة على زعمكم۔ فان قلتم جاء الدعا فى الحديث قلناه هو نص فى دخض قولكم "القيام المتعين للقرأة" ثم نشدكم بالله فنقول هل وضع النبى ﷺ حين دعاء الاستفتاح قبل السروع فى القرأة ام ارسل على الثانى خلاف للاحاديث الصريحة وخصوصا سياق وائل المذكور فى الاعتراض الثالث وكذا يعارضه قولكم "وفيه ثبت الوضع"

وعلى الاول سقط قول من قال ان الوضع مختص للقيام المتعين للقرأة لانه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يستلزم نفى الدعاء فيه وقول من قال ان الوضع مختص للقيام المتعين للقرأة والحمد لله على ذالك ثم قد ابطلنا غذر التعين بوجوه وجيهة ونقانض شديدة فراجعها .

* الرخصة من النبى ﷺ فنيس هذا اسقاطا لفريضة الفاتحه لان الذى فرضه هو بنفسه رخص التسبيح والتحميد لمن لم يستطع اخذ القرأة ولا يقاس عليه الا بكم لانه اذا اختص الوضع بحالة القرأة سقط حكمه عن العاجز عنها نعم لو قدرناه سنة حالة القيام فهو تساهل لكل قائم سواء كان ابكم اولا وهذا هو نظير لقول مالا يدرك كله ولا يترك كله لان الابكم ان عجر عن القرأة فلم يعجز عن الوضع .

* ليس هٰذ قياسا بل نقض على القائل باختصاص الوضع بحالة القرأة لانه اذا عجز عن القرأة فلا وضع عليه على قاعدة المعترضين ثم هذا من باب لا يكلف الله نفسا الا وسعها وهو مكلف بامرين كليهما القرأة والوضع فاذا عجز عن احدهما سقط منه تكليفه بهٖ فقط الا لا الامرين لكن هذا على قاعدة ان الوضع سنة القيام واما على قاعدتكم فالالزام لازم لا محيص عنه .

* هذا قدر الكلام عليه راجعه .

* لو تأملت لعلمت انهما واحد لان على قولكم لا وضع فى القيام الذى لم يعين فيه القرأة۔ فصار حينئذ الوضع خاصًا بحاله القرأة وهٰذا لا يخفٰى على من تأمل .

* هٰذ قد ابطلنا ما بنى عليه والحق ان الوضع ان كان سنة القيام مالابكم ايضًا يضع وان كان سنة القرأة فلا سبيل لكم للجواب عن هذا الاعتراض۔ ثم تخصيص الوضع بالقيام المتعين للقرأة يقتضى الزيادة فى الفاظ الحديث من عند انفسا فان الفاظ الحديث هكذا "اذا كان قائمًا فى الصلٰوة قبض بيمينه على شماله بل لو كان كما قلتم لكانت الفاظ الخبر ان اكان قارئا فى الصلٰوة قبض بيمينه على شماله، بل واذا ورد بلفظ "اذا كان قائما فى الصلٰوة" بدون ذكر القرأة دل ان الوضع سنة القيام وكلما قام النبى ﷺ فى الصلٰوة وضع يديه سواء كان قارئا او لم يكن فتدبر .

* هذا على قاعدتنا لانه مأمور بالامرين فاذا عجر عن احدهما لم يسقط الاٰخر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عـنـه واما عـلـى قـولـكـم فليس من هذا الباب لانه اذا لـم يوجد المختص به بطل استعمال المخصوص .

وان سـلـم فيه سنية الذكر لزم سنية الوضع علٰى قول المعترض انه قيام ليس فيه مسـنـون فسنة الارسال كما ذكرنا ولا يقال انه اذا لم يجب الذكر لم يسن فيه الوضع لان المسبوق بمعنى المشروع كما ذكرناه فى الاصل .

* ان ضم اليه قوله ﷺ "صـلـو كما رأيتمونى اصلى" دخل فى الجملة ثم ورد فى الدار قطنى حديث بالامر على وجهه العموم .

* انما ادعينا حصوله بوجه من الوجوه وما ذكرناه هو احد الوجوه ثم قد فرقتم انتـم بيـنـهـمـا بـجعل احدهما متعينا للقرأة بخلاف الاٰخر ثم هٰذ معلق بورود الامر بالتفريق من اللّٰه ورسوله واذ ليس فليس .

* وفيه لوكان هذا الامر ضروريا بينه ورسولهﷺ .

* لـقـد اخـذت مـن هـذا حيـلة الاشتبـاه وقد ابطلناها والمراد من ايرادنا امر السـجـدتيـن لاظهـار انـه لا ضـرورة لـلـتـفريق اصلًا بين الركنين۔ كما هو محمل الاعتـراض۔ والا فـلـم لا تـفـرقـون بيـن السجدتين فاذا لـم يكن هناك علم انه غير ضـروری لانـه لم يرد النص بالتفريق اصلًا ، وایٌ حاجة اِل التفريق اذا لم يأت نص فقط .

* بـل الـذى فيه القرأة والدعاء ايضا عندكم كالقيام المتخلل بين الركوعين فى الـكـسـوف والـقيام الاول من الركعة الاولٰى والآخرة من الوتر اذا فتت قبل الرَكوع فبطل التخصيص والكلية معا۔ ثم هذا مبنى على ما ابطلناه فهو كذالك .

* وفيـه ان بـطـلان دعـوى كون الوضع سنه القرأة ويستلزم بطلان ذالك ، ثم نسـألـكـم هل تدخلون قيام صلٰوة الجنازة۔ فى الحكم الوارد بالوضع مطلقًا ام لا؟ على الاول فالقيام الثانى۔ الذى هو فى صلٰوة ذات الركوع والسجود اولٰى بالدخول فيـه مـنـه والا فـلـعصركم لا تستطيعون اثبات الوضع فى قيام الجنازة من الحديث الصحيح اصلاً .

* هـذه الـوجـوه تـرد عـلـى القائلين بهٖ والعاملين عليه ولا ملجأ لهم من هذا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الالزام وحسك الوجوه الباقية .

* نتكلم هناك بما يعلم منه اولوا الالباب هل يسمى مثل ذالك دليلا ام لا؟

* ما سمعنا قبلك احدا ادعى وردو دليل او نص للارسال فاذا ادعيت انت فانتظر تحقيق ذالك وانما ارسل من ارسل لانه يقول انى لم اقف على دليل الوضع لا انى على خبرة بدليل الارسال .

* هذا القدر ينفيه العموم الذى لا مخصص له ومجرد عدم الثبوت لا يخصص به العموم ثم مجرد عدم ثبوت الوضع- على زعمكم لا يسمى دليلا للثبوت .

* هٰذ ادعاء محض وما تبثتم به كما قلتموه مرارًا ما فيه .

* عجب منكم على العجلة مثل هذا القدر فان هذه الاعتراضات بعضها مبنية على الحقيقة وبعضها على الالزام والمعترض قد اعترض علينا بمثل هذا فقال ان الوضع انما جعل لاجل الدم كما فى الاعتراض الحادى والعشرين وقد اجبناعنه هناك فالزمناه بانه ان كان الامر كذالك فحق عليكم ان تضعوا فى هذا القيام فالالزام لازم لهذا القائل فلو تفكر المتعقب فى هذا الاعتراض وجوابه لما تكلف لهذا الكلام الطويل الذى لاطائل تحته واتى بالفاظ كبيرة لم تكن متوقعة الصدور من فمه او قلمه والحاصل ان كان محقا فى اعتراضه تحقق اعتراضنا وان كان مبطلا بطل اعتراضه .

* منها قصور الفهم عن مراد القائل ومقوله ومقصد المعترض ومعروضه .

* مروى عن السلف وذكره الفقهاء انظر السعاية وغيرها من الكتب .

* هذا يدعى من ليس له اطلاع بمضفات الاطباء لو لا انى لا احضرنى الآن شيئا من كتب الفن سوا كتاب راجل السفر واحد لذكرت لك نصوصا وفى الوقت بيدى كتاب صنفه شمس الحكماء انيس احمد الصديقى سماه بألات التشخيص والعلاج فصرح فيه ص ٨٧ بذالك نقلا عن كتاب منافع الاعضاء وجدت ذالك فى منافع لاعضاء ص ١٧٤ .

* هذا هو عين الدليل لان حالات العسكرين كلها حالات التكاليف والتعب والنصب وانما يومرون وبذالك للتمرين واما الصلوٰة فليست من هذا الباب بل هى

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راحة لـلـمؤمنين وسكينة للخاشعين قال الله تعالٰى وانها لكبيرة الا على الخاشعين (البـقـره) هذا دليل انها لا تكبر على غير خاشعين بخلاف العسكرين فانهم يتبعون ويبـلـغـون مـن الـمشـقـة غاية سواء كانوا خاشعين اولا . والحاصل ان الصلٰوة امر روحانى وهذا جسمانى فلا يقاس عليه .

* فيـجـدون مـا يـجـدون ولذالك وقد ذكرننا كثير منهم انهم يتبعون من ذالك كثيرا حتّٰى تتورم ايديهم فى بعض المواقع .

* نـعـم لكن لا مضر لهم من ذالك فاين هذا من هذا وقد نهٰى النبى ﷺ امته عن التـكـلـف والتشـدد عـلى انفسهم بل يعملوا بحسب ذوقهم فيطيل الصلٰوة من شاء واحف مـن شـاء لانهـم يـأملون الاجر من الله بخلاف هٰؤلاء فانهم يتكلفون كلما كلفوا به لان اجورهم بايدى المكلفين .

* هـذا غاية فى الثبوت لان تكاليعهم هذه ربما الى الامراض فقيام الدكتورين باهتمامهم دائما امر لابدى لئلا يتعطل امر العساكر فهذا من باب التحفظ من عموم البـلـوى واستكثار العواصم لما يخشى عن عواقبه ومثل هذا التكليف يوجب تأمير من يقوم بحفاظة المكلفين مما يخشى من تكلف والشرع يأت بهٰذا التأمير فصح انه لا تـكـلـيف فـى الـصلٰوة فان التأمير معتل وعلته التكليف فاذا فقد المعلول فلا علة اصلا فتدبر .

* قيامهم لهم دليل على المبالات .

* كـلا بل موضوعة على الجسد او الفراش او الارض فاتكائها على شى مانع للاجتماع الدم .

* فاذا لم تكن مرسلة فلا اذًا .

* بل حين الارسال والادلاءِ والارخاء فلم يلزم .

* هـذا غيـر لازم لان اليـديـن مـنتصبان على الركب فلا يجْتمع الدم ايضًا فلا يسـلـم ذالك لان مـن الـسنة توتير اليدين فى الركوع لا تعويجهما كما شهد بذالك حديث الترمذى الصحيح .

* هـذا لا يـلـزم الان الانتصاب ينافيه كما بيناه فى الاصل ثم اذا بلغ فى اطالة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القيام من تور قدماه كما هو المشاهد وقد جاء هذا منصوصا عن النبى ﷺ انه بقور من قدماه لاجل طول القيام وهٰذا قاطع لجميع ما الذمتمونا به.

* لا امر الا الله ولرسوله ﷺ وليس علينا الا تبليغ ما فهمنا من كلامهما.

* لاحاجه الى التحريك لان الانتصاب كاف فى هذا الموضع فتفكر.

* فيه ايضًا الانتصاب والاتكاء فلا الزام وقد قلت انت نفسك "فان الرجلين يكونان منتصبين."

* المسلم لا يكون عونا ولا تابعا الا الله ورسوله ﷺ فلا تجزى بمثل هذا الكلام الذى كبر علينا خروجه من عظيم الشان مثلك.

* بل وفيه خروج من الورطتين التكلف الذى يخشى من عاقبته وتخصيص عموم السنة ما ثبت عنه ﷺ او تكلفوا الناس ما لم يكلفهم الله ولا رسوله ﷺ فهاتان الورطتان اول لكم لاخلاص لكما منهما الا بالوضع لو كنتم تعلمون.

* وماذا عليك لو تتفكرت فيما ذكرناه فراجعه.

* هذا مبنى على قلة الاطلاع على الاحوال الطبيعية والقواعد الطبية وقد ذكرنا ما قاله الحكما والاطباء.

* لم ندع الوقوف بل الاجتماع الدم وهو ظاهر كما ذكرناه فراجعه.

* قد بينا ان اجتماع الدم يكون بحالة الارسال لا بحاله الوضع ولا الانتصاب ولاالانكار.

* اجتماع الدم فى رؤس الاصابع ايضًا وجه من الوجوه فلهٰذا يوصل الى التورم احيانا فاختلال النظام قليلا كان او كثيرا تكليف وقد قال الله تعالىٰ يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر. (البقره)

وقال ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج (المائدة) ما جعل عليكم فى الدين من خرج (الاحزاب)

* بل العجب ممن لم يطلع على التصريحات الطبية ثم يشرع فى التعقيب ولا شى بعد هٰذ عجيب.

* قد بينا انه شى يلزم المعترض ثم له مراصد سديدة واعواصم صحيحة فلا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عائبة ولا لائمة .

* بل عين القطع كما ظهر وسيظهر .

* قد مر منا ايضًا ما عليه .

* هٰذ ايضا الزام لمن تعذر بان الارسال حاله اصلية كما بيناه حين اجبنا عن الاعتراض الثانى عشر وحاصل ما قلناه ههنا انه لو كان ارسال اليدين اهمالا لهما فلم تهملو نهما فى هذا الركن الخاص من بين الاركان الحمعية بدون ورود الدليل الخاص فالالزام لازم .

* فلا دخل لعمل من الاعمال فى الصلٰوة الا بثبوته ممن قال "صلوا كما رأيتمونى اصلى"

* لم يرد بالتمييز كتاب ولا سنة صحيحة ولا سقيمة ولا قول صاحب ولا اجماع فلا يبنى على مجرد القول او الظن اماما تكلتم فى باب الاشتباه بينا انه مجرد وهم لا حقيقة له .

* ليس عن على فقط بل عن غيره من الصحابه كما لا يخفى عليك ايضًا .

* لكن لا ينابذ تفسير هٰؤلاءِ تفسير اولاءِ .

* ماد عيناه اصلا بل نقول ان الاٰية تتضمن امر الوضع كما تتضمن للاوامر الاٰخر ومن المعلوم ان كثيرا من الاٰيات القراٰنية تتضمن احكامًا عديدة وقال صاحب تحفة الاحوذى نقلا عن النيل وحمل المشترك على جميع معانيه هو المذهب القوىٰ، اهـ نعم لو قامت قرنية تنافى هذا المعنىٰ او التفسير فهو امر اٰخر والاكما نحن فيه فلا .

* لو كان عندكم وجه لترجيحكم هذا من الوجوه فبينوا لنعلم مقداره والا فمجرد التعميق تكلف ما لا يعنى۔ وقال الجد الامجد فى درج الدرر وقد ثبت هذا المعنىٰ عن ابن عباس وعلى وانس بسند منجر ضعفه كما حققنا فيما مرا وبسند لابأس به كما نقلناه عن السيوطى وهذا نقل فى معراج الدراية عن الحاكم انه قال احسن فى التأويل فاذا ثبت لغة ورواية ان النحر وضع اليدين على الصدر كان فى قوله تعالىٰ وانحر امر بوضعهما عليه فسقط جميع ما ذكر المخدوم هنا من ابن

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الهمام او بعض الحنفية ومن عند نفسه.

* بل هو غاية فى الافادة لفظ الصلاة ادنٰى ما يطلق عليه۔ من الصلٰوة التى هى ذات ركوع وسجود۔ الركعة التامة ووردو دليل لاستثناء الركوع والسجود والجلوس ولم يرد استثناء حالة القيام لا قبل الركوع ولا بعده فصح ان هذا اللفظ العام يخص منه القيام الاول ولا الثانى وانما خص منه الركوع والسجود والجلوس.

* ولم نعلم ذالك الا بورود الدلائل المخصيصة فقط وقد علمت انها لا مخص من الجملة الا الركوع والسجود والجلوس، لا انا خصصنا هذا الحكم بحالة من الحالات بل نقول بوفق الاصل وهو ان العام اذا خص منه بعض افراده دليل صريح زال حكمه عنها وبقية افراده داخلة تحت الحكم لانه لم يرد ما فع لتضمنه لها فاذا خصصنا من هذا اللفظ تعض افراده لورود الدليل بقى الحكم لبقية افراده والعامل بالارسال فى القيام الثانى مكلف بان يأتى بدليل صحيح صريح يدل على تخصيص ذالك القيام من العموم والا مجرد القول لا دليل لقائله ولا سبيل لفاعله.

* قد صح هذا التفسير وثبتت المسئلة فليس رجوعنا الى الاحاديث الا لطلب الدلائل المزيدة.

* الامر الوارد فى الحديث مطلق اما بلفظ الصلٰوة وقد خص منها الركوع والسجود والجلوس او بلفظ "اذا كان قائما فى الصلٰوة" وليس حديث يخص قياما دون قيامه حتى تعلمون ما تريدون ان تعلمون فهل تطلبون التخصيص من دون السنة؟ حاشا وكلا.

* لا لاجل ان الكتاب ساكت عن المسئلة بل لتكثير الدلائل وتوضيح المسئلة توضيحا كاملا.

* لا مجال للمحقق للبحث فيها وما ذكرت هناك فسيأتى الكلام عليه ان شاء الله تعالٰى.

* ليس حديث واحد فضلا عن الاحاديث يدل على على الارسال فى حالة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

القيام اصلا ما اُتيتم بهٖ اُتينا بما عليه.

* لـمـا ثبت ان الاٰية متضمنة لحكم الوضع وهو مطلق ولم يخص منه الركوع والسـجـود والـجـلوس فقط ولم يأت يخص القيام المبحوث عنه فلا نافع انفع من هذا والله الهادى الٰى سواء السبيل.

* الهيثمى يذكر غالبًا العلة الواقعة التى يوردها ولم يقل عقيب هذا الخبر الا ما ذكـرنـا فـى الاصل فكون الخبر صحيحا او حسنا صالحا للاحتجاج هو الغالب من حيـث الـنـظـر ثـم وفى الافتراح لابن دقيق العيد يعرف ثقة الراوى بالتصيص عليه وذكره فى الثقات وتخريجِ احد الشيخين له فى الصحيح اْه. مختصر كذا فى الدرج الـجـد الامـجد له شاهد من حديث ابى هريره وعائشه عند الدارقطنى وحديث ابن عمر عند البيهقى وحديث عائشة صححه الحافظ فى التلخيص نقلا عن البيهقى.

* لـم نـقف على سنده الا ان اكون رجاله رجال الصحيح ثم وجود الشهادة له يـجـعـل الخبر قابلا للاحتجاج بهٖ فتدبر. وله شاهد ضعيف عند العقيلى ايضًا ومن حـديـث حذيفة اخرجه الدارقطنى فى الافراد وفى مصنف ابن ابى شيبه من حديث ابـى الـدرداء موقوفًا منه اخلاقَ النبيين وضع اليمين على الشمال فى الصلٰوة ورواه الطبرانى من حديثيه مرفوعا نحو حديث ابى هريرة كذا فى التلخيص الحبير.

* بل نخص من عمومه ماورد الدليل بتخصيصه وابقينا على الحال ما بقى من افـراده لـوقـوفـات الصلٰوة ولم نقف على دليل لتخصيص الوقوف بعد الركوع فما ادعيت من اتيان الدليلين فستذكر ما يتعلق بهما حين تذكرهما ان شاء الله تعالٰى.

* لان مـعـنـى الـعموم هو الشمول لافراده واما قولك وانا لانجعله شاملا فيه "فـتـخـصـيـص بـلا مخصص وما بنيت عليه دعواك هذهٖ فسنبيذ تعريتها من البرهان وتخليتها من السلطان والله المستعان وعليه التكلان.

بل جميع الاولة قاطعة فى الباب لو تدبر من زرقه الله الانصاف وهذه فلم يتبع رأيه ولا هواه.

* قد اشرف اليهما مرادا فقد ان وقت ذكرهما وكل احد يدرى انهما لا يسميان كـلاهـمـا ولا واحـد مـنهما دليلا فضلا عن ان ينتهض حتٰى يقوم بازاء ادلتنا فكيف

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

التخصيص بہٖ او التثبيت منه .

* قد بيننا فى الاصل ان كلا من الاحاديث صحيح فى معناه فما ذكرناه يخبر عن رجوعه الاعضاء وما ذكر تم يخبر عن رجوع العظام والعظم لا يسمى عضوا ثم العضو يتضمن العظام وغيرها بخلاف العكس فالتفريق حاصل فلا يحمل احدهما على الأخر وبطل بهذا جميع بتيقموه علٰى هذا الذى سميتموه دليلا وسيأتى مزيد التفضيل فى الموضع ان شاء اللّٰه .

* هذا الخبر الذى دكرتموه فى حاشية تعقيبكم لا يصح استنادكم بہٖ لان لفظ "فاقم صلبك" بنبئ ان المراد منه رجوع الاعضاء فصح ان كل خبر من الاخبار يبين مسئلة على حدة .

* تأملنا فليس فيه اشارة فضلا عن الصراحة كما ستعرف من كلامنا .

* هذا فى الخبر الذى فيه ذكر العظم والذى فيه ذكر العضو يكون الضمير راجعا اليه لان العظم ليس بعضو ثم يلزم الاضماد قبل الذكر فسلم الاستدلال من الخدشة .

* لكن اذا اضيف الى عضو يشمل جميع الاعضاء الا ما خص منه بما يصلح التخصيص يسوغ .

* يأتى الكلام عليه حين يأتى قوٰلك فى بيان الحالة الاصلية لليدين ثم هذا معقول لو كان المبحوث فيه مطلقا عن حالة الصلٰوة وغيرها لكن اذا كان خاصا بالصلٰوت لا بد ان يكون المراد موضعهما الجسد حالة الصلٰوة فتدبر .

* نذكر هناك ما تعلم منه ان ما ابديته لو كان اخفيته كان خيرالك .

* المعتاد من هدية ﷺ فى حال القيام الوضع كما تظافرت بالاحاديث فلوفهم من كان يسرع فى ميدان التحقيق .

* لو ضم صاحب العين مع هذا حديث اذا كان قائما فى الصلٰوة قبض بمينه على شماله لعلم انه نص صريح فلا يواريه ما ذكره المتعقب واعتقد فيه انه كالصراحة بل احيره احد الامرين اما ان يثبت من النص الصريح عنه ﷺ انه كان يرسل يذيه فى القيام الثانى او يرجع عن قوله "يستوى قائما" وهذان الا

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ورائهما فوالذى نفسى بيدى لا نجد فى الاحاديث الا ثبوت القيام بعد الركوع من هدى سيد البشر وليس فيهما لغير وضع اليمين على الشمال فى حالة القيام فى الصلٰوة اثر فعل فى ذالك قسم لذى حجر وعبرة لمن اعتبر .

* لقائل ان يقول انه وان كان ﷺ يطيل هذا القيام كما هو اقتضاء دعائه الطويل لكن الطوالة مثل هذا القدر لم يكن دائما بل فى بعض الاحيان والا فلا معنٰى لخشية النسيان والوهم فلا يتم بناء الاستدلال عليه .

* لا حاجة الى هذا التكلف لانه لا اشتباه ههنا اصلًا ومع ذالك المسبوق سبيل للخروج كما بيناه فى الاصل وههنا .

* لا نعنى ذالك بل اهل الحديث الذى هم اهل النبى ﷺ فان صلٰوتهما وادائهم لاركانهما بوفق ما ورد عنه ﷺ لانهم هم المقتفون الاثره هو المتبعون كخبره وقد بتاخلفهم مرارا فلم يعرض لنا التباس ولا اشتباه قط فلا تقنع ايها الاخ الكريم زادك اللّٰه حرصا على وضوح الامر الحق بمجرد ما خطر ببالك من حشية الاشتباه بل عليك ان تجرب ذالك مرارار كما جربناه فسيظهرلك ما ادعيناه ظهور الكوكب الدرى .

* لا ويل اصلا على فرض الاشتباه لما بيناه من السبيل للخروج فراجعه انما يرمى بالمخالفه اذا عاده واما قر الحالة الخاصة فلا لانه ليس منهيا عنه .

* لا نسلم هذه الكلية بعد ثبوت القراء ة فى القيام بعد الرفع من الركوع فى الكسوف واما التفريق بين الصلٰوتين او عدمه فقد مر الكلام عليه ثم قوله ﷺ لمن شمت العاطس فى الصلٰوة "ان هٰذه الصلٰوة لا يصلح فيها شى من كلام الناس انما هى التسبيح والكتبير وقراء ة القرآن" الحديث اخرجه مسلم فهذا يستنبط ان قرأة القران فى جميع اركان الصلٰوة جائزه الا ما ورد النهى عن القرأة فقط وهو الركوع والسجود فقط واصرح من ذالك ما فى جزء القرأة للبخارى ولفظه انما الصلٰوة لقرأة القرآن ولذكر اللّٰه ولحاجة المرأ الى ربه فاذا كنت فيها مليكن ذالك شانك .

* هذا كله تفصيل لا جمال قوله يكون بين الويلين الخ وقد فرغنا عن تفصيل الجواب عنه فلا حاجة ثانيا .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* هٰذ على فرض انه خلاف السنة وقد عرفت ما فيه فهو كذالك .

* كبر كلمة تخرج من افواههم هل وجدت فى ذالك فى شى من كتب الحديث قل لى فى اى كتاب هو؟ وانما بناء ه على ظنك اذا المسبوق يشتبه عليه الامر بدون سلطان ولا تجربة فسميتك لمثل هذا المفروض العلم القطعى ايم اللّٰه انه لمن اكبر الكبر ولا يخفى على احد من اهل النظر ثم الامر القعطى مأخوذ من الامور القطعيات وليس كذالك ما تقوله لان عذر الاشتباه ليس مظنونا كما بيناه ان يكون مقدمة لثبوت الامر القطعى واطالة القيام الثانى لا تدل على تسوينه بالقيام الاول كما فى حديث ما خلا القيام والقعود والتمييز بين القيامين واما فرضكم على الفرضين اعلى قولكم ان المسبوق يستبه عليه الامر بوضع المصلين بعد الركوع ولم يشتبه الامر على الصحابة فعلم انه ﷺ كان يرسل يديه فهو باطل غاية البطلان لان الاول لا وجود له الا فى ذهنك والثانى ايضًا ليس بحتم لان عدم تشككهم دليل على انهم لم يشتبه عليهم فى المقام لان الوضع كان معتادًا فيهم فى حالة القيام .

* بل يوهنه ويسقطه لان ما اوراته هناه لصحة فرض هذا المراد فباطل سنذكره .

* وانتظر انت ايصا يرد عليه .

* واعاذهم اللّٰه ان يبنوا مدعاهم على مثل هذه التوهمات او التخليلات بل نظير استدلالنا فيهم موجود بوجه اتم هذا عمرو بن العاص بعموم قوله تعالٰى ولا تقتلوا انفسكم ان اللّٰه كان بكم رحيما (النساء) على جواز التيمم للجنب اذا خاف الهلاك من شده البرد بحضرته ﷺ كما فى حديث احمد وابى داود ولدار قطنى وقال الشيخ ابو البركات مجد الدين ابن تيميه الكبير فى المنتقٰى بعد ذكر هذا الحديث فيه من العلم...... ان المتمسك بالعمومات حجة واضحة صحيحة ونظائر ذالك كثيرة .

* جعلك استدلالك نظيرًا لاستدلالهم موقوف على ان تأتى بامور ولو من خارج ما قلته۔ يتم بها استدلالك وما اتيت به بعضها معدوم وبعضها مشكوك فلا يقاس عليه .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* بـل اصـرح مـن الـذى تقول هو "كالصراحة" لانهم علموا انه لما رضيه الله ورسوله ﷺ لـديـنـنـا فلنرضيه لدنيانا لانه هو الاليق بالقيادة ولاامامة الامة الحمدة عـلـى صـاحبهـا الـوف تـحية وسـلام فكيف تجعل استدلالك نظيرا لهذا بل وهذا الـدليـل بنفسه دليل لا يحتاج الى التكلف باتيان المقدمات من الخارج كما تكلفت انت ودليلك لا يتم الا بايراد المقدمات من خارج كما سلمته فاين هذا من هذا.

* هـذه الـمـقـدمة وتاليته انما يفيد ايرادهما مع صنيعه ﷺ ان ابـا بكر من اهل الـصـلاح والـخـيـر فـلهـذا بـوب عـليه امام المحدثين فى جامعه "بباب اهل العلم والـفـضـل احـق بـالامامة واما مسئلة الخلافة فظاهر من مجرد جعله اماما لان من صلـح ان يقود فى الدين مامور الدنيا نعم هذه المقدمات تؤيده وتشيده لكن قولك "فـلـو صـرفـنـا الـنـظر عن هذه المقدمات الأخر الخارجة من نفس ضيع صاحب الـرسالة ﷺ لـم يبـق لاستدلال الصحابة ﷺ مـعـنـى مـنـظـور فيه فلا يقاسْ عليه مـفروضك لان هذا هو الوجه لاتشبيه اعنى الاستدلال بدليل بعد ايراد مقدمات من الخارج فتدبر ولا تكن من المتكلفين.

* قـد ظهـر ما يقوله الفريقان فى هذه المفروضات فليصف من كان من فحول الرجال.

* قـد سـلـمـنا ان القيام الاول اعظم شانا من الاول ولكن لم يأت نص بتفريق هيئة الـعظيم من الذى هو دونه فيا لعْظمة فلا يتم ما قاله وانما اطلقوا الاطلاق لفظ النص.

* هـذا كـلـه دليـل لتـفضيل القيام الاول على الثانى وهو لا يكفى لتخصيص الـعـموم لانه ايضا نوع من النسخ عند الاصوليين ومن شرط الناسخ ان يكون اقوى واول مـن الـمـنـسـوخ كـما صرحوا وفصلو وتسليم تفصيل بعض افراده العام على بـعـضهـا ليس يسمى تخصيصها وليس ما ذكرته اقوىٰ من دليلنا فرضًا ولا دلالة بل حديث "اذا كان قائما فى الصلٰوة" قبض بيمينه على شماله صريح ان كل مصل ليس لـه ان يضع يديه كلما قام فى صلواته ولاحاديث واردة فى تسمية القيام الذى يكون بعد الركوع قياما وكذا الشراح فالعجب انهم اطلقوه لفظا وحصوه مرادا بدون ورود

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مخصص ثم ليس هناك ذكر القراءة بل ذكر المسئلة الوضع فهذا صريح انهم انما اطلقوه فاطلاق النص.

* هذا اللام للعهد لان براء قد ذكر القيام الثانى صريحا فلا يكون هو مراد فهذه قرينة للتخصيص بخلاف ما نحن فيه فلا تكن. من الممترين.

* بل هو مخصص لاستثناء القيام الثانى كما وقع مصرحا فى الخبر.

* المحتف بالقرائن لا يقاس عليه الذى خلاعنها ثم ليس هذا دليل على انه كلما اطلاق لفظ القيام كان المراد القيام الاول فلا يتم الاستدلال ولا الايراد بل متى اطلاق كان مطلقا واذا خص سمى مخصوصا وهذا ظاهر ثم حديث "اذا كان قائما" يدفع هذه جمله لانه ليس فيه كان يضع فى القيام حتى ننظر فيه هل هو القيام الاول او الثانى او نتكلف بمثلك فنقول اى القيامين كان مهتما عندهم وأيتهما كان مخصوصا بالوضع وايهما يكون مرادا فى الخبر بل قال الراوى "اذا كان قائما" فبطل جميع الحيل والا عذار بل كان معناه حينئذ انه ﷺ كان يضع لكما قام او وقف فى صلواته فان الحديث يبين بيانا لا مزيد عليه انه ﷺ كان يضع فى حالة الوقوف والقوم فسواء تسموه قيامًا اولا وعلى الاول قعدونه ومن المهم اولا فسلنا نحن بصدره فى ما نحن فيه فقد خرجنا بحمده تعالٰى من هذه المغالطه والله ولى التوفيق.

* لا دائما بل فى الأحيان مع قيامه قرينة تمنع دخول غيره فيه فالتعويل عليه فى غاية البعد.

* هذا ايضا ليس على الحصر بل اطلاق فى بعض الاحيان لايستلزم اطلاقه فى جميع الأحيان.

* فكان ماذا انما الكلام فى حالة الوقوف وهو قد ثبت ثم نسألكم ماذا اتريدون من الفرد الكامل قد اثبتم فرضية القيام الثانى والأولى بتسميته كاملا كل فرد لزم بانتفاعه انتفاع متضمنه وان كان بعضها اكمل من بعض لكن لا ينكر كون جميعها كاملة فهذ يخدش ما قلتموه اه تريدون بذالك ان القرأة مخصوصة بالقيام الاول كما اطلتم الكلام فى ذالك فضيه اولا انه يلزم منه ان تكون بقية أركان الصلٰوة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كالركوع والسجود والجلوس لا يسمى شى منها كاملا لانه لا قراء ة فيها فانكم انما عدرتم الفرد الكامل قياما اول دون الثانى بهذا الوجه فلم تكن اذا شى من اركان الصلٰوة كاملا سوىٰ القيام الاول وهذا بعيد جدا لان نقصان الافراد يستلزم نقصان المتضمن .

وثانيا ان القرأة ان اردتم بتخصيصها بالقيام الاول انها لا يجوز الاتيان بها فى غيره من الاركان فممتنع كامروان اردتم الهدى والعادة فبطل التقسيم لانه كم يبق الاكونه اكمل وهذ لاينافى كون غيره كاملا كما ترى .

وان اردتم به ان الفرد الكامل هو من يصح ان يطلق عليه اسم المتضمن .

فهذا يرد عليه ما ذكرته انت نفسك ان من دأب السلف اطلاق الصلٰوة على كل ركن من اركانها "كما سيأتى ثم لو سلمنا ان احدهما كامل والثانى ناقص فلسنا بمر يديه بل المراد ان يضع المصلى كلما قام وهو قد ثبت .

* انما يجهرانكم لانهما مفروضتان على مفروضاتكم وهى قد طارت فى الهواءِ فعليكم ان تطالعوا ما كتبناه فى الاصل وههنا بالانصاف ليطهرلكم الحق ويضح وضوح الشمس فى نصف النهار .

* العام صريح فى تضمنه بجميع افراده فلا يخص بالذى تظنونه كالصريح لانه لا يوازيه .

* تجد هناك ما يليق بالمراد ان شاء الله تعالٰى .

* فيه ان الاطلاق يعين الحكم لجميع افراده وعلى التقدير بطل الحديث النبوى لانه لم يبق اذا حكم حاشا لله من ذالك .

* بل تحتاجون انتم لدليل صريح يخصص العموم وهو مفقود فالمستقل مستقل .

* ليس فى انكاره ثم لقائل ان يقول فيه ذكر وضع اليدين فى السجدة الاولٰى ولا دلالة فيه على العموم اللهم الا ان يقال انه انما اكتفى بذكر هيئة السجدة الواحدة لا تحادهما فى الهيئة لكن لا مانع من ان يقال فى القياسين ايضًا كذالك فح لم يبق بحال البحث .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* قدمر النقض ایضا فلیرجع اهل العینین الی کلام الفریقین .

* مـا ادعینـا هذا فی هذا الموضع املا فلم تکلفت لتردیده وانما استدلالنا من هـذا الـخبـر عـلی وجهین۔ احدهما ان وائلا ذکر الوضع بعد ذکر الرفع من الرکوع فـفیـه اشـارة الـی الـوضـع فـی الـقیامین والذی سمیته دلیلا للارسال وظننت انه کـالصریح فلینظر من له نظر فی هاتین الدلالتین ثم لیستفت قلبه السلیم من شوائب الـعـصبیة ایتهـمـا اولٰی بالاخذ واصرح فی الدلالة وایتهما اولٰی بالطرح واسرع فی الـزلالة وثـانیهـمـا انـه قـال "فـی الصلٰوة" وهو شامل لجمیع ارکانها وقد اتی دلیل لتـخـصیـص الـرکـوع فـالسجود فالجلوس ولم یأت دلیل لتخصیص القیام الثانی فالاستدلال تام .

* لـم نجد حدیثا مرد فی سیاق الصلٰوة ذکر فیه الراوی الرکن المؤخر مقدما او المقدم مؤخرا نعم بعضهم مهمل بعض الرکن المؤخر فلا یذکره ولیس هذا نریده .

* فالوضع ایضا هیئاة ذکرت بعد الاشارة الی القیامین فالقول بہٖ هو القول .

* ان کـان مـقـصـود الـراوی فـاستـدلالك بحدیث المسبوق علی التقیید غیر صحیح .

* قد مر ماله وما علیه .

* لا تـقـول علینا ما لم نقل ولاحاجة لنا الی القول بہٖ ولا راعیة وانما نقول ان لـم تـدخـلوا القیام الثانی تحت الحکم العام جعلتم رکنا من ارکان الصلٰوة بلا هیئة هذا مالا مدفع له عندکم بوجه یلزم .

* هـذا یـرد علیك اذ عولت علی الحدیث المسوق لا ثبات التقیید فهذا حینئذ لك کالقعقید .

* هـذا هـو عیـن مـا قلناه فی الجواب الاول والثانی والثالث والثامن والتاسع والـعـاشـر والـحادی عشر عن الاعتراض الثالث فقد رجعت الیه والحمد لله علی ذالك .

* لکن لا ینافی هذا الستشهاد .

* هـذا یتم اذا کانت مسئلة الوضع مرویة فی هذا الحدیث فقط واذ لیس فلیس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هـذا ثـم وائـل قـد اشتهـر بالمسألة فلا يرد خبر من اخباره بمرجد هذه العلة وايضا فـالـعـمـوم كما فى الدليل السابع مستقل على حده فمثل هذا الخبر لا عائبة بايراده لتأييد والتوكيد فقولك "منظور فيه" هو المنظور فيه والمحذور.

* لـمـا ثبت عن وائل عموم بطرق اخرىٰ فهذا الطريق لا يعد من افراد عاصم هـذا هـو الـمـعنٰى لقولنا الذى حسبته منظورا فيه فلا ايضًا بهٖ من تقاعد وتكاسل فى المعركة وقنع بالمظنونات وهنأ بالمزعومات.

* وهذا مردود عليه فى الاصل وما جئت بهٖ هنا فليس بشىء كما ستعرفه.

* لـم تـأت بـرواية حتـى نـرىٰ حـالهـا سندا ومتنا والا مدلو لا نقضا ابراما قد تـحولت انت عن هذا كما سيأتى قولك "ثم تبين لى" الخ وهو ايضًا غير صحيح كما ستقف عليه هناك.

* لـفـظ الـحـديـث هـكذا وحين رفع رأسه من الركوع رفع يديه ووضع كفيه وجـافٰى وفرش" الحديث فما تقول فى الواو وفى قوله "وجا فىٰ" هل هو للترتيب ام لـلـجمع المطلق على الاول يرد عليه انكارك له كما مر قريبا وعلى الثانى فما نقول فى الواو فى قوله "وفرش" لانه يلزم منه الافتراش فى السجود وهو ممتنع.

وان قـلـت انه مجرد احصاء الهيئات كما قلت اولاً يصح ما قلناه لانه ذكر رفع اليدين ووضع الكفين والمجافات والافتراش ويدرى كل احد ان الرفع والمجأفات والافتـراش مـحالها معلومة متعينة بخلاف الوضع فانه ان سلمنا انه ليس منه المراد الـوضـع فى القيام الثانى۔ مطلق من جميع حالات الصلاة لكن على مواقع مختلفة فـالـصدر حال القيام والركبتان حال الركوع وموضع السجدة حال السجود والفخذ ان مـع الـركـب حال الجلوس فلم يبق الا الانتقال فلا مفر لكم من دليلنا هذا اصلا لـكـن قـد بينا فى الاصل وكذا يظهر لك ههنا ايضا ان حمل قوله "وضع كفيه" على كـل ركـن سـوىٰ القيام الثانى لا يخلو من التكلف فاللجاء اليه من عين التعسف ثم نـرجـع الى الكلام فى الواو فنقول الواو فى قوله "ووضع كفيه للعطف ولا مانع من ذالك الـمعطوف وما عطف عليه يتخذ ايضا وهو قوله "حين رفع رأسه من الركوع" وامـا قوله "وحافٰى" الخ استيناف لوجود المانع من عطفه لانه مجافاة ولا الافتراش

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فى حالة القيام .

* بل ظاهره يقتضى انه فى حالة السجود كما ذكرنا فى الاصل لبيان ذالك الحديثين ايضًا .

* بل وهو يرد عليكم ايضا لانه يكون التقدير ايضا فيكون تقديره فلما سجد وضع يديه الخ وهنا ايراد آخر ان المجافاة ليست مختصة باليدين فقط بل بالعضوين ايضا فيكون تقديره فلما سجد التقدير مزية بل يكون ما نقوله اوفق .

* وهناك تقف على جواب الجواب ايضًا ان شاء الله تعالىٰ .

* العجب من فرحك من هذهٖ الرواية اليس فيها تصريح اللفظ "فلما عادات الرواة انهم يذكرون شيئا تارة وشيئا تارة اخرى فوائد ذكر الوضع تارة فى القيام الاول واخرى يذكر فى القيام الثانى واخرى فى الركوع كما هو مسلم عندكم ايضًا . فكيف يكون هذا الحديث تفسيرا للحديث الذى ذكرنا لان فيه ذكر الوضع بعد ذكر الرفع من الركوع واما خبر كم فتمام الفاظ هكذا فى المسند ج٣ ص ٣١٩ حدثنا عبدالله حدثنى ابى عن هاشم بن القاسم ثنا شعبة عن عاصم بن كليب قال سمعت ابى يحدث عن وائل بن حجر الحضرمى انه رأي النبى ﷺ صلى فكبر فرفع يديه فلما ركع رفع يديه فلما رفع رأسه صلى فكبر فرفع يديه فلما ركفع رفع يديه فلما رفع راسه من الركوع رفع يديه وحوى فى ركوعه وحوى فى سجوده فلما قعد يتشهد وضع فخذه اليمنٰ على اليسرىٰ قال مزاد فيه شعبه مرة اخرى فلما كان فى الركوع وضع يديه على ركبتيه وحافٰى فى الركوع فهٰذ صريح انه خبر اٰخر وقوله فلما ركع نص فى التفريق فتدبر .

* لكن متفاوتان من حديث المتن كما عرفت .

* لكن لاابهام ههنا فكيف وايضا فبعض الهيئات فى هذا وبعضها فى هٰذ .

* فلهٰذا ذكر فى الحديث الذى اوردناه الوّضع بعد الركوع واهمل عن ذكر هيئة الركوع فذكر فى ذالك الخبر واصلك هذا يقتضى تعدد الاخبار وكون كل منها صحيحا على حده فى معناه .

* ولهٰذا يذكر تارة هيئة ركن آخر وهذا كله تقوية لما نقوله .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* هذا التفصيل ايضا يشيد مدعاتا وهو ان وائلا يذكر الهيئة للقيام الاول احيانا واحيانا للثانى واحيانا للركوع واحياما للسجود واحيانا يطلق فاستدلالنا صحيح والدلالة منه صريحة والانكارعنه مكابرة .

* هذا هو عين ما احبنا به عن الاعتراض الثالث بل انت تدعى هذا ثم لاتبالى۔ بمخالفته واما نحن فلم نقل الا بعد وقوف على جميع الطرق للخبر الذى رواه وائل .

* هذا مر الكلام عليه .

* هذا كله ما كان ينبغى لك ان تقوله ولا اقول فى الجواب عن هذا بمثل ما قلته انت لان المسألة قد بانت مع الادلة ولا لاتها فاهل الحق لا يلتفتون الى حدة اللسان او طولها بل الى صحة الدلالة ومدلولها والله العاصم .

* هذآ ايضا فى السجود ولا مانع من ذالك فلم يلزم .

* بل المجافاة تقتضى المهلة وهى صريحة فى اللبث .

* بل ما ذكرناه فى بحث العطف .

* هذا لا ينافى ما ذكرنا من بحث العطف ايضًا .

* لا حاجة الى القرائن بل ما ذكرنا من ان الراوى يذكر البعض فى وقت ما كافٍ فى الباب الا انا لا نسلم كون المراد من قوله "ووضع كفيه" فى السجود او الركوع لفساد المعنٰى كما ذكرناه وليس هذا من اجل انا جعلنا الواو وههنا للترتيب والفور او التراخى لكن لاباء دلالة السياق .

* هذا هو دلـيلنا لانه لوكان الامر كما قلتلم لكان ههنا "ثم وضع كفيه" ايضا واذ ليس كذالك فلا يصح جعلكم الوضع المذكور فى هذا الخبر فى الركوع او السجدة .

* بل تقوى بهٰذ لانا نقول ان الواو للعطف فالظرف لما قبلها ولما بعدها واحد ولو كان هنا المراد الوضع فى السجدة او الركوع لكان ورد بلفظ يدل على معنى التراخى كما فى هذا الخبر الذى اوردته ههنا فافهم .

* فما يمنعك ان تحمل الواو فى قوله "وجا فى" للتراخى لان الطاهر من الفاظ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحديث انه ﷺ سجد بعد الركوع والقيام بعده فتفكر .

* هذا النقض الثانى على سبيل الالزام فان المشهور عند المحدثين ان المذكور فى حديث وائل هو وضع الركتين قبل اليدين فهو لازم .

* لكن لفظ "رفع يديه ووضع كفيه وجافى" مشعر بذالك لان اليدين وقعتا على الارض بعد الرفع .

* فهذآ متضمن لمعنٰى وضع اليدين على الارض فلا حاجة الى ذكره ثانيا فصحَّ ان قوله "وضع كفيه" هو فى القيام الثانى فافهم .

* هذا هو الوجدان ان سلم ان قوله "ووضع كفيه" المراد منه فى السجدة لانهما تقعان بعد رفعهما .

* لكن قد اشتهر عند اهل الشان خلاف هذا فلهذا الزمنا هم لا انا قائلون بصحة خبره فى وضع الركبتين قبل اليدين فتفكر .

* بل الصحيح عكسه فقد قال امام المحدثين البخارى فى تاريخه الكبير .

"سمع اباه" وقال الترمذى فى سننه فى باب ماجاء فى المرأة اذا الشنكرهت على الزنا من ابواب الحدود بعد ذكر حديثه عن ابيه "هذا حديث حسن غريب صحيح وعلقمة بن وائل بن حجر سمع من ابيه وهو اكبر من عبدالجبار بن وائل وعبدالجبار لم يسمع من ابيه" اھ

وقال ابن عبدالبر فى الاستيعاب روى عنه كليب بن شهاب وانباه علقمة وعبدالجبار وأنبأ وائل بن حجر ولم يسمع عبدالجبار ومن ابيه فيما يقولون بينهما وائل بن علقمة اھ" وقال النووى فى تهذيب الاسماء روى عنه ابناه علقمه وعبدالجبار وقيل لم يسمعه عبدالجبار اھ" فلو كان المترجم لم يسمعه منه لذكره وقد ادخل حديثه مسلم وابن حبان وابو عوانة فى صحاحهم عن ابيه فهٰذ دليل ان سماعه منه ثابت عندهم واما قول صاحب التقريب لم يسمع من ابيه فالجواب عنه بوجوه الاول انه مبنى على ماروى عن ابن معين كما ذكره فى التهذيب وقد خالفه البخارى فمن اثبت مقدم لانه وقف على سماعه منه فهو حجة على من لم يقفه وليس هو بمنفرد بل معه جماعة۔ وان كان تفرد ههنا يكفى ومعه ايضًا دليل يأتى .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والثاني ان الحافظ بنفسه صحح حديثه عن ابيه فقال في بلوغ المرام في صفة الصلوٰة بعد ما ذكر حديثه في السلام رواه ابوداود باسناد صحيح اھـ ومن العلوم ان رواية الذى يرويها عمن لم يسمعه لا تكون صحيحة والثالث انه يمكن ان الحافظ لم يقف على التصريحات المذكور وليس ببعيد فكم من كبار خفيت عليهم الاشياء الظاهر ولم تخف في الصغار ثم قد صرح علقمة عن ابيه بالسماع في عدة احاديث فمنها ما اخرجه البخارى في جزء رفع اليدين قال حدثنا ابو نعيم الفضل بن ركين انبأنا قيس بن سليم العنبرى۔ قال سمعت علقمة بن وائل بن حجر حدثنى ابى قال صليت مع النبى ﷺ۔ ومنها ما اخرج مسلم في صحيحه ج ٢ ص ٦١ مع النووى حدثنا عبيدالله بن معاذ العنبرى قال نا ابى قال نا يونس عن سماك بن حرب عن علقمة بن وائل حدثه ان اباه حدثه فذكر الحديث في القصاص وقال النسائى في باب رفع اليدين عند الرفع من الركوع اخبرنا سويد بن نصر اخبرنا عبدالله بن المبارك عن قيس بن سليم العنبرى حدثنى علقمة ابن وائل حدثنى ابى فذكره كذالك علقمة في الكتب الموجودة فهذا نص صريح في سماعه منه لان الثقة او الصدوق واذا قال حدثنى او سمعت دل عل السماع كما تقرر في في الاصول وايضا فعبد الجبار يقول كنت غلاما لا اعقل صلوٰة ابى كما اخرجه ابوداود وغيره۔ ونص الترمذى ان علقمه اكسر منه فلا يتعجب اهل النظر في سماعه فالحق انه سمعه منه فحديثه متصل وهو نص في ان المصلى يصلى كلما قام في صلوٰته .

* لكن لفظ "موضعه" صريح في ان اليدين موضعًا توضعان عليه "إلى" تقتضى اصولهما الى الموضع التى كانتا عليها .

* لا معنى لهٰذا الشرط لانه هو المفروض وفي هذا الحديث كما ظهر وكما سيظهر ان شاء الله .

* هذا الحصرينا في رفعهما الى ما فوق الصدر وهو المركبان او الاذنان والاخبار الصريحة خلاف ذالك وما جئت به من العذر عن هذا فسيأتى ما فيه .

* الرفع قد ورد في الخبر صريحا فلا معنى لهٰذا التاويل او الاحتمال لانه يلزم التكرار .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* لا يكفى اصلا لان لفظ "موضعه" يقتضى الوضع والاستقرار ثم لقائل ان يقول فعلى هذا- ان انكرتم الاستقرار- ولم تسلموا العموم- فاى دليل الى ارسالهما بعد خدائهما؟

* التقارب بين المنكبين والاذنين اقرب من التقارب بينهما وبين الصدر وقد بين الصحابة ذا دون هذا ثم لا تقارب بين الاذنين والصدر فلا تتكلف لهذا التاويل.

* كلا لفظ رجع يقتضى وجود ما فرضته قبل هذا الركن وليس هٰذا فى الركوع- كما هو فى تخطيئة فى هذا الموضع خطأ كما سيأتى ان شاء الله تعالٰى.

* لما ثبت كون الخبر سالما من شبهة الانقطاع فتحسين السيوطى مفيد له فى القوة.

* حاصله ان بعض المعترضين اعترض علينا فقال ان "فى" ههنا بمعنٰى الٰى اى اذا كان قائما الى الصلٰوة فنضنا عليه بقولنا، ان "فى" تستعمل للظر فية فاستدلالنا بالخبر ستقيم ولو سلم لزم فساد المعنٰى وذالك انه يلزم منه الوضع عند ابتداء الصلٰوة فقط بل حين القيام الى الصلٰوة كقوله تعالٰى "اذا قمتم الى الصلٰوة" فالالزام لازم.

* مصرح فى قولك "وموضع اليدين قبل القيام الثانى على الكربتين فان الركن قبل القيام الثانى هو الركوع لا الغير" فكان عليك ايها الاخ الكريم ان تنفق هذا الجزاء فى الركوع ثم هذا الخبر المبحوث منصوص فيه لفظة فرفع يد الى حاذتا شحمة اذنيه" فبطل ما قلتموه جملة والحمد لله على ذالك.

* انا ما تركتها بل هكذا ذكر الحافظ فى بلوغ المرام فنقلت منه ثم هذهٖ الزيادة كافية لرد استدلالكم من الخبر كما ستعرفه ان شاء الله تعالٰى.

* ليس فيه ابهام حتى نحتاج الى التفسير بل هما حديثان على حدهما وايضًا فوقوع لفظ العظم فى احدهما والعضو فى الاٰخر نص فى التفريق ويباين التوفيق فلا مساغ لان يفسر هٰذ بهذا.

* بل هذا الخبر نص فى ان المراد عظام الصلب يدل عليه قوله فاقم صلبك

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وبهذا الفعل يتعلق الجار والمجرور اعنى حتى ومدخولها فلا يخدش هذا الخبر فى الاستدلال من ذاك الخبر.

* لكن لابأس بالاستشهاد على التقدير.

* هذآ من الفاظ التعديل كما هو مصرح فى كتب الاصول وفى تعقيب التقريب للامر على۔ عند ذكر مراتب التعديل والسادسة صدق وانشاء اللّٰه تعالىٰ وارجو انه بأس به وما اعلم به باسا ومحله الصدق وروى عنه الناس والصدق ما هو وشيخ وسط او وسط فقط او شيخ فقط او صالح او صالح الحديث ومتقارب او مقارب الحديث حسن الحديث وجيد الحديث وصو يلح؟ وههنا الفاظ كثيرة من اطلاقاتهم وقول الامام البخارى فيه بعض النضر مراده ما قاله صاحب الميزان اعفى له مناكير وما كل من روى المناكير يترك حديثه كما تقرر فى مقرہ انظر الرفع والتكميل للكهنوى وليس هٰذه القطعة من مناكيره لانها ليست منافية للرواية الاخرىٰ لان كلا منهما مستقلة على حدها نعم ذكر الرفع فى السجود منافية للروايات الاخرى الصحيحة فلا ناخذ بہٖ وسيأتى مزيد تحقيق ذالك ان شاء اللّٰه تعالىٰ واما قول الحاكم ابى احمد "ليس بقوى فلا يستلزم طرح حديثه لانا نقول انه قوى فى الحديث بل هو فى جملة من الشيوخ وقال الجد الامجد فى الدرّج حسن الحديث" اھ فقول المتعقب "فهوء ح ضعيف" ضعيف.

* كيف لاهو وهو من المتشددين وعارضه من الجروح ليس ينافيه لان الشيوخ تكون المناكير فى احاديثهم فافهم.

* هذا هو اللفظ الذى اطلقْ عليه فى التقريب وهو جرح غير مفسر وفى التهذيب قال النسائى ليس بالقوى وقال ابن عدى ليس له كثير حديث قلت وذكره ابن حبان فى الثقات اھ۔

فهذا صريح ان المترجم لم يبلغ مرجة القوة ولكن لا يبلغ غاية فى الجرح حتى يطرح حديثه على كل حال وقال الجد الامجد فى الدرج وان قال فيه النسائى ليس بالقوى وتبعه الحافظ فى التقريب لكنه وثقه ابن حبان المتشدد فيقدم قوله قول النسائى المتعنت مع كونه بحملًا.

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* بل حسنا لاجل الشهادة والتاييد .

* وانــمـا سكت لكونه معتضدا بروايات اخرى وقد اورده الوالد الماجد رحمه الله فيـه "مسـلك الانصاف" فى جملة من الاحاديث التى احتج بها والحديث قد حسنه الجد الامجد فى الدرج .

* قـد ثبتـت الـمسئـلة بـدلائل اخر يراو الحافظ هذا الخبر فى الفتح غاية فى الفتح .

* لا يـكـون شى من ذالك لانه ليس بمعصوم فانه النسيان هو مركب من الخطأ والـنسيـان لـكـن لم بخطأ الحافظ ههنا فقد استشهد بهٖ غيره ايضًا كالبيهى فى سننه والشيخ محمد حيات السندى فى فتح العفور وغيرهما .

* هـذ ظـن مـنكـم وهـو لا يـغـنـى من الحق شيئا بل الحق انا ناخذ من هذه الـروايـات كان موافقا بالاصول (اعفى الماخوذ من الروايات الصحيحة) كالوضع على الصدر والرفع عند الركوع والرفع منه وكذالك هذه المسئلة المبحوثة فيها واما الـرفـع فـى السجود فلم يثبت من خبر سالم من العلة بل فى الصحيح الانكار فهذه الزيادة مردودة من وجهين فما قلته فى الوجه الثانى لا يلزم ابدا ولولا هذا غير محله لبينا فى ذالك بما يشفى القليل وبرى الغليل .

* هـذا مبنى على العجلة لان لفظ الخبر هكذا "الى اعتدل فى قيامه ورجع كل عـضـو الـى موضعه ثم صلى اربع ركعات يفعل فيهن ما فعل فى هٰذه ثم جلس فى التشهد مثل ذالك" الحديث

فهـذا صـريـح فى ان هٰذ ليس ذكرا للقيام الى الركعة الثانيه لان قوله "ثم صلى الـخ" نـص فـى انـه بـعد ذكر الركعة التامة وما ذكر قبل ذالك كل من هيئآت الركعة الاولـى فثبت انه هيئة من هيئآت الركعة الاولى فلذا قال الراوى "يفعل فيهن ما فعل فى هذهٖ" فاذا كان هذا متعلقا بالركعة الاولى كان المتعين القيام الثانى يدل عليه لفظ "اعتـدل" ولـفـظ "رجع كل عضو" ذكر هيئة القيام الاول فاعادة الذكر بها لا يجدى نـفـعـا ثم فى هذا يلزم فساد المعنٰى لانه يقول "ثم صلى اربع ركعات يفعل فيهن ما فـعـل هـذه" ثـانيـه كانت او ثالثة او اربعة فما عدًا ثم يسلم والا فلا يتم قوله الراوى

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"يفعل فيهن ما فعل فى هذه "الا ان نجعل تلك القطعة معلقة بالركعة التامة التى تتم بعد الجلسة الثانية فهذا القيام لابد ان يكون فى داخل القراء ة فتدبر . وتعمق فى تلك القطعة مع بقية قطعات الرواية تكون على بصيرة وخيرة ولا يقال ان هذا خلاف الترتيب *لانه ليس فيه تقديم وتاخير الاركان كما هو المدعى۔ بل ذكر القيام* حسب الترتيب نعم انه الهيئة لامر ضرورى لانه لما كانت هيئة القيام الثانى كالاول وهيئة الجلسة الثانية كالجلسة الاولٰى ذكر تلك القطعة لبيان ان اليدين ترجعان الى الموضع الذى كانتا عليه قبل هويه للركوع او السجدة ومن هذا ابتين؟ امر جلسة الاستراحة ولا نعتر بلفظ القيام فان مراده الاعتدال او الرفع من الركعة والسجدة وهذا الاستعمال مروى عن اهل العلم ففى سنن ابى داود ص ١/ ١٢٤ باب طول القيام من الركوع وبين السجدتين اھ

* ما المراد من موضعه الاصلى ليس الارسال موضعه لاصلى كما سيأتى فى موضعه .

* هذا هو المتعين لانه ذكر هيئات الصلٰوة وكيفية ادائها .

* هذا قد ابطلنا فهو مثله .

* هذا الجواب الخامس مكرر من حيث المعنٰى وقد ذكرنا ما فيه فى الثالث .

* راجع الحديث ثانيا وتفكر فيما قلناه مرة بعد مرة ثم لك ان شظن ما شئت .

* بل القيام الاول كما هو اقتضاء الرجوع فلا معنٰى لهٰذ الاعتراض بل الفساد يلزم من ارجماع الضمير الى موضعه الاصلى لان هذا المرجع ليس شيئا كما ستعرفه .

* ليس فيه ابهام حتى نحتاج الى التفسير بل كل حديث صحيح فى بيانه كما مر .

* بين الخبرين فرق ظاهر هذا بين حال الاعضأ ثم فيه لفظ "فى موضعه" اى تتمكن العظام فى مواضعها التى فصل عنها وفى الخبر المبحوث بيان الاعضاء۔ ثم لفظ "الى موضعه يعنى" ترجع الاعضاء الى لموضع التى كانت موضوعة عليها قبل فتدبر .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* ھذا اذا کان الموضع الاصلی۔ الذی تعنونه معینا ولیس کذالك کما سیأتی .

* قد ظھر فساد الوجه ایضًا .

* ماذا تریدون من الھیئة الفطریة التی ولد علیھا ام غیرھا علی الاول یدری کل احد ان الولد یتولد بھیئآت مختلفة وعلی ھذا القیتم الناس فی قدر الویل لانه یجد علی کل ان یحفظ حالة یدیه عنه ولادہ فیجعلھما کذالك فی ذالك القیام ولھٰذا فی غایة الاشکال او ان المراد منھا انه یترکھا بدون استعمال وھو ایضا یرد علیه قولك "لانسلم ان الارسال اھمال بل ھو عمل" وایضًا فاستعمالھما للارسال ایضًا حالة خَاصةٌ بمدھما الی الرکبتین ووضعھما بالفخذین بباطن کفیھما کانھما موضوعتان لاسیما اذا صلی قاعدا فھذا وضع الارسال وکون موضعھما الفخذ ان یحتاج الی الدلیل لانه لیس موضعھما ھذآ ان حالة القیام بل الصدر فتدبر ثم نقول قد رفعتا بعد الرفع من الرکوع الی المنکبتین او الاذنین فاستعمالھما لارسال حینئذ یحتاج الی الدلیل .

* لقائل ان یقول ان الصلٰوۃ بنفسه عمل فلا تطلق فیھا الایدی علی الھیئة الفطریة التی لا تقدرون علی تعیینھا بل نسنعل بحسب اقتضاء الدلیل ولیس فیه ذکر الوضع فقط .

* ھذا ان سلمنا من العظام لافی الاعضاء فتدبر .

* وبھذا بطل اعتراضکم علینا الذی ذکر تموہ فی المتاسع والحمد للّٰه .

* من حیث العظم لامن حیث العضو فتدبر .

* ھکذا نقول فی الجواب کما قلتم فی التاسع .

* قد بینا ما فیه .

* قد عرفت انه بطل فما بنی علیه ھطل؟

* کیف مستعملة مع انه معارض للاحادیث الصریحة الصحیحة علی انه لیس الخبر قوی حتی نعدہ دلیلا مستقلا کما ذکرناہ .

* لم تذھب فکیف ترجع وھذا معنٰی قولنا "کانت کما کانت" فافھم ولا تعجل .

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

* ما ادعينا الرجوع لها فقط فلا يلزم .

* هكذا قولنا على سبيل الالزام ثم انما بطلناه مع انه حصر ذالك فى المفاصل وقد عرفت ان ذالك مذكور فى حديث اٰخر وعلى التقدير جعلت بهذا قولك "منعكس عليكم فانا نأسلكم" الخ ايضا هباء منشورا وبقى الامر على قولك "كل عظم ممكن ان يرجع وهكذا نقول "كل عضو" نبطل الاعتراض جملة .

* هذا مكدر مر الكلام عليه فى السادس وتكثير الاجوبة بدون مكثر واطالتها بدون طائل نحتها لا يقوى المظنونات ولا يؤيد الموهومات .

* كذالك نحن نقول كانتا قبل الركوع على الصدر فلترجعان اليه لانه مرجع القيام والوضع سنة فاذا عاد هذا عاد هذا فلا تظفر؟ الى مجرد لفظ "الوضع" بالتفاضى عن لفظ "رجع" .

* بل الفساد فى ارجاع الضمير الى المرجع المفروض الذى لا مسمى له فافهم .

* العقل والنقل امام ارباب العقول يتميز المطلوب؟ من المعقول .

* ...... سليمان ثقةٌ فشبهة التدليس مرفوعة كما بينه النووى فى شرح المهذب فى بحث حديث عبادة بن الصامت وقد صححه السيوطى فى الجامع الصغير واورده الحاكم فى مستدركه وقال صحيح على شرط الشيخين واقره على ذالك الذهبى فى تلخيصه وقال صاحب تحفة الاحوذى لا ينحط عن مرجة الحسن اٰهـ واخرجه ابن حبان فى صحيحه كما اورده صاحب موارد الظمأن .

* ليس ضعف هما شديد فخبر اهما مفيدان للتأييد .

* لاحاجة لنا الى هذا الخبر لانه قد ثبت ذالك عن الخبر الصالح للاحتجاج به

* كلا بل حسن او صحيح كما عرفت وما ضعف ايده وقواه فافهم .

* لكن لم يدعوا التخصيص .

* فلا مانع من ضم الاعضاء اليه ايضا لان التقييد قد بطل والتعقيد قد انحل وقال الشوكانى فى النيل لامانع من حمل الحديث على حمل جميع هذه المعانى ان كان السدل مشركا بينها وحمل المشترك وعلى جميع معانيه هو المذهب القوى

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اھــ وانما ضم اليه الشعر من ضم لاجل استعماله فى الحديث ففى تحفة الاحوذى قـال الـعـراقـى ويـحـتـمـل ان يـراد بالسدل سدل الشعر ومنه حديث ابن عباس ان النبى ﷺ اسبـلـتـه اھــ فـلا مانع من ضم اعضاء اصلا لكونه مستعملا فى الحديث ايضا كما ذكرناه فى الاصل .

* فـكـان مـاذا لان الـفـاظ الشـرع تحمل على المعانى التى استعملت لها فى الشـرع فـلا تصريح اصرح من هذا ولا دلالة اول من ذا وليس هذا بموقوف على ان يـذكـره احـد مـنهم بل كل يذكر بحسب ما يقف عليه من النظائر والامثلة وكم ترك الاول للآخر .

* هذا الذى نسميته دليلا قد عرفت مقداره فالتشبث به لا يفيد شيئا وهذا النهى نص فلا يرد بقولك هنا .

* اذا سـلـمـت فلا مساغ لك ان تخرج من العموم فردا من افراده بمجرد دالانه قد عرفت حاله فلا يجوازيه اذا فكيف التخصيص به لكونه كذا وكذا .

* فـقـول الـراوى "فـى الـصـلـوة" كما هو مذكور فى الادلة المتعددة صريح لـلـمسـئـلة لانـه لـم يخص منها هذا القيام بدليل يلزم قبوله لاهل الشان واذا صح اطـلاقـه عـلـى جميع اركانها كان المراد من قوله فى الصلٰوة القيام الثانى ايضا ولا مانع من ذالك فتدبر ثم ان سلمنا ان العموم يراد به الفرد الخاص لكن لابد من قرينة وهى مفقود فيما نحن فيه كما بيناه فلم يلزم۔ وسيأتى مزيد التفصيل فى ذالك .

* لـكـن الـقـرائـن هـنـاك صريحة لا كما نحن فيه فانهما ههنا عزيزه فرجعت المسألة الى الاصل .

* هٰـذا ليـس قيـامًـا بل تسديد لما قلناه من ان فى جميع الصلٰوة وضعًا فوضعًا كـمـا ذكـرناه فى الجواب الرابع من الاعتراض السادس فى الاصل ثم على التقدير هـو حجة عند القائلين به فيلزمهم وايضًا فانما يصح قولك هذا اذا كان فيه لفظ راى رجلًا ساقطا يد فى التشهد اوبيـن السجدتين او حال الجلوس او معناه لكن قال "فى الـصـلٰـوة" ففيه بيان بان الصحابة قد علموا ان السقوط والارسال عبث فى الصلٰوة فلهذآ عبر بلفظ العموم ثم هذا العموم يقتضى انه كان يصلى جالسًا فلهذآ قال له ﷺ

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لا تجلس هكذا" الحديث لان الراوى يذكر اولا بلفظ العموم ثم يذكر النهى عنه ﷺ على الخصوص فلا يستقيم المعنى الا بما قلناه فافهم! وايضًا ان العبرة للعموم لا لخصوص السبب فلذا قال الصحابى "فى الصلوة" والراوى ادرى من غيره بمرويه ثم ارشد الصحابى بهذا الاطلاق انهم كانوا لا يسقطون ايديهم فى شى من اركان الصلوة حتى رأى النبى ﷺ رجلا فزجره۔ ثم نسألكم فنقول ماذا فهم الصحابى من هذا اهى حكم جميع اركان الصلوة ام ركنا واحدا اعنى الجلسة فقط.

على الثانى: فلم قال فى الصلوة ولم يأت اطلاق الصلوة على الجلسة فى الاخبار وان كنت على خبرة من ذالك فأت به واما استدلالك من هذا الخبر لا يصح لانه تعريض الشى على نفسه ولا يجوز لتعيين مراد اللفظ مستدلا بعينه ذالك اللفظ وهذا لا ينكره احد فحينئذ يلزمك ان تقيم لصحة هذا الاطلاق دليلا اُخر وعلى الاول صح الاستدلال لانه ثبت النهى عن سقوط الايدى فى جميع اركان الصلوة لانه فهمه الصحابى من النص اولى مما نفهمه نحن او تفهمونه انتم لقائل ان يقول ان هذا الاستدلال نظير الاستدلال من قوله تعالىٰ فلا تقل لهما اف ولا تنهرهما (الاسراء) على النهى عن الضرب.

فانه اذا ثبت النهى عن السقوط فى الجلسة فالقيام بهذا النهى اولى واجدر.

* قد عرفت ان الثبوت ممتنع فالقياس۔ ان سلم انه قياس حجه عليكم فافهم وعلى التقدير هذا القياس اصرح فى الدلاله مما استدللتم به كما هو الظاهر عند اهل النظر.

قال ابو محمد هذا آخر الجواب عما جآء به الاخ الكريم فى هذا الباب. فان رضى به وقبله فحسن وان عقبة بشىء فهو بالتعقيب حرىٌ وقمن۔ ولا نالوا جهرا فى احقاق الحق لافها مه۔ بتوفيق الموفق الوهاب وانعامه فالمنصفون يتعظون۔ والمتعسفون يتهلكون۔ لانهم هم المبطلون۔ فمرامهم لا يفوزون۔ والمحقون على ربهم يتوكلون۔ فلا يترددون ولا يتشككون۔ فان حزب الله هم الغالبون.

فالحمد لله وجميع خلقه يحمدون۔ ونصلى على رسوله كما صلى عليه

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

المصلون مع اٰله واهله وصحبه والذين لهم يتبعون۔ بالاحسان وبأثارهم يقتفون.

اولئك على هدى من ربهم واولئك هم المفلحون.

وانا العبد ابو محمد بديع الدين الشاه الراشدى السندى المحمدى عفا الله عنه وعافاه

بمنه الذى لامنتها.

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فضیلۃ الشیخ سیّد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں بے شمار مختلف مسائل پر لوگوں کے سوالات کے جواب دیے جو ان شاء اللہ عنقریب ''**فتاویٰ البدیعہ**'' کے نام سے شائع ہوں گے۔ ان میں سے چند فتوے جو کہ ''قبض الیدین بعد الرکوع'' پر جمع کیے گئے تھے اُن کو یہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ (الازہری)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب شاہ بدیع الدین صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

عرض یہ ہے کہ میں بعد الرکوع ہاتھ باندھتا ہوں مگر مولانا مسعود صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ اگر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ اور تابعین کا یہی عمل تھا تو یہ تواتر لوگوں سے کیسے ختم ہوا۔ میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ مہربانی فرما کر اس سوال کا جواب جلد عنایت فرمائیں مہربانی ہوگی۔ (فقط عبدالغفار لاکھانی)

الجواب: وباللہ تعالیٰ التوفیق۔ اولاً: ایسے کئی مسائل جن کی کئی مثالیں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اعلام الموقعین میں ذکر کی یعنی ۲/ ۳۷۶، ۳۷۷ دیکھیں۔

ثانیاً: حافظ موصوف نے بھی واضح کیا ہے کہ

"لو تركت السنن للعمل لتقطعت سنن رسول الله ﷺ ودرست اسومها وعفت اثارها وكم من عمل قد اطرد بخلاف السنة الصريحة علیٰ تقادم الزمان الی الآن وكل وقت نترك فيه سنة ويعمل بخلافها ويستمر عليها العمل ، فتجد يسيرا من السنة معمولا به علی نوع تقصير وخذ ماشاء الله من سنن قد اهملت ، فلو عمل بها من يعرفها لقال الناس: تركت السنة ."

(اعلام الموقعين: ۲/ ۳۹۵)

پس جبکہ ثبوت حدیث ہے تو پھر یہ عذر ہی بے کار ہے کہ عمل کیسے ترک ہوا کیونکہ حکم ہے کہ

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ﴾ (الاسراء: ۳۶)

بلکہ ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ مرفوع احادیث و آثار صحابہ و تابعین میں ارسال کا نہیں بلکہ صرف وضع کا ذکر ملتا ہے۔

ثالثاً: یہ عذر وہاں معتبر ہو سکتا ہے جس مسئلہ کے متعلق نصوص شرعیہ میں کوئی دلیل وارد نہ ہو۔ یہاں چونکہ دلیل وارد ہے لہٰذا عمل کا چھوٹ جانا یا باقی رہنا برابر ہیں۔

رابعاً: بالکلیہ تو عمل ترک نہیں ہوا، ہر زمانہ میں اسلاف سے ثبوت ملتا آیا ہے۔

خامساً: امام احمد بن حنبل کا مذہب اس مسئلہ میں اختیار کا ہے وضع کرے یا ارسال اور اعلام الموقعین ج ۱/ص ۳۱ میں امام موصوف کا قاعدہ مذکور ہے۔

"الاصل الثالث من اصوله اذا اختلف الصحابة تخير من اقوالهم ما كان اقربها الی الكتاب والسنة ولم يخرج عن اقوالهم فان لم يتبين له موافقة

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احد الاقوال حکی الخلاف فیھا ولم یجزم بقول . " اھـ

پس امام صاحب کا اختیار دینا بالکل واضح کرتا ہے کہ سلف میں یہ مختلف فیہ عمل رہا ہے اور اسے چھوڑ نہیں دیا گیا تھا۔

سادسًا: یہ کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ یہی تو ان کفار کی دلیل تھی کہ ﴿اِنَّا وَجَدْنَا آبَائَنَا عَلٰی﴾ (الزخرف: ۲۲) اگر بقول شاہ ہی حق ہے جو آپ لکھتے ہیں تو کیسے آپ کے اسلاف سے یہ عقیدہ چھوٹ گیا؟ یہ تواتر کا بہانہ تو ان کا تھا۔

سابعًا: یہ تواتر کا دعویٰ بھی اپنے علم کی بنا پر ہے نہ کسی روایت کی بنا پر، طلاق ثلاثہ کا مسئلہ لے لیجیے آٹھویں صدی تک چھوٹ گیا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پھر سے اس کو اٹھایا اور امام صاحب نے خواہ ان کے تلمیذ رشید ابن القیم دونوں نے باوجود وسیع علم وکثیر اطلاع کی بڑی کوشش کی کہ سلف سے اس کا ثبوت پیش کریں مگر چند علماء مذاہب اربعہ سے ثابت کر سکے۔ اسی طرح مسئلہ فیما نحن میں بھی سلف سے علماء کے اقوال ملے۔ یعنی جب کہ اصل چیز ہندوؤں میں موجود ہے تو پھر عمل کا جاری رہنا یا نہ رہنا دوسری بات ہے چھوٹ جانے کے کئی اسباب ہوتے ہیں اور وہ اصل مسئلہ پر اثر انداز نہیں ہوں گے۔ وھو الثامن

تاسعًا: مالکیہ کے ہاں وضع پر بالکلیہ عمل متروک ہے۔ تو کیا وہ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کا عمل کافی ہے۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا عمل علی الوضع ہوتا تو اہل مدینہ سے کیسے چھوٹ گیا۔ یہ ان کا عذر قابل التفات نہیں کہیں گے کہ حدیث موجود ہے خود موطا میں مروی ہے۔ پھر آثار صحابہ موجود ہیں لہٰذا ترک وعدم ترک کوئی چیز نہیں اسی طرح امام محمد بن نصر المروزی رفع الیدین کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"اجتمع علماء الامصار علی مشروعیۃ ذالك الا اھل الکوفہ . " کما فی فتح الباری: ۲/ ۳۷۱، اعلام الموقعین: ۲/ ۳۷٦، "وھو عمل کان رای...... ثم صار العمل بخلافہ اھـ"

مختصراً کہا کوفہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم نہیں تھے، تابعین رحمہم اللہ نہیں تھے لیکن بعد میں کیوں چھوٹ گیا۔

عاشرًا: تواتر تو وہ ہے جو باقاعدہ اسناد کے ساتھ ہو، ہے کسی کی ہمت کہ ایسی سند پیش کرے کہ میں نے فلاں کو ارسال کرتے ہوئے دیکھا، اس نے فلاں کو دیکھا اس نے فلاں کو اسی طرح سلسلہ وار صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچے، اس کے بغیر تواتر کا نام لینا رجم بالغیب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ ایسے تواتر کے مدعیان سے اللہ تعالیٰ نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ

﴿اِئْتُوْنِیْ بِکِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ﴾ (الاحقاف: ٤)

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحادي عشر: تواتر جس کا نام لیا جارہا ہے وہ بذات خود کوئی دلیل نہیں، نہ مدعی کے لیے نہ منکر کے لیے بلکہ مؤید ہوسکتا ہے۔ اس مسئلہ میں جس کا نصوص شرعیہ سے ثبوت ہو۔ نہ کہ بذات خود مستقل دلیل ہو۔

الثاني عشر: ادلہ شرعیہ فقہاء کے نزدیک، مع اقتد ائهم ، چار ہیں۔ کتاب وسنت، اجماع وقیاس اور پانچویں قسم کوئی نہیں ہے۔ اب بتائیں کہ اس تواتر کو کس میں شمار کریں گے؟ اسی طرح فقہاء عموم کو خاص بھی ان چار میں سے کسی ایک سے شمار کرتے ہیں۔ پانچویں کوئی قسم نہیں ہے جس عموم "اذا كان قائما" کو خاص کیا جائے۔ هو الثالث عشر

الرابع عشر: اگر اس تواتر سے مراد اجماع ہے تو یہ خطاء واضح ہے اس لیے کہ سلف وخلف میں عمل پایا ہے ہمارا رسالہ زيادة الخشوع وغیرہ اس پر شاہد ہیں۔

والخامس عشر: امام ترمذی رحمہ اللہ نے ایک حقیقت ذکر کی ہے جو ان کی تحقیق کے مطابق حقیقت ہے:

قال فى اواخر السنن: ٢/ ٢٣٥ فى كتاب العلل جميع ما فى هذا الكتاب من الحديث معمول به وبه اخذ بعض اهل العلم ما خلا حديثين حديث ابن عباس رضی اللہ عنہما ان النبى ﷺ جمع بين الظهر والعصر بالمدينة والمغرب والعشاء من غير خوف ولا مضر ولا مطر وحديث النبى ﷺ انه قال اذا شرب الخمر فاجلدوه فان عاد فى الرابعة فاقتلوه وقد بينا علة الحديثين جميعا فى الكتاب اهـ.

اب اگر امام موصوف کا یہ قول تسلیم کیا جائے تو کیا اصل حدیث کی صحت پر صرف اس وجہ سے قدح لازم آئے گا۔ حاشا وکلا ہاں اگر کوئی تعلیل کی صورت ہو تو اور بات ہے بلکہ یہاں بھی علامہ مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی ۴/ ۳۸۴ پر امام ترمذی کے اوپر بھی اعتراض کیا ہے کہ "وما طريق ثبوت عدم اخذ اهل العلم به" الخ

كذا نقله عن صاحب دراسات اللبيب: اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں۔ وما طريق ثبوت ترك الوضع بعد الركوع عن الجميع ، اگر کہو گے نظر نہیں آرہا ہے تو ہر کوئی کہے گا کہ اس بنا پر تو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ترک الوضع کا ذکر کیا ہے۔ لیکن پھر بھی اس سے ثبوت طلب کیا جارہا ہے بلکہ حدیث الجمع بین الصلوٰتین تو صحیح مسلم کی ہے، پس پوچھتے ہیں کہ کیسے اس پر عمل چھوٹ گیا؟ "فما هو جوابكم فهو جوابنا" فان قلت سب سے ترک العمل ثابت نہیں بلکہ بعض سے عمل ومروی ثابت ہے۔ قلنا كذالك فيما نحن هو السادس عشر۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والسابع عشر: تواتر کے قائل ارسال کے لیے اجماع کے مدعی ہیں یا اکثریت کے علی الاول وہ مکلف ہیں کہ سب کے نام گنوائیں اسی بنا پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ

ما یدعیٰ فیه الرجل الاجماع هو الكذب ومن ادعى الاجماع فهو كذاب لعل الناس قد اختلفوا ما يدريه ولم ينتبه الله اهـ. كذا فى الاحكام لابن حزم: ص ٥٤٢

وعلى الثاني: اکثریت کوئی حجت نہیں۔ اور نہ ہی اس سے نص کے عموم کو خاص کیا جا سکتا ہے۔

الثامن عشر: بلکہ سلف میں ایسے کئی مسائل ملتے ہیں کہ ان سے قبل کوئی ایسا قول نہیں ملتا۔

قال ابن حزم فى الاحكام: ص ٥٤٣ وقد ذكر محمد بن جرير الطبرى انه وجد للشافعى اربع مائة مسائل خالف فيها الاجماع وهكذا القول حرفا حرفا فى اقوال ابن ابى ليلىٰ وسفيان والاوزاعى وزفر وابى يوسف، محمد ابن حسن، والحسن بن زياد واشهب وابن الماجشون والمزنى وابى ثور واحمد واسحاق وداود، ومحمد بن جرير ما منهم احد الا وقد صحت عنه اقوال فى الفتيا لا يعلم احد من العلماء قالها قبل ذالك القائل سمى واكثر ذالك فيما لاشك فى انتشاره واشتهاره اهـ"

اور ظاہر ہے کہ یہ ان کے اقوال ان کے اجتہاد کی بنا پر ہیں اب ان کے اجتہاد کو اس طرح رد کرنا کہاں تک درست ہے۔ جس نص سے انہوں نے یہ مسائل لیے یعنی ان سے قبل صحابہ رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ سے اس پر عمل کیسے چھوٹ گیا۔ حاشا وکلا

بلکہ یہ نامعقول سوال ہے، ہاں اگر کوئی نص معارض ہو یا نص سے استدلال کیا جاتا ہے اس پر اعتراض ہو یا عموم سے تخصیص کے لیے کوئی اور نص پیش کی جائے نہ کہ ایک موہوم چیز کا سہارا لیا جائے۔

التاسع عشر: ہمارا مسئلہ صریحاً منصوص ہے، ذیل میں دو احادیث پر غور فرمائیں:

۱۔ حدیث: ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ "فیه" ((ثم یقول سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه من الركعة ثم يقول وهو قائم ربنا لك الحمد: الحديث .))

(صحيح البخارى: ١/ ١٠٩، باب التكبير اذا قام من السجود، كتاب الصلوٰة)

اس حدیث سے واضح ہے کہ بعد الرکوع کھڑا ہونے والا "قائم" ہے۔ یہ نص صریح ہے کوئی تاویل نہیں اشارہ نہیں اقتضاء نہیں کھینچ تان نہیں۔

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۲۔ حدیث: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ، ((اذا کان قائما فی الصلوٰۃ قبض بیمینه علی شماله.)) (النسائی: ۱/ ۹۰، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوٰۃ کتاب الصلوٰۃ)

یہ حدیث اس باب میں نص صریح ہے کہ نماز پر قائم کے لیے بھی حکم ہے کہ "وضع الیمین علی الشمال" ہو، یہاں بھی کوئی تاویل وغیرہ نہیں ہے اور نص کے خواہ اس میں اجماع واقع ہونا یا بالکلیہ وہ متروک العمل ہو جائے، یہ ناممکن ہے اور مستحیل ہے۔ کما بینہ فی الاحکام ص ۴۹۵۔

والعشرین: المحلی: ٤/ ١١٤، ١١٥ میں ہے:

"قال ونستحب ان یضع المصلی یده الیمنٰی علی کوع یده الیسریٰ فی الصلوٰۃ فی وقوفه کله فیها."

امام ابن حزم بتصریح بتا رہے ہیں کہ نماز پر وقوف کی حالت میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھنا ہے اس کے بعد مرفوع موقوف دلائل ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ

"ولدینا فعل ذالك عن ابی مجلز وابراهیم النخعی وسعید بن جبیر وعمرو بن میمون ومحمد بن سیرین وایوب السختیانی وحماد بن سلمة انهم کانوا یفعلون ذالك وهو قول ابی حنیفة والشافعی واحمد وداود اھ"

امام موصوف کی اس عبارت سے واضح ہے کہ تواتر ختم نہیں ہوا، بلکہ کافی زمانہ تک جاری رہا پس یہ اعتراض بے معنی ہے۔

والاول والعشرین: علی التقدیر بالفرض ہم تسلیم کر لیں کہ عمل چھوٹ گیا تو اس سے استدلال باطل ہوگا؟ یا حدیث معلول ہوگی ہرگز نہیں کیونکہ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہیں تھا تو بھی کوئی اعتراض نہیں رہے گا۔ اس لیے کہ مسئلہ حدیث سے لیا جاتا ہے۔ اجتہاد زمانہ میں جائز اور جاری وساری ہے۔ جب بھی کوئی مسئلہ نصوص سے سمجھ میں آئے تو قابل عمل ہوگا اگر روایت معترضین کی نظر میں صحیح نہیں تو اس پر کلام کرے یا استدلال صحیح نہیں تو اس پر تنقید کرے لیکن یہ حق بھی کہ بقول ان کے عدل نہیں پایا جاتا ہے لہٰذا حدیث سے یہ مسئلہ نہیں نکلتا، کیونکہ "کم ترك الاول للآخر مسئلة" ہے۔ وقال الشوکانی فی ارشاد الفحول ص ٢٥٤، فلاجتهاد ایسر واسهل من الاجتهاد علی المتقدمین ولا یخالف فی هذا من له فهم صحیح وعقل سویٰ اھ"

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایضاً خود معترض کے یہ الفاظ ہیں کہ ''اگر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ کا بھی یہی عمل تھا تو یہ تواتر لوگوں سے کیسے ختم ہوا۔ اس کا جواب اتنا ہی کافی ہے کہ ختم نہیں ہوا ہے۔ بخاری شریف: ج ۱/ ۷۶، باب فی تضییع الصلوٰۃ عن وقتھا کتاب الصلوٰۃ میں امام زہری سے مروی ہے کہ دخلت علی انس بن مالک بدمشق وھو یبکی فقلت ما یبکیک فقال لا اعرف شیئاً مما ادرکت الا ھذہ الصلوٰۃ وقد ضیعت۔ پس جبکہ خود صحابہ کے زمانہ میں یہاں تک ضیاع آ گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حسرت کرتے اور روتے تھے تو بعد میں کئی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ یعنی اگرچہ امام بخاری نے اس پر باب تضییع الصلوٰۃ عن وقتھا باندھا ہے مگر الفاظ عام ہیں۔ اس روایت سے قبل اس باب میں امام بخاری نے جو روایت لکھی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں کہ "الیس قد صنعتم ما صنعتم بھا" نیز اگر خاص التضییع عن الاوقات مراد ہے تو بھی وہی سوال ہے کہ جب نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں نماز اول وقت میں اہتمام سے پڑھی جاتی تھی پھر یہ تواتر بعد میں لوگوں سے ختم ہوا۔

بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

اگر کہیں گے کہ اس پر اعتراض ہوا کہ بخلاف مسئلہ ما نحن فیہ کے کہیں گے عدم الذکر عدم الوقوع کو مستلزم نہیں ہے۔ طلاق ثلاثہ کے بارے میں جب تواتر کے خلاف امیر المومنین نے عرف کی رو سے فیصلہ دیا۔ خواہ وہ کسی مصلحت کی بنا پر کہو یا عارضی یا یوں کہو کہ امیر المومنین نے رجوع کیا وغیرہ وغیرہ۔ مگر کسی صحابی سے اس پر اعتراض منقول ہے؟ اور تراویح عہد نبوی سے لے کر خلافت فاروقیہ تک آٹھ رکعات کے عدد کا ثبوت صریحاً ملتا ہے اور کسی صحابی سے زیادہ معتبر سند سے ثابت نہیں جن سے ثابت ہے تو ''ثمان رکعات'' تک اس پر عمر سے بیس کی روایت صحیح نہیں ہے یا شاذ ہے یا منقطع اور اب سواء اہل حدیث کے سب جگہ چار فرقوں میں سب شہروں میں حتیٰ کہ حرمین کے اندر بھی بیس پڑھی جاتی ہیں۔ نیز خدارا بتائیے کہ تواتر کیسے بدلا اور کیسے ہوا اور اہل حدیث اب بھی بحمد للہ ہر جگہ آٹھ پڑھتے ہیں اس لیے کہ حدیث سے اتنی ہی ثابت ہیں۔ اسی طرح اس مسئلہ میں خواہ آپ کچھ بھی کہیں کتنا ہی خلد العصر ثابت کریں مگر اہلحدیث کو وہی عمل زیبا ہے جو کہ الفاظ حدیث سے ثابت ہو وغیرہ، ہاتھ باندھنے کا مسئلہ تو درکنار خود قیام بعد الرکوع کو دیکھئے رسول اللہ ﷺ کس قدر اس کو طویل کرتے تھے۔ کتنی طویل دعا اس قیام میں پڑھتے تھے پھر یہی عمل صحابہ میں اور سلف میں رہا مگر اب اس طرح کا اہتمام اور اطمینان وطول اس قیام میں اور تو اور خود اہل حدیثوں میں نہیں رہا ہے۔ ان کی مساجد و جماعت جا کر دیکھیں الا ماشاء اللہ چند محدود ایسے ملیں گے جو اس قیام کو سنت کے مطابق ادا کرتے

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں گے۔ بخدا جواب دیں گے کہ یہ حتمی تواتر اور قطعی الثبوت عمل کیسے کم ہوا اور کم بھی ایسا کہ قریب المختم ہے پھر یہ سوال صحیح نہیں ہے اللہ ہم سب کو صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

العبد ابو محمد بدیع الدین شاہ

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منجانب خادم مسعود چک ۲۲

۲ جون ۱۹۶۲ء

بخدمت جناب فیض رحمت جناب شاہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ فیض شما مورخہ ۱۶ مئی وصول ہو کر باعث مسرت ہوا کچھ اشکال رفع ہو گئے کچھ ابھی باقی ہیں۔ جو باقی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔ براہ کرم ان کو بھی رفع فرمانے کی تکلیف گوارا فرمائیں۔

۱:...... تواتر عملی سے میرا مطلب یہ تھا کہ ہم ارسال کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح کرتے دیکھا اور انہوں نے بھی اپنے آباؤ واجداد کو اسی مانند کرتے دیکھا ہوگا۔ ورنہ وہ اس کے خلاف کیسے کرتے۔ اور اسی طرح یہ سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک جا پہنچتا ہے۔

۲:...... اب اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ وغیرہم سب ہاتھ باندھتے تھے پھر بعد میں ارسال کرنا شروع کیا، اور وہ جاری ہوگیا۔ اور ایسا جاری ہوا کہ وضع بالکل معدوم ہوگیا تو یہ اشکال لازم آتا ہے کہ جب عملاً وضع متواتر چلا آرہا تھا تو اس احداث کے خلاف نہ کسی نے کچھ لکھا نہ کسی نے کچھ کہا۔ حالانکہ ہر احداث پر علماء چیخ اٹھتے تھے۔ ان کے جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کی کتب شاہد ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات مفقود ہے اگر اس احداث پر کسی نے آواز اٹھائی ہو تو براہ کرم مطلع فرمائیں۔

۳:...... اگر کسی نے آواز نہیں اٹھائی تو پھر یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ احداث کبھی ہوا ہی نہیں بلکہ یہ عمل اسی طرح چلا آرہا ہے۔

اگر اس تواتر عملی کا کوئی جواب ہوسکتا ہے تو پھر بے شک شرم کی احادیث میں قومہ بھی شامل ہوگا، ورنہ دل میں تنگی باقی رہے گی۔

۴:...... حضرت وائل کی روایت کے متعلق عرض ہے کہ جس سند میں وضع کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں اس کا عمل بھی مصرح طور پر بیان ہوا ہے لیکن صرف آپ کی پیش کردہ سند ہی ایسی ہے کہ اس میں عمل کی صراحت نہیں۔ لہٰذا یہ گمان ہوتا ہے کہ لفظ ''وضع'' کہیں سے کہیں منتقل ہوگیا پھر اس گمان کو اس بات سے بھی تقویت

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ملتی ہے کہ راوی نے کچھ اس بے ڈھنگے طریقہ سے اپنی روایت کو بیان کیا ہے کہ نہ وضع کا محل بیان کیا نہ مجافاۃ کا نہ افتراش کا۔ لہٰذا کیوں نہ کہا جائے کہ لفظ ''وضع'' مصرح متون کے مطابق سجدہ یا جلسہ کے متعلق تھا۔ راوی نے اس کو بے محل کر دیا۔

۵:...... پھر ان مصرح متون کی مطابقت اس لیے بھی ضروری ہے کہ کسی بھی زمانہ میں ارسال کے خلاف کسی نے کچھ نہیں لکھا۔ حالانکہ ہر اختلافی مسئلہ میں بڑی بڑی بحثیں ہوئیں اور یہاں تمام بحثیں مفقود ہیں۔ بحثوں کے فقدان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ ہمیشہ سے متفق علیہ چلا آ رہا ہے۔ اس کا اختلافی مسائل کی فہرست میں مذکور نہ ہونا بھی اس کا تواتر ہی ثابت کرتا ہے۔

۶:...... اگر وضع کا محل سجدہ مراد لیا جائے تو یہ کیسے لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نہ قیام کیا نہ اطمینان۔

اس لیے کہ اول تو راوی نے متن ہی کو بگاڑ دیا ہے۔

دوم: عدمِ ذکر سے عدمِ شی لازم نہیں آتا۔

سوم: محض ایک ہی سند پر فیصلہ نہ ہوگا، اس کی دوسری سند بھی دیکھنی ہوگی۔ دوسری اسناد میں اطمینان تو مل جاتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ غالباً کسی بھی سند میں قیام کا ذکر نہیں بلکہ رکوع کے بعد سر اٹھانے کا ذکر ہے۔ لہٰذا اگر اس سے ان تمام اسناد میں قیام مراد ہے تو پھر آپ کی پیش کردہ روایت میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں۔ وہاں بھی قیام مراد لینا چاہیے۔

۷:...... آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ اگر اس کا محل سجدہ فرض کیا جائے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اس لیے کہ اس سلسلہ میں متن حدیث خاموش ہے۔ اور اگر یہ مطلب حدیث کا لیا جائے تو یہ ان متون احادیث کے خلاف ہوگا جن میں گھٹنے پہلے رکھنے کی صراحت ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ صراحت کو ظاہر پر ترجیح ہے۔

نواب محی الدین صاحب ہیڈ ماسٹر غلام اللہ کو آپ کا پتہ تحریر کر دیا گیا ہے اور حسب ارشاد جناب والا ان کو تحریر کر دیا ہے کہ ہو سکے تو وہ آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوں ورنہ خیر براہ راست خط و کتابت کرتے رہیں۔

فقط والسلام

خادم مسعود

(اسسٹنٹ، وزارت صحت راولپنڈی)

☆☆☆☆

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخی وحبی فی اللّٰہ الصمد المولوی مسعود احمد اوصله الله مرامه الاسعد، السلام علیکم ورحمة الله و برکاته.

دلیل اول ودوم وچہارم کے متعلق اپنے تین اشکال ذکر کیے ہیں۔

اشکال اول: کے متعلق عرض ہے کہ عملاً تواتر بالا رسال کا ثبوت تو بجا خود کسی ایک صحابی یا تابعی سے منقول نہیں بلکہ سب سے علی الاطلاق بحالۃ القیام وضع مروی ہے۔

"بل ذکر ابن ابی شیبة عن ابی بکر الصدیق انه کان اذا قام فی الصلوٰة قال هکذا ووضع الیمنٰی علی الیسریٰ.)) (قال ابن القیم فی اعلام الموقعین ص ٦، ج ٢)

نیز عموم جو کہ بذات خود ایک وزنی دلیل ہے وہ اوہام سے مخصوص نہیں ہوسکتا ہے اگر ہم جب کسی امر پر مطلع نہ ہوں تو اس کی تخصیص پر اتر آئیں یہ تحقیق نہیں ہے، یہ تب ہوتا جب کہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارسال ثابت ہوتا، اور پھر تابعین سے "وهلم جرا والافلا" اس لیے کہ اگر تصریح نہیں تو پھر عموم اپنے حال پر رہے گا۔
نیز جس کو آپ تواتر سمجھ رہے ہیں وہ تواتر نہیں بلکہ عدم الذکر یا عدم علم کہلاتا ہے جو کہ عموم کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

اشکال دوم: بھی اس پر متفرع ہے کیونکہ سب سے ''وضع'' ہی ''وضع'' منقول ہے ارسال کا نام نہیں ہر عام کو خاص کرنا کس طرح درست ہوگا۔ شذوذ عدم کا یہاں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ عام سلف سے ارسال اور کسی ایک سے وضع مروی ہو۔ ولیس کذالك فلیس کذالك

اشکال سوم: تب وارد ہوسکتا ہے جب کہ اس حالت کو قیام کا قائم مقام نہ سمجھا جائے ورنہ وضع ارسال تو بجا خود بلکہ قراوت اور رفع الیدین عند الرکوع کے حکم سے بھی بیٹھ کر نماز پڑھنے والا مستثنٰی ہوتا کیونکہ یہ دونوں امر جلسہ کی سنت نہیں، لہٰذا اسی عموم کو اس عموم پر قیاس کرنا درست نہیں۔ نیز بر مسلم کی روایت تفریق پر دال ہے جس کے یہ الفاظ نہیں کہ "رفع یدیه حین دخل فی الصلوٰة ثم کبر ثم التحق بثوبه ثم وضع یده الیمنٰی علی الیسریٰ" الحدیث

یہ معمومہ قائم خواہ فائد کو متضمن ہے نیز بخاری کی روایت جو کہ ہم نے دلیل چہارم میں ذکر کی ہے وہ بھی مطلق ہے نیز اگر اس کو قیام کا قائم مقام نہ کہیں گے تو یہ رکعت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ قیام کے رکن ہونے پر سب متفق ہیں۔

ایضاً: مریض جو کہ بوجہ عدم استطاعت بیٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کو وضع کا حکم دیں گے یا ارسال کا علی الاول نمبر ا اشکال رفع ہو جاتا ہے وعلی الثانی ۲ اصولا غلط ہوگا۔ کیونکہ "مالا یدرك کله لا یترك کله" اس

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیے کہ مصلی قیام و وضع دونوں کا مامون ہے اب اگر وہ قیام سے عاجز ہے تو کیا وضع کا حکم بھی اس کو معاف ہے؟ وعلی سبیل التنزیل اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ نہ قیام ہے نہ اس کا قائم مقام بلکہ صرف جلسہ ہے اور اس کی سنت وضع الیدین علی الفخذین ہوگی، پھر بھی یہ سارے امور وضع بعد الرکوع میں مخدوش نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ تو قیام ہے نہ جلسہ نہ قعدہ۔ زیادہ سے زیادہ آپ بیٹھ کر پڑھنے والے کو منع کر سکتے ہیں نہ کھڑے ہو کر پڑھنے والے کو اور وہ بھی قبل الرکوع وبعدہ دونوں حالتوں میں نہ کہ صرف بعد الرکوع پس اس نقض سے کیا فائدہ ہوا۔

دلیل سوم: پر آپ نے دو اشکال وارد کیے ہیں۔

اشکال اول: کے متعلق گذارش ہے کہ یہاں قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ مجافاۃ وافتراش کا بحالت قیام متعذر رہنا مسلم امر ہے لہٰذا ''وجافی'' استیناف ہوگا۔ فافهم ولا تعجل وعلى التقدير آپ بھی وضع کفیہ کو استیناف قرار دیں گے اس کے لیے کیا قرینہ ہوگا؟ اور اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس روایہ کے تین الفاظ "وضع کفیہ" کا تعلق قیام بعد الرکوع کے علاوہ کسی اور رکن سے نہیں ہوسکتا۔ کما سیاتی فی رفع الاشکال، ان شاء اللہ

اشکال دوم: کے متعلق گذارش ہے کہ جتنی روایتیں آپ نے ذکر کی ہیں وہ سب اپنے مقام پر صحیح ہیں اور وائل رضی اللہ عنہ سے صفه الصلوٰة النبويه على صاحبها الوف متحية وسلام کے متعلق مختلف الفاظوں سے روایات مروی ہیں۔ آپ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں جلسہ میں ہاتھوں کا حکم بیان کیا ہے اور آپ کی دوسری روایتوں میں جو حالت ہاتھوں کا حکم مذکور ہے اور مسند احمد کی ایک روایت میں رکوع کی حالت قیام بعد الرکوع میں ہاتھوں کا حکم بیان کیا ہے۔ اس روایت میں قیام ثانی جس کو آپ تومہ سے یاد کرتے ہیں کے سوا اور کوئی رکن لفظ "وضع کفیہ" کے لیے متعین نہیں ہوسکتا ہے اس لیے کہ اگر رکوع مراد لیں گے تو خلاف ترتیب لازم آئے گا۔ حالانکہ رکوع کا بیان اس روایت میں پہلے ہی ہو چکا ہے۔ "فارجع البصر هل ترى من فطور" اور اگر سجدہ مراد لیں گے جیسا کہ آپ نے تصریح بھی کی ہے تو کہنا پڑے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد نہ قیام کیا نہ اطمینان کیا چنانچہ الفاظ یہ ہیں کہ "وحين رفع راسه من الركوع رفع يديه ووضع كفيه وجافى" الحديث وهذا خلاف ما ثبت عنه صلی اللہ علیہ وسلم قولا وفعلا، نیز لازم آئے گا کہ آپ نے سجدہ میں جاتے وقت ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھا ہے۔ حالانکہ ادنیٰ علم والا جانتا ہے کہ وائل کی حدیث وضع رکبتیہ قبل الیدین کے بارے میں ہے آپ نے جو ابوداود سے روایت نمبر ۳ نقل کی ہے اس میں بھی یہی تصریح ہے کہ "وقعتا ركبتاه الى الارض قبل ان تقع كفتاه" اور اگر جلسہ مراد لیں گے تو بھی خلاف ترتیب ہوگا کیونکہ بین الوضع والافتراش مجافاۃ کا ذکر ہے۔ فتدبر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الغرض: اس روایت میں لفظ وضع کفیہ سے سجدہ کی حالت مراد لینا درست نہیں ہے اس ایک روایت کو دوسری روایت پر محمول اس وقت کیا جا سکتا ہے جب اس پر عمل متعذر ہو یا ایک دوسرے سے ایسا تعارض واقع ہو کہ ایک کا اخذ دوسرے کے لیے رد کا مسئلہ ہو۔ ولیس کذالك فیما نحن فله فلیس اذا۔

هذا ما عندنا والله اعلم بالصواب

وانا العبد ابو محمد بديع الدين الشاه

☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منجانب مسعود (راولپنڈی ۳ مئی ۱۹۶۲ء)

بخدمت فیض رحمت جناب شاہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

عنایت نامہ صادر ہو کر باعث مسرت وامتنان ہوا۔ قومہ میں ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں آپ نے چار احادیث تحریر فرمائی ہیں۔ پہلی دوسری اور چوتھی، حدیث کا تعلق قیام سے ہے اور کیونکہ قومہ بھی قیام ہے۔ لہٰذا وہ بھی اس عموم میں داخل ہے، یہ دلیل بھی خاک بہت وزنی ہے کیونکہ اس میں مجھے چند اشکال ہیں۔ مثلاً

نمبر۱: غالباً ارسال یدین عملاً متواتر ہے۔ کیا یہ عموی دلیل اس قابل ہے کہ تواتر کا مقابلہ کر سکے۔

نمبر۲: اگر امت کا یہ عمل بالاتفاق متواتر نہیں ہے تو کیا صحابہ اور تابعین کے دور میں کسی نے قومہ میں ہاتھ باندھے اگر باندھے تو کیا یہ عمل شاذ تو نہیں تھا؟

نمبر۳: اگر بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو بوقت قراءت ہاتھ کہاں رکھنے چاہئیں۔ کیونکہ جب کہ مستقل سنت رانوں پر ہاتھ رکھنا ہے تو کیا اس عموم میں جلسہ بوقت قراءت بھی آ جاتا ہے؟ اگر نہیں تو کس صریح حدیث کی بنا پر؟

آپ کی تیسری دلیل اس معاملے میں صریح ہے یعنی وائل کی حدیث جس کے الفاظ آپ نے نقل فرمائے ہیں:

((حین رفع رأسه من الركوع رفع يديه ووضع كفيه وجافى وفرش فخذه اليسرىٰ من اليمنىٰ واشار باصبعه السبابة .)) (احمد)

اس دلیل میں بھی مجھے دو اشکال ہیں:

نمبر۱: "ووضع كفيه" کا تعلق اگر قومہ سے ہے تو کیا "جافى" "وفرش فخذه اليسرىٰ من اليمنىٰ" اور "واشار باصبعه السبابة" کا تعلق بھی قومہ سے ہے؟ حدیث کے ظاہری الفاظ سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ چاروں معطوفہ جملوں کا تعلق قومہ سے ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو کس قرینہ کی بنا پر؟

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نمبر۲: صحیح مسلم میں اس حدیث کا متن اس طرح ہے: "فلما قال سمع الله لمن حمده رفع یدیه فلما سجد سجد بین کفیه"

نمبر۲۔ ابوداود کے مختلف طرق میں یہ الفاظ ہیں:

۱۔ ((واذا اراد ان یرفع راسه من الرکوع رفع یدیه ثم سجد ووضع وجهه بین کفیه.))

۲۔ ((فلما رفع رأسه من الرکوع رفعهما مثل ذالك فلما سجد وضع راسه بذالك المنزل من بین یدیه ثم جلس))

۳۔ ((فلما سجده وقعتا رکبتاه الی الارض قبل ان تقع کفاه فلما سجد وضع جبهته بین کفیه وجا فی عن ابطیه"

نمبر۳۔ نسائی میں اس طرح ہے:

۱۔ ((ثم لما رفع رأسه رفع یدیه مثلها ثم سجد فجعل کفیه بحذاء اذنیه ثم قعد))

۲۔ ((ثم رفع رأسه فقال سمع الله لمن حمده ثم کبر وسجد فکانت یداه من اذنیه علی الموضع الذی استقبل بهما الصلوٰة))

نمبر۴۔ دارقطنی میں اس طرح ہے:

((فلما رفع راسه من الرکوع رفع یدیه حتی جعلها بذالك المنزل فلما سجد وضع یدیه من راسه بذالك المنزل.))

۵۔ مسند اسحاق بن راہویہ میں اس طرح ہے:

((فلما سجد وضع یدیه حذاء اذنیه.))

۶۔ مسند ابوداود طیالسی میں اس طرح ہے۔

((فلما رفع راسه من الرکوع رفع یدیه کما رفعهما حین افتتح الصلوٰة ثم سجد فافترش قدمه الیسریٰ فقعد علیها ثم وضع کفه الیمنیٰ علیٰ فخذه الیمنیٰ ویده الیسریٰ علیٰ فخذه الیسریٰ وجمل به هٰکذا یعنی بالسبابة یشیربها))

ان تمام طرق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "وضع کفیه" کا تعلق سجدہ سے ہے۔ آپ کی وارد کردہ روایات

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ابوداود کی ایک روایت میں اسی کے متصل "جافی" بھی موجود ہے اور یہ سجدہ میں ہی ہوسکتا ہے نہ کہ قومہ میں اور وہ بھی ہاتھ باندھ کر۔

براہ کرم ان اشکالات کا جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں۔ فقط

میرے ایک دوست ہیں جن کا نام نواب محی الدین خان ہے۔ یہ صاحب غلام اللہ ضلع ٹھٹھہ میں ڈسٹرکٹ کونسل مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ ابھی چند ماہ ہوئے ہیں کہ اہلحدیث ہوئے ہیں۔ وہاں کے مقامی باشندے ان کے سخت مخالف ہوگئے ہیں۔ کشمکش، مناظرہ اور مخالفت کا بازار گرم ہے ان کی تبلیغ و بحث مباحثہ سے چند دیوبندی، بریلوی تائب ہو کر اہلحدیث ہوگئے ہیں- انہوں نے مجھے لکھا کہ سندھی زبان میں اگر تبلیغی رسائل وکتب ہوں تو بتایا جائے تا کہ ان کے ذریعہ تبلیغ وسیع پیانہ پر کی جائے۔ مجھے تو اس سلسلہ میں کوئی علم نہیں ہے۔ اگر آپ کو علم ہو تو براہ کرم مطلع فرمائیں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کتب ورسائل کہاں دستیاب ہو سکتے ہیں۔ والسلام

خادم مسعود

پتہ: مسعود احمد۔ اسسٹنٹ، وزارت تجارت، راولپنڈی

★★★★

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخی وحبی فی اللہ الصمد المولوی مسعود احمد رزقه صله الله فهما ثابتا، السلام علیکم ورحمة الله و برکاته.

آپ کا مکتوب ملا، آپ نے محض بات کو چلانے کے لیے سلسلہ جاری رکھا ہے، ورنہ بات تو بالکل صاف ستھری تھی نمبروار جوابات ملاحظہ ہوں، لعل الله يحدث بعد ذالك امرا.

نمبرا۔ متواتر کا مطلب جو میں سمجھتا ہوں لیکن میں پہلے ظاہر کر چکا ہوں کہ یہ عموم الذکر ہے جو کہ عدم الشیء پر دال نہیں ہے کہ اشکال نمبر۶ میں آپ نے بھی لکھا ہے۔ نیز اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ سلسلہ صحابہ تک جا پہنچتا ہے؟ کئی سنن درمیان میں متروک ہو چکی ہیں ایسی امثلہ اعلام الموقعین ص ۳ جلد ۲ مطبوعہ ہند میں دیکھیں اور یہ بھی صحیح نہیں کہ وضع بالکل معدوم ہوگیا ہے اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ بعد الرکوع وضع خواہ ارسال کے اختیار دینے کی تخصیص فرماتے ہیں۔ کتب فقہ حنبلی کا مطالعہ فرمائیں۔ اب اگر عمل بالا رسال چلا آ رہا تھا اور کہیں بھی وضع کا نام نہیں تھا۔ تو امام صاحب نے کیسے دونوں (وضع وارسال) کا اختیار دیا۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو کہ امام کے اصول سے ناواقف ہو۔ بلکہ یہ تخصیص

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلیل قطعی ہے کہ سلف میں دونوں امر مستعمل تھے۔لہٰذا امام صاحب چونکہ کسی ایک بات کے راجح ہونے پر مطلع نہیں ہوئے۔اس لیے انہوں نے دونوں کو یکساں رکھا۔لیکن بقول کہ ترک الاول للآ خر جب ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث میں ارسال کا نام تک نہیں اور مطلق عموم ہے اور وہ مقدم رہے گا۔نیز وائل کی روایت اس پر نص ہے نیز حدیث "نھی رسول اللہ ﷺ عن السدل" اخرجہ الترمذی وابوداود وغیرھما، ارسال سے مانع ہے کیونکہ ارسال وسدل ہم معنیٰ ہیں۔اور سدل اعضاء، ثیاب، شعر سب کے لیے لغت خواہ شرح میں مستعمل ہے اور مشترک لفظ تمام معانی میں مستعمل ہوگا۔بشرطیکہ ان میں ایسا تضاد واقع نہ ہو کہ ایک پر عمل کرنے سے دوسرے پر عمل نہ ہو سکے۔

(المفردات للراغب الاصفہانی نیل الاوطار تحفۃ الاحوذی)

ولیس کذالک فیما نحن فیہ، یہ سب امور وضع کو مقدم ہونے پر دال ہیں۔

سوم برسر مطلب: امام صاحب کی یہ تخصیص تمام حیلوں کو باطل کر دیتی ہے۔نیز امام ابوحنیفہ وابو یوسف ومحمد ﷫ سے بھی ایک روایت میں وضع کا حکم ہے۔(سعایۃ) اور اسی بنا پر کئی احناف وضع پر عامل رہے۔(عمدۃ القاری سعایۃ بدائع الصنائع وغیرہ) اور اسی طرح کئی علماء حنابلہ بھی اس پر عامل ہیں۔چنانچہ ان کی کتب قناع وغیرہ میں اصرح ہے مصنف اتمام الخشوع نے لکھا ہے کہ ہم نے کئی حنابلہ کو ہاتھ باندھتے ہوئے دیکھا ہے۔اور خود ہم نے بھی دیکھا ہے۔

اب آپ بتائیں کہ احداث پر احتجاج سے آپ کیا مراد لیتے ہیں۔یعنی کہ اس پر احتجاج جو کہ اکثر کے ہاں متروک العمل ہو یا جو کہ بالکل ہی مفقود ہو چکا ہے۔

علی الاول کئی ایسے مسائل یعنی جو کہ باوجود صراحتاً ثابت ہونے کے بھی اکثر کے ہاں معمول نہیں رہے تو کیا ان پر بھی عمل تواتر کا لیبل لگائیں گے؟

وعلی الثانی بالکل مفقود تو یہ بھی نہیں ہے آپ بھی کتب کا مطالعہ کریں۔ان شاء اللہ پتہ لگ جائے گا کہ ہم سے پہلے کے لوگوں کا بھی اس پر عمل رہا ہے۔پس جبکہ نصوص شرعیہ میں عموم ہے اور ہمیشہ ارسال کا رہنا بھی ثابت نہیں تو پھر اکثریت کا سہارا لے کر عموم کو آپ ہرگز نہیں ہلا سکتے ہو۔

نیز تواتر عملی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے کیونکہ یہ تو استقراء تام کا دعویٰ ہوا "وقد قال الامام احمد من یدعی الاجماع فھو کذاب اخرجہ ابن حزم فی الاحکام وابن القیم فی الاعلام" بلکہ تواتر عملی کے لیے اصل کا ملنا ضروری ہے یا ثبوت کا سلسلہ موجود ہو،

اول کی مثال: جیسا کہ حدیث میں ترجیع فی الاذان موجود ہے اور اب تک مکہ میں معمول ہے لیکن اکثر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جگہوں پر نہیں ہے۔ ہم یہاں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایسی سنت ہے جس کو عملی تواتر حاصل ہے یا قراءت سری وجہری چونکہ احادیث سے ثابت ہے۔ (بیہقی وغیرہ) اوراب تک یہ عمل جاری ہے۔

دوم کی مثال: جیسا کہ رفع الیدین، بیہقی میں اس کے متعلق ایک مسلسل روایت ہے جو کہ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تک مرفوعاً پہنچتی ہے۔ اب اگر آپ ارسال کے لیے عملی تواتر کے مدعی ہیں تو پہلے اس کی اصل ثابت کریں یا ایسی کوئی مسلسل سند پیش کریں جس میں ہو۔ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اس طرح کرتے دیکھا اور انہوں نے بھی اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے دیکھا ہوگا۔ الخ

مطلب تمام یعنی ہوسکتا ہے کیونکہ آپ صرف اپنے آباؤ اجداد کے لیے حتمی طور پر کہہ سکتے ہیں آگے کے لیے ہرگز نہیں اگر آپ مدعی ہیں تو اس کا ثبوت دیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ارسال کرتے ہوئے دیکھا اور انہوں نے کہا ہم نے اسے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی ارسال کرتے تھے۔ پھر وہ ان سے نقل کریں کہ ہم نے انہیں کہتے ہوئے سنا کہ ہمارے آباؤ واجداد ارسال کیا کرتے تھے۔

اس طرح سلسلہ پہنچائیں۔ پھر آپ کے علاوہ دوسرے بھی ایسی مسلسل اسناد ثابت کریں پھر دنیا کے دوسرے شہروں کے باشندوں سے یہ تسلسل لکھوائیں اس کے بعد ایک ایک ناقل کا حال معلوم کریں کہ ثقہ ہے یا غیر ثقہ اور جس سے نقل کرتا ہے اس سے اس کا لقاء یا سماع ثابت ہے یا نہیں۔ اگر ہمت ہے تو صحیح معنیٰ میں تواتر ثابت کریں۔ ورنہ یہ تو ان لوگوں کا بہانہ ہے جو ہر اس مسئلہ میں جو انہوں نے نہیں دیکھا فوراً اس کے لیے کہہ دیا کرتے ہیں کہ تواتر عملی کے خلاف ہے۔ ابن القیم اور ابن حزم رحمہ اللہ نے ان لوگوں کی پوری خبر گیری کی ہے۔ میں دراصل اس طرح کہنے والوں کو معذور تصور کرتا ہوں کہ وہ اصول محدثین سے ناآشنا ہیں۔

نمبر۴: لفظ حین پر غور کریں اور معطوف ومعطوف علیہ کا ایک ہی ظروف ہے البتہ "وجافی" بوجہ تعذر کے اس سے جدا ہوگا۔ کا بنیاہ یہ ایسی واضح بات ہے جو کہ کم علم ادنیٰ بھی سمجھ سکتا ہے، اور راوی پر لفظ "وضع" کے لیے محل کردینے کا الزام تب درست ہوسکتا ہے جبکہ اس کی کوئی معنیٰ بھی بنتا ہو، بلکہ یہاں تو معاملہ برعکس ہے۔ اور چونکہ آپ کے دماغ میں ارسال ہی مشہور ہے لہٰذا آپ یہاں وضع بعد الرکوع مراد لینے سے ہچکچا رہے ہیں۔ ورنہ اگر آپ خالی الذہن ہو کر غور فرمائیں تو ہم نے بات بالکل صحیح کہی ہے۔ اور لفظ "وضع" کو منتقل کہنا بھی اس پر مبنی ہے۔ ورنہ اگر منتقل ہے تو بتاؤ کہ اس کا اصل محل کہاں پر ہونا چاہیے اور اس کے لیے کونسا ایسا قرینہ ہے۔ جو اس کے بغیر کسی دوسرے محل مراد لینے سے مانع ہو۔

نمبر۵: یہ سب باتیں نئی مطالعہ پر مبنی ہیں۔ آپ کتب فقہ کا مطالعہ کریں سعایہ بنا بر عمدة القاری بدائع الصنائع وغیرہ اس لیے کہ الفاظ کا سلسلہ اس کا مقتضیٰ ہے اور وضع ومجافاة میں ربط اسی پر دال ہے ہاں اگر

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استیناف کہیں جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے تو اور بات ہے اور متن کے بگاڑ کا الزام غلط و بے بنیاد ہے۔ صرف آخری جملہ ''وجافی'' اس میں کچھ اختصار ہے جس کو دوسری روایات میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ مجمل مفصل پر محمول ہوتا ہے لیکن پہلے جملہ میں تو کوئی ابہام نہیں ہے اختصار بھی نہیں ہے، پھر کیا ضرورت ہے کہ اس کو بھی دوسری روایات پر محمول کریں اور اس کو خود مقصود ہونے کی حیثیت سے گرا دیں یہ محدثین کا اصول نہیں ہے۔ بلا شبہ عدم الذکر عدم الشی کو مستلزم نہیں ہے، لیکن یہاں ترتیب اور عبارت کا سیاق ملحوظ ہے کیا بزعم شما کا فقدان بحث اور عدم ذکر الوضع جیسے کہ اشکال نمبر ۵ میں لکھ چکے ہیں۔ ایسی باتیں لکھتے وقت آپ کو یہ خیال میں نہیں رہا؟ نیز یہ بات عدم الذکر پر تو مبنی نہیں ہے، یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ بلکہ [illegible] ترتیب اور مضمون کی ادائیگی سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اگر ہماری ترکیب کو نہیں مانیں گے۔ (یعنی وجافی میں واؤ استیناف ہے) تو پھر وضع کفیہ وجافی میں واؤ جمع کا ہوگا۔ جس سے وہی ظاہر ہوگا جس کا اندیشہ ہم نے ظاہر کیا تھا اور آپ کی سند پر بھی فیصلہ اس وقت نہیں ہوسکتا ہے جب کہ اس کے متن کی معنیٰ ومطلب واضح نہ ہو اور یہاں جس حصے کا مطلب مفصل نہیں ہے اس کے لیے بلاشک دوسری اسانید ومتون ملاحظہ فرمائیں لیکن جو حصہ فی الواقع مبہم نہ ہو محض چونکہ آپ کے نظریہ کے خلاف ہے اس لیے اس کو مبہم کہہ کر دوسری روایات پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ نیز یہ کسی ابہام کی تفسیر نہیں ہے بلکہ ایک کو دوسری پر محمول کرنا جو کہ ایک مشروط قانون ہے مطلق نہیں ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ باقی سب روایات میں وضع سے قیام مراد ہے، کیونکہ بعض میں قیام اور بعض میں رکوع اور بعض میں سجدہ اور بعض میں جلسہ مراد ہے۔ دوبارہ سب روایات کو دیکھیں، نیز اگر اس روایت میں قیام بعد الرکوع مراد لیا جائے تو کیا ان روایات پر عمل ناممکن ہو جائے گا۔ یا اگر بقول شمار ان سب روایات سے قیام قبل الرکوع مراد لیا جائے تو اس قیام بعد الرکوع میں وضع مستحیل ہو جائے گا؟

اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر یہاں ایک کو دوسری پر محمول کرنا کیسے درست ہوگا۔ اصول محدثین کا پھر سے مطالعہ فرمائیں،

نمبر۷: ترتیب الفاظ بھی چاہتی ہے کیونکہ لفظ "رفع یدیہ ووضع کفیہ" میں ہاتھوں کی ترتیب وار ہیئت بتائی جارہی ہے اور وائل کی جو روایت صراحتاً "وضع الرکبتین" پر دال ہے وہ اس کے منافی ہوگی، واقعی اگر صریح ظاہر پر مقدم ہے تو پھر اس سے سجدہ مراد لینے سے صراحت کا خلاف لازم آئے گا، اس پر دوبارہ غور فرمائیں، جلد بازی سے کام نہ لیں۔

هٰذا اٰخر الکلام فی هٰذا المقام

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

"ارسال الیدین یا قبض الیدین"

علماء اہل حدیث کی نظر میں

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ

حضرت سہل بن سعد، وائل بن حجر وغیرہم رضی اللہ عنہما کی صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے والا شخص قیام کے دوران، خواہ وہ رکوع سے پہلے ہو یا رکوع کے بعد اپنے بائیں ہتھیلی کو داہنے ہاتھ سے پکڑے رہے، بعض روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ہاتھ سینے پر رکھے، بلکہ مذکورہ احادیث کی روشنی میں یہی راجح بھی ہے، ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے والوں کی کوئی شرعی دلیل کا مجھے علم نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے ایک مبسوط مقالہ بھی لکھا ہے جسے بعض مقامی مجلات نے شائع کیا ہے۔ یہ واضح رہے کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا یا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا یہ ایسے مسائل نہیں ہیں جن کی وجہ سے امت میں اختلاف اور عداوت پیدا ہو، بلکہ مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ ہاتھ باندھنے یا نہ باندھنے جیسے فروعی مسائل میں آپسی اختلاف کے باوجود بھلائی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کریں اور باہمی محبت اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا کریں۔ اس لیے کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنی سنت ہے، واجب نہیں ہے، نماز دونوں صورتوں میں ہو جائے گی۔ البتہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کے مطابق ہاتھ باندھنا افضل اور مشروع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی سمجھ اور اس پر قائم رہنے کی توفیق بخشے اور ہم سب کو نفس کی برائیوں، برے اعمال اور گمراہ کن فتنوں سے بچائے، بلاشبہ وہ سننے والا اور قریب ہے۔

فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ

......ولكن العلماء اختلفوا: أهو القيام قبل الركوع، أم هو القيام قبل الركوع وبعد الركوع؟ فمنهم من قال: إنه القيام قبل الركوع، وأما بعد الركوع فيطلق كل عضو حتى يستقر في موضعه، ويعود كل عضو إلى موضعه، وعلى هذا، فيكون وضع اليد اليمنى على الذراع اليسرى في القيام قبل الركوع، وإلى هذا ذهب الشيخ الألباني، حتى بالغ وقال: إن وضع اليد اليمنى على الذراع اليسرى بعد الركوع بدعة، ولكنه في الحقيقة قد بالغ في هذا الأمر، فإنه لا يصل إلى حد البدعة، مع وجود احتمال في الحديث، وما دام الاحتمال واردًا فإن من اجتهد ورأى أن هذا عام في القيام قبل الركوع وبعد الركوع لا يسمى مبتدعاً، لأنه يقول: إن هذا هو مدلول الحديث، فهو مجتهد، والصواب أنه ليس ببدعة، ولكن الشيخ عبد العزيز بن باز، يقول: إن وضع اليد اليمنى على الذراع اليسرى عام في القيام قبل الركوع وبعد الركوع. أما الإمام أحمد رحمه الله فقال: إنه بعد الركوع يخير، إن شاء أرسل يديه، وإن شاء وضع اليمنى على الذراع اليسرى، وكأن الإمام أحمد رحمه الله عليه لم يتبين له الأمر فرأى أنه واسع، وأن الإنسان إن وضع يده اليمنى على ذراعه اليسرى فحسن، وإن أرسلهما فحسن. وعلى كل حال، فإننا لا ننكر على من أرسلهما بعد الركوع، ولا نعنفه، بل نقول: هذا رأى والأمر واسع والحمد لله.

ناشر
المكتبة الرشدية
میرپور خاص (سندھ)